قُل لَّا یَسۡتَوِی الۡخَبِیۡثُ وَالطَّیِّبُ وَلَوۡ اَعۡجَبَکَ کَثۡرَۃُ الۡخَبِیۡثِ (القرآن)

حکیم الاسلامؒ

دار العلوم دیوبند کی

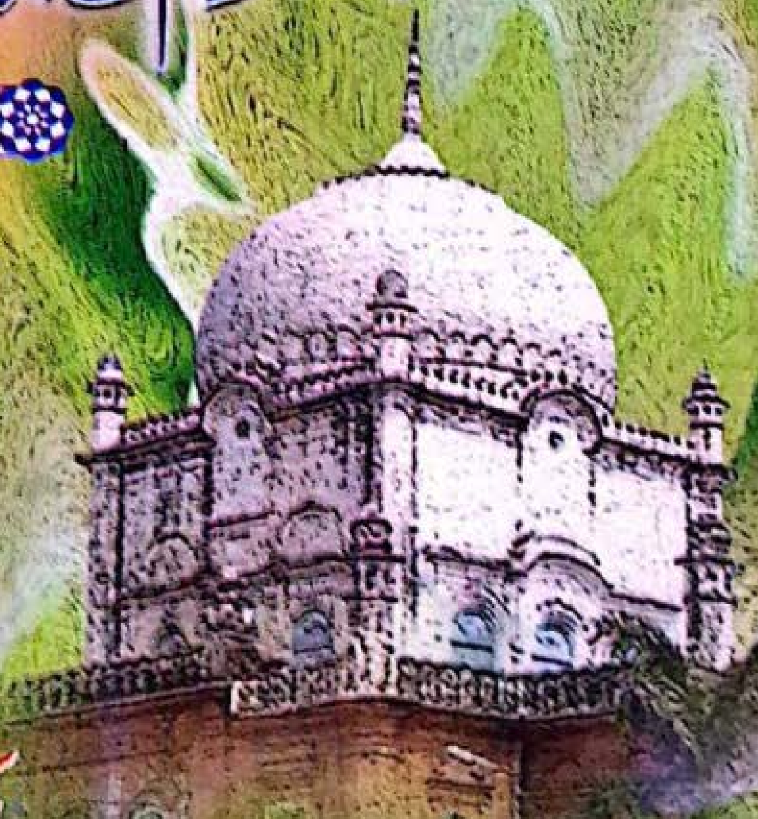
ایک

مظلوم شخصیت

حیات

خدمات

واقعات



تالیف

محمد سعد صدیقی

رکن شعبہ تنظیم و ترقی دار العلوم وقف دیوبند

ادارہ انوار القرآن دیوبند ۲۴۷۵۵۴ یوپی

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكُمْ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ

قرآن کریم

حکیم الاسلام

دار العلوم دیوبند

کی

ایک مظلوم شخصیت

حیات

واقعات

خدمات

جلد اوّل

تالیف

محمد اسعد صدیقی

رکن شعبۂ تنظیم و ترقی دار العلوم دیوبند

ادارہ انوار القرآن دیوبند (یوپی)

نام کتاب : حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کی ایک مظلوم شخصیت

نام مؤلف : محمد اسعد صدیقی، موبائل: 09359210265 , 09319255912

صفحات : ۵۴۴ (پانچ سو چوالیس)

قیمت : ....

سن اشاعت بار اوّل : نومبر ۲۰۰۶ء

مطبع : رمزی آفسیٹ پرنٹنگ پریس دیوبند

کمپیوٹر کتابت : الفضل کمپیوٹرس دیوبند (موبائل 09412525824)

ناشر : ادارہ انوار القرآن دیوبند (یوپی) پن کوڈ نمبر: ۲۴۷۵۵۴

موبائل: 09359210265 , 09319255912

ملنے کے پتے

- ادارہ تعلیمات اسلام دیوبند
- دارالکتاب دیوبند
- مسعود پبلشنگ ہاؤس دیوبند
- مکتبہ نعیمیہ دیوبند
- فیصل پبلی کیشنز دیوبند
- مکتبہ ملت دیوبند
- مکتبہ جاوید دیوبند
- ازہرا کیڈمی دیوبند

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

سوانحی خاکہ

کارہائے نمایاں

غیر ملکی تعزیتی خطوط

تلمیذ امام العصر حضرت علامہ کشمیریؒ

جدّ امجد الحاج حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب صدیقی دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ

شیخ الحدیث بیت العلوم مالیگاؤں

و مہتمم جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد

کی عظیم علمی خدمات

والدہ مرحومہ

اور

والد محترم کی

بے پناہ شفقتوں کے نام

پیش لفظ

میں اس بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ خداوند قدوس ایک ایسا کام مجھ سے لیں گے جو دنیا و آخرت میں میرے لیے سعادت کا سبب بنے گا اور جس کام کو صاحبِ قلم اور صاحبِ کمال انجام نہیں دے سکے وہ مجھ جیسے بے بضاعت کے ذریعہ انجام پائے گا مگر ربِ کائنات جس سے چاہیں جو کام لے لیں اور جس کے حصے میں جو چاہے سعادت لکھ دیں اس کی مہربانیاں اور عنایات مختلف شکلوں اور صورتوں میں ظاہر ہوتی ہیں یہ شکلیں اور صورتیں اس انداز اور اس طرح ظاہر ہوتی ہیں کہ عالم امکان میں دور دور تک اس کے آثار نظر نہیں آتے مگر جب وہ ارادہ کی دولت سے نوازتا ہے تو راہ خود بخود آسان اور راستے از خود کشادہ ہوتے چلے جاتے ہیں یوں تو ہر لمحہ رحمت باری کا نزول ہے اور ہر آن اسی کی بخششوں اور عطا کے تحت ہی گذرتے ہیں مگر بعض لمحے اتنے سعید اور بابرکت ہوتے ہیں کہ وہ زندگی کا عطر اور مجموعہ بن جاتے ہیں وہ گھڑیاں بھی بڑی مبارک تھیں جب سوانح حکیم الاسلامؒ ترتیب دینے کا خیال ذہن میں آیا بہت غور کیا کام کی طوالت اور مواد کی فراہمی پر نظر دوڑائی تو ہمت ساتھ چھوڑنے لگتی مگر پھر کھڑا ہوتا، ارادہ کرتا کئی سال مواد کے حصول مضامین کی فراہمی، مختلف حضرات سے رابطے میں گذر گئے میں لگا رہا اور اس کی پرواہ کئے بغیر کہ آخر یہ سب کیسے ہوگا۔

کتاب کی تیاری اور تکمیل کے یہ آخری چند ماہ بڑے جاں گسل تھے رات دن یہی

لگن تھی کہ سوانح کا کام پایۂ تکمیل کو پہنچے اور گذشتہ ۲۴ رسال میں جو کام نہیں ہو سکا اور جو حق ہم ادا نہیں کر سکے اس کی ادائیگی جلد از جلد کی جائے سوانح حکیم الاسلامؒ کی یہ تین جلدیں آپکے سامنے ہیں جنکی کتابت، طباعت، تصحیح وغیرہ پر بڑی محنت کی گئی ہے اگر کہیں کوئی جھول ہو، اغلاط ہوں یا کوئی کمی رہ گئی ہو تو اسے میری ناتجربہ کاری پر محمول کیجئے اور توقع رکھئے کہ اس سلسلے کا باقی کام اس سے اچھے معیار اور انداز میں سامنے آئیگا۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ اپنی ذات میں ایک انجمن، ایک ادارہ، ایک بزم تھے، وہ ستاروں کے بیچ ماہتاب تھے علم کا وقار، کمال کی معراج، زہد وتقویٰ کی مثال، حسن عمل، حسن فکر کا خوبصورت عنوان، صدق وامانت کا دلکش پیکر اور حلم ومتانت کا نورانی مجسمہ تھے ان کے کمالات، افکار وخیالات، زندگی کے مختلف پہلو، نشیب وفراز، اتار چڑھاؤ، عروج وبلندی، مقبولیت وشہرت، شب وروز کی مصروفیات، سفر وحضر کی داستان، اپنوں اور غیروں کے ساتھ سلوک، ادنیٰ واعلیٰ کے ساتھ نکھرے برتاؤ اور معاملات، نشست وبرخاست، رفتار وگفتار، لباس وپوشاک وغیرہ کے بیان کے لیے ایک ایسی سوانح کی ضرورت تھی جو ہر زاویے اور ہر سمت سے مکمل ہو اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ وہ تمام مواد یکجا کر دیا جائے جس سے آپ کی زندگی کے تمام پہلو سامنے آجائیں وہ اس دورِ آخر کی ایک ایسی شخصیت تھی کہ جس کے اس دنیا سے پردہ کرنے کے بعد پھر کوئی دوسرا نمونہ ہمارے سامنے نہ رہا ان کے رخصت ہو جانے کے بعد محرومیوں کا ایک سلسلہ قائم ہوا جو ٹوٹنے میں ہی نہیں آتا ان کی تنہا ذات ہمارے لیے ایک عظیم سرمایہ تھی اور وہ خالق کائنات کی ایک عظیم نشانی کے طور پر ایک نعمت کی صورت میں ہمارے سامنے موجود تھی۔

ان کی ہفت رنگ زندگی کو صحیح خراج تحسین ایسے ہی پیش کیا جا سکتا تھا کہ ان کا بڑا مبسوط تذکرہ سامنے آئے اور کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا جائے جو آپ کی زندگی کے ساتھ خاص تھا مختلف ابواب قائم کر کے اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے اہل

نظر انداز ہ لگا سکتے ہیں کہ پندرہ سو صفحات سے زائد تین جلدوں کے لیے کتنی راتیں دن کے اجالے میں اور کتنے دن شام کی صورت میں ڈھلے ہوں گے میں نے کوشش کی کہ کوئی چیز اس میں اپنی جانب سے نہ لکھوں اور نہ کسی مضمون میں کتر بیونت کروں اس لیے کہ جو شخص لکھ رہا ہے وہ اپنے تعلق، تاثر، عقیدت، محبت اور حقائق و واقعات کی روشنی میں لکھ رہا ہے اس کے جذبے اور تعلق کو جوں کا توں شامل کیا جائے اور جن سچائیوں کو انھوں نے بیان کیا ہے ان کو قلم زد کر کے نہ تاریخ کے ساتھ کھلواڑ کیا جائے اور نہ حقائق کے گلے پر چھری پھیری جائے اس لیے کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو ہزاروں واقعات گمنامی کے غار میں چلے جائیں گے اور بے شمار صداقتیں سسکتی اور بلکتی رہ جائیں گی وقت اس غفلت اور مصلحت پسندی کو کبھی معاف نہیں کرے گا ۲۴ رسال سے جس گناہ کے ہم مرتکب چلے آرہے ہیں ان کے کفارہ کی اس سے بہتر صورت اور کیا ہو سکتی تھی۔ اس بات کی وضاحت کرنا میرا فرض ہے اور دیانت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ حکیم الاسلامؒ کی زندگی کے آخری چند سال جس کرب، بے چینی اور زخموں سے چور گذرے ان کو بیان کیے بغیر آگے بڑھنا ظلم اور زیادتی ہے اس لیے کہ یہ سوانح جب ہی مکمل ہوگی کہ جب زندگی کا ہر نقش اور ہر واقعہ سپردِ قرطاس کر دیا جائے اور دیر ہی سے سہی عوام کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کر دیا جائے کہ وہ خود جان لیں اور سمجھ لیں کہ اچھا کیا تھا اور برا کیا، سچ اور جھوٹ کو وہ خود پہچان لیں اور ظلم وستم کے اس خونیں دور تک ان کی رسائی ہو جائے جسے وقت کی دیمک آہستہ آہستہ چاٹ رہی ہے اپنی اس بات میں مجھے ان واقعات سے بھی روشنی ملتی ہے جو دنیا کے برگزیدہ انسانوں کے ساتھ پیش آئے اور جن کو اس دَور کے انسانوں نے بلا کم وکاست بیان کر دیا قرآنِ کریم نے انبیاء اور رسل کے جو حالات اور واقعات بیان فرمائے ہیں ان میں بھی ان کا التزام کیا گیا ہے کہ ان کے اوصاف جمیلہ، کارہائے عظیمہ، عاداتِ حسنہ کو جہاں جہاں بتا دیا وہیں ان کی زندگی میں آنے والے خوفناک لمحات اور جاں گداز مراحل کا ذکر بھی ساتھ ساتھ کر دیا حضرت یوسف علیہ

السلام کے تذکرہ میں اگر بھائیوں کی زیادتی کا ذکر نہ ہو، موسیٰ علیہ السلام کے احوال میں اگر فرعون کی بابت گفتگو نہ ہو، ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت میں آنے والے امتحانات اور آزمائشوں کو شامل نہ کیا جائے، عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی قوم نے جو معاملہ کیا اس کو چھوڑ کر آگے بڑھا جائے تو حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات نامکمل رہیں گے جو ایسا کرتا ہے اور جو صاحبِ قلم ان کے ذکر سے دامن بچاتا ہے وہ منصف نہیں کہلایا جا سکتا حضورِ اکرم ﷺ کے ساتھ طائف والوں نے جو معاملہ کیا اور جس طرح آپ کو اذیت پہنچائی، تکلیفیں دیں کیا ان کا بیان خدانخواستہ حضورِ اقدس ﷺ کی مبارک زندگی میں اضافہ کہلائے گا سیرت کی لاتعداد اور بے شمار کتابیں ان حالات اور واقعات کو بیان کرتی ہیں جن کا سرورِ کائنات ﷺ نے سامنا کیا خود آپ کی زبانِ مبارک پر بھی ان اذیت ناک لمحات کا ذکر آیا ہے اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ حکیم الاسلامؒ کی زندگی کے ان لمحوں کو نظر انداز کرنا بھی سچ سے کترا کر گذر جانا ہے۔

اجلاس صد سالہ کے بعد ہی سے جو حالات پیدا کیے گئے اور مارچ ۱۹۸۲ء کی ایک رات جس طرح شب خون مار کر ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کو داغدار کیا گیا اس کی نظیر دور کے زمانے میں بھی نہیں ملتی ایک گروپ نے جس کی سربراہی از اوّل تا آخر مولانا اسعد مدنی صاحب نے کی اور اپنے اثر رسوخ، دولت، طاقت کے بل پر جس طرح حکیم الاسلامؒ کو مطعون کیا ان کی کردار کشی کی، ان پر الزامات لگائے، بہتان باندھے گئے، رکیک سے رکیک انداز اختیار کیا گیا وہ ناقابلِ فراموش ہے ہمیں یاد ہے اور دیوبند وغیرہ کے لاتعداد لوگوں کو یاد ہوگا کہ مدنی مسجد کے مقدس میناروں سے تین دن تک لگاتار اور مسلسل حکیم الاسلامؒ کو سب وشتم کیا گیا مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کا ایسا شرمناک استعمال نہ کبھی پہلے سنا اور نہ کبھی پہلے دیکھا گیا۔

مولانا اسعد مدنی اقتدار کے لیے اور دارالعلوم پر قبضہ کے لیے کس قدر بے چین

تھے اور زندگی کے نہ معلوم کتنے دن اور راتیں انھوں نے اسی فراق میں بتائی تھیں بہت بار اپنے اس منصوبہ میں رنگ بھرنے کی کوشش کی اور ایک مشہورِ زمانہ اسٹرائک بھی ان ہی کی پشت پناہی کا نتیجہ تھی مگر مولانا اسعد مدنی صاحب اس وقت مالی استحکام نہ ہونے، سرکاری سطح پر بے اثر ہونے اور کچھ زیادہ طاقت وقوت نہ رکھنے کی وجہ سے ناکام رہے مگر ان کے ارادے تبدیل نہ ہوئے اور انھوں نے جمعیۃ علمائے ہند سے عظیم اور بڑے لوگوں کو ذلیل ورسوا کر کے نکالنے اور پوری طرح قبضہ جمانے اور اپنی خاندانی جاگیر بنالینے کے بعد دارالعلوم کو اپنا ہدف بنایا خوب سے خوب مضبوط ہوئے، دولت سمیٹی، مال جمع کیا، افراد مہیا کئے اور پچھلی تاریخ جو عیدگاہ میں طلباء کے جمع ہونے کے بعد بھی ادھوری رہی تھی اب کی بار ادھورا نہ چھوڑنے کے لیے خزانوں کے منھ کھول دیئے دارالعلوم کو انتہائی مجبوری کی حالت میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے خالی کرایا مولانا اسعد صاحب مدنی نے دارالعلوم سے چند گز کے فاصلہ پر کیمپ قائم کرادیا داد دہش کے دروازے کھل گئے مسلم فنڈ کی برسوں سے جمع کی ہوئی دولت طلباء کی آؤ بھگت میں صرف ہونے لگی اپنے معتمد طلباء کے ہاتھوں میں رسیدیں تھمائی گئیں کہ وہ پورے ملک میں جائیں حضرت حکیم الاسلامؒ کے ظلم وجبر اور ستم وتشدد کی فرضی داستانیں بیان کریں مظلوم اور مجبور بن کر عوام کی ہمدردیاں سمیٹیں اور جو چندہ کریں وہ اپنی جیبوں میں رکھیں نہ کوئی حساب ہوگا اور نہ کچھ ادا کرنا ہوگا۔

اندرونِ دارالعلوم بھی اس بار ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی مولانا اسعد مدنی صاحب کے ہاتھ لگ گئی جو اس حقیقت کو سمجھ ہی نہیں پائی کہ مولانا اسعد مدنی صاحب کے ارادے کیا ہیں یا اگر سمجھی تو مستقبل کے سنہرے خواب اور اقتدار ومنصب کی چمک نے انھیں الٹا چلنے پر مجبور کر دیا اس سلسلے میں ''اصلاحی پروگرام'' کا پرچم ہاتھ میں لے کر ایک پُر جوش حالات سے قطعی بے پرواہ، نتائج سے بالکل بے گانہ اور مولانا اسعد مدنی کے ارادوں سے بالکل ناواقف انسان حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ ان کے

ساتھ ہوئے اور اس وقت تک لگے رہے جب تک دارالعلوم پر غاصبانہ قبضہ کی تکمیل نہ ہوگئی اور تب تک دارالعلوم کی ''اصلاح کے پروگرام'' کا نتیجہ خود ان کی ذلت آمیز علیحدگی یا برخاستگی کی صورت میں سامنے نہ آیا مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ بڑے حقائق بیان کرتے پھرے اور بڑی وجوہات اپنی علیحدگی کی لکھیں مگر اب کی باران کا واسطہ حکیم الاسلامؒ سے نہیں ایک ایسے شخص سے پڑا تھا جو مارے ظلم کرے اور رونے وبلبلانے کی اجازت بھی نہ دے اسی حسرت ناک حالت میں مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ دنیا سے رخصت ہوگئے۔

بات بہت طویل ہے ظاہر ہے کہ اس کو تفصیل سے بیان کرنے کا یہ موقع بھی نہیں سوانح حکیم الاسلامؒ کی چوتھی اور پانچویں اور ضرورت ہوئی تو اس سے آگے کی جلدیں بھی جہاں زندگی کے دیگر پہلوؤں کا احاطہ کریں گی وہیں اس کربناک صورت اور روحانی اذیتوں سے بھرے ہوئے واقعات کو بھی بیان کریں گی وہ تمام لٹریچر جو اس زمانے میں ہینڈ بل، کتابچوں، پمفلٹوں، پوسٹروں کی صورت میں سامنے آیا بلکہ آپریشن اور پوسٹ مارٹم کے نام سے جو منظوم صداقتیں اس زمانے میں دیوبند کے مشہور طنز و مزاح نگار نے بیان کیں ان کو بھی شامل کیا جائے گا اس کا بڑا مواد جمع ہو چکا تا کہ آنے والی نسل جب یہ معلوم کرے کیا ہوا تھا تو اس کو یہ دستاویز تھما دی جائے کہ لو پڑھو اس میں سب کچھ صاف اور کھلا ہے۔

میرے لیے یہ خوشی کا مقام ہے کہ جانشین حکیم الاسلامؒ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اور محترم مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے نہ صرف اس سوانحی کام کو بہ نظر احسن دیکھا بلکہ حضرت مدظلہ کا وقیع ''مقدمہ'' بھی کتاب کے لیے تائید ہے جس پر میں جتنی مسرت اور فخر کا اظہار کروں وہ کم ہے حضرت مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب مسعودی مدظلہ شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند، جگر گوشۂ حکیم الاسلام متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم

صاحب قاسمی مدظلہ استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم وقف دیوبند نبیرۂ حکیم الاسلام مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اور ملک کے نامور اہل قلم نبیرہ انور حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر صاحب استاذ دارالعلوم وقف دیوبند کے ارشادات وتقریظات کا شکریہ نہ کرنا احسان فراموشی ہوگا ان سب حضرات کی مہربانیوں اور لطف وعنایات کے لیے شکر گزار ہوں۔

برادرم مولانا شاہد صاحب قاسمی (بھتورا، مدھوبنی) خادم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ نائب رجسٹرار جامعہ دینیات دیوبند نے قدم قدم پر مواد کی فراہمی میں مدد کی، برادرم جناب شمیم مظفر صاحب جو خوش فکر شاعر اور ہمارے دَور کے اچھے غزل گو ہیں انھوں نے رات دن لگا کر کتاب کی تصحیح جس مستعدی کے ساتھ کی، برادرم لقاء الرحمٰن صاحب کمپیوٹر آپریٹر نے جس ہمدردی، تندہی اور قلیل وقت میں کمپوزنگ کی اس کے لیے تمام حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں خداوندِ قدوس ان تمام حضرات اور دوستوں کو اس عظیم کام کا اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

برادر محترم جناب ہشام قاسمی صاحب (ابن حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی مدظلہ) ہر مرحلۂ زندگی میں میرے محسن اور کرم فرما ہیں کشادہ دست، وسیع القلب اور فراخ طبیعت کے مالک ہیں اپنے داداؒ کی اس سوانح کے لیے انھوں نے جس خلوص، محبت، جذبہ اور تعاون کا معاملہ فرمایا وہ ان ہی کا حصہ تھا ان کی خدمت میں بھی ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں۔

جناب محترم غفران ہاشمی صاحب (ابن حضرت مولانا رحم الٰہی صاحبؒ استاذ دارالعلوم دیوبند) اگر مالی بوجھ برداشت نہ کرتے اور کثیر رقم صرف نہ کرتے تو یہ کتاب کبھی منظرِ عام پر نہیں آسکتی تھی غفران ہاشمی صاحب ایک صاحبِ بصیرت انسان اور باخبر شخص ہیں ان کے والد صاحبؒ ولیٔ کامل، اپنے دَور کے مستجاب الدعوات بزرگ اور صاحبِ حال شخصیت کے مالک تھے ان کے بلند مرتبے، زہد وتقویٰ کا اندازہ اس

سے لگایا جاسکتا ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ان کا بے حد ادب واحترام فرماتے تھے محترم غفران ہاشمی صاحب کا دل کی گہرائیوں سے احسان مند اور ممنون ہوں رب العالمین ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!۔

آخر میں یہ عرض کردوں کہ ہوسکتا ہے کہ پیش لفظ یا کتاب کے کچھ مندرجات کے لیے ایک طبقہ یہ رخ اختیار کرے کہ اتنے لمبے زمانے کے بعد اس بحث کو چھیڑنے کی ضرورت کیا تھی یا صلح کا عمل سامنے آنے کی وجہ سے ان سچائیوں کو دفن ہی کردینا بہتر تھا تو ان حضرات سے عرض ہے کہ یہ تو حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ کی خاندانی، نسبی ذاتی شرافت اور سادہ لوحی تھی کہ وہ مولانا اسعد مدنی صاحب کے ذریعہ اسٹیج کئے گئے آخری ڈرامے کا بھی کردار بن گئے ورنہ اپنے باپ سے گہری محبت رکھنے والا شخص اور اس کا گھر کیسے برداشت کرسکتا ہے اور کیسے بھول سکتا ہے کہ ان کے خاندان کے اعلیٰ فرد کو کس طرح زخمی، مجروح اور لہولہان کیا گیا حضرت وحشیؓ اسلام لے آئے مگر اپنے شہید چچا حضرت حمزہؓ کی مظلومیت اور کرب انگیز شہادت کو بھلا دینا کائنات کے عظیم ترین انسان، خاتم نبوت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ممکن نہ ہوا اس کو پیش نظر رکھئے اور کتاب کا مطالعہ شروع کیجئے۔

محمد اسعد صدیقی
رکن شعبۂ تنظیم وترقی دارالعلوم وقف دیوبند
۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ برادرم محمد اسعد صدیقی کا

ایک تاریخی کارنامہ

نبیرۂ انور ابن الازہر مولانا سید نسیم اختر شاہ قیصر
استاد دارالعلوم (وقف) دیوبند
مہتمم الجامعۃ الانوریہ محلّہ خانقاہ، دیوبند

انسان نے اپنی تاریخ کو محفوظ رکھنے کا ابتداء سے اہتمام کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ قدیم ترین زمانے کے احوال آثار اور واقعات بھی ہم کو تلاش وجستجو کے بعد مل جاتے ہیں، اس دور سے لے کر جب انسان اشاروں اور کنایوں میں گفتگو کرتا تھا اور اپنی طلب، مافی الضمیر اور ضروریات کے اظہار کے لیے حروف والفاظ کی کوئی ترتیب قائم نہیں ہوئی تھی اور نہ وہ ان کے اظہار پر قادر ہوا تھا اس زمانے کے جھلکیاں بھی قدیم ذخیرۂ تاریخ میں اپنے مکمل خدوخال کے ساتھ تو نہیں ملتیں مگر اندازے کی حد تک کچھ چیزیں ضرور سامنے آتی ہیں، پرانی تہذیبوں اور گذری زندگی کی روایتوں کے کچھ نقوش بھی مل جاتے ہیں، پتھروں کے زمانے سے گذر کر انسان کے قدم ارتقائی منزلوں کی طرف بڑھتے رہے، اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے سبھی سامان اس نے فراہم بھی کر لیے اور ان کے نام بھی وضع ہوتے چلے گئے۔

اسلام سے پہلے خصوصاً عرب کا جو حال تھا بلکہ عالم انسانیت جس طرح سسک اور بلک رہا تھا اس کی سچائیاں بھی ہمارے سامنے ہیں، نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب قوم زندگی کی جن خباثتوں اور کثافتوں میں گھری ہوئی تھی سماج اور معاشرہ گناہوں اور معاصی کی تیز آندھیوں میں جس طرح جھلس رہا تھا ان سب پر بھی پورا عالم

واقف ہے، حضور اقدس ﷺ نے نعرۂ توحید بلند کیا اور اعلان نبوت فرمایا تو اوّل دن سے آخر لمحۂ حیات تک آپ کی حیات مبارکہ، شمائل فاضلہ، عادات مطہرہ، اپنے جزو کل کے ساتھ ہمارے سامنے موجود ہیں، نبی کریم ﷺ کے شب و روز کے احوال، مصروفیات وغیرہ کا حال اس اہتمام کے ساتھ سمیٹا اور محفوظ رکھا گیا کہ دنیا کی کسی دوسری شخصیت کی زندگی کے دو چار ماہ کے حالات بھی اس مستند اور مستحکم انداز میں ہمیں نہیں ملتے۔

اس سے اوپر کی بات کریں تو آخری آسمانی کتاب قرآن کریم میں بھی خداوند عالم نے اپنی پاک کتاب میں اس کا اہتمام فرمایا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ گذشتہ اقوام و ملل کے قصے، افراد و اشخاص کے حالاتِ زندگی، نصیحت و موعظت سے بھرپور واقعات، انبیاء و رسل کی پاکیزہ زندگی کے مختلف پہلو، کامران اور بامراد قوموں کا تذکرہ، تباہ و برباد ملتوں کا ذکر، عذاب میں گرفتار آبادیاں، صفحۂ ہستی سے مٹتی ہوئی بستیاں، فرعون کا تمرد، نمرود کی سرکشی، عیسیٰ کے حالات، موسیٰ کا ید بیضا اور عصا، ابراہیم کا ایثار، اسماعیل کا جذبۂ اطاعت ان سب کو قرآن کریم نے اپنے خاص اسلوب اور طرز کے ساتھ ادا کیا ہے بلکہ خود خالق کائنات کی مختلف صفات کو بھی حسب ضرورت اور حسب موقع قرآن کریم میں پیش کیا گیا، کہیں ارشاد ہوا: اللّٰہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم، کہیں پر: لا الٰہ الّا ھو الرحمن الرحیم، کسی جگہ: بدیع السمٰوٰت والارض و اذا قضیٰ امراً فانّما یقول لہ کن فیکون، کسی موقع پر: تو لج اللیل فی النہار و تولج النہار فی اللیل وتُخرج الحی من المیت وتخرج المیت من الحی، اور کبھی: وھو السمیع البصیر، اور کسی مقام پر: ربّ السمٰوٰت والارض، کہیں پر: ان اللّٰہ علی کل شیٔ قدیر، فرمایا گیا اور متعدد مواقع پر صفات ربانی کا خاص انداز میں نقشہ کھینچا گیا، گویا کہ اسلام نے عقائد و فکر، اور سوچ کے دھاروں کو نیا رخ دینے کے ساتھ نصیحت خیز اور سبق آموز قصص و واقعات کو محفوظ رکھنے کا ذوق بخشا، امت نے بھرپور طریقہ پر اس طرز کو اپنایا، چنانچہ سیرت نبی کریم

ﷺ پر جتنا بڑا ذخیرہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ہمیں ملتا ہے اس کی کوئی دوسری مثال تاریخ کے کسی موڑ پر ہمیں نظر نہیں آتی، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مقدس زندگیاں، تابعین اور تبع تابعین کی خدمات جلیلہ، علمائے دہر کے کارنامے، اساطینِ امت کی مجاہدانہ کوششیں، اولیاء اللہ کی اصلاحی تگ وتاز اور ہر دور کے بلند و بالا انسانوں، خدارسیدہ بندوں، عالی مقام بزرگوں، اولوالعزم اشخاص، انقلابی شخصیتوں اور ممتاز افراد کی حیات اور کارناموں کو بیان کیا جاتا رہا۔

دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جن لوگوں نے ڈالی تھی ان کی دوربین نگاہیں اسلام کے سر پر منڈلاتے ہوئے خطرے کے بادلوں کو دیکھ رہی تھیں، انہوں نے اپنی فراست ایمانی سے سمجھ لیا تھا کہ ہندوستان میں اسلام کی بقا کے واسطے اور دینی علوم کی اشاعت اور اسلامی تہذیب وتمدن کو باقی رکھنے کے لیے مدرسہ کا قیام ناگزیر ہے، اس درسگاہ کا اولین مقصد یہ قرار پایا کہ یہاں سے اسلام کے وہ نڈر سپاہی نکلیں جو زندگی کے طویل اور وسیع میدان میں اسلام کی صحیح خدمت انجام دے سکیں، اخلاص ان اکابر کا اثاثہ تھا اور نیتوں کا کھرا پن اصل دولت، رضائے رب ان کا منشاء اور مسلمانانِ ہند کی دینی خدمت ان کا جذبۂ عظیم، یہ درخت لگا اور بہت تیزی کے ساتھ تناور ہو گیا اس کے مالی بدلتے رہے مگر اس کی جڑوں میں پانی دینے کا عمل جاری رہا، یہاں تک کہ پھر یہ ذمہ داری حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علمی یادگار، شمس العلماء حضرت مولانا محمد احمدؒ کے صاحبزادے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بظاہر نازک بباطن مضبوط اور توانا کاندھوں پر آپڑی اور یہیں سے دارالعلوم کے روشن اور تاریخی دور کا آغاز ہوا، ساٹھ سال کا طویل عرصہ انہوں نے مسند اہتمام پر گذارا یہ ساٹھ سال دارالعلوم دیوبند کی علمی، انتظامی اور ترقیاتی کاموں کے سنہرے سال ہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو زمام اہتمام سپرد کی گئی اور جو امیدیں ان کی خداداد صلاحیتوں کو دیکھ کر لگائی گئیں تھیں وہ ان پر کھرے

اترے، کونسا گوشہ ہے جسے حکیم الاسلام نے زندگی عطا نہ کی ہو، دارالعلوم اپنی عمارات کے اعتبار سے بڑھا اور پھیلا علمی، تحقیقی، اور تدریسی آسمان کی بلندیوں پر پہنچا، انتظام اور ترقیات کی نئی تاریخ رقم کی، شہرت اور مقبولیت اوراعتماد اس کو نہ صرف ہندستان میں بلکہ عالمی سطح پر حاصل ہوا، اس کی عزت اوراس کے وقار میں اضافہ ہوا، یہاں یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ وہ خاص طور پر مسلمانان ہند کی نگاہوں کا مرکز بن گیا، انہی کے دور مسعود میں علماء، فضلاء، مفسرین، محدثین، ماہرین علوم وفنون، ادباء اور قلم کار، مصنّفین ومؤلفین، خطباء و واعظین، مقررین ومبلغین، مجاہد ومناظر پیدا ہوئے کہ ہندوستان کی کوئی دوسری دینی درسگاہ ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔

حکیم الاسلام سرتاجِ علماء تھے، مسندِ اہتمام کا وقار تھے، جماعتِ دیوبند کے ترجمان تھے، روایتوں کے امین اور اسلاف کی پاکیزہ زندگیوں کا نمونہ تھے، خطابت نے اس دورآخر میں ان کی ذات میں امان پائی ایسا آسان، سہل، نادراور عالمانہ بیان کہ جیسے آسمان سے رحمتوں کی پھواریں پڑ رہی ہوں، تکلم سو جان سے ان پر صدقے اور بیان کے تمام محاسن ان کا ذات پر ختم، تحریروقلم میں ان کا رنگ جداگانہ اور منفرد تحقیق بھی، عمق بھی، وسعت بھی اور ہمہ گیری بھی، خوبصورت، نازک اور من موہ لینے والی تحریریں اور کتابیں اپنی زبان اور لب ولہجہ کی خودداد وصول کرتی ہوئیں، مردہ عنوانات میں جان ڈالی، اور معروف موضوعات کو نئی لذتوں سے آشنا کیا معاصران کو حیرت سے تکتے، چھوٹے عقیدتوں کے پھول نچھاور کرتے اور عوام انہیں اپنی پلکوں پر بٹھاتے، وہ جہاں گئے اور جہاں رہے دیوبندیت کا پرچم ان کے ذریعہ بلند ہوتا رہا، مسند تدریس پر بیٹھتے تو برسہابرس سے تدریس سے وابستہ لوگ بھی وہاں سے کچھ لے کراٹھتے، بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، حجۃ اللہ البالغۃ وغیرہ میں یادگار قاسمؒ وانورؒ کی بلند پروازیاں دیکھنے سے تعلق رکھتیں، پھر کردار وعمل کی طرف آیئے تو یہاں کی دنیا ہی دوسری تھی حلم، بردباری، سنجیدگی، متانت، لحاظ، مروت، دل داری وپاسداری، نسبتوں کی رعایت،

زبان کا مٹھاس، معاملات کی صفائی، ضابطوں کا اہتمام، رابطوں کا خیال، مفاد دارالعلوم کی ہمہ وقت فکر، صبر اور تحمل، طبیعت کی نفاست، لباس کی عمدگی، قول وفعل میں یکسانیت، خوش اخلاقی وملنساری، اسلامی آداب کا پاس، خوردوں پر شفقت، بڑوں پر احسانات، کردار کی پختگی، نمازوں کا اہتمام، عبادات میں شغف، تلاوت و ذکر کی پابندی، سفر و حضر میں اپنے معمولات کو پورا کرنے کا شوق و جذبہ، انتظام پر پوری نظر یہ سب وہ اوصاف ہیں جو حکیم الاسلامؒ کی صد بہار زندگی کے وہ پہلو ہیں جن کو دنیا کے سامنے پیش کیا جانا چاہیے۔

۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء سے لے کر آج ۱۳ر اگست ۲۰۰۶ء تک حکیم الاسلا رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی سوانح منظر عام پر نہیں آسکی یہ ایک المیہ بھی ہے اور حسرتناک صورت حال بھی اب بادل چھٹ رہے ہیں اور ایک جواں ہمت شخص برادرم حاجی محمد اسعد صدیقی صاحب رکن دارالعلوم وقف دیوبند و میونسپل کمشنر وچیئرمین ہاؤس ٹیکس دیوبند نے اس کام کا بیڑہ اٹھایا ان کی خوش قسمتی یہ ہے کہ انہیں بہت سالوں تک حکیم الاسلامؒ کے ساتھ سفر و حضر میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، انہوں نے قریب سے حضرت کی زندگی، ان کے شب وروز، ان کی علمی، دینی قلمی اور تحریری سرگرمیوں کو دیکھا ہے، یہ کتاب جو آپ کی نظروں کے سامنے ہے ان کی کئی سال کی سخت محنت، جد جہد، لگن شوق اور جذبہ کا حاصل اور ثمرہ ہے اس موقع پر یہ کہنے کو دل چاہتا ہے ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

ان کی ہمت ان کے حوصلے کو صرف خراج تحسین کے الفاظ کے ذریعہ نہیں سراہا جاسکتا، بلکہ میں ان کو سلامِ عقیدت پیش کرتا ہوں برادرم حاجی محمد اسعد صاحب صدیقی رکن شعبۂ تنظیم وترقی دارالعلوم وقف دیوبند کی مرتب کردہ اس کتاب میں ان کے قلم نے کوئی گل نہیں کھلایا، انہوں نے نہ کسی تحریر اور مضمون کے ساتھ چھیڑ خانی کی، نہ حذف و اضافے کی ہی کوشش کی، ہر مضمون اور ہر تحریر اپنی اصل شکل میں شامل کردی

ہے اب یہ مطالعہ کرنے والوں پر موقوف ہے کہ وہ اس کو کس زاویے اور کس رخ سے دیکھتے ہیں، اس کتاب میں حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے ہر پہلو کو جانا اور سمجھا جاسکتا ہے گویا کہ یہ پہلی مکمل سوانح حیات ہے جس میں حکیم الاسلام کی زندگی کے تمام رنگ بکھرے ہوئے ہیں اور ہر رنگ اتنا گہرا اور پختہ ہے کہ سوانح حکیم الاسلامؒ پر کام کرنے والے ہر شخص کے لیے یہ کتاب بنیاد فراہم کرتی ہے، اور جیسا کہ لکھا جاچکا حکیم الاسلام کی زندگی کے ہر نقش کو مؤلف کتاب نے مختلف عنوانات کے خانوں میں اس طرح ترتیب دیا ہے کہ اس کتاب سے بہت سی راہیں کھلتیں اور حکیم الاسلام کی حیات کے بے شمار پہلو سامنے آتے ہیں، پیدائش سے لے کر بچپن، بچپن سے لے کر جوانی، جوانی سے لے کر بڑھاپے، اور بڑھاپے سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک ہر تصویر متحرک ہے، شب وروز کے احوال، تحریری اور قلمی خدمات، تقریر وخطابت کے کمالات، اہتمام وانتظام کی انفرادیت، دینی رہنمائی اور رہبری کے اختصاصات سب کچھ اس کتاب کا حصہ ہیں، اس کارنامے کے لیے میں برادرم محترم حاجی محمد اسعد صدیقی صاحب رکن شعبہ تنظیم وترقی دارالعلوم وقف دیو بند کو مکرر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور کتاب کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت کی دعا کرتا ہوں۔

نسیم اختر شاہ قیصر

خادم تدریس دارالعلوم (وقف) دیو بند

۱۸؍رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

۱۳؍اگست ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

نبیرۂ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

عارف باللہ حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا محمد طیبؒ صاحب نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، بانی وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی عبقری شخصیت کوحق تعالیٰ جل مجدہ نے اپنی عطاء خاص اور بے پایاں فضل وکرم سے بے شمار فضائل وکمالات سے سرفراز فرمایا تھا، اگر حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ کے محض سرعنوان کی ترتیب ہی قائم کی جائے تو علماء، صلحا، دانشوران امت، مشاہر ملت اوراہل فکر ونظر کے نزدیک اس کی تصویر کچھ اس طرح بنتی ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ اپنے دور کے جید ترین حافظ، صاحب کمال عالم دین، قوی النسبت شیخ طریقت، بے مثل وبے بدل خطیب، صاحب طرز ادیب، نامور متکلم، نکتہ رس فلسفی، قادرالکلام شاعر، کامیاب ترین مدرس، شگفتہ قلم مصنف، حکمت قاسمیہ کے شارح، روایات سلف کے امین، مسلک دیوبند کے امام، اور نہ صرف اپنی نسبی اور علمی اولاد واحفاد قاسمی کے لیے بلا تفریق وامتیاز امت کے ہر اصلاح طلب فرد کے لیے مجسم شفیق وخلیق تھے، قدرت فیاض نے حضرتؒ کو مذکورہ صفات جمیلہ کے ساتھ ساتھ عقل ودانش فہم وفراست، حلم ووقار، تعمق فکر ونظر، علوم معارف اور اسرار شریعت وطریقت کے گنجلک وپیچیدہ مسائل کو بالتسہیل بیان کرنے کی موہبۂ من اللہ صفت عالیہ، حسن تدبیر انتظام وانصرام کی اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے خزانوں سے قابل رشک حصہ عطاء فرماکر امت کے قلوب میں محبوبیت، مرجعیت ومرکزیت کی پہچان اور علامت بنادیا تھا۔

بالخاصہ وعظ وخطاب کے ملکہ راسخہ اور قوت بیانیہ کوحق تعالیٰ نے عالمی سطح پر ایسی

مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ معاصرین میں فکر ونظر سے اختلاف رکھنے والے ارباب علم بھی اس موہبۂ من اللہ وصف خاص کے باب میں مبنی برحقیقت وصداقت اعتراف کے ساتھ رطب اللسان نظر آتے ہیں، اور بلا شک وشبہ واقعہ بھی یہ ہے کہ عند اللہ و عند الناس مقبولیت کی اس سے زیادہ روشن دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ آج حضرتؒ کی وفات پر ربع صدی گذر جانے کے باوجود تصانیف وتقاریر کا محفوظ گنج گرانمایہ موجودہ نسل کے لیے نعمت غیر مترقبہ کے طور پر مقبول ومطلوب ہے۔

بواسطۂ حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دار العلوم دیو بند، حضرت الامام الکبیر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے بلیغ علوم ومعارف اور اسرار شریعت سے حضرت حکیم الاسلامؒ نے متوارثاً جو علمی ذوق پایا تھا، اگر فکر تعمق کے ساتھ حضرت حکیم الاسلامؒ کی تحریرات کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا عکس جمیل حضرتؒ کی تصانیف ودیگر تحریرات میں صاف جھلکتا ہے، گویا قرآن واحادیث کی تشریحات کو علم کلام کے مستدلات سے عقل انسانی کے لیے کلّموا علی عقولھم کے مطابق قابل رسا بنا دیا ہے، اور اسی امتیازی خصوصیت کی بنیاد پر برصغیر ہند وپاک اور بنگلا دیش کے علاوہ ساؤتھ افریقہ اور انگلینڈ کے علمی اور عوامی حلقوں میں یکساں طور پر حضرتؒ کی تصانیف کو قبولیت عامہ حاصل ہوئی، بلکہ متفرق طباعتی اداروں نے علمی اور عوامی حلقوں کی طلب کے پیش نظر ہزار ہا ہزار ایڈیشن شائع کیے ہیں، اور تادم تحریر مانگ اور طلب نہ صرف وہی ہے بلکہ روز افزوں ہے۔

دار العلوم دیو بند کی ہمہ جہت ہمہ گیر انتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ حضرت علیہ الرحمہ کے دعوتی مشن کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی، ہر تصنیف کا بنیادی منشاء دعوت ان کے فطری وطبعی مزاج کا غماز ہے، اگر ایک ایک تصنیف کی دقت نظر کے ساتھ تحلیل کی جائے تو مقدمہ ہی بذات خود ایک مستقل تصنیف بن جائے گی، تاہم مصنف کے دعوتی ذوق ومزاج کی تفہیم کے لیے ''دینی دعوت کے قرآنی اصول'' نامی کتاب کا حوالہ

کافی ہے جس میں روایت و درایت کے ساتھ ساتھ عقلی مستدلات کے ذریعہ علمی التباسات کا ازالہ کرتے ہوئے دلنشیں انداز بیان کے ساتھ دعوت اسلام کے ایجابی پہلو یعنی باہمی محبت و مروت اور سلبی پہلو یعنی شدت وغلظت، اس بات کو زیادہ واضح انداز میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی حفاظت واشاعت اور اسلام کی مدافعت کے خطوط تعلیمات نبوی کی روشنی میں ایک داعی اسلام کے سامنے کس طور ہونے چاہئیں، جس سے کہ دعوت کے اصل مقصد و منشاء کے تقاضے بحسن وخوبی پورے ہوں، کتاب مذکور کے حوالے سے مقصدی اعتبار سے ان چند باتوں کے ذکر سے منشاء دراصل یہ ہے کہ حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی منجملہ دیگر بہ عطائے خداوندی ممتاز ترین خصوصیات میں اس وصف کا خاص ذکر کیا جائے، بالخاصہ ان لوگوں کے لیے جنہوں نے یا تو حضرت علیہ الرحمہ کو بالکل نہیں دیکھا یا اگر دیکھا ہے تو وہ ان کی عمر کا لاشعوری دور تھا، تاکہ وہ اس حقیقت کا ادراک کرسکیں کہ حق تعالیٰ وجل مجدہ کس طرح کسی ایک فرد سے پوری ایک جماعت کا کام لے سکتے ہیں۔

حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی عظیم المرتبت اور رفیع الشان شخصیت پر تعارفی کلمات تو اہل علم ہی لکھ سکتے ہیں، تاہم حضرت حکیم الاسلامؒ کی شخصیت کے ساتھ سرتاپا محبت واخلاص کے بے لوث تعلق رکھنے والے برادر مکرم جناب حاجی محمد اسعد صدیقی صاحب نے حضرت کے پوتے ہونے کے نسبی تعلق کی بنیاد پر مجھ جیسے کوتاہ علم انسان کی نسبت خاندان قاسمی سے اپنے عقیدت مندانہ قلبی تعلق کے سبب حسن ظن قائم کرلیا اور اس پر اصرار کیا کہ میں پیش آہنگ کے طور پر چند کلمات لکھوں، ایک طرف اپنی علمی کم مائیگی کا احساس دوسری طرف ان کے حسن ظن کا معاملہ، ورنہ حقیقت تو بہرحال یہی ہے کہ ذرہ کو آفتاب سے کیا نسبت، بہرحال ان کے شدید اصرار پر یہ چند طالب علمانہ کلمات تحریر کردئے ہیں۔

برادر محترم جناب حاجی محمد اسعد صدیقی صاحب نے اپنی جس شبانہ روز محنتوں

اور کاوشوں سے نہایت عرق ریزی کے ساتھ یہ عظیم الشان کام انجام دیا ہے اس کے لیے موصوف بلاشبہ لائق مبارک باد ہیں، بارگاہ رب العزت میں دعاگو ہوں کہ حق تعالیٰ موصوف کو اس کارِ عظیم کے صلے میں دارین میں کامیابیاں و کامرانیاں عطا فرمانے کے ساتھ ساتھ اس مخلصانہ محنت و کاوش کو قبولیت عامہ عطا فرمائیں۔

آمین یا ربّ العالمین۔ وما توفیقی الّا باللہ

محمد سفیان قاسمی

نائب مہتمم، دارالعلوم دیوبند (وقف)

۵/رجب المرجب ۱۴۲۷ھ

۳۱/جولائی ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رائے گرامی

حضرت حکیم الاسلام ایک گراں مایہ شخصیت

جگر گوشۂ حکیم الاسلام متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب مدظلہ
استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم وقف دیوبند

خدا کی یہ دنیا ہمیشہ دو طبقوں میں بٹی رہی ایک خدا کا فرماں بردار طبقہ دوسرا خدا کا باغی طبقہ، پھر اس باغی طبقے میں بھی ایک گروہ خالق کائنات کا ماننے والا اور دوسرا سرے سے خدا منکر اور دہریہ۔ یہ دوسرا طبقہ مخصوص ذہن کے فلسفیوں کا گروہ ہے جسے خیر سے ''مفکرین'' کا طبقہ کہا جاتا ہے یورپ میں بقول بعض تین مشہور مفکر گذرے ہیں جو تینوں جرمن تھے، ایک مارٹن لوتھر جس نے کلیسا کی اصلاح، بائبل کی طرف رجوع اور پوپ و پادریوں کے غیر معمولی اقتدار کی حد بندی کئے جانے کی طرف دعوت دی، اس مسیحی مفکر نے پورے یورپ پر بہت گہری چھاپ چھوڑی اور یہی مفکر عیسائیت میں ''پروٹسٹینٹ'' فرقے کا بانی ٹھہرا۔

دوسرا مفکر ''کانٹ'' تھا جس نے یورپ کی عقل پرستی کی تردید کرتے ہوئے اس کی حدیں مقرر کیں، اس مفکر اور اس کی دو کتابوں ''تنقیدِ عقل خالص'' اور ''تنقیدِ عقل عملی'' کا مغربی فکر و فلسفہ پر گہرا اثر ہے تیسرا مفکر ''نٹ شے'' ہے جو ایک سر پھرا مفکر رہا ہے کیوں کہ اس نے اخلاقیات، اجتماعیات اور مسیحی نظام کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور عمر بھر اپنے گردو پیش کی دنیا اور افکار و مسلّمات کے خلاف لڑتا رہا۔ ان تینوں نے اپنے اپنے مکاتبِ فکر پیدا کئے اور ہر ایک اپنی جگہ ایک دبستانِ فکر کا بانی اور انقلابی

فلسفہ کا حامل تھا، جس کا اعتراف خود جرمنی سمیت پورے یورپ کو ہے۔

دوسری طرف خدا شناس طبقہ ہے جو ہر دور اور ہر زمانے میں رہا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس کے متعلق فرمایا گیا۔

أُوْلٰئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط (سورۃ:۵۸، آیت:۲۲)

ترجمہ: ان لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان ثبت کر دیا ہے اور قوت دی ہے ان کو اپنے فیض سے (یعنی نور سے)

پھر آگے ارشاد ہے:

أُوْلٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَا اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۲۲-۵۸)

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے۔ خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

یہی طبقہ ہے جس سے انسانیت زندہ ہے اور آدمی اخلاقی قدروں کا پابند ہے ورنہ فاتحین وسلاطین کی رزم آرائیوں اور اُمراء نوابین کی بزم آرائیوں کے درمیان محروم انسانیت سسکتی اور تڑپتی رہتی۔

یہ اللہ کی شان کریمی ہے کہ اس نے اللہ والوں اور علمائے دین کی فلک بوس شخصیات سے تاریخ کے کسی دور کو تہی دامن نہیں رکھا، ہر زمانے میں شخصیت گر مراکز اور ادارے بھی وجود میں آتے رہے اور ان کے ذریعہ اللہ کے دین کو سنبھالنے والے دین کے خادم بھی اس مادرِ گیتی پر ابھرتے رہے اسی خدائی نظام کے تحت حضرت الامام نانوتویؒ کے ہاتھوں دارالعلوم دیوبند جیسا عظیم ادارہ وجود میں آیا جس کے ذریعہ ایک سے بڑھ کر ایک دینی شخصیات ظہور میں آئیں۔ ان ہی بلند قامت شخصیات میں ماضی قریب کی ایک عظیم وقد آور شخصیت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کی ہے جنھوں نے اپنے علوم وخدمات اور صلاحیتوں کی اپنے دور میں ایسی گہری چھاپ چھوڑی جسے زمانے کی گردشیں کبھی ماند نہ کرسکیں گی۔

حضرت والا رحمہ اللہ کی ذات اپنے آپ میں ایک انجمن تھی کہ حق تعالیٰ نے

آپ کو گوناگوں اعلیٰ صفات وخصائل سے نواز کر جماعت دارالعلوم کے درمیان ایک نابغہ روزگار ہستی کے روپ میں ڈھال دیا۔ اپنے معاصرین کے درمیان آپ ایک غیر متنازعہ اور انتہائی محترم شخصیت تھے جس کے نام پر تمام علمائے وقت متفق رہے۔ ایک طرف آپ کو حضرت الامام نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی خاندانی نسبت حاصل تھی کہ آپ امام نانوتویؒ کے پوتے ہونے کی وجہ سے جماعت میں ایک ممتاز مقام کے حامل تھے۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے انتقال کے بعد پوری جماعت نے باتفاق رائے آپ ہی کو اس اہم عہدے کا اہل سمجھتے ہوئے اس ادارے کی باگ ڈور آپ کے ہاتھوں میں دیدی، ظاہر ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی امانت کو سنبھالنے اور پروان چڑھانے کے لیے ان کے نسبتی، نسبی اور علمی وارث سے بڑھ کر اور کون اس منصب کا امین ہوسکتا تھا چناں چہ حضرت تھانویؒ کے کلمات بھی اسی حقیقت کو نمایاں کرتے ہیں کہ اگر بانی ادارہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے خاندان میں کوئی شخصیت علم وفضل اور خلوص وللّٰہیت کے لحاظ سے اہل ہوتو وہی لائق ترجیح ہوگی۔

پھر یہ کہ حق تعالیٰ نے آپ کو علم وعمل کی دولت سے فیاضی کے ساتھ سرفراز فرمایا کہ دورانِ تعلیم بھی آپ کا شمار ذی استعداد، ہونہار اور ذہین ومحنتی طلباء میں رہا اور بعد فراغت جب آپ نے عملی زندگی میں قدم رکھا تو ان علوم دینی کا نور آپ کی چال ڈھال اور رفتار وگفتار میں بتمام وکمال نمایاں ہوا آپ کی متانت وسنجیدگی حلم ومروّت اور اخلاق وعادات میں اسلاف کی جھلک نمایاں رہی، پھر سب سے بڑھ کر آپ کی نکتہ آفرینی ونکتہ سنجی، علمی مسائل میں دقیقہ رسی، قوت استدلال اور استحضارِ مسائل نے آپ کو پوری جماعت میں بلند وبالا مقام دے کر صدر نشین بنادیا۔

ایک طرف آپ کا ذہن ودماغ علومِ قرآن وحدیث کا ایک بحر ذخار دوسری طرف قوت حافظہ کے ساتھ اظہار مافی الضمیر کا ملکہ نتیجہ یہ کہ جب گفتگو فرماتے تو ایسی

بلیغ اور پراز حکمت باتیں زبان سے ادا ہوتیں کہ سننے والوں پر وجد اور حیرت کی دوگونہ کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ مبہوت سے رہ جاتے دارالعلوم سے فراغت کے فوراً بعد آپ کو اسی ادارہ میں تدریسی خدمت پر لیا گیا تو تھوڑی مدت میں ہی میں آپ کے درس کا شہرہ ہونے لگا کہ تقریر کیا ہے علوم قاسمی کی بارش ہوتی ہے نتیجہ کے طور پر آپ کا شمار کچھ ہی مدت میں مقبول ترین مدرسین میں ہونے لگا۔

اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اس میں حقائق وواقعات کے ساتھ عقلی ونقلی دلائل کا انبار لگا دیا کہ قاری اس میں کھو کر دریائے تحیر میں غرق ہو جاتا اور زبان وبیان کی شستگی، سلاست اور روانی ایسی کہ لگتا الفاظ ومعانی کا دریا بہہ رہا ہے آپ کے شب وروز میں سب سے زیادہ وقت تحریری وتصنیفی کام کرنے میں صرف ہوتا۔ لکھنے میں مضامین کی اس قدر آمد ہوتی کہ گھنٹوں قلم کاغذ پر سے نہ اٹھتا ایسا لگتا کہ آپ کے سامنے کوئی کھلی کتاب رکھی ہے اور اسے مسلسل نقل کر رہے ہیں یہی وجہ تھی کہ لکھنے کے دوران آپ گردوپیش سے بالکل غافل ہو جاتے کوئی آکر سامنے بیٹھ جائے اور متوجہ نہ کرے تو آپکو اس کی موجودگی کا احساس تک نہ ہوتا۔

تحریری مشغولیت سفر کے دوران بھی ایسی ہی رہتی حتی کہ ٹرین اور ہوائی جہاز میں بھی تصنیفی کام برابر جاری رہتا عام طور پر ٹرین میں اس کی مسلسل حرکت کی وجہ سے لکھنا مشکل ہو جاتا ہے اور حروف صحیح نہیں بنتے بلکہ تحریر بگڑ جاتی مگر حضرتؒ ٹرین میں بھی اسی روانی اور تحریر کی شستگی کے ساتھ لکھتے جیسے اپنے ڈسک کے سامنے لکھتے، احقر کو بارہا ملک اور بیرونِ ملک کے دوروں میں حضرت والدِ مکرم کا ہم سفر ہونے کا اتفاق ہوا، میں نے کبھی آپ کو سفر میں خالی بیٹھے نہ پایا، ایک بریف کیس جو چند کتابوں اور کاغذات پر مشتمل ہوتا تھا ہمیشہ سفر میں آپ کے ساتھ رہتا تھا، کار کے سفر میں اس میں سے کتاب نکال کر دورانِ سفر مطالعہ میں منہمک رہتے اور ٹرین یا ہوائی جہاز کے سفر میں اس میں سے کاغذات نکال لیتے اور تحریری کام میں مصروف ہو جاتے، اس سے اندازہ

ہوسکتا ہے کہ آپ کو وقت کی قیمت کا کیسا زبردست احساس تھا اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ علمی ودینی تصانیف کا ایک زبردست ذخیرہ چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوئے جن میں سو کے قریب تصانیف تو آپ کی زندگی میں ہی چھپ کر لاکھوں انسانوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنیں اور مقبول خاص وعام ہوئیں جب کہ بہت ساری تصانیف مسودوں کی شکل میں غیر مطبوعہ ہیں جو رفتہ رفتہ شائع ہو رہی ہیں۔

آپ کی پوری زندگی سفروں میں گذری اگر کبھی دو چار دن گھر پر رہنے کا موقعہ ملتا تو اس میں بھی سارا وقت مطالعہ اور تحریر وتصنیف میں گذر جاتا، آپکا کمرہ علیحدہ تھا جس میں فرش پر تھوڑے حصے میں دری بچھی ہوئی تھی۔ سامنے ڈیسک اور گردوپیش میں کتابوں کا ایک انبار ہوتا حسب ضرورت کتابیں بدلتی رہتیں دن بھر تو یہ لکھنے کا سلسلہ رہتا البتہ دوپہر کو آرام کے لیے اور نماز ظہر سے واپس آکر پھر وہی مشغولیت شروع ہو جاتی جس میں ایسے منہمک ہوتے کہ دوپہر اور رات کو بار بار آکر عرض کیا جاتا کہ ابا جی کھانا تیار ہے تو جواب ملتا کہ سطر پوری کر کے آتا ہوں مگر اس کو پوری کرتے کرتے بھول جاتے کہ کھانے کے لیے اٹھنا ہے۔ اکثر بار بار یاددہانی کرنے پر زچ ہو کر فرمادیتے کہ ابھی بھوک نہیں ہے گویا کھانا پینا غیر ضروری تھا اور اصل واہم مشغولیت صرف تحریر وتصنیف کی تھی۔

اس کے علاوہ حق تعالیٰ نے آپ کو جن غیر معمولی صفات سے نوازا تھا ان میں ایک اہم ترین وصف تقریری ملکہ اور دلکش انداز بیان تھا آپ اپنے دور میں تقریر کے بادشاہ اور اس میدان کے شہسوار کی حیثیت سے مقبول ومشہور رہے، وسعتِ مطالعہ اور قوتِ استحضار یعنی مطالعہ میں گذری ہوئی چیزوں کا بروقت ذہن میں معہ تفصیلات کے تازہ ہو جانا آپ کی منفرد خصوصیات میں سے تھا، یہی وجہ ہے کہ آپ ایک ہی موضوع پر گھنٹوں بیان فرماتے مگر نہ تکرارِ بیان ہوتا اور نہ مضمون کی روانی میں فرق پیدا ہوتا آپ کے دیکھنے اور سننے والے آج تک آپ کی لذتِ تقریر کو یاد کرتے ہیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے زمانہ اہتمام میں اکابر نے آپ کو مزاج کے خلاف نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند مقرر کردیا جب کہ آپ کوئی بھی انتظامی عہدہ قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے کیوں کہ آپ کا میلان طبع علمی کاموں کی طرف تھا اور مناسبت تصنیف وتدریس سے تھی مگر بزرگوں کے اصرار پر آپ نے مجبوراً یہ منصب قبول کیا ادھر کاتب تقدیر نے دارالعلوم کو بامِ عروج پر پہنچانے کے لیے آلِ قاسم میں جس شخصیت کا انتخاب فرمایا تھا وہ آپ ہی کی ذاتِ گرامی تھی لہٰذا ایک مختصر عرصہ کے لیے نائب مہتمم رہنے کے بعد جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم کی وفات ہوئی تو مجلس شوریٰ کی نشست ہوئی مجلس نے بحیثیت نائب مہتمم آپ کی اعلیٰ کارکردگی اور فطری اخلاص وللٰہیت کی بھرپور تحسین کرتے ہوئے متفقہ طور پر آپ کو مہتمم دارالعلوم دیوبند کے باوقار منصب پر فائز کردیا یہ تاریخی فیصلہ دارالعلوم دیوبند کے لیے ایک انقلاب آفریں فیصلہ تھا جس نے اس ''مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند'' کو حقیقت میں ''دارالعلوم دیوبند'' بنا کر اسے ایک منفرد اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دیا اور ساری دنیا میں اس ادارہ کو علوم اسلامی کی ایک یکتا اور معتمد دانشگاہ کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

ابتدا سے ہی آپ کی شہرت ایک بے مثال مقرر اور خطیب کی رہی اس لیے آپ کو شروع سے ہی ملک وبیرونِ ملک سے دعوت نامے ملتے رہے، اور آپ اقصائے عالم کے دورے فرماتے رہے جس سے ایک طرف اگر ایک مخلوق کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوتی تو وہیں دوسری طرف دارالعلوم دیوبند کا تعارف بطور ایک علوم اسلامی کے مرکز ساری دنیا میں ہوا کیوں کہ زندگی بھر آپ کی ساری توجہات اور جدوجہد کا اوّلین دائرہ دارالعلوم اور اس کی شہرت وترقی پر ہی مرکوز رہا، چناں چہ اس ادارہ کا آوازہ آپ نے دنیا کے کونے کونے تک پہنچایا اس کی تعلیمی ترقی اور بلندیٔ معیار کے لیے بہترین اساتذہ کا انتخاب کیا اور اس کو ایک جامعہ کی روح دینے کے لیے مختلف علوم وفنون اور حرفتوں کا اس میں اضافہ کیا جیسے شعبۂ ادب عربی ایک عربی رسالہ کا اجراء

طب اور سرجری کے لیے جامعہ طبیہ کا عظیم الشان شعبہ مع اس کی زبردست بلڈنگوں کے جس میں پری طب اور یونانی میڈیسن سمیت چھ سالہ ڈگری کورس منظور کرایا۔ اسی طرح حرفت میں دارالصنائع کا شعبہ جہاں بائنڈنگ کے علاوہ چرمی سامان جیسے سوٹ کیس، پرس، بیگ وغیرہ کی صنعتیں سکھائی جاتی تھیں۔ دارالعلوم کی اہم بلڈنگوں کی تعمیرات تقریباً ساری کی ساری آپ ہی کے زمانہ میں ہوئیں۔ اس طرح یہ ادارہ دسیوں گنا وسیع ہوا یہاں تک کہ اس نے ایک مستقل بستی اور ٹاؤن شپ کا روپ لے لیا غرض آپ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم کا شہرہ برِ اعظم ایشیاء سے نکل کر دوسرے برِ اعظموں جیسے یورپین ممالک شمالی وجنوبی امریکن ممالک اور افریقہ وآسٹریلیا کے ملکوں تک پہنچ گیا اور ان ممالک سے علومِ اسلامی کی تحصیل کے لیے جوق در جوق طلبہ کی آمد ہونے لگی۔

پھر دارالعلوم دیوبند کا اجلاسِ صد سالہ آپ کا وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا تک دارالعلوم کی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا جائے گا اور جس یادگار کارنامے نے اس دانش گاہ اسلامی کی شہرت کو دنیا کے چپے چپے تک پہنچا دیا اس اجلاس کی شوکت وعظمت نے ہر شخص کو چونکنے اور یہ تسلیم کرنے پر مجبور کیا کہ یہ عظمت نہ صرف خود دارالعلوم کی عظمت وشوکت کا نشان ہے بلکہ سربراہِ دارالعلوم کی انتھک جدوجہد اور شب وروز کی محنتوں کے ساتھ اس عظیم المرتبت شخصیت کی بھی عکاس ہے جس نے اس دارالعلوم کو مدرسہ اسلامیہ عربیہ سے اٹھا کر اس بامِ بلند اور اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔ یہ دارالعلوم کی خدمات اور اس مخلص شخصیت کی مقناطیسی کشش تھی کہ اجلاس کے دوران پورا دیوبند انسانوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آرہا تھا جس میں علماء وعوام الناس کے علاوہ وزیر اعظم ہند اور دیگر اہم ترین سیاسی وسماجی شخصیات، بیرونی ممالک کے وزراء، شاہی وسرکاری وفود اور دنیا بھر کی ممتاز شخصیات شامل تھیں، اجلاسِ صد سالہ میں حاضرین کی تعداد بقول مارک ٹیلی صاحب، رپورٹر بی بی سی (لندن) تقریباً اکیس لاکھ

تھی۔ یہ اجلاس دارالعلوم ہی نہیں پوری دنیا میں اسلام کی عظمت وسربلندی کا نشان بنا۔

یہ حضرتؒ والا کی بھاری بھر کم شخصیت تھی جس نے دنیا بھر میں دارالعلوم کا شہرہ وآوازہ پہنچایا اور اکابرِ دیوبند کی دینی وملی خدمات کو متعارف کرایا یہ بے مثال اجلاس گویا حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کی زندگی بھر کی محنتوں اور دارالعلوم کے لیے آپ کی قربانیوں کا آخری مظہر تھا جس کے دوڈھائی سال بعد ہی اس بطل جلیل نے دنیا سے کوچ کے لیے رختِ سفر باندھا اور اپنے خالق حقیقی کے جوارِ رحمت میں بعمر چھیاسی سال آسودۂ رحمت ہوگیا۔

اگرچہ انتظامی اُمور میں انہماک اور اس کے ساتھ سفروں کا تسلسل اجازت نہیں دیتا تھا مگر اس کے باوجود آپ نے اپنے طبعی ذوق کو نہیں چھوڑا اور آخر تک ایک دو گھنٹہ تدریس کے لیے مخصوص رکھا حدیث سے خصوصی ذوق تھا اس لیے مشکوٰۃ شریف کا درس ہجوم کار کے باوجود جاری رکھا اس کے ساتھ ہی حجۃ اللہ البالغہ زیر درس رہی جو آپ کی تعقل پسندی اور نکتہ رس ذوق کے لیے سامانِ تسکین تھی پھر آخر عمر میں بخاری شریف بھی آپ سے متعلق کردی گئی اس لیے کئی برس بخاری بھی زیر درس رہی۔

آپ کی پور حیاتِ طیبہ مخلوق خدا کی اصلاح وتربیت اور تعلیم میں گذری آپ نے ابتداءً حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت کا تعلق قائم فرمایا، یہ حضرت شیخ الہندؒ کی زندگی کا آخری دور تھا تھوڑے عرصہ بعد آپ کا انتقال ہوگیا اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے دبستانِ تھانہ بھون کا رخ کیا اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی اور طریقت وسلوک کی منازل طے کیں یہاں تک کہ حضرت حکیم الامت سے خلافت واجازتِ بیعت حاصل ہوئی جس کے بعد لاکھوں تشنگانِ طریق دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے ور لکھوکھا مریدین کا طبقہ آپ نے اپنے پیچھے چھوڑا جن میں کچھ مخصوصین کو آپ نے خلعت خلافت سے نوازا۔

غرض آپ کی پوری زندگی ایک جہدِ مسلسل رہی اور اس حیات مستعار کے ایک ایک لمحے کو آپ نے ترقی دارالعلوم، ترویج علم اور عوام وخواص کے عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لیے وقف کئے رکھا اور ایک انتہائی باعمل، متحرک اور فعال حیاتِ مبارکہ گذار کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے۔ حق تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں مقاماتِ مغفرت ورحمت سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات حسرت آیات نہ صرف برِ صغیر بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک حادثہ جانکاہ اور سانحہ عظیم تھا اسی لیے اس حادثہ پر قریب وبعید ہر شخص کا تڑپ اٹھنا فطری اور قدرتی تھا، چناں چہ دور دراز ملکوں تک سے مسلسل تعزیتی فون اور خطوط کا لامتناہی سلسلہ تھا جو مہینوں تک چلتا رہا، اس کے علاوہ اخبارات ورسائل میں تعزیتی مضامین عرصہ دراز تک شائع ہوتے رہے۔ یہ سب تعزیتی پیغامات ومضامین حضرت کے حیات مبارکہ کے مختلف گوشوں کو سامنے لاتے ہیں اور حضرت کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر ایک قیمتی اثاثہ ہیں، ضرورت تھی کہ اس اثاثہ کو مرتب کر کے کتابی صورت میں جمع کر دیا جائے۔

الحمد للہ اس گراں قدر کام کے لیے حق تعالیٰ نے عزیز محترم جناب اسعد صدیقی صاحب سلمہ رکن شعبہ تنظیم وترقی دارالعلوم وقف دیوبند ومیونسپل کمشنر چیئرمین ہاؤس ٹیکس دیوبند کو منتخب فرمایا اور انھوں نے اس سارے خزانے کو کتابی صورت میں جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا موصوف نے اس سلسلے میں غیر معمولی جدوجہد کر کے کم وبیش سارا ہی مواد اکٹھا کر کے اسے عمدہ انداز میں مرتب کیا جو ایک انتہائی لائق تحسین کارنامہ ہے۔ عزیز موصوف حضرتؒ کے ساتھ ایک طویل مدت تک بطورِ رفیق سفر قریب وبعید کے سفروں میں جاتے رہے اور حضرت والاؒ کی خدمت گزاری کرتے رہے۔ حضرتؒ کو بھی ان سے بہت انسیت تھی اور اکثر دورانِ سفر ان کی مستعدی خلوص، عقیدت قلبی تعلق کا تذکرہ فرما کر ان کو دعائیں دیتے۔

عزیز موصوف نے ماشاء اللہ اپنی اسی غیر معمولی عقیدت مندی اور محبت کے تحت اس اہم خدمت کو سرانجام دیا اور خصوصی شغف کے ساتھ اس منتشر خزینے کو مرتب کیا جو حضرت سے متعلق ایک تاریخی اور مفید و مستند سرمایہ ہے۔اس خدمت کے لیے حضرت کے مریدین اور عقیدت کیش حضرات کی طرف سے جناب اسعد صدیقی صاحب صد شکر وسپاس کے مستحق ہیں حق تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور موصوف کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین!

محمد اسلم قاسمی دیوبند

۲۰رستمبر ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد گرامی

جانشین امام العصر ابن الانور حضرت مولانا سید **انظر شاہ** مسعودی کشمیری مدظلہ
شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند۔ بانی وصدر کل ہند تنظیم علمائے ہند

بلوح— ترbت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مظلوم راجز بے گناہی نیست تقصیرے

خالق کون ومکان، خلاق زمین وآسمان، تمام قدرتوں کا مرکز اور ہر طاقت کا معدن ہے۔ اس کا خود بیان ہے کہ ہم نے متضاد چیزیں پیدا کیں جو اپنے اثرات وخواص کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مقابل ہیں، کفر کے ساتھ ایمان، شرک کے ساتھ توحید، بدعت وسنت، علم وجہل، خیر وشر وغیرہ۔ انسانوں میں بھی وہ کچھ سراپا خیر پیدا کرتا ہے اور بعضوں کا خمیر شر وشرارت سے تیار ہوتا ہے۔ یہ زندگی کے ہر گوشے میں ابلیسی کارنامے انجام دیتے ہیں۔ جب کہ مقدم الذکر ملکوتی صفات کے حامل اور ان کی ہر ادا ملائکہ کے اوصاف کا جلوۂ صد رنگ۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اپنی فطرت، افتادِ مزاج، زندگی کے تمام کارناموں میں خیر محض نظر آتے ہیں۔ برائی جھگڑے سے نفور، اٹھا پٹخ سے متنفر، سیاسی ہتھکنڈوں سے ناواقف، سیاست کے خارزار میں داخل ہونے کے لیے قطعاً تیار نہیں، ان کی زندگی کا ہر موڑ ایک کامل انسان کا نمونہ، جو دوسروں کے لیے اسوہ اور قدوہ۔ دودمان عالی کے سربراہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اعلائے کلمۃ الحق کے جذبے سے سرشار، اسلام کو اس کے جزو کل کے ساتھ قائم کرنے کے لیے بے قرار، صاحب زادے حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم بطور دارالعلوم کے

جز وکل پر خاندان عثمانی کے ذہین وفطین فرد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کو یہ کہتے ہوئے کہ حیدرآباد رخصت ہوئے۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نہ مدارس کی تاریخ میں یہ واقعہ انوکھا و حیرت انگیز، یہاں تو یہ حال ہے کہ اقتدار کو چمٹ گئے اور اس سے لا پرواہ کہ ادارہ بکھر رہا ہے یا سمٹ رہا ہے۔ ترقی کی جانب گامزن ہے یا تنزل کے گڑھوں میں گرنے کے لیے تیار۔ باصلاحیت لوگوں کے مخالف، نامرادوں کے ہجوم میں باغ و بہار، تملق پسند حلقے میں گھرے ہوئے اور صاف گو لوگوں سے دامن بچائے ہوئے۔ اسے ایثار کا نتیجہ کہیے یا دارالعلوم کی نسبت اہتمام کا ثمرہ کہ دکن کے مصنب عالی پر پہنچے۔

مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی، خیر کا غلبہ، شر مغلوب، بھلائی توانا، برائی رنجور، صاحب زادہ ہونے کی بناء پر تعلیم وتربیت کے پہلے مرحلہ سے تا مرحلہ آخر انھیں قیمتی جوگر و گوہر ملتے رہے، گویا شب چراغ آخر میں اس شخصیت کے دامن گیر ہوئے جوامت میں بے نظیر و بے مثال، ملت میں فقید النظیر بلکہ بے عدیل یعنی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ بتقاضائے بشریت سونے میں جو میل وکچیل تھا اسے نکال کر کبریت احمر بنادیا اپنے معروف حلم، مشہور منکسر المزاجی، مرنجان مرنج طبیعت کی بناء پر دارالعلوم ایسے ادارے کا نصف صدی سے زائد اہتمام چلایا۔ جہاں کبھی فصل بہار آتی تو کبھی خزاں کے جھکڑ، مرادوں کے گلہائے شاداب کھلتے یا نامرادی کے مرجھائے ہوئے پھول۔ کسب واکتساب کو ایسا اپنایا کہ علم مدنی کے حدود میں داخل ہوگئے، سنی سنائی نہیں بلکہ مشاہدہ ہے کہ دیوبند کی جامع مسجد میں مائک کے ملاجی جمعہ کے بعد تقریر کا اعلان کرتے تو قلیل سامعین پھر وہ دور بھی آیا کہ بڑے سے بڑے اجتماع کی کامیابی کی ضمانت حضرت قاری صاحب کا نام نامی ہوتا۔ ممبئی کو فتح کیا، بدعات کا استیصال، سنت کے علم بلند کیے، کیرالہ پہنچے تو

صحت عامہ کے وزیر کی موجودگی میں حفظان صحت پر وہ گوہر باری کی کہ وزیر موصوف نہ سمجھنے کے باوجود قدموں میں لیٹے ہوئے نظر آئے، منقسم پنجاب کے مشہور شہر لدھیانہ میں کہ یہ خاکسار بھی رفیق سفر تھا، خالصہ کالج کی دعوت پر تقریر کی اور گرونانک کے فکر ونظر، افکار وتعلیمات پر ایسی گوہر باری جن کے ملمع کاری میں نانک جی کے دوہوں سے کام لیا گیا تھا کہ سکھوں کو تڑپا دیا، ہر زبان پر یہ تھا کہ اتنی معلومات تو ہمارے سنتوں کو بھی نہیں، تحریر کے لیے قلم اٹھاتے تو نکتہ آفرینیوں کا مرقع تیار کرتے، لکھنے لکھانے میں نہ جہاز کے ہچکولے مانع ہوتے نہ ریل کی گھڑگھڑاہٹ اور اس کے جھٹکے۔ مجلس شوریٰ کے بقراط وسقراط چھوٹے سے چھوٹے مسئلے کو جذرِاصم بناتے تو قاری صاحب مرحوم قرطاس وقلم کی کائنات میں گم ہوجاتے۔ میں نے خود ایک دن دیکھا کہ مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ ان کے شغل کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں، غالباً وہ سوچ رہے تھے کہ ہمیں لکھنے لکھانے کے لیے خلوت درکار، یکسوئی مطلوب اور اس شخص کو نہ تنہائی کی ضرورت، نہ بے چیخ وپکار فضا کی۔

حسن ظاہر کے ساتھ جمال باطن، تحمل باطنی کے ساتھ حسن ظاہری، سونے پر سہاگہ، محسوس ہوتا کہ کوئی مغل شہزادہ ہے یا بادشاہ بے تخت وتاج۔ جو کپڑا پہن لیتے ان کے جسم زیبا پر کھلتا، جس نوعیت کا لباس اختیار کرتے وہی شاہی عبا وقبا نظر آتی۔ بچوں میں بچے نوجوانوں میں پر شباب، بوڑھوں میں شیب۔ غرضے کہ ہر جانب ہر جہت، ہر سمت اور ہر ادا انداز میں ممتاز ویگانہ، تعلیمی کنونشن میں مولانا ابوالکلام آزاد ایسے سحر البیان سے نمٹنے کے لیے پوری جماعت نے انھیں کو متکلم ٹھہرایا۔ آزاد کی آزادانہ رائے کے مقابل اپنی گذارشات ایسے متواضعانہ انداز میں اس طرح پیش کیں کہ ابوالکلام کے سارے افکار کا توڑ بھی کر دیا اور مخاطب کو کبیدہ بھی نہ ہونے دیا، یہ طرز، یہ ادا، یہ طریق، یہ انداز، بڑے بڑے جغادریوں نے مشورہ دیا کہ درختوں کو اکھاڑ پھینکنے یا کم از کم انھیں ہلا دیجیے۔

مگر مرحوم اپنے مزاج وافتاد کے خلاف کچھ کہنے سننے، دل آزاری و دل شکنی، حریف کے تعاقب اور اس پر پیہم حملوں سے قطعاً کنارہ کش رہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بڑے سے بڑا حریف ان کے عزل پر اشک بار ہوا اور کہا کہ اب دارالعلوم کو ایسا مہتمم میسر نہیں آئے گا۔ شعبہ محاسبی میں خیانت کا ایک گھوٹالہ پیش آیا، بات موصوف تک پہنچائی گئی تو ایک کمیٹی بنادی، مجھ گستاخ نے ایک دن عرض کیا کہ یہ کمیٹیاں دفع الوقتی کے لیے ہیں آپ خود بلایئے اور تنبیہ کیجئے۔ بڑی مشکل سے تیار ہوئے اور وہ بھی اس طرح کہ مجرمین کے سامنے خود بھی مجرم بن گئے۔ امانت و دیانت پر وعظ شروع فرمایا، بھلا لاتوں کے بھوت باتوں سے کبھی مانتے ہیں۔ یہ وعظ بھی گردن جھکا کر اس انداز سے ہو رہا تھا کہ مجرمین کی روسیاہی بھی دیکھنا گوارا نہیں۔ جب مجرمین رخصت ہو گئے تو خود پسینے میں شرابور مجھ سے فرمایا کہ مولوی انظر شاہ صاحب تم نے مجھ سے بہت سخت کام لیا۔ گویا کہ حلم، عفو و درگذر، بندہ پروری ان کے اوصاف میں تھی۔ وہ پرجوش خطیب نہ تھے، نہ پرخروش سیاسی قائد، بلکہ ان کی خطابت نسیم سحری کی طرح سبک خرام تھی۔ اس سے دلوں کے بند شگوفے کھلتے اور دماغوں کی کھڑکیوں پر دستک دیتے اور خدا جانے اپنی معروف شیریں بیانی سے کتنے ہی دل بدل ڈالے اور کتنے ہی دماغوں کی تطہیر کی۔ میں نے بہت سے اسفار ان کے ساتھ کئے وہ براہِ راست دارالعلوم کے لیے فراہمی سرمایہ کے عادل نہ تھے الا ماشاء اللہ۔ ہاں دیوبند اور اس سے وابستہ نامور شخصیتوں کا اس دلنواز انداز میں ذکر کرتے کہ امراء کے ہاتھ جیبوں سے نکال لینے میں مصروف، رؤسا داد و دہش کے لیے مستعد۔ ان کے اہتمام میں دارالعلوم کی عمارات میں توسیع بھی ہوئی لیکن دارالعلوم کا عالمگیر تعارف ان کا رہین منت ہے۔

مدارس کی زندگی عجیب ہے اور اداروں کا حال واستقبال عجیب تر، دارالعلوم پر جب سیاست کا غلبہ ہوا تو علم وکمال نے اپنی بساط سمیٹ کر رخصتی سلام کیا، بعض ممالک کی بعض دینی درسگاہوں میں جب مار دھاڑ اور نام نہاد جہاد کے نعرے بلند ہوئے تو علم

و ہنر نے الوداع کہا، تجربہ یہی بتلاتا ہے کہ تعلیمی اداروں کے لیے پرانی ہی ڈگر کارآمد ہے، ذرا دوسری ہوائیں چلیں تو چمنستان علم خزاں آشنا ہوا۔ موصوف کا خاتمۂ عمر عبرت کا مرقع ہے اور نشیب وفراز کا دل دوز منظر اپنوں اور غیروں کا یہ زخم خوردہ بسمل کی طرح تڑپتا دنیا سے رخصت ہوا۔ میں شاہد ہوں اور میرے ساتھ خدائے علیم وعلام ''كفى بالله شهيدا'' انہیں اپنے عالی منصب کے جانے کا غم نہ تھا، کبھی جماعت کی وحدت پر ضرب کاری کے لیے روتے تو گاہے مسلک کی غیر منصفانہ تقسیم انہیں اشک خونی بہانے پر مجبور کردیتی، لیکن وہی معروف صبر مایوسیوں کی گھٹاٹوپ میں آسمان کی طرف آنکھیں اٹھاتے اور آہ کرتے، بہت بے چین ہوتے تو صرف اتنا کہتے: ''الفتنة كانت نائمة لعنة الله على من اليقظها''۔

اس تلخ موضوع پر تلخ نوائی کی بڑی گنجائش ہے لیکن جب پسماندہ گان نے سپر ڈال دی تو اب یہ بے وقت کی راگنی ہے۔ عزیز القدر محمد اسعد صدیقی سلمہٗ نے بڑا اچھا کیا کہ حضرتؒ سے متعلق تمام مضامین جمع کردیے۔ اور وہ تاریخ جس کو بدلنے اور فراموش کرنے کی دونوں حلقے خفی وجلی کوششیں کررہے ہیں محفوظ کردی، یہ اس لیے کہ قانون الٰہی ہے ''واذا قتلتم نفساً فادارأتم فيها و الله مخرجٌ ما كنتم تكتمون''۔

امید کہ کچھ حق پسند، حق گو، وحق پرور پردۂ غیب سے رونما ہوں گے اور حضرت کے آخری دور کے، اور تا حال بیتے ہوئے احوال پر تفصیلات پیش کریں گے کہ تاریخ اور مورخ کے قلم کو کوئی لگام نہیں دے سکتا۔

انظر شاہ مسعودی کشمیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

یادگار حجۃ الاسلام، جانشین حکیم الاسلام، خطیب الاسلام
حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

شیخ العرب والعجم حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند بانی وصدر اوّل تاحیات آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ اور جملہ طبقات ملت اسلامیہ میں معتمد علیہ۔

آپ کی ذات گرامی علمی اور عرفانی گہرائی کی ذوق آفرینی میں یادگار اسماعیل شہید تھی۔ اسرار دین و رموز کتاب وسنت میں نمونۂ قاسم العلوم والخیرات الامام محمد قاسم نانوتویؒ تھی۔ مرادات ربانی تک رسائی میں تمثال فقیہ الاسلام رشید احمد گنگوہیؒ تھی۔ بصیر تمندانہ اتباع دین میں آشنائے ذوق شیخ الہند تھی، عرفان اور روحانیت میں نمونۂ پرداز اشرف علی تھانویؒ تھی۔ سالکین کے لیے جواباً اطمینان آفرینی میں طرز محدث جلیل علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی حامل تھی داعیان اجتماعات کے مشتہر کردہ یا پیش کردہ موضوعات پر برجستہ و مؤثر ترین مکمل و مدلل خطابات میں یادگار شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی تھی۔ جامعیت معقول و منقول میں علامہ ابراہیم بلیاویؒ وقت تھی۔ اور نظم و اہتمام

کی بلند فکری میں حل مسائل پیچیدہ میں، مکارم اخلاق کی بلند مقامی میں، راہنمائی وسلوک میں، مزاج شریعت کی مکمل رعایت کے ساتھ وقت کی تقاضا شناسی میں، اور میدانِ شعروادب کی لطافتوں کے ساتھ حق آ گاہی میں، ملت اسلامیہ عالمیہ کے لیے اپنے دور میں ایک بے مثال عطیہ ربانی تھی۔

حضرت والا کی اسی علمی اور عرفانی جامعیت کی جامع ترین تعریف، اویسی النسبت بزرگ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ قدیم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند نے یہ فرمائی تھی کہ:

''مولانا محمد طیب صاحب میں حق تعالیٰ نے تمام اکابر دارالعلوم دیوبند کی علمی اور جملہ عرفانی نسبتی امتیازات وخصوصیات کو یکجا جمع فرمادیا ہے،'' ''ذلك فضل الله یوتیه من یشاء''۔

ان رفیع المرتبت امتیازات وخصوصیات پر اگر بقدر ضرورت بھی تفصیلی کلام کیا جائے تو مجلدات تیار ہوسکتی ہیں، لیکن اگر پیش نظر کتاب میں معزز اہل قلم کے مقالات و مضامین جو حضرت والاؒ کے اوصاف جمیلہ پر کہیں بصورت تفصیل اور کہیں برنگِ اجمال میں اکتفا کرنا ضروری اور مناسب سمجھا گیا ہے۔

البتہ اس مرحلے میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے صرف ایک اس ایک اہم تر اور قابلِ ذکر امتیاز کا ذکر کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرت کے جملہ فضائل ومناقب پر حاوی اور محیط ہے۔ یعنی اسلام کے اصولی طرز سلیم کو بڑی قوت سے اپنا کر اپنے جملہ امتیازات کو حضرت والا نے اپنی دینی فطرت سلیمہ سے دینی بنالیا تھا۔ اور وہ یہ کہ اللہ رب العزت کی جانب سے نازل فرمودہ ہدایات وشرائع پر مشتمل کتابیں اور صحیفے کبھی بغیر صاحب نبوت شخصیت کے نازل نہیں فرمائی گئیں، جس کی بنیادی وجہ اہل فراست ایمانی اکابر علماء نے یہ ہی قرار دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتب وصحائف اس عظیم جامعیتِ علم کی حامل ہوتی ہیں کہ جن کی عبارت، اشارت، دلالت، اور اقتضاء سے

بیشمار علوم وحقائق نکالے جاسکتے ہیں اور نکالے جاتے ہیں، لیکن ان میں حقیقی مراد خداوندی ایک ہی ہوتی ہے اوراس مرادِ معین کا یقینی وسیلہ صرف نبیٔ وقت ہی کو بتایا جاتا ہے ان کی توضیح سے صرف نظر کر کے اگر کوئی مرادِ شخصی کی جائے گی تو وہ بر سبیل احتمال کلام منزل پر مراداً منطبق تو کی جاسکتی ہے لیکن قطعی اور یقینی طور پر اس کا متکلم حقیقی کی مراد ہونا ضروری نہیں ہوگا۔ بس نتیجتاً اس غیر مراد حقیقی پر عمل، نہ ذریعہ مقبولیت بن سکتا ہے اور نہ وسیلۂ نجات۔

پھر یہ خودساختہ مرحلہ معنی ومراد کی تولید چوں کہ انسانی عقل وعلم سے ہوتی ہے، اس لیے لازمی طور پر یہ وہ مرحلے غیر اطمینان بخش ہونے کے ساتھ اعتراضات شبہات، سوالات اور تلبیسات کا محور بن کر اس عقیدہ ویقین کو متیقن کے بجائے محتمل بنا کر ختم بھی کررہی ہے کہ جس کی وہ منزل من اللہ ہونے کی وجہ سے حتمی طور پر حقدار ہوتی ہے۔

تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس دین منزل کے غیر مرادی معنی وضع کرنے والے، تجربۃً دو طبقوں میں منقسم ہو جاتے ہیں، ایک وہ کہ جن کا عقیدۂ واعتماد کتاب پر رہتا ہے، لیکن پیغمبر وقت سے وہ اپنی کج روی کی وجہ سے انحراف کر کے کفر وشرک کے قعر مذلت میں جا گرتا ہے۔ اور دوسرا طبقہ ذات نبوت کو مرکز عقیدۂ واعتماد مان کر کتاب سے یکسر بے علاقہ ہوکر بدعات ومحدثات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ یہ دونوں حق اور حقیقت سے دو طبقے صرف علم اور اہل علم سے بے اعتنائی اور ان سے لاتعلقی کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں، اور اس راہ ناصواب سے تحفظ کی راہ صرف علمی، اعتقادی اور عملی اعتدال ہی میں مضمر ہے، جو صرف علماء صالحین سے ارتباط کے بغیر عمومی طور پر ممکن نہیں ہوتا۔

اسلام نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو مصدر دین قرار دیکر ان میں سے کسی ایک کو پکڑنے اور دوسرے کو ترک کرنے کی راہ ہمیشہ کے

لیے بند کر کے تمام مفاسد کا قطعی سد باب کر دیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی معتدل اسوۂ منصوصہ کو حضرت حکیم الاسلامؒ نے زندگی بھر اپنی پر تاثیر تحریر وتقریر کے ذریعہ عالمی پیمانے پر مسائل دینیہ کا مرکز موضوع قرار دیا، جس کے نتیجے میں دنیا کے بے شمار ممالک کے قلیل العلم یا محروم العلم مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے کتاب وسنت سے عقیدۃً اور عملاً وابستہ فرمانے کا عالمی اور تاریخی وسیلہ بنا کر حضرت حکیم الاسلامؒ کو دین کی اس عظیم واہم تر خدمت کے شرف عظیم سے مشرف فرمایا کہ جو امت میں کم ہی لوگوں کو نصیب ہوئی ہے۔

اعتدال صرف علم وسیع اور عرفان وقیع ہی سے پیدا ہوتا ہے اور حق تعالیٰ نے اس خیر الامم امت محمدیہ کے لیے وعدہ کیا ہے کہ وہ قیامت تک نہ علماء راسخین سے محروم ہوگی اور نہ عرفاء صادقین سے بے نصیب ہوگی۔

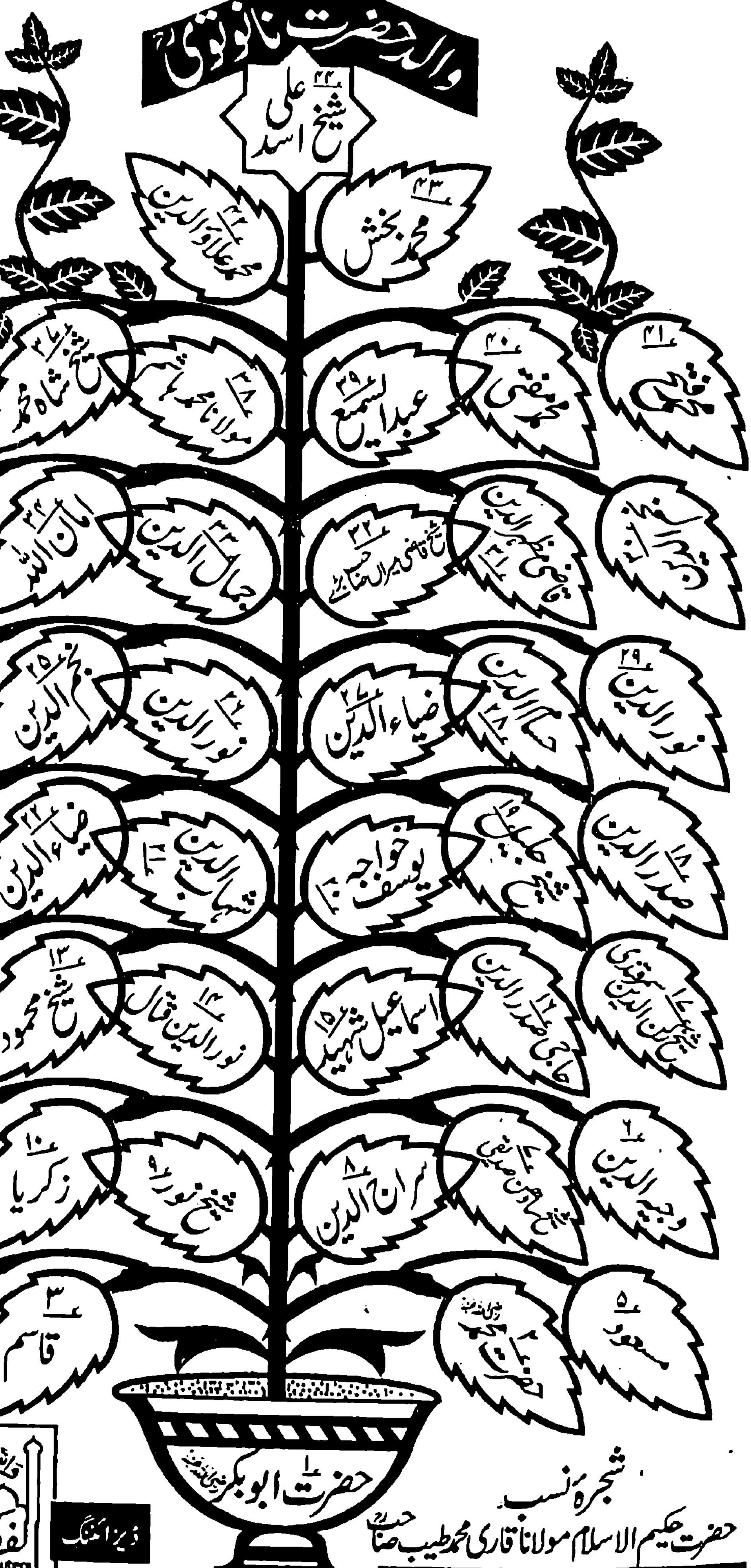
حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بحمد اللہ دار العلوم کو امت کے لیے مرکز علم وعرفاں بنا کر جو مجد وشرف عطا فرمایا ہے اس کا حق شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔

اسی جماعت اہل علم وصداقت میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے خصوصی فضل سے علم وتقویٰ کے کمال کے ساتھ عالمی پیمانے پر ہر دو بنیادی نقاط دین کی مکمل ومدلل معتدلانہ رعایت کو ملحوظ رکھنے کی توفیق عظیم سے شیخ العرب والعجم حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات ستودہ صفات کو نوازا، اور آپ نے بتوفیق الٰہی اس عالمانہ اور عارفانہ فریضے کو یورپ، ایشیاء افریقہ اور امریکہ کے تقریباً ۴۵ر پینتالیس سے زیادہ ملکوں میں مؤثر ترین پرداز پر، تحریراً اور تقریراً ادا فرما کر لاکھوں لاکھ افراد امت کو شرک وکفر اور بدعات ورسومات فاسدہ سے محفوظ بھی فرمایا، اور بیشمار طالبین حق کو حق شناشی سے محفوظ بھی فرمایا۔ رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ وتغمدہ اللہ بغفرانہ العظیمۃ۔

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے ان علمی اور عرفانی پر مشتمل، ارباب بصیرت

اہل علم وفکر کے وقیع مقالات کوعزیز مکرم جناب اسعد صدیقی صاحب رکن شعبۂ تنظیم وترقی دارالعلوم وقف دیوبند نے غیر معمولی اور لائق تشکر جدوجہد سے فراہم کر کے بلا تخصیص تمام علماء حق کواور باذوق اہل علم کوممنون کرم بنایا ہے راقم الحروف دعا گو ہے کہ حق تعالیٰ ان کی اس سعی جمیل کو ان کے حق میں توشہ آخرت فرمائے اور انکی اس خدمت دقیعہ کو قبولیت عامہ اور مقبولیت تامہ عطا فرمائے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ فی الدارین خیر الجزاء۔

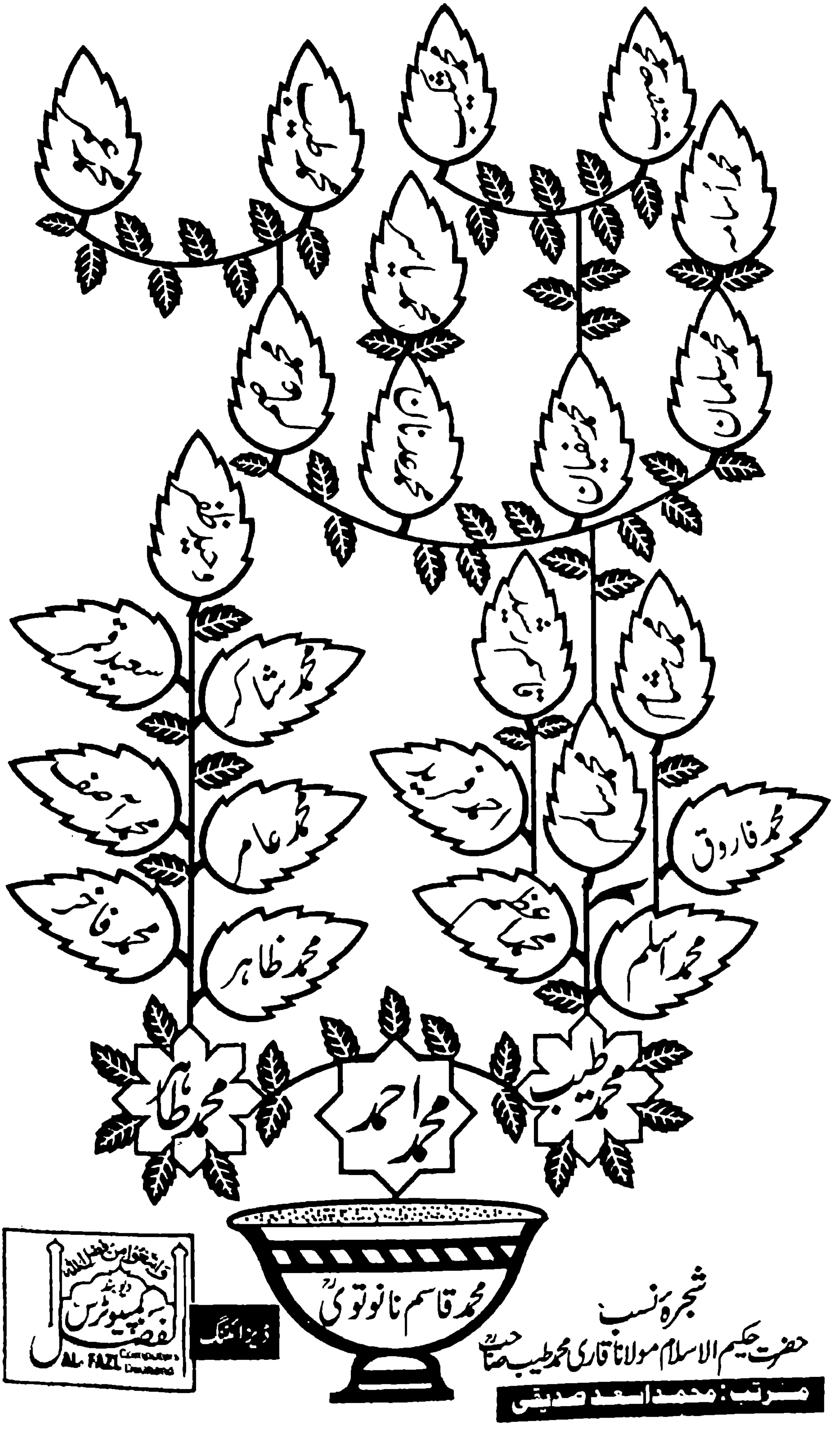
محمد سالم قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
۴/رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ
۲۸/ستمبر ۲۰۰۶ء یوم الخمیس



شجرۂ نسب

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مرتب: محمد اسعد صدیقی



شجرۂ نسب

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مرتب: محمد اسعد صدیقی

تعلیمی ریکارڈ

حکیم الاسلام

بحیثیت طالب علم

۱۳۲۲ھ لغایت: ۱۳۳۷ھ

مرتب

مولانا محمد مفتی محمد الیاس خاں صاحب گونڈوی

﴿۱﴾

۱۳۲۲ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مشق لہجۂ مصری میں سالانہ امتحان دیا اور ۴۵ رنمبر حاصل کئے۔ اور سوانح قاسمی اور تصفیۃ العقائد دو کتابیں انعام میں ملیں۔

❁❁❁

﴿۲﴾

۱۳۲۳ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور حسبِ ذیل نمبرات اور حسبِ ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن کریم ۶ پ حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	قرآن شریف
۲	بمشق لہجۂ عربی و مصری	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	تعلیم الدین
۳-	زبانی قواعدِ تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	جزاء الاعمال جمال قاسمی لطائفِ قاسمی

❁❁❁

﴾۳﴿

۱۳۲۴ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور حسب ذیل نمبرات اور حسبِ ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن کریم پ ۱۴ حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۰	قرآن شریف
۲	عمل بالتجوید مع ترتیل پانچ رکوع مختلف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	شرح مائۃ عامل کلاں
۳-	عمل بالتجوید مع الترتیل از سورۂ یٰسین تا سورۂ حجرات، واز سورۂ ملک تا سورۂ مرسلات	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	شرح مائۃ عامل کلاں

﴾۴﴿

۱۳۲۵ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا مندرجہ ذیل نمبرات اور درج ذیل کتب انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن کریم پ ۱۸ حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	قرآن شریف
۲	رکوع ۵ مختلف مع الترتیل	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	بہشتی زیور حصہ ۱۰
۳-	زبانی قواعدِ تجوید	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۷	دستور المبتدی

﴿۵﴾

۱۳۲۶ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا مندرجہ ذیل نمبرات اور درج ذیل کتب انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	قرآن کریم تمام حفظ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	قرآن شریف
۲	رکوع مختلف مع الترتیل	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	تجوید القرآن، صرف میر،
۳-	زبانی قواعدِ تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	قال اقول، ہدایۃ النحو میزان الصرف

﴿۶﴾

۱۳۲۷ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے قرآن شریف اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا مندرجہ ذیل نمبرات اور درج ذیل کتب انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	رکوع ۵ مختلف مع سبعہ قرأۃ مع التدویر	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	بہشتی گوہر
۲	رکوع ۴ مختلف مسلسل التدویر	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	پنج گنج
۳-	قواعدِ تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	محمود نامہ، فرہنگ انوار سہیلی
۴	مفید نامہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۲	مالابدمنہ
۵	صفوۃ المصادر	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	بوستاں
۶	گفتگو نامہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	انشائے بہار عجم
۷	مفید الانشاء	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	قواعد فارسی
۸	حمد باری	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۹	کریما	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۱۰	تشریح الحروف	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۱۱	حکایاتِ لطیف	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۲	حساب تقسیم بسیط تک	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	

﴿۷﴾

۱۳۲۸ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے قرآن شریف اور تجوید شریف اور درجہ فارسی میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	از سورۂ نبا تا سورۂ شمس ترتیلاً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	کافیہ
۲	رکوع مختلف تدویراً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	ابواب الصرف جدید
۳-	رکوع مختلف در سبعہ قرأۃ	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	جمال قاسمی
۴	زبانی قواعدِ تجوید شریف	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	
۵	پند سودمند	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۲	فصول اکبری
۶	مصدر فیوض	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	صرف میر
۷	رقعاتِ نظامیہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	ہدایۃ النحو
۸	گلستان سعدیؒ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۴۹	تحفۃ الحمیۃ
۹	حساب کسور عام	منشی منظور احمد صاحبؒ	۵۰	-----

﴿۸﴾

۱۳۲۹ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے تجوید شریف اور فارسی کی درج ذیل کتب اور میزان ومنشعب میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	میزان الصرف	مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ	۵۰	صرف میر
۲	منشعب	مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحبؒ	۵۰	تحفۃ الحمیہ
۳-	از سورۂ نبا تا سورۂ ناس مسلسل	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	اصلاح الرسوم، اصلاح الخیال، چہل حدیث، حیات خضر، فرحت الصائمین، القول الیمین، وظیفہ کریمی، رقعات امان اللہ حسنی
۴	ترتیلاً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۵	تدویراً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۶	حدراً	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۱	
۷	زبانی قواعد تجوید	مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ	۵۰	
۸	مالا بدمنہ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۱	
۹	بوستان سعدیؒ	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	تذکرۃ الرشید حصہ اول
۱۰	رقعات عالمگیری	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۱	احسن القواعد	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۰	
۱۲	حساب کسور اعشاریہ وغیرہ	منشی منظور احمد صاحبؒ	۵۱	

﴿۹﴾

۱۳۴۰ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے درجہ عربی کی ابتدائی کتب اور فارسی کی اعلیٰ کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	صرف میر	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۵	
۲	علم الصیغہ	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۱	
۳-	پنج گنج	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۱	
۴	رقعات امان اللہ حسینی	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۴۹	
۵	احسن القواعد	مولانا محمد یٰسین صاحبؒ	۵۲	
۶	انوار سہیلی	مولانا محمد یٰسین صاحب	۴۸	
۷	تحریر اقلیدس مقالہ اوّل	منشی منظور احمد صاحبؒ	۵۱	
۸	حساب اربعہ سے شراکت تک	منشی منظور احمد صاحبؒ	۴۹	

﴿۱۰﴾

۱۳۳۱ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے درجہ عربی کی ابتدائی کتب اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱	صغریٰ کبریٰ	مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ	۵۲	شریفیہ
۲	فصول اکبری	مولانا علی اظہر صاحب بلیاویؒ	۵۱	
۳-	شرح مائۃ عامل	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۱	
۴	مفید الطالبین	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۵	نحو میر	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۶	ہدایۃ النحو	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۴۹	
۷	مرقات	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۵۰	
۸	از سورۂ تطفیف تا سورۂ ناس	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۸	نہر الفصاحت ضریری
۹	رکوع مختلف در اجزائے سبعہ	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۵	مصباح الحل الکافی
۱۰	زبانی قواعد تجوید	قاری عبدالوحید صاحب	۴۰	ایساغوجی

﴿۱۱﴾

۱۳۳۲ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے درجہ عربی کی ابتدائی عربی کی درج ذیل کتب اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱-	کافیہ	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	۶۶	مجموعہ عجیبہ
۲-	شرح جامی بحث فعل	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	۶۰	اصلاح الرسوم
۳-	منیۃ المصلی	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	۵۳	خط امام غزالیؒ
۴-	قدوری	مولانا نبیہ حسن صاحبؒ	۴۹	القول الفصیح فی مکائد المسیح
۵-	کنز الدقائق	مولانا عبد السمیع صاحبؒ	۵۳	
۶-	نفحۃ الیمن	مولانا عبد السمیع صاحبؒ	۵۰	
۷-	کفایۃ المتحفظ	مولانا عبد السمیع صاحبؒ	۵۰	
۸-	شرح تہذیب	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۵۴	
۹-	سورۂ ملک تا سورۂ مرسلات	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۸	وردنامہ، ادلہ کاملہ
۱۰-	وقال ارکبوا بروایت قالونؒ	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۷	قصیدۂ مدحیہ
۱۱-	سورۂ طٰہٰ بروایت خلادؒ	قاری عبد الوحید صاحبؒ	۴۷	حقوق العلم، ہدیۃ الوحید

﴿۱۲﴾

۱۳۳۳ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے درج ذیل کتابوں اور تجوید میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱-	شرح جامی بحث اسم	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۷	
۲-	قطبی تصدیقات	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۴	
۳-	میر قطبی	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۱	
۴-	نورالانوار	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۵-	اُصول الشاشی	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۰	
۶-	شرح وقایہ اوّلین	مولانا گل محمد خاں صاحبؒ	۴۰	
۷-	سورۂ قٓ تا سورۂ حدید ترتیلاً	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۶	مناجات مقبول
۸-	تدویراً	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۶	مناجات مقبول
۹-	حدراً	قاری عبدالوحید صاحبؒ	۴۶	جمال القرآن

﴿۱۳﴾

۱۳۳۴ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱-	میبذی	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۵۳	جامع الآثار
۲-	ہدایہ اولین	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۴۶	مباحثہ شاہجہانپور
۳-	شرح عقائد نسفی	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۴۰	
۴-	تلخیص المفتاح	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۵۱	
۵-	مختصر المعانی	مولانا عبدالسمیع صاحبؒ	۴۲	
۶-	ملاحسن	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۳۵	
۷-	سلم العلوم	مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ	۱۷	

﴿۱۴﴾

۱۳۳۵ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱-	جلالین شریف	مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ	۵۱	مطوّل
۲-	میر زاہد ملا جلال	مولانا غلام رسولؒ	۵۰	الفاظ مترادفہ
۳-	رسالہ میر زاہد مع غلام یحییٰ	مولانا غلام رسولؒ	۵۰	فیوض قاسمیہ
۴-	مقامات حریری	مولانا حبیب الرحمٰنؒ	۴۶	
۵-	صدرا	مولانا ابراہیم صاحبؒ	۴۶	
۶-	شمس بازغہ	مولانا ابراہیم صاحبؒ	۴۳	

﴿۱۵﴾

۱۳۳۶ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور درج ذیل نمبرات اور درج ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱-	مشکوٰۃ شریف	مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ	۵۱	نفحۃ الیمن
۲-	نخبۃ الفکر	مولانا سراج احمد صاحبؒ	۵۱	قصیدۂ مناجاتیہ
۳-	عروض المفتاح	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۵۱	
۴-	حمد اللہ	مولانا غلام رسول صاحبؒ	۴۶	
۵-	رشیدیہ	مولانا احمد شبیر صاحبؒ	۵۰	
۶-	حسامی	مولانا احمد شبیر صاحبؒ	۴۵	

﴿۱۶﴾

۱۳۴۷ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے دورۂ حدیث شریف کی مندرجہ ذیل کتابوں میں سالانہ امتحان دیا اور مندرجہ ذیل نمبرات اور مندرجہ ذیل کتابیں انعام میں حاصل کیں۔

نمبر شمار	نام کتاب ممتحنہ	نام استاذ جن سے پڑھا	نمبر حاصل کردہ	انعامی کتب
۱-	بخاری شریف	علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ	۴۰	مسلم الثبوت، سراجی، براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم
۲-	ترمذی شریف	علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ	۴۵	
۳-	مسلم شریف	مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ	۵۰	
۴-	موطأ امام محمدؒ	مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ	۴۵	
۵-	موطأ امام مالکؒ	مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ	۴۰	
۶-	ابوداؤد شریف	مولانا سید اصغر حسینؒ	۴۰	
۷-	طحاوی شریف	مولانا سید اصغر حسینؒ	۴۲	
۸-	نسائی شریف	مولانا شبیر احمد عثمانیؒ	۴۴	
۹	ابن ماجہ شریف	مولانا غلام رسول خاںؒ	۴۲	
۱۰	شمائل ترمذی شریف	مولانا غلام رسول خاںؒ	۴۵	
۱۱	بیضاوی شریف سورۂ بقرہ	مولانا غلام رسول خاںؒ	۴۵	

سوانحی خاکہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

فقیہ میرٹھ، عارف باللہ خلیفہ حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا حکیم محمد اسلام صاحب مدظلہ
مہتمم جامعہ عربیہ نور الاسلام، شاہ پیر گیٹ، میرٹھ

آپ ہندوستان کے مشہور و معروف عالم ربانی، عارف باللہ، شیخ العرب والعجم، خطیب بے بدل، مرشد بے مثال، مصلح باکمال، حکمت قاسمی کے امین، زہد اور جہد شیخ الہند کے علمبردار، معارف اشرفی کے وارث، جمال اشرفی کے مظہر، تدبر حبیبی کے تذکار، تفکر ابراہیمی کے ترجمان، علوم انوری کے مثال بے مثال، خطابت عثمانی کے بدل بے بدل، بانی دارالعلوم، سالار کارواں، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ بانی دارالعلوم دیوبند کے حفید، مہتمم ثالث دارالعلوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے فرزند ارجمند، مجدد ملت حضرت حکیم الامتؒ کے ممتاز خلیفہ تھے.

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت محرم الحرام ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء بروز اتوار دیوبند میں ہوئی. آپ کا نام نامی محمد طیب تجویز کیا گیا اور تاریخی نام مظفر الدین رکھا گیا اول نام سے آپ کی شہرت ہوئی.

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے تھے کہ میری پیدائش کے ساتھ ایک بزرگ کی کرامت وابستہ ہے، فرماتے تھے کہ حضرت حافظ احمد صاحبؒ کے پہلے تین اولاد ہوئی. اور ان تینوں کا بچپن میں انتقال ہوگیا، اس کے بعد ایک مدت تک حضرت حافظ صاحب کے یہاں کوئی اولاد نہ ہوئی، حضرت شیخ الہندؒ کو اس کی زیادہ فکر تھی،

ان کی خواہش تھی کہ خاندانِ قاسمی کا سلسلہ آگے بڑھے، حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبدالاحد صاحب کے والد مولانا عبدالسمیع صاحبؒ کو فتحپور کے ایک صاحب کرامت بزرگ کی خدمت میں بھیجا جو اولاد کے سلسلہ میں مستجاب الدعوات تھے. کہ ان سے حضرت حافظ صاحب کی اولاد کے لئے دعاء کروائیں، ان بزرگ نے حضرت شیخ الہندؒ کا پیغام سن کر تھوڑی دیر مراقبہ کیا، اور پھر سر اٹھا کر ان الفاظ میں بچہ کے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی. لڑکا ہوگا، حافظ ہوگا، قاری ہوگا، مقتدیٰ ہوگا، عالم ہوگا، حاجی ہوگا، قاری صاحب فرماتے تھے کہ ان بزرگ کے یہ کلمات کسی حد تک تو صادق آہی گئے.

تعلیم وتربیت

حضرت قاری صاحبؒ جب اس عمر کو پہونچے جس عمر میں عموماً بچوں کو بسم اللہ کرائی جاتی ہے، تو اکابر کے مجمع میں آپ کی بسم اللہ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ والد ماجد حضرت شیخ الہند کے ہاتھ پر ہوئی، جو اس وقت دیوبند ہی میں نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں علم وفضل دین وتقویٰ کے اعتبار سے ممتاز تھے، بسم اللہ کی اس مجلس میں حضرت مولانا ذوالفقار صاحبؒ کے علاوہ حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ جیسے پائے کے بزرگ اور عالم تھے، بسم اللہ کے بعد اکابر نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی، بزرگوں کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی اللہ نے لاج رکھی، اور حضرت قاری صاحبؒ علم وفضل اور کمال شہرت کے اس مقام پر پہنچے کہ ہندوستان کی بہت کم علمی دینی شخصیتوں کو یہ مقام نصیب ہوا.

حضرت قاری صاحب کو حفظ قرآن کے لئے حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے قاری عبدالوحید صاحب کو الہ آباد سے بلوایا گیا، جب وہ دیوبند آگئے، تو حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت حافظ صاحب سے گذارش کی کہ ان کو دارالعلوم میں رکھ لیا جائے تا کہ قاری صاحب کے ساتھ دوسرے طلبہ بھی مستفید ہوسکیں. اس طرح دارالعلوم میں شعبہ تجوید کا اجراء ہوا گویا یہ حضرت قاری صاحب کی برکت کا پہلا ظہور ہوا.

حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ دارالعلوم میں شعبۂ تجوید قائم ہونے کا سبب میں ہی ہوں۔اور میں ہی اس شعبہ کا پہلا شاگرد ہوں۔۱۳۲۶ھ میں جب آپ کی عمر ۱۱؍سال ہوئی، آپ نے حفظ قرآن تجوید کے ساتھ مکمل فرمالیا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں جمال صورت وسیرت سے نوازا تھا وہیں آپ کی آواز بھی بلند تھی اور اس میں لحن داؤدی بھی تھا۔ جس مجلس میں آپ قرآن کی تلاوت فرماتے، ایک سماں بندھ جاتا، اکابر آپ سے قرآن سنتے، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوتے تو حضرت جہری نماز کے لئے آپ ہی کو آگے بڑھاتے، یہ صرف حضرت قاری صاحبؒ کی خصوصیت تھی، ورنہ خانقاہ تھانہ بھون کی مسجد میں حضرت تھانویؒ کی موجودگی میں دوسرا امام نہ ہوتا۔

حفظ قرآن کی تکمیل کے بعد آپ نے فارسی، ریاضی وغیرہ کی تکمیل کی ۱۳۳۰ھ میں عربی میں داخل ہوئے اور آپ کی ابتدائی کتابیں بھی ان اساتذہ کے پاس ہوئیں جو علوم اسلامیہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے، جیسے حضرت شیخ الہندؒ، حکیم الامت حضرت تھانویؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن، علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ وغیرہم انھیں حضرات اساتذہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کی اور ۱۳۳۷ھ میں آپ فارغ ہوئے۔

خطابت: آپ کے طالب علمی کے زمانہ میں طلباء میں ادبی ذوق پیدا کرنے کیلئے اصلاح اللسان کے نام سے ایک انجمن تھی جس میں اساتذہ وطلبہ سب شریک ہوتے، عربی فارسی اور اردو کے اشعار کہتے اور اس مجلس میں پیش کرتے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس مجلس کے صدر ہوتے، حضرت مولانا اعزاز علیؒ کو اس مجلس سے خاص دلچسپی تھی، اس وجہ سے آپ اس میں ضرور شریک ہوتے، اساتذہ کے ساتھ طلباء بھی اپنا کلام سناتے جن کی اساتذہ اصلاح دیتے اس طرح ان طلبہ کے علمی وادبی ذوق کو جلا ملا کرتی تھی، حضرت قاری صاحبؒ بھی اس مجلس میں شریک ہوتے اور اپنا اردو عربی و فارسی کا کلام سناتے اساتذہ داد دیتے اور پسند فرماتے۔

تقریر وتحریر میں آپ کو جو ملکہ حاصل ہوا وہ اس زمانہ کی مشق وتمرین کا ثمرہ تھا، زمانہ طالب علمی ہی میں آپ کی تقریر نہایت شستہ پر اثر مربوط ہوا کرتی تھی، آپ تقریر کی مشق میں بڑی محنت کرتے، کتابوں کا مطالعہ کرتے، جس موضوع پر تقریر کرنی ہوتی، ان کتابوں سے اس پر مواد حاصل کرتے پھر ان کو تحریری طور پر نوٹ کرتے اور اس کو ترتیب دے کر پھر آپ اس کی مشق کرتے، اس ابتدائی محنت اور تمرین ومشق کا نتیجہ تھا کہ آپ کو خطابت وتقریر میں وہ کمال حاصل ہوا جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا.

حضرت قاری صاحبؒ اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

تحریر وتقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی، اسے بڑھنے اور ترقی دینے نیز اس لائن پر سفر کرانے میں یہ اکابر پیش پیش رہتے تھے اسی طالب علمی کے دور میں حضرت الاستاذ علامہ کشمیریؒ مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے، بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریر کرائی، یہ واقعہ اب سے ساٹھ سال پہلے کا ہے، لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں میرے کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کے لئے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا، نہ سر پر ٹوپی تھی، نہ پیر میں جوتا، اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آ گیا، حضرت علامہ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا، کہ یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں، ہرگز خیال نہ کیجئے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں، تو ان کے پاس کچھ نہیں ہے بلکہ یہ سمجھئے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے، یہ حضرت الاستاذ کی حوصلہ افزائی تھی، ورنہ کہاں ایک معمولی سا طالب علم اور کہاں لعل ویاقوت.

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی پیش گوئی، حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں من وعن پوری ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو پورے عالم اسلام کے لئے لعل ویاقوت بنا دیا.

ہندوستان میں بمبئی کا پورا علاقہ بدعت زدہ تھا، حضرت حکیم الاسلامؒ دعوت وتبلیغ

کے سلسلہ میں بمبئی تشریف لے گئے، ابتدائی طور پر وہاں کے لوگوں کے کیا احوال تھے اور بعد میں کیا تأثرات تھے، حضرت حکیم الاسلامؒ اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

جب میں پہلی مرتبہ بمبئی گیا تو میرے خلاف بدعتیوں نے قد آدم پوسٹر لگائے اور عوام کو بتایا کہ نعوذ باللہ ''کفار دیوبند'' میں یہ شخص ''اکفر الکفار'' ہے، کیونکہ دیوبند کے تمام بڑے کفار سے اسے نسبت حاصل ہے، حضرت شیخ الہند کا مرید ہے. حضرت تھانویؒ کا مجاز ہے اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کا مخصوص شاگرد ہے. اس لئے اس میں کفر کی ساری نسبتیں جمع ہیں. سنّی بھائیوں کو چاہئے کہ اس کی صورت بھی نہ دیکھیں ورنہ ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہے. عجیب اتفاق کہ یہ پوسٹر ہی اس جلسہ میں جس میں آپ کی تقریر ہونے والی تھی لوگوں کی غیر معمولی حاضری کا سبب بن گیا، لوگوں نے کہا کہ دیکھنا چاہئے کہ آخر اتنے بڑے کافر کی شکل وصورت کیسی ہوگی، اور وہ لوگوں کو کیا کیا کفریہ باتیں تلقین کرے گا.

اس پوسٹر میں دوسرے علماء دیوبند کو بھی سب وشتم سے جی بھر کے نوازا گیا تھا لیکن خلاف توقع اس دن وعظ میں اتنا بڑا اجتماع کہ بمبئی کی تاریخ میں اتنا بڑا مجمع لوگ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا، پرانے قبرستان کے میدان میں جلسہ تھا، تا حد نظر پورا میدان انسانوں سے بھرا ہوا تھا، لوگوں کا محتاط اندازہ ہے کہ تیس چالیس ہزار انسانوں کا اجتماع تھا. ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا بمبئی ٹوٹ پڑا ہے.

اس دن وعظ تقریباً تین گھنٹے ہوا، مجمع پر سکوت طاری تھا، آپ اپنے دستور کے مطابق مثبت انداز میں تقریر فرمارہے تھے، آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالہ سے اولیاء اللہ کے واقعات اور اپنے اسلاف واکابر کی خدمات کا تذکرہ بڑے مؤثر انداز میں بیان فرمارہے تھے، اللہ کے فضل وکرم سے سامعین نے غیر معمولی اثر لیا اور پورے بمبئی میں مشہور ہوگیا کہ اگر علماء دیوبند ایسے ہوتے ہیں تو پھر ان سے بہتر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا.

اب نتیجہ یہ ہوا کہ ان محلوں سے تقریر کی دعوتیں آنا شروع ہوگئیں جو خاص مخالفین

علماء دیوبند کے محلے کہلاتے تھے اور پھر انتیس دن تک مسلسل یومیہ آپ کی تقریریں بمبئی کے مختلف محلوں میں ہوتی رہیں جن میں عوام وخواص کی بہت بڑی بھیڑ ہوتی تھی.

اسی کے پیش نظر حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے حضرت حکیم الاسلامؒ کو فاتح بمبئی کا خطاب عطافرمایا.

مجالس حکیم الاسلام کے مرتب حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مدظلہٗ العالی (مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند) تحریر فرماتے ہیں.

اس سے پہلے اہل بمبئی کو علماء دیوبند سے اس درجہ متنفر کر دیا گیا تھا کہ اگر کوئی دیوبندی عالم مبتدعین کی مسجد میں چلا جاتا تو مسجد کو دھلوا کر پاک کرائی جاتی تھی، لیکن اس اجتماع کے بعد نوعیت یہ ہوئی کہ جن لوگوں نے حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کو پستول دکھا کر مرعوب کرنا چاہا تھا، وہی لوگ حضرت حکیم الاسلامؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، اور ان لغویات سے توبہ کی اور اہل اللہ میں ہونے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے.

خطیب اعظم برصغیر، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقسیم ہند سے قبل مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے سالانہ جلسہ میں خیر العلماء حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ کی دعوت پر پورے اہتمام سے شرکت فرمایا کرتے تھے.

اور قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی اس جلسے میں پابندی سے شرکت اور منفرد دینی موضوعات پر بے مثال تقریر اس جلسے کی قابل ذکر خصوصیت بن گئی تھی، جس کے بارے میں حضرت امیر شریعت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری حضرت حکیم الاسلام صاحبؒ سے فرمایا کرتے تھے کہ میں اس جلسے میں صرف انہی کی تقریر سننے کے لئے آتا ہوں اور فرماتے کہ "ان کی ایک تقریر سے میری سال بھر کی سینکڑوں تقریریں تیار ہو جاتی ہیں"

جامع الصفات ہستی

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام تر خوبیوں سے نوازا تھا اور مجمع کمالات بنایا تھا، اسلاف صالحین کی تمام خصوصیات و

کمالات آپ میں موجود تھیں.

حضرت مولانا اشرف سعودی صاحب دامت برکاتہم مہتمم سبیل الرشاد بنگلور رقم طراز ہیں. حکیم الاسلامؒ! آپ علم وحکمت کا چمکتا ہوا چاند تھے، جس کی خنک اور ٹھنڈی چاندنی ہزاروں کے لئے وجہ سکون اور سامان قرار تھی کسی بھی محفل میں آپ قدم رنجہ فرماتے تو واقعی ایسا محسوس ہوتا کہ ماہتاب علم وحکمت طلوع ہو رہا ہے، چادر مہتاب پھیلتی جارہی ہے اور دل ودماغ سکون وطمانیت کی اسی لطیف کیفیات سے آسودہ ہوتے چلے جاتے ہیں جن کو بیان نہیں کیا جاسکتا، اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آپ حکیم الاسلام تھے، خطیب الاسلام تھے. فخر الاماثل تھے، زبدۃ الافاضل تھے، عظیم المرتبت تھے، رفیع المنزلت تھے، رئیس المتکلمین تھے، سلطان الواعظین تھے، میر کارواں تھے، پیرر ہرواں تھے، سالار قافلہ تھے، سرخیل طائفہ تھے، یادگار سلف تھے، تاجدار خلف تھے، بزرگوں کی آبرو تھے، خوردوں کی آرزو تھے. چشم وچراغ قاسمی تھے. گل سرسبز چمنستان قاسمی تھے. ملت اسلامیہ کی شان تھے، جماعت علماء کی آن تھے.

اللہ رب العزت نے آپ کو اتنے اوصاف عالیہ سے نوازا تھا اور آپ کی ذات بابرکات میں اتنے کمالات ودیعت فرما دیئے تھے کہ ہر خطاب آپ پر جچتا تھا، اور ہر لقب آپ کی کلاہ افتخار میں نگینے کی طرح جڑ جاتا تھا.

خلیفہ ومجاز جانشین حکیم الاسلام خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں.

قطب ارشاد حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات جامع الصفات وجامع النسب اور جامع الکمالات ہستی تھی کہ ایک نظر دیکھنے والے اہل ایمان واخلاص کا یہ وجدان حق بجانب ہوتا تھا کہ ہم نے تمام اکابر صالحین کو دیکھ لیا، شرکاء مجلس حکیم الاسلام کا یہ گمان برمحل ہوتا تھا کہ ہمیں تمام اسلاف صالحین کی مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوگئی.

اویس وقت عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ نے قطب الارشاد حضرت حکیم الاسلامؒ کے بارے میں فرمایا کہ:

''میرے عزیز مولانا طیب ہیں، اپنے بزرگوں کی تمام علمی خصوصیتیں اور روحانی نسبتیں حق تعالیٰ نے جمع فرما کر ان کی ذات کو سراپا فیض بنا دیا ہے۔'' حضرت امیر شریعت خطیب ملت مولانا سید عطاء اللہ بخاریؒ (ندیم) نے بطور نذرانۂ عقیدت حضرت حکیم الاسلام کی شان میں یہ دو شعر کہے تھے۔

بخت اگر رسا شود دست دہد سبوئے خوش
از نگہ سمن برے لالہ رخ، نکوئے خوش
باغ و بہار ما ندیم یعنی کہ جنت النعیم
روئے خوش است وخوئے خوش و بوئے خوش وگلوئے خوش

درس وتدریس

فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں درس وتدریس کا آغاز کیا اور درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھائیں، تدریسی زمانہ ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۴۳ھ تک رہا۔ مشکوٰۃ شریف عرصہ تک پڑھائی اس کے علاوہ احادیث کی دوسری کتابیں بھی گاہے بگاہے آپ کے ذمہ رہیں۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحبؒ کے انتقال کے بعد کچھ دنوں تک آپ نے بخاری شریف کا درس دیا مگر ضعف و پیری کثرت مشاغل اور کثرت اسفار کی وجہ سے مستقل اس کا درس دینا آپ کے لئے دشوار تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے بخاری کی تدریس سے سبکدوشی کر لی، حجۃ اللہ البالغہ سے آپ کو خصوصی شغف تھا اس کتاب کو آپ نے ہمیشہ پڑھایا اور آخیر میں بھی اس کا درس دیتے رہے۔

اہتمام دار العلوم دیوبند

دار العلوم کا منصب اہتمام ہمیشہ بڑا باوقار رہا ہے، اس منصب پر جو حضرات رہے ہیں وہ اپنے وقت کی یادگار و نابغہ روزگار شخصیتوں میں سے تھے، دار العلوم کے مہتممین کی فہرست میں حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ، حضرت مولانا رفیع الدینؒ صاحب،

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ جیسے لوگ ہیں، ان میں کا ہر فرد علم و فضل اور تقویٰ و امانت میں آفتاب و ماہتاب تھا، ان کی زندگی ہر اعتبار سے اسوہ اور نمونہ تھی.

حضرت قاری صاحبؒ کے والد ماجد حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ دارالعلوم کے مہتمم رہے اور نائب مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ تھے. ۱۳۴۳ھ میں حضرت قاری صاحبؒ کو آپ کے والد ماجد صاحب کا قائم مقام کر دیا گیا، حضرت حافظ احمد صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت عثمانیؒ مہتمم ہو گئے اور آپ نیابت اہتمام پر رہے، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۴۸ھ میں آپ نے اہتمام کے منصب کو سنبھالا اور تاحیات اس عہدہ کو زینت بخشی.

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی انسٹھ سال میں پانچ مہتممین نے اپنی مخلصانہ عظیم خدمات کے ذریعہ اس مدرسہ عربی کو ملک گیر دارالعلوم کے مقام رفیع تک پہنچایا، اور اس کی عمر کے مابعد ساٹھ سال میں تن تنہا حضرت حکیم الاسلامؒ نے بلا شرکت غیرے اس دارالعلوم کو ''عالمی مرکزی اسلامی یونیورسٹی'' کے بام عروج تک پہنچایا.

آپ کے دور میں دارالعلوم میں ہر اعتبار سے ترقی ہوئی، عمارات کا طویل سلسلہ قائم ہوا، طبیہ کالج کا قیام عمل میں آیا، مدرسین کا اضافہ ہوا، اسٹاف کی تعداد تقریباً ڈھائی سو افراد پر مشتمل تھی، طلبہ میں کافی اضافہ ہوا اور دارالعلوم کا عالمی تعارف ہوا، غیر ممالک سے طلبہ کی آمد ہوئی اور دارالعلوم کے فضلاء پوری دنیا میں پھیل گئے، ہند اور بیرون ہند کی عالمی شخصیتیں دارالعلوم میں آئیں، غرض مادی و معنوی ہر اعتبار سے دارالعلوم بام عروج کو پہنچا، ہزاروں کی تعداد میں دارالعلوم سے فضلاء نکلے، مصنفین واعظین اور مبلغین کی کھیپ کی کھیپ تیار ہوئی، اور آپ نے جشن صد سالہ کا انعقاد کر کے دارالعلوم کو عالمی شہرت عطا کی.

بیعت وخلافت ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوئے، شیخ الہندؒ کی وفات کے بعد حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کی طرف رجوع کیا

اور تربیت حاصل کی، اور ۱۳۵۰ھ میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے اجازت وخلافت سے سرفراز کئے گئے، تاریخ سلوک وتصوف میں یہ منفرد سعادت کبریٰ حضرت حکیم الاسلامؒ کو مشیت ربانی نے عطا فرمائی کہ ان کے مرشد حضرت حکیم الامت نے مرض وفات میں ایک مرتبہ حاضری کے موقعہ پر آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بوسہ دیا اور اپنے قلب مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ:

''اس ہاتھ سے ایک عجیب وغریب سکون وسکینت اپنے قلب میں محسوس کرتا ہوں، اور اس کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ کے علمی وروحانی فیضان اور عمر وصحت وسلامتی میں برکت کے لئے مستجاب دعائیں دے کر رخصت فرمایا.

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس راہ میں بھی اپنی رحمت وفضل سے نوازا تھا اور آپ کے ذریعہ بے شمار لوگوں کی اصلاح ہوئی اور ان کی ایمانی وروحانی واحسانی زندگی میں انقلاب پیدا ہوا، اور ہزاروں کی بگڑی ہوئی زندگی سنور گئی، کتنے لوگ آپ کے دست حق پرست پر حلقہ بگوش اسلام ہوئے، آپ کا حلقہ بیعت وارشاد ہندوستان سے نکل کر دوسرے بلاد وممالک تک پہونچا اور بہت سے لوگوں کو آپ نے اجازت بھی دی، آپ کے خلفاء ومجازین سینکڑوں کی تعداد میں ہیں.

تصنیف وتالیف

آپ اپنے وقت کے عظیم مصنف تھے، مختلف موضوعات پر تقریباً سو سے زائد تصنیفات ہیں، اور ہر کتاب اپنے مواد اور اپنی جامعیت اپنے اسلوب بیان اور اپنے طرز استدلال میں انوکھی ہے، ان کتابوں کو پڑھ کر قاری محسوس کرتا ہے کہ دائرہ معلومات میں بہت سی ایسی باتیں ضرور آ گئی ہیں جن پر اب تک نگاہیں نہیں پڑی تھیں. ہر کتاب آپ کی مخصوص طرز تحریر کے ساتھ عالمانہ ومحققانہ مباحث زبان وبیان کی رعنائیوں اور دل آویزیوں سے آراستہ وپیراستہ ہے. تصنیف وتالیف کا سلسلہ اخیر عمر تک جاری رہا، مختلف دینی علمی اور تاریخی موضوعات پر تقریباً سو سے زائد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ رسالے اور کتابیں اپنی یادگار چھوڑیں. جن میں

سے بعض یہ ہیں.

۱-التشبہ فی الاسلام
۲-سائنس اور اسلام
۳-تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام
۴-اصول دعوت اسلام
۵-اسلام اور فرقہ واریت.
۶-اسلامی عادات
۷-دین وسیاست
۸-اسباب عروج وزوال اقوام
۹-تفسیر سورۂ فیل
۱۰-الاجتہاد والتقلید
۱۱-فطری حکومت
۱۲-شان رسالت
۱۳-شرعی پردہ
۱۴-ڈاڑھی کی شرعی حیثیت
۱۵-علم غیب
۱۶-خاتم النبیین
۱۷-فلسفۂ طہارت
۱۸-آفتاب رسالت
۱۹-حدیث رسول کا قرآنی معیار
۲۰-انسانیت کا امتیاز
۲۱-اسلام کا اخلاقی نظام
۲۲-مشاہیر امت
۲۳-حاشیہ عقیدۃ الطحاوی وغیرہ
۲۴-فلسفۂ نماز

شعر وشاعری بلند پایہ مصنف اور خطیب ہونے کے ساتھ آپ قادر الکلام شاعر بھی تھے، اور جب کبھی کہنے پر آتے تو چار چار پانچ پانچ سو اشعار پر مشتمل نظمیں کہہ ڈالتے تھے. جس پر آپ کے شعری مجموعے (۱) جنون شباب (۲) عرفان عارف (۳) آنکھ کی کہانی (۴) ارمغان دارالعلوم شاہد ہیں.

آپ کے علمی، سیاسی واصلاحی کارناموں کا خلاصہ

آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم دیوبند نے غیر معمولی ترقی کی، آپ نے جشن صدسالہ کا انعقاد کر کے دارالعلوم کو عالمی شہرت عطا کی، اسی طرح آپ نے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت

کے دوران بہت سی قومی وملی سیاسی، سماجی خدمت انجام دیں جو آپ کا بذات خود ایک عظیم کارنامہ ہے، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب مدظلہٗ العالی ”آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ“ کے قیام کے روز اول سے جو ہندوستان کے مختلف الخیال گروہوں، دینی جماعتوں اور اداروں کا نمائندہ ہے ان کی وفات کے دن تک ان سے زیادہ موزوں اور متفق علیہ صدر نظر نہیں آتا، اور اس عہدہ پر باتفاقِ آراء شروع سے آخر تک رہے، آپ نے علمی کارنامہ بھی انجام دیا اور سو سے زائد مختلف اسلامی موضوعت پر کتابیں لکھیں، آپ اپنے زمانہ کے بہترین خطیب ومقرر تھے، چنانچہ آپ کی تقریروں سے بہت سی برائیاں اور رسوم ختم ہوئیں ”خطبات حکیم الاسلام“ انھیں تقریروں کا مجموعہ ہے.

آپ اپنے وقت کے عظیم شیخ طریقت مرشد و مصلح اور قطب ارشاد تھے، لاکھوں افراد آپ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور سیکڑوں آپ نے اپنے خلفاء اور مجازین چھوڑے، اور اس لائن سے بھی آپ نے عظیم کارنامہ انجام دیا.

وفات: ۶ رشوال المکرّم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ رجولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار ۸۸ رسال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا، آپ کی نمازِ جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطہ میں ادا کی گئی، آپ کے جانشین خطیب العصر حضرت مولانا سالم صاحب دامت برکاتہم نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور مزارِ قاسمی ہی میں اپنے جد امجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی، ایک لاکھ سے زائد افراد نے جنازہ میں شرکت کی.

والحمد للّٰہ اوّلاً و آخراً.

خاندانِ قاسمی

حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب

دار الافتاء دارالعلوم دیوبند

علم وعمل کی دنیا میں خانوادہ قاسمی کسی تعارف کا محتاج نہیں، شرق سے لے کر غرب تک اور جنوب سے لے کر شمال تک اسی علمی خانوادہ کی خدمات آفتاب وماہتاب کی طرح روشن ہیں. جس خاندان کی جدو جہد کے نتیجہ میں دیوبند سے علمی چشمے پھوٹے اور دنیا میں پھیلے اور برابر پھیلتے ہی جارہے ہیں. کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اس سے ناواقف ہے. ہند و پاک، برما، بنگلہ دیش سمرقند و بخارا، ملیشیا و افغانستان، افریقہ و نیپال اور دوسرے ممالک میں جہاں جایئے کوئی نہ کوئی دار العلوم دیوبند کا فاضل اور اس کے فیض وبرکات سے متمتع انسان ضرور ملے گا.

مسلمانی حکومت کا زوال اور اسکے اثرات

۱۸۵۷ء میں مغلیہ سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا. ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک تاریکی ہی تاریکی تھی. دین و دیانت، امن وسکون اور اخلاق ومروت کا نام مٹنا شروع ہو چکا تھا. بالخصوص مسلمان بڑی بے بسی اور کش مکش میں مبتلا تھے. اور اس کے اثرات پوری اسلامی دنیا پر پڑ رہے تھے.

مصائب و آلام کا ایک امنڈتا ہوا طوفان تھا جو مسلمانانِ عالم کو اپنی لپیٹ میں لینے کیلئے بیتاب تھا. بلکہ اب وہ مسلمانوں کی دنیا تباہ کرنے کے بعد اس کے دین پر شب خون مارنے کی تیاریوں میں مصروف تھا انگریزی دور حکومت ایک عذاب تھا جو کمزوروں اور نہتے انسانوں کو جینے کا حق دینے کے لئے تیار نہیں تھا اور یورپ کا جادو مذہب وایمان کے لئے ایک خطرہ بن چکا تھا.

حضرت نانوتویؒ کی بے چینی

یہ حالات تھے جن میں اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ بندہ جس کو دنیا قاسم العلوم والخیرات اور حضرت نانوتویؒ کے نام سے یاد کرتی ہے. کمرکس کر اٹھا اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھا جب تک اس نے متحدہ ہندوستان سے عیسائی پادریوں کو بے آبرو ہو کر نکلنے پر مجبور نہیں کر دیا. اور جب تک دیوبند جیسے گمنام قصبہ میں اسلامی تعلیمات کی اشاعت و تحفظ کے لئے ایک ایسے عربی مدرسہ کی داغ بیل نہیں ڈال دی گئی جس نے تھوڑے دنوں کے بعد ہی اس ملک میں مرکز کی حیثیت اختیار کر لی اور قدرت نے اسے عالمگیر شہرت و مقبولیت عطا کر دی.

اس مرکز کے قیام کے بعد مدارس دینیہ کا نہ ختم ہونے والا ایک لمبا سلسلہ شروع ہو گیا اور ان تمام کا مالی بار خود مسلمانوں نے برداشت کیا, تاریخ گواہ ہے کہ اس سلسلہ کی آبیاری اور حوصلہ افزائی میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا. آپ ہر جگہ پیش پیش تھے.

صاحب سوانح حکیم الاسلام حضرت مولانا حافظ قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا نسبی اور علمی تعلق اور خونی رشتہ اسی خانوادۂ قاسمی سے ہے. آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے فرزند ارجمند ہیں.

حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا وطن

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کا آبائی وطن نانوتہ ضلع سہارنپور تھا. اسی قصبہ میں آپ نے آنکھیں کھولیں اور یہیں آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی. یہ ایک قدیم قصبہ ہے جو تحصیل دیوبند ہی میں واقع ہے، یہ دیوبند سے جانب مغرب صرف ۱۶/میل کی دوری پر واقع ہے. دہلی سے البتہ جانب شمال ۸۰/میل پڑتا ہے.

اس کی چوحدی یہ ہے شمال میں سہارنپور (۱۸) میل، جنوب میں تھانہ بھون (۱۹) میل، پچھم میں گنگوہ (۱۲) میل اور پورب مین دیوبند (۱۶) میل.

نانوتہ کے نام سے چھوٹی لائن کا اسٹیشن بھی تھا. اس قصبہ میں تھانہ اور ڈاکخانہ دونوں واقع ہیں.

یہاں مختصر سا بازار بھی ہے. اس کی آبادی آج کل تقریباً چھ سات ہزار ہے. اس قصبہ میں شیوخ کی کافی آبادی ہے، حضرت نانوتویؒ اسی خاندان شیوخ کے چشم و چراغ ہیں. آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ پر جا کر ختم ہوتا ہے.

خاندانِ حضرت نانوتویؒ اور علم وفضل

آپ کے والد محترم کا نام شیخ اسعد اللہ تھا. گویہ بزرگ خود فارسی تک کے ہی تعلیم یافتہ تھے. مگر انھوں نے آپ کو اعلیٰ عربی تعلیم دلائی تھی، اور اپنی زندگی ہی میں فرزند دل بند کو پروان چڑھتے دیکھا، یوں اس خاندان میں آپ سے پہلے بہت سے علماء اور صلحاء گذر چکے تھے، اور اس زمانہ میں بھی بعض بہت مشہور علماء موجود تھے. جیسے مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ ۱۳۰۲ھ سابق صدر مدرس و شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مولانا محمد احسن صاحب نانوتوی ۱۳۱۲ھ مصنف احسن القواعد و دیگر کتب، حضرت مولانا یعقوبؒ صاحب نانوتویؒ ۱۳۰۲ھ سابق صدر المدرسین و شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، آخرالذکر بزرگ کو حضرت نانوتویؒ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے خود لکھتے ہیں:

”حقیر اور مولوی (محمد قاسم) صاحب کے بہت سے روابط اتحاد تھے. ایک مکتب میں پڑھا، ایک وطن، ایک نسب، ہم زلف ہوئے، ایک استاذ سے ایک وقت میں علم حاصل کیا. اور بعض کتابیں میں نے مولانا (محمد قاسم) سے پڑھیں ایک پیر (حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ) کے مرید ہوئے. ہم سفر دو سفر حج کے رہے اور ایک زمانہ دراز تک ساتھ رہے.

(سوانح حضرت مولانا محمد قاسم صاحب مؤلفہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ)

حضرت نانوتویؒ کا علم وفضل

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے طالب علمی کا زمانہ دہلی میں گذارا، حکیم الاسلام

حضرت مولانا محمد طیب صاحب نانوتویؒ کے والد محترم حضرت مولانا مملوک علیؒ ۱۲۶۷ھ عربک کالج دہلی میں استاذ تھے، دہلی جانے کا وسیلہ آپ ہی ثابت ہوئے. بلکہ آپ ہی کے حکم سے حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند دہلی پہنچے. یہ محرم ۱۲۶۰ھ کا زمانہ تھا، عربک کالج میں کافیہ سے تعلیم شروع ہوئی اور یہاں کا نصاب ختم کرنے کے بعد یہیں دہلی میں آپ نے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی (۱۲۸۶ھ) سے دورۂ حدیث ختم کیا، البتہ ابوداؤد شریف وہاں نہیں پڑھ سکے تھے. وہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) سے پڑھی.

اپنے تمام زمانہ طالب علمی میں حضرت نانوتویؒ اپنے ساتھیوں میں ممتاز اور سب پر فائق رہے. طلبہ کے جس مجمع میں پہنچ جاتے چھا جاتے، سارے نوجوان آپ کی طباعی اور ذہانت کے معترف تھے.

حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ نے جو سند حدیث اپنے دستِ خاص سے لکھ کر حضرت نانوتویؒ کو مرحمت فرمائی. اس میں آخر میں صراحت ہے.

وَاَمّا رأیتُ تاھله لد راسته الحدیث لکمال فطانت و تمام ذِهانة مع صلاحیت الحال فی العمال و الاقوال و الا فعال اجزتُ لهٗ مایتسرلی من حصول الاجازة من والدی ومرشدی عن الشیخ عبد العزیز المحدث رحمة الله علیهما و کذالك حصل لی الاجازة من محدث دارالهجرة الشیخ عابد السندی (انوار قاسمی ص۱۱۴ ج۱)

حضرت نانوتویؒ کی خدمات

حضرت نانوتویؒ نے اپنے دور میں جو نمایاں خدمات انجام دی ہیں، وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، علمی دینی سیاسی اور اصلاحی تمام شعبہ جات میں آپ کی کاوشیں ظاہر ہیں. ستمبر ۱۸۵۷ء میں آپ نے شاملی کے میدان میں انگریزی اقتدار سے جنگ کی اور پوری جماعت علماء کے ساتھ مل کر کی، اس جہاد میں حافظ محمد ضامنؒ (۱۲۷۴ھ) شہید ہوئے تھے،

اس جنگ آزادی میں آپ نے بڑی بہادری سے اپنے فرائض انجام دیئے، گولی آپ کو بھی لگی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے صاف بچالیا، اور بقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ یہ بچنا بھی آپ کی کرامت تھی، آپ نے لکھا ہے:

"گولی چل رہی تھی کہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا کہ گولی لگی، ایک بھائی دوڑے پوچھا کیا ہوا؟ فرمایا سر میں گولی لگی، عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان نہ ملا. اور تعجب یہ ہے کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے، انہیں دنوں ایک فوجی نے وارانہ بندوق ماری جس سے ایک مونچھ اور کچھ ڈاڑھی جل گئی اور قدرے آنکھ کو صدمہ پہنچا. (سوانح مولانا محمد قاسمؒ ص ۱۸)

جہاد شاملی کے بعد جب انگریزی اقتدار مضبوط ہو گیا تو انگریزی حکومت کی طرف سے آپ کے نام اور آپ کے ساتھیوں کے نام وارنٹ نکلا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں بھی آپ کی محافظت فرمائی اور گرفتار نہیں ہو سکے.

آپ نے اس زمانہ کے مختلف فتنوں کا مقابلہ کیا. بدعات اور شیعیت کے خلاف جدوجہد کی. اور اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں بڑی کامیابی عطا کی، انگریزی حکومت کے زیر سایہ پادریوں نے ہندوستان پر ہلّہ بول دیا. اور سعی کی کہ سارا ہندوستان عیسائی مذہب قبول کر لے آپ نے ان پادریوں کا بھی جم کر مقابلہ کیا اور بالآخر انہیں میدان چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا.

دارالعلوم

آپ کی زندگی کا بڑا کارنامہ دارالعلوم دیوبند ہے جو ایک مستقل مکتبۂ فکر اور ایک اہم دینی اور سیاسی تحریک ہے جسے آپ نے اپنے احباب اور ساتھیوں کی مدد سے پروان چڑھایا نو درہ جو دارالعلوم کی پہلی عمارت ہے. اس کی بنیاد آپ نے خود اپنے اساتذہ سے ڈلوائی. اور خود بھی اس میں شریک رہے. اور آگے چل کر اسی دارالعلوم کے فرزندوں نے ہر میدان میں حصہ لیا اور انگریزی دور اقتدار میں ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کے صحیح عقائد و اعمال پر برقرار رکھا. شیخ الہند

حضرت مولانا محمود حسن عثمانی دیوبند (م ۱۳۳۹ھ) آپ کے خصوصی شاگرد تھے. پہلے یہ بھی بتایا جاچکا ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ) بھی آپ کے شاگرد تھے. انہیں دونوں حضرات سے ہندوستان کا سارا علمی سلسلہ ملتا ہے. اسی طرح اس وقت دیوبندی سلسلہ کے تمام علماء اور مستفدین بلاواسطہ یا بالواسطہ حضرت نانوتویؒ کے شاگردوں اور تلامذہ کی صف میں آتے ہیں. اب آپ خود اندازہ لگائیں کہ اس خانوادۂ قاسمی کا اس مسلک کے علماء پر کیسا اور کتنا عظیم احسان ہے ۱۲۵۸ھ سے لے کر جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ تک جب تک آپ زندہ رہے باضابطہ دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اور اس کی ترقی کے لئے کوشاں رہے.

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ

آپ کے فرزندار جمند حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (م ۱۳۴۶ھ) ایک جید عالم دین، دینی غیرت وحمیّت کے نشان اور تعلیمی خدمت میں پیش پیش رہے. آپ کی دلیری اور جرأت مشہور تھی. اخلاص اور ظاہر و باطن کی یکسانی آپ کا شعار تھا. دارالعلوم دیوبند جب ایک زمانہ میں مخالفین کے نرغہ میں گھر گیا تھا تو اس وقت آپ کے جرأتمندانہ اقدامات لوگوں کے سامنے آئے اور آپ مردانہ واران کے مقابلے میں کامیاب ہوتے رہے. جس کے بہت سے واقعات ہیں، حضرت نانوتوی کو بہت دنوں تک نرینہ اولاد نہیں ہوئی. حضرت کے پدر بزرگوار کو پوتے کی بڑی ضرورت تھی، چنانچہ چھ بچیوں کے بعد حضرت نانوتویؒ کے گھر میں پہلا لڑکا. رجب ۱۲۷۹ھ میں پیدا ہوا جس کا نام محمد احمد تجویز ہوا، پوتے کی پیدائش سے دادا کو ایسی مسرت ہوئی کہ انھوں نے گیہوں کی کوٹھی کھول دی اور قصبہ کے غرباء پر اسے تقسیم کردیا.

تعلیم وتربیت

مکتب نشینی کے جب لائق ہوئے تو آپ کو قصبہ رامپور ضلع سہارن پور کے ایک جید حافظ میاں جی نور محمد صاحب کے پاس پڑھنے کیلئے بٹھایا گیا، نو سال کی عمر میں آپ نے پورا قرآن پاک حفظ کرلیا، اسی عمر

میں حضرت نانوتویؒ کے ماموں زاد بھائی منشی محمد یٰسین صاحب کی صاحبزادی سے نکاح بھی کیا گیا گو رخصتی کی نوبت بہت دنوں بعد آئی.

حفظ قرآن کے بعد عربی تعلیم کے لئے آپ کو مختلف مدارس دینیہ میں داخل کیا گیا. سب سے پہلے گلاؤٹھی ضلع بلند شہر کے مدرسہ منبع العلوم میں داخل کیا گیا. جو خود حضرت اقدس نانوتویؒ کا قائم کردہ ہے. اور جہاں آپ کے بڑے داماد حضرت مولانا عبداللہ صاحب انبیٹھویؒ (م۱۳۴۴ھ) درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے، بعد میں اعلیٰ تعلیم کے لئے مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل کیا گیا، یہ مدرسہ بھی خود حضرت نانوتویؒ کا ہی قائم کیا ہوا تھا، اس وقت وہاں کے صدر مدرس آپ کے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد احسن صاحب امروہیؒ (م۱۳۴۰ھ) تھے. فنون کی بہت سی کتابیں حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ نے آپ سے پڑھیں.

شاہی مرادآباد میں زیر تعلیم تھے کہ حضرت نانوتویؒ کو بطور خود صاحبزادہ کی تعلیم کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ مرادآباد سے حافظ صاحب موصوف دیوبند آ گئے، مرادآباد سے آپ کو آپ کے اساتذہ نے بڑے احترام و اکرام کے ساتھ باچشم نم رخصت کیا. مگر دیوبند پہنچنے کے بعد اپنے پدر بزرگوار سے تعلیم کا زیادہ موقع ملا نہیں. اس لئے کہ حضرت کی وفات کا زمانہ قریب آ چکا تھا اور مرض نے اپنے گھیرے میں لے لیا تھا. چنانچہ آپکو دارالعلوم دیوبند میں داخل کر دیا گیا، بقیہ کتابیں آپ نے یہیں دارالعلوم میں پوری کیں. بہت سی کتابیں یہاں خود شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ نے پڑھائیں، دورۂ حدیث کے لئے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ) کی خدمت میں گنگوہ حاضر ہوئے اور آپ نے وہیں حضرت کی خدمت میں درس حدیث کی تکمیل فرمائی.

فراغت کے بعد درس تدریس

۱۲۹۷ھ میں جب حضرت نانوتویؒ کی وفات ہو چکی تو حافظ صاحب موصوف نے تھانہ بھون کے ایک عربی مدرسہ میں مدرسی قبول کر لی اور عرصہ تک وہیں درس و

تدریس کے فرائض محنت سے انجام دیتے رہے. پھر ارباب دارالعلوم دیو بند نے اپنے یہاں طلب کرلیا. اور مدرس بنادیا. یہاں دارالعلوم میں آپ نے مختلف فنون کا درس دیا، عام طور پر اس زمانہ میں آپ کے پاس جلالین شریف، میر زاہد رسالہ، مسلم شریف اور مشکوٰۃ شریف کے اسباق ہوتے تھے.

جس وقت آپ دارالعلوم دیو بند میں مدرس ہوئے ہیں حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندیؒ (م ۱۳۰۸ھ) مسند اہتمام پر جلوہ افروز تھے. حضرت نانوتویؒ کے وصال کے کچھ دنوں بعد آپ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، آپ کی ہجرت کے بعد کارِ اہتمام حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ (م ۱۳۳۱ھ) کے سپرد ہوا دیو بند میں آپ کے اثرات بہت وسیع اور ہمہ گیر تھے مگر پھر بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے دورِ اہتمام میں کسی وجہ سے دارالعلوم میں جھگڑا شروع ہو گیا. اور فتنے کھڑے ہو گئے.

مسند اہتمام پر

سرپرست دارالعلوم حضرت گنگوہیؒ ان حالات کی دیکھ بھال کے لئے ۱۳۱۳ھ میں دیو بند تشریف لائے. اور تمام حالات کا جائزہ لے کر آپ نے اہتمام کی ذمہ داری حضرت حاجی صاحبؒ سے لے کر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے سپرد فرمادی. چنانچہ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ تمام نزاعات ختم ہو گئے اور مدرسہ کا نظام مضبوط ہو گیا. حافظ صاحب خلقی طور پر بڑے ذی وجاہت اور بارعب تھے پھر حضرت نانوتویؒ سے انتساب کی وجہ سے دارالعلوم کے سارے اساتذہ اور کارکنان آپ کا احترام کرنے پر مجبور تھے. ادھر قصبہ دیو بند کے عمائد پر بھی آپ کا کافی اثر تھا، مسلسل چالیس سال تک آپ نے اہتمام کے فرائض انجام دیئے اور واقعہ ہے کہ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم "دارالعلوم بنا" شروع میں حضرت شیخ الہندؒ آپ کے پشت پناہ تھے، شیخ الہند اپنے استاذ زادہ کا بہت احترام فرماتے تھے، گو حافظ صاحب آپ کے شاگرد تھے.

ایک زمانہ میں کچھ لوگ آپ کے اہتمام کی مخالفت پر تل گئے. اور سرپرست

مدرسہ حضرت گنگوہیؒ کے یہاں پہنچ کر شکوے بھی کرنے لگے، بلکہ ایسے کچھ لوگ جم کر حضرت گنگوہی کے پاس قیام پذیر ہوگئے ایک دن حضرت گنگوہیؒ نے مخالفین کی اس جماعت سے فرمایا:

"آپ حضرات تو یہ فرما رہے ہیں اور میں نے اس معاملہ کو تین بار (اور ایک روایت کے مطابق گیارہ بار) حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیا مگر ہر دفعہ مجھے یہی جواب ملا کہ مدرسہ دیوبند کی ترقی حافظ احمد ہی کے ہاتھوں پر مقدر ہے۔" چنانچہ اس کے بعد مخالفت کی سرگرمی میں کمی آنے لگی"۔

خدمات دارالعلوم دیوبند

دارالحدیث اور دار جدید کی بنیاد آپ کے ہی دور اہتمام میں پڑی۔ مسجد بھی اسی دور میں بنی، دارالعلوم کا پہلا عظیم الشان جلسہ دستار بندی بھی آپ کے ہی دور اہتمام میں ۱۳۲۸ھ میں منعقد ہوا، جس میں ایک لاکھ کا مجمع ہوا اور ایک ہزار فارغین دارالعلوم کی دستار بندی ہوئی، مالی اعتبار سے بھی دارالعلوم نے آپ کے دور اہتمام میں کافی ترقی کی۔

۱۳۴۰ھ میں نظام دکن نے آپ کی شہرت وجاہت اور مقبولیت کے پیش نظر دکن کی عدالت عالیہ کا آپ کو مفتی مقرر کیا اور ایک ہزار مشاہرہ طے کیا، دارالعلوم کی مصلحت کے تحت اس وقت آپ نے یہ عہدہ قبول فرمایا۔ اور حیدرآباد تشریف لے گئے۔ اور تقریباً چار سال تک کار مفوضہ خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے، مگر وہاں آب وہوا راس نہیں آئی۔ مجبور ہو کر سبکدوشی کی درخواست کی پہلے حضور نظام نے اسے منظور نہیں فرمایا مگر جب خود مل کر آپ نے اپنی معذوری ظاہر فرمائی تو منظوری عطا کی۔ آپ دارالعلوم واپس تشریف لائے ۱۳۴۷ھ تک آپ مسند اہتمام پر فائز رہے۔ جو آپ کی وفات کا سال ہے۔

وفات: دارالعلوم دیوبند ہی کی ضرورت سے حیدرآباد تشریف لے آئے تھے۔ واپسی میں ٹرین میں آخری وقت آپہنچا اور ذکر وشغل میں مشغول تھے کہ ربّ حقیقی سے جا ملے، آپ کا مزار حیدرآباد میں ہی خطہ صالحین نامی قبرستان میں واقع ہے۔ جسے سرکار

نظام نے اسی قسم کی نامور شخصیتوں کے لئے بنایا تھا. سرکار نظام ہی کی خواہش پر آپ خطہ صالحین میں دفن کیے گئے. مزار پر آپ کے نام کا کتبہ بھی لگا ہوا ہے.

حضرت نانوتویؒ نے جس سال انتقال فرمایا اسی سال آپ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حج اور زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے. اور وہیں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی (م ۱۳۱۷ھ) کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا. حضرت حاجی صاحبؒ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے، اور ہمیشہ بیٹا کہہ کر پکارا کرتے تھے.

اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں بہت سارے اوصاف جمع فرمادیے تھے وجاہت، شرافت، سخاوت، مہمان نوازی، رعب ودبدبہ، ظاہر و باطن کی یکسانیت، اخلاص وللّٰہیت چھوٹوں بالخصوص طلبہ سے شفقت ومحبت، علم نوازی، صاف گوئی، معاملہ فہمی وغیرہ.

بیعت وارشاد

حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ پہلے امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے تھے اور حضرت والا نے آپ کو خلافت بھی دی تھی. لیکن جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے. اور تبرکاً حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی بیعت ہوئے اور حضرت والا نے آپ کو اپنی طرف سے بھی اجازت بیعت مرحمت فرمائی.

اس طرح آپ بیک وقت حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ دونوں بزرگوں سے مجاز تھے. لیکن بایں ہمہ بیعت وارشاد سے عموماً بچتے تھے. مگر جب کوئی بہت اصرار کرتا تو مجبور ہو کر اسے بیعت فرمالیا کرتے تھے.

حیدر آباد میں نواب عبدالباسط خاں صاحب مرحوم نواب عبدالعزیز خاں مرحوم اور ان کے متعلقین آپ سے بیعت تھے. اسی طرح یوسف پور محمد آباد ضلع غازیپور میں ڈاکٹر انصاری کے خاندان کے بہت سے افراد آپ سے بیعت تھے.

آپ دارالعلوم کے انتظامی امور اور درس تدریس میں کچھ ایسے مشغول رہتے

تھے کہ دوسرے کاموں کی فرصت نہیں تھی. جب تک عمر طبعی کی کمزوری نے مجبور نہیں کیا. کار اہتمام کے ساتھ برابر درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا. آپ کے یہاں عام طور پر مسلم شریف مشکوٰۃ شریف جلالین شریف اور میر زاہد رسالہ کے اسباق ہوتے تھے آپ کی درسی تقریر بڑی دلنشین ہوا کرتی تھی. جو مسائل بیان فرماتے تھے. ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ واقع ہو کر سامنے موجود ہے. تقریر جچی تلی اور مؤثر ہوتی تھی. کبھی کبھی اہم مسائل پر لمبی تقریر بھی فرماتے تھے.

فکر آخرت فکر آخرت کا بڑا غلبہ تھا، عالم برزخ پر درس میں تقریر فرماتے تھے، تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سننے والا اس منزل سے خود گزر رہا تھا.

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کا بیان ہے:

''والد صاحبؒ کی وفات کو تقریباً ایک ماہ رہ گیا تھا، کہ مجھ کو بلوچستان کا سفر پیش آیا اور مجھے اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی کہ حضرت دکن جانے والے ہیں، کیونکہ اس وقت تک کوئی پروگرام بھی طے نہیں ہوا تھا. میں دن کے دس بجے کی ٹرین سے سفر کرنے والا تھا. کوئی آٹھ بجے آپ نے مجھے یاد فرمایا. اس وقت آپ کوٹھی (اہتمام) کے برآمدہ والے حصہ میں تنہا تشریف رکھتے تھے، میں وہاں خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھ گیا. دیکھا حضرت والد محترم آبدیدہ ہیں اور آپ پر گریہ وزاری طاری ہے. مجھے خطرہ ہوا، کہیں مجھ سے کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی. میں نے عرض کیا حضرت مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہوگئی؟ فرمایا یہ بات نہیں. بلکہ مجھے تم سے یہ کہنا ہے کہ اب میرا بہت تھوڑا وقت رہ گیا. اس لئے ایک واقعہ بیان کر کے تم کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں. اور وہ یہ ہے کہ والد ماجد (حضرت نانوتویؒ کے زمانہ میں جب میں نے قرآن پاک حفظ کرلیا تو حضرت کو بے حد خوشی ہوئی. آپ گو تقریبات کے عادی نہیں تھے لیکن میرے حفظ قرآن سے اس قدر خوش ہوئے کہ اس موقع پر ایک پوری گائے ذبح کی اور مدرسہ کے اکابر اساتذہ، اور شہر کے عزیزوں کی پرتکلف دعوت کی.

جب سارے مہمان کھانا کھا کر واپس جا چکے تو حضرت نانوتویؒ نے مجھے تنہائی میں بلایا اور فرمایا کہ: میاں احمد! تم عالم بھی ہو گئے. تمہاری عزت بھی ہوگی اور تم کو دولت بھی ملے گی. مگر یہ سب کچھ تمہارے لئے ہوگا. قرآن شریف میں نے تم کو اپنے لئے یاد کرایا ہے. اس میں تم مجھے نہ بھولنا. فرمایا کہ میں اس وقت سے برابر دو پارے حضرت کی نیت سے پڑھتا ہوں. حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ، فرماتے ہیں یہ واقعہ سنا کر مجھ سے فرمایا! الحمد للہ تم عالم بھی ہو، تمہاری عزت بھی ہوگی. شہرت بھی ہوگی اور تمہیں دولت بھی ملے گی. مگر یہ سب کچھ تمہارے لئے ہوگا، قرآن شریف میں نے تم کو اپنے لئے یاد کرایا ہے. اور اسی لئے میں نے والد ماجد کا یہ واقعہ تمہیں سنایا ہے. حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں یہ باتیں سن کر خاموش رہا. اور وقت پر بلوچستان کے لئے روانہ ہو گیا. سفر کے بعد واپس دیوبند پہنچا تو اچانک چند دنوں کے بعد آپ کی وفات کی خبر آئی. اس وقت سے میرا معمول یہ ہے کہ میں ایک پارہ یومیہ اوابین میں حضرت والد ہی کی نیت سے پڑھتا ہوں. والدہ کی وفات کے بعد ان کو بھی شامل کر لیتا ہوں.

حادثۂ وفات

وفات کا حادثہ حیدر آباد دکن میں پیش آیا. اس کی ظاہری صورت یہ پیش آئی کہ بواسیر کا بہت شدید دورہ پڑا، بالکل ہی نڈھال ہو گئے لوگوں نے محسوس کیا کہ اب تبرک ہی ہیں. درخواست کی کہ اگر اجازت ہو تو تار دے کر طیبؔ و طاہرؔ کو بلا دیں آپ نے یہ سن کر ناگواری کا اظہار کیا اور فرمایا کہ یہ طیبؔ و طاہر کو بلانے کا وقت ہے یا حق تعالیٰ کی طرف رجوع ہونے کا؟ میں اس وقت ان جھگڑوں میں نہیں پڑتا. اس کے بعد رائے ہوئی کہ حضرت کو دیوبند (وطن) بھیج دیا جائے. ریل کا ایک ڈبہ ریزرو کیا گیا شدید گرمی کا زمانہ تھا. آپ کے ساتھ چار آدمی کئے گئے، میر احمد علی مرحوم، مولوی محمد علی مرحوم، حافظ محمود صدیقی مرحوم اور حافظ شریف احمد گنگوہی سلمہٗ، ٹرین جب نظام آباد کے قریب پہنچی تو حضرت نے فرمایا میری طرف سے حضرت تھانویؒ کو خط لکھو

حضرتؒ مضمون بولتے گئے اور مولوی محمد علی مرحوم لکھتے گئے، خط کا حاصل یہ تھا کہ میرا قلب الحمدللہ ذاکر ہے، غافل نہیں، دوسری بات یہ لکھوائی کہ الحمدللہ میں حق تعالیٰ کی ہر تقدیر سے راضی ہوں، اس کے بعد فرمایا مجھے وضو کراؤ لوگوں نے عرض کیا حضرتؒ ابھی نماز کے وقت میں دیر ہے. مگر حضرتؒ نے باصرار کہا کہ ابھی وضو کراؤ، چنانچہ وضو کرایا گیا، پھر فرمایا مجھے سفید چادر اوڑھادو. حکم کے مطابق چادر اوڑھادی گئی. فرمایا دیکھو چادر پر ناپاکی کا کوئی داغ دھبہ وغیرہ تو نہیں لگا ہے؟ کیونکہ ملائکہ علیہم السلام کو بدبو سے تکلیف پہنچتی ہے. سب نے عرض کیا حضرت چادر پاک وصاف ہے. لیٹ کر عقدانامل پر تسبیح پڑھنا شروع فرمادی. اس وقت تسبیح یہ تھی. سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اللہ اکبر. مولوی محمد علی صاحب مرحوم کا بیان تھا کہ ہم نے کھڑکیاں بند کر رکھی تھیں. ڈبہ میں اندھیرا سا تھا. مگر اچانک دیکھا کہ ایک تیز روشنی آئی جیسے بجلیاں کوندتی ہیں. ہم سب حیرت زدہ تھے کہ یہ روشنی یہاں کہاں سے آئی. مگر روشنی غائب ہونے کے بعد ہم نے دیکھا کہ حضرتؒ کا اخیر وقت آچکا ہے اور روح پرواز کر چکی ہے. انا للہ وانا الیہ راجعون. اس وقت عقدانامل ۲۹ کے عدد پر تھا اور ہونٹ غیر معمولی سرعت کے ساتھ تسبیح میں ہل رہے تھے. ۲۹ کے عدد پر دم آخر ہو گیا. دیوبند تار دیا گیا کہ میت کہاں لے جائیں، دوسرا تار نظام دکن کو دیا گیا، جس کی اطلاع دیوبند کے تار میں دی گئی تھی، دیوبند سے بذریعہ تار جواب ملا کہ جو حضور نظام کی رائے ہو اس پر عمل کیا جائے اور نظام دکن کا تار پہنچا کہ مولانا کی میت حیدرآباد لائی جائے میں اپنے ذاتی مصارف سے ان کی تجہیز و تکفین کرونگا. چنانچہ راتوں رات ایک ٹرک کے ذریعہ میت کا تابوت جو نظام آباد کے لوگوں نے بعجلت تمام تیار کرلیا تھا. حیدرآباد میں جنازہ کی متعدد نمازیں ہوئیں جیسا کہ نظام آباد میں بھی متعدد نمازیں جنازہ کی پڑھی جاچکی تھیں. اس طرح وہیں حیدرآباد میں آپ کی تدفین عمل میں آئی.

بلندیٔ درجات | اس کو ختم کرنے سے پہلے یہاں ایک اور واقعہ ذکر کرنے کے لائق ہے. وہ یہ کہ ایک دفعہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری

" کا پیغام حضرت حافظ صاحب کے نام پہنچا کہ میں خود حاضر ہوتا، مگر اپنی کمزوری کی وجہ سے معذور ہوں تم خود یہاں رائے پور آنے کی زحمت برداشت کرو. چنانچہ حضرت حافظ صاحبؒ پیغام ملتے ہی رائے پور روانہ ہوگئے. جس وقت رائے پور پہنچے حضرت اقدس رائے پوریؒ باغ میں تشریف فرما تھے. بڑے تپاک سے ملے، پھر اندر مکان میں تخلیہ ہوا، حضرت رائے پوریؒ نے جھک کر حضرت حافظ صاحبؒ کے قدم چھوئے، حافظ صاحب نے چونک کر کہا. حضرت میں چھوٹا ہوں میرا یہ مقام نہیں ہے. فرمایا میں اس کے لئے مامور ہوں اور فرمایا کہ میں نے اس لئے تکلیف دی ہے کہ آئندہ ایک بڑا ہنگامہ دارالعلوم میں پیش آنے والا ہے. حق تعالیٰ نے آپ کی ترقی بدگویوں کی بدگوئی میں رکھی ہے آپ صبر ورضا سے کام لیں. آپ کے بارے میں نامناسب باتیں کہی جائیں گی مگر یہی تمہارے درجات بلندی کا ذریعہ بنے گا. لہٰذا تم صبر وضبط سے کام لینا، صبر کا دامن ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دینا، عرض کیا حضرت انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا. چنانچہ کچھ دنوں بعد دارالعلوم کی پہلی اسٹرائک کا واقعہ پیش آیا. جس میں بڑے زبردست ہنگامے پیش آئے اور مخالفین نے کہنے سننے اور بدگوئیوں میں کسر اٹھا کر نہیں رکھی مگر اخیر میں دارالعلوم ہی کو اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا کی. تفصیل کا یہ موقع نہیں، حضرت حافظ احمد صاحبؒ اپنی جگہ کلیۃً صابر وضابط رہے. اور پورے صبر واستقلال سے کام لیتے رہے.

اولاد حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ کی شادی محلہ دیوان دیوبند میں ہوئی، ان سے تین اولاد ہوئیں. دولڑکے اور ایک لڑکی، مگر بچپن میں ہی ان تینوں کا انتقال ہوگیا. اس کے بعد بہت دنوں تک کوئی اولاد نہیں ہوئی. اکابر دارالعلوم دیوبند بالخصوص حضرت شیخ الہندؒ اس سے متاثر اور متفکر رہتے تھے، ان حضرات کی دلی تمنا یہ تھی کہ حضرت نانوتویؒ کی نسل چلے.

مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سابق مدرس دارالعلوم کا بیان ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے مجھے ایک دن بلایا. اور فرمایا کہ حضرت حافظ صاحب کے کئی سال سے اولاد نہیں ہو

رہی ہے اور ہماری تمنا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کی نسل باقی رہے.اور چلتی رہے. فتح پور ہسوا میں ایک بزرگ ہیں جو اولاد کے سلسلہ میں مستجاب الدعوات ہیں تم وہاں ان کی خدمت میں جاؤ اور میری طرف سے درخواست کرو کہ یہ صورت حال ہے.وہ دعا فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ حافظ محمد احمد صاحب کو اولاد کی دولت سے نوازیں.

چنانچہ حضرت شیخ الہندؒ کے ارشاد کے مطابق میں ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا.اور واقعہ بیان کر کے دعا کی درخواست کی.انھوں نے فرمایا! ہم اس کا جواب کل دیں گے.حکم کے مطابق دوسرے دن حاضر ہوا.اور ان بزرگ سے ملاقات کی فرمایا کہ ہم نے دعا کی وہ قبول ہوگئی.اور ہمیں بشارت دی گئی ہے کہ حافظ صاحب کے لڑکا ہوگا.جو حافظ بھی ہوگا.قاری بھی ہوگا.عالم بھی ہوگا.حاجی بھی ہوگا.یہ واقعہ مولانا عبدالسمیع صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند نے حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ سے اس وقت بیان کیا، جب وہ ۱۳۴۶ھ میں حج کے لئے روانہ ہوئے.اس تانگہ میں حضرت ممدوح کے ساتھ مولانا عبدالسمیع صاحب مرحوم بھی تھے.فرمایا کہ جب تو پیدا ہوا تو ہم نے کہا الحمد للہ ان بزرگوں کی کہی ہوئی ایک بات پوری ہوئی، جب تو حافظ ہوگیا اور اس کا ایک بڑا جشن منایا گیا تو ہم نے کہا الحمد للہ دوسری بات بھی پوری ہوگئی، جب تو نے قراءت کی تکمیل کی تو ہم نے کہا الحمد للہ تیسری بات بھی پوری ہوگئی.جب تو نے درس نظامی پورا کرلیا تو ہم نے کہا الحمد للہ چوتھی بات بھی پوری ہوگئی.جب تو حج کو جارہا ہے.تو ہم نے کہا الحمد للہ پانچویں بات بھی پوری ہوگئی.

چنانچہ حافظ صاحبؒ کو تین اولادیں ہوئیں.دو لڑکے اور ایک لڑکی، بڑے صاحبزادے کا نام محمد طیب تجویز ہوا.اور دوسرے کا نام محمد طاہر رکھا گیا اور صاحبزادی کا نام طیبہ تھا.اور یہ تینوں صاحب اولاد بھی ہوئے.اللہ تعالیٰ تاقیامت اس خاندان کا سلسلہ جاری رکھے اور ان سے دین کی خدمت لیتا رہے.

❀❀❀

حضرت حکیم الاسلام

ایک شخصیت ایک عہد ایک تاریخ

حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مدظلہ، مفتی اعظم پنجاب

الحمدللّٰہ رب العالمین، الرحمٰن الرحیم. مالک یوم الدین، وصلاۃ اللّٰہ وسلامہ ورحماتہ وبرکاتہ علی صفوۃ عیادہ وخیرتہ من خلقہ محمد عبدہٗ ورسولہٗ، وعلی اہل بیتہ الطاہرین، وصحابتہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین.

پروردگار عالم کی اپنے بندوں پر بے شمار نوازشیں ہیں. اس نے اپنے بندوں کو بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے. اس کے عطیات میں سے سب سے بڑا عطیہ، اس کی نوازشوں میں سے سب سے دل کش نوازش اور اس کی نعمتوں میں سے سب سے بافیض نعمت نبیوں اور رسولوں کی بعثت ہے، جن کو وہ ہر دور میں دنیا کے مختلف خطوں میں مقرر کرتا رہا ہے.

اللہ کے ان نبیوں اور رسولوں نے اپنے کردار وعمل سے انسانیت کی آبرو قائم رکھی ہے، ان کی ہدایت اور رہنمائی سے بھٹکے ہوئے قافلوں نے منزل کا راستہ معلوم کیا اور ان کی تعلیم سے انسانیت کی مرجھائی ہوئی کھیتی شاداب ہوئی ہے.

اگر کائنات کے نقشے سے ان مقدس ہستیوں کے جوشِ عمل کو علیحدہ کر دیا جائے تو دنیا کی تاریخ جنگ وجدال کی پر وحشت داستان اور ہوا وہوس کی بے رونق کہانی کے سوا اور کیا رہ جاتی ہے. انسانوں میں ظلم اور انصاف، حق اور باطل میں فرق کرنے کا جو ملکہ پایا جاتا ہے اور آج انسانوں میں خدا کی مخلوق کی بے لوث خدمت کا جذبہ اور انسانی

ہمدردی کا جو حوصلہ پایا جاتا ہے وہ ان ہی پاک باز شخصیتوں کی تربیت، بے پناہ جدو جہد اور زبردست قربانیوں کا نتیجہ ہے.

ان نیک ہستیوں نے ماحول کی ناسازگاری کے باوجود خدا کی مرضی کو پورا کیا اور اس کے احکام انسانوں تک پہنچا کر انسایت کو نئی زندگی بخشی.

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہ نبیوں کی جماعت کے سربراہ ہیں، اس لئے قدرتی طور پر آپ کی سیرت کا قالب بھی زیادہ دل پذیر اور مکمل ہے. آپ کی زندگی کے حالات کا ایک ایک گوشہ خستہ حال اور بھٹکی ہوئی دنیا کی رہنمائی اور رہبری کے لئے اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ موجودہ ہے. آپ کی سیرت میں تمام پیغمبروں کی سیرتوں کا عطر، آسمانی ہدایت کا جوہر اور اثر انگیزی کا سب سے بڑا خزانہ چھپا ہوا ہے.

کیوں کہ آپ کی رسالت زمان ومکان کی حدوں میں مقید نہیں ہے بلکہ آپ تمام روئے زمین کیلئے اور تمام انسانوں کیلئے نبی مقرر ہوئے ہیں اس لئے آپ قیامت تک رہبری اور رہنمائی کا مرکز ہیں، آپ پر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید نازل کی. وہ اپنے الفاظ ومعانی کے ساتھ قیامت تک جوں کی توں باقی رہے گی. جیسا کہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون. کہ یہ ذکر یعنی قرآن مجید ہم نے نازل کیا ہے. یہ ہمارا کلام ہے اور ہم خود اس کی حفاظت کرینگے. اسی طرح قرآن مجید کی عملی تصویر یعنی حضرت محمد ﷺ کی سیرت کی حفاظت کا اس طرح انتظام کیا گیا ہے کہ آپ پر ایمان لانے والوں کی ایک ایسی جماعت آپ کی تعلیم وتربیت سے تیار ہوگئی جنھوں نے آپ کے طریقے کو نہ صرف یہ کہ خود مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھا بلکہ آپ کے ایک ایک عمل کو اور اس عمل کی پوری پوری کیفیت کو اپنے قول وعمل سے محفوظ رکھنے کے ساتھ اپنے بعد والوں تک من وعن پہنچایا.

اس طرح قرآن وسنت کے یہ دو مضبوط ستون ایسے ہیں جو پورے طور پر اللہ کے احکام اس کے دین وشریعت کو تھامے ہوئے ہیں.

صحابہ کے بعد ان کے بعد کے لوگ یعنی تابعین اور پھر تابعین کے بعد کے لوگ یعنی تبع تابعین اور اسی طرح ہر دور میں علمائے امت قرآن وسنت کو اپنے قول وعمل سے بعد والوں تک منتقل کرتے رہے. یہ سلسلہ دورِ نبوت سے آج تک جاری ہے. اور یقیناً تاقیامت جاری وساری رہے گا.

اس بات کی اور زیادہ وضاحت کے لئے دو حدیثیں سامنے رکھ لیجئے، پہلی حدیث میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

ترکت فیکم امرین لن تَضِلُّوْا لَمَّا تَمَسَّکْتُمْ بِهِماَ...... کِتَابُ اللّٰهِ و سُنَّةَ رَسُوْلِه (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

تمہارے لئے دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک ان دونوں چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہوگے ہرگز گمراہ نہ ہوگے...... اللہ کی کتاب اور میری سنت.

اللہ کی کتاب قول ہے اور سنت اس پر عمل کا طریقہ ہے. الفاظ کی شکل میں قول کو تھامے رکھنا اور عمل کی شکل میں سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بس یہ دو ہی چیزیں ہیں جو عالم انسانیت کو گمراہی سے بچانے والی ہے.

دوسری حدیث جس میں آپ نے اپنی امت کے علماء کو بنی اسرائیل کے نبیوں کے مثل فرمایا ہے:

علماء اُمَّتی کَاَنْبِیَّاءِ بَنِی اِسْرائِیْلِ.

میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں.

اس حدیث میں حضور ﷺ نے جس طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ نبی اور رسول بنی اسرائیل میں بھیجے گئے اور وقت اور حالات کے مطابق ان کو الگ الگ معجزے عطا کئے گئے. جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزے عطا کئے وہ اس زمانے کے ماحول اور حالات کے لحاظ سے ضروری تھے. جادوگری کا زور تھا تو اس کے مقابلے میں عصائے موسوی دیا گیا.

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں یہ تمام چیزیں جو گذشتہ انبیا کو الگ الگ عطا ہوئی تھیں ایک جگہ جمع کر دی گئیں. شاعر نے اس کو ایک شعر میں ادا کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

حسن یوسف دمِ عیسیٰ ید بیضا داری ❁ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت یوسف کا حسن، عیسیٰ کی زندگی بخش سانسیں، حضرت موسیٰ کا ید بیضا یہ سب آپ کے اندر موجود ہیں، جو خوبیاں دوسروں میں الگ الگ تھیں وہ آپ کی تنہا ذات میں جمع کر دی گئی ہیں.

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے علما کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں سے تشبیہ دے کر اس طرف توجہ دلائی ہے کہ وقت اور حالات کے مطابق جس طرح کی صلاحیتوں کی ضرورت ہوگی، بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح وہ میری امت کے علما کو عطا کی جائیں گی، تاکہ یہ دین قیامت تک باقی رہے اور ہر طرح کے حالات سے مقابلہ کرنے کی اس میں صلاحیت موجود ہو.

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس امت میں جیسے جیسے حالات پیش آئے اور جیسی جیسی ضرورت ہوئی اسی کے مطابق عالم ربانی پیدا ہوتے رہے.

فلسفے کا دور آیا تو امام غزالیؒ (حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الطّوسی متوفی ۵۱۵ھ ۱۱۳۱ء) اس کے مقابلے کے لئے موجود تھے. تاریخ کے حوالے سے بات ہوئی تو ابن خلدون (۷۳۲ء-۸۰۸ء) کی شخصیت سامنے آ گئی، یونانی علم کلام اور منطق کی بات ہوئی تو اس کے مقابلے کے لئے امت میں علما موجود تھے. اور یہ واقعہ ہے کہ امت کے ایک ایک عالم نے ایک ایک پیغمبر اور ایک ایک جماعت کا کام انجام دیا.

الامام محمد قاسم نانوتویؒ

اسی طرح کے دین کے بابصیرت عالموں میں ایک بڑا امتیاز اور نمایاں نام حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا سامنے آتا ہے. مولانا نانوتویؒ صاحب ۱۲۴۸ھ بمطابق

١٨٣٢ء میں دیوبند سے مغرب کی جانب سولہ میل کے فاصلے پر ایک پرانے قصبے نانوتہ میں پیدا ہوئے. اس قصبے میں نویں صدی ہجری سے صدیقی شیوخ کا ایک ممتاز خاندان آباد ہے. حضرت نانوتویؒ کا نسبی تعلق اسی خاندان سے ہے.

حضرت نانوتویؒ نے انچاس سال سے کم عمر میں ۴/ جمادی الاول ١٢٩٧ھ مطابق ١٨٨٠ء جمعرات کے روز دیوبند میں وفات پائی. دارالعلوم کی شمالی جانب قبرستان قاسمی میں پہلی قبر مولانا نانوتوی صاحبؒ کی بنی، جس کو حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندی نے حضرت نانوتویؒ کے خاندان کے لئے وقف کر دیا تھا. کیوں کہ یہ خاندانی قبرستان ہے اس لئے کسی اور کی تدفین کے لئے ان کے وارثوں سے اجازت لینی ضروری ہوتی ہے. مولانا نانوتویؒ غیر معمولی صلاحیتوں کے روشن فکر عالم دین تھے. جہاں وہ ذہانت، عالی دماغی، فہم و فراست میں ممتاز تھے وہیں نیکی اور خدا پرستی میں بھی بے مثال تھے. مولانا نانوتویؒ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ١٥/محرم ١٢٨٣ھ مطابق ٢٠/مئی ١٨٦٧ء جمعرات کے دن دیوبند میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے نام سے

(سوانح عمری از مولانا محمد یعقوب صاحب صفحہ ٢٤ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند، اشاعت ١٣٩٥ھ ١٩٧٥ء)

اس درس گاہ کی بنیاد رکھی جو آگے چل کر دارالعلوم دیوبند کے نام سے علوم اسلامیہ کا عظیم الشان مرکز بنا. قیام دارالعلوم میں حضرت نانوتویؒ کے ساتھی جوان کے دست و بازو بنے تین نمایاں شخص تھے.

١-مولانا فضل الرحمٰن...... پیدائش ١٢٤٧ھ ١٨٣١ء

وفات ٣/ جمادی الاول ١٣٢٥ھ مطابق ١٥/ جون ١٩٠٧ء

٢-حاجی سید محمد عابد صاحبؒ دیوبندی...... پیدائش ١٢٥٠ھ ١٨٣٤ء

٣-مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی...... پیدائش ١٢٣٧ھ ١٨٢١ء

وفات ١٣٢٢ھ مطابق ١٩٠٤ء

اسلام میں علم سے مراد وہ علم ہے جو نبوت سے مستفاد ہو اور انسان کی دینی، دنیوی،

مادی اور روحانی زندگی کے لئے مفید ہو. دارالعلوم دیوبند جو دراصل ہندوستان میں علم کی اشاعت اور ایک دینی تحریک کا عنوان ہے اس کا نصب العین اور مقصد بھی وہ علم ہے جو دنیا میں انسان کو ایک بامقصد اور صحیح زندگی گذارنے کے لئے تیار کرے جس کی بنیاد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور طریقے پر ہو.

۱۹رزیقعدہ ۱۲۹۰ھ جمعہ کے دن دیوبند کی جامع مسجد میں تقسیم انعام کا ایک جلسہ ہوا. جس میں حضرت نانوتویؒ نے ایک معرکۃ الآرا تقریر فرمائی. اس تقریر میں دارالعلوم کے قیام کی ضرورت، اس کی اہمیت اور اس کے نصاب تعلیم پر روشنی ڈالی گئی. اس تقریر کے چند اقتباسات:

''چند خیر خواہانِ بے غرض نے بنام خدا اس قصبہ دیوبند میں مدرسہ کی طرح ڈالی اور تمام بنی آدم خصوصاً اہل اسلام کی بہبودی کی صورت نکالی، سو بحمد للہ اپنے خیال سے بڑھ کر اس نے رونق پائی، اور یہاں کی دیکھا بھالی جابجا مدرسے مقرر ہوئے اور اس آخری زمانے میں علم کا پھر اس طرح چرچا ہوا جیسا کہ گل ہوتے ہوئے چراغ سنبھالا لیا کرتا ہے. اور بحمد للہ سینکڑوں آدمی اس دولت عظمیٰ سے اس مدرسے میں آکر مستفید ہوئے اور تھوڑا بہت اپنی لیاقت کے موافق حصہ لے اڑے، مگر سب دور نزدیک کے رہنے والے جانتے ہونگے کہ اس مدرسہ کی بنیاد دیوبند والون نے ڈالی اس امر میں وہ سب کے امام ہیں. ہرچند اور باہر کے صاحب بھی اس کار خیر میں شریک ہوئے مگر جو کچھ ہے وہ دیوبند والوں ہی کا طفیل ہے اور اس وجہ سے اگر یوں کہا جائے کہ جتنا اور سب کو اس کار خیر کا ثواب ملے گا اتنا ہی تنہا دیوبند والوں کو ملے گا تو عین قولِ نبویؐ مَنْ سَنَّ سُنَّةً فَلَهُ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (اوکما قال) واقعی اہل دیوبند نے وہ کام کیا ہے کہ قیامت تک صفحہ روزگار پر ان کی یادگاری رہے گی. یہ نامی مدرسہ ہمیشہ اہل دیوبند کی یادگاری کا باعث رہے گا. چونکہ اور اکثر مدارس اس مدرسہ کی دیکھ بھالی مقرر کئے گئے یا کئے جاتے ہیں تو کوئی مدرسہ اس سے ترقی پا جائے

ہر اہل عقل کے نزدیک وہ بھی دیو بند ہی کا پرتو ہوگا اور اس پر جب یہاں کے باشندوں کی شکستہ حالی اور پریشان روزگاری پر نظر کی جائے تو یہ ان کی ہمت کی بات کسی طرح ان کاموں سے کم نہیں، جو اہل سلطنت نے رفاہِ عام کئے ہیں. بایں ہمہ کھانے کی امداد میں طالب علموں کے ساتھ جو دل سوزی یہاں کے باشندوں نے کی وہ اتنی نہیں کہ ہم زبان سے ادا کریں.فرشتوں نے اگر طالبانِ علوم کے قدم کے نیچے پر بچھائے تو انھوں نے ان کے سر پر دستِ شفقت رکھا ماں باپ کو بھلا دیا دیو بند کو مثل گھر بنا دیا یہ وہ خاص بات ہے جس میں شرکائے چندہ میں سے کوئی ان کا شریک و سہیم نظر نہیں آتا، اس کے عوض خداوند کریم یہاں کے باشندوں کو دارین میں جزائے کامل عطا کرے. بالجملہ اس دولت بے زوال سے بدولت اہل دیو بند عالم مستفید ہے. ہند کے چند طالب علم جو شوقِ علم سے مکہ معظمہ میں پڑھتے تھے دیو بند کے مدرسہ کا چرچا سن کر گرتے پڑتے مدرسہ دیو بند میں آ پہنچے.

جمیع علوم عقلیہ ونقلیہ کی تعلیم اور ان کی استعدادوں کے حاصل کرنے کیلئے یہ مدرسہ اور سہارنپور کا مدرسہ بلا تامل عمدہ سامان ہے اور انشاء اللہ یہاں کے طالب علم بشرط تکمیل باقی علوم قدیمہ اور جدیدہ کو بوجہ قوت استعداد بسہولت جلد حاصل کر سکتے ہیں.وجہ اس کی یہ ہے کہ ان مدارس میں علاوہ تعلیم مذہبی غرضِ اعظم قوتِ استعداد کے فقط علوم دینی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فنون دانش مندی کی تکمیل بھی حسب قاعدہ سابقہ کی گئی ہے.جس کا عمدہ نتیجہ پہلے زمانوں میں یہ ہوا تھا کہ بڑے بڑے عالم بڑی بڑی استعداد اور قوت کے اہل اسلام میں بکثرت ہوئے اس لئے ہم اس بات کو بالیقین سمجھتے ہیں کہ یہاں کے طالب علم اگر چہ بعض علوم وفنون جدیدہ سے کامیاب نہ ہوئے ہوں پر ان کے حق میں یہ ان کی استعداد مثل استاد کامل تعلیم کیلئے کافی ہو اور مدارس میں اگر چہ بعض علوم جدیدہ کی کثرت کے باعث طالب علموں کو ایک مشق تازہ ان علوم کی ایسی ہو جو یہاں کے طالب علموں کو نہ ہو پر اہل انصاف کے نزدیک بالمعنی ان علوم میں بھی ان

مدارس کے طالب علموں سے زیادہ ہی یہاں کے طالب علم سمجھے جائیں گے.

بایں ہمہ اگر بالفرض بوجہ مشق نہ ہونے بعض علوم جدیدہ کے کچھ نقصان بھی متصور ہوتو بوجہ مفقود ہونے قوت استعداد علمی اور نہ ہونے علوم دینی کے ان مدارس کے طلب علم بدرجہا یہاں کے طالب علموں سے ناقص ہونے چاہئیں.

اب ہم اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ درباب تحصیل یہ طریقہ خاص کیوں تجویز کیا گیا اور علوم جدیدہ کو کیوں نہ شامل کیا، منجملہ دیگر اسباب بڑا سبب اس بات کا ایک تو یہ ہے کہ تربیت عام ہو یا خاص ہو اس پہلو کا لحاظ چاہئے کہ جس طرف سے کمال میں رخنہ پڑا ہوا ہو ادھر توجہ ہو سو اہل عقل پر روشن ہے کہ آج کل تعلیم علوم جدیدہ تو بوجہ کثرت مدارس سرکاری اس ترقی پر ہے کہ علوم قدیمہ کو سلاطین زمانۂ سابق میں بھی یہ ترقی نہ ہوئی ہوگی، ہاں علوم نقلیہ کا تنزل ہوا کہ ایسا تنزل کبھی کسی زمانے میں نہ ہوا ہوگا ایسے وقت میں رعایا کو مدارس علوم جدیدہ کا بنانا تحصیل لاحاصل نظر آیا اور صرف بجانب علوم نقلی اور نیز ان علوم کی طرف جن سے استعداد علوم مروجہ اور استعداد علوم جدیدہ یقیناً حاصل ہوتی ہیں، ضرور سمجھا گیا.

دوسرے یہ کہ زمانۂ واحد میں علوم کثیرہ کا تحصیل سب علوم کے حق میں باعث نقصان استعداد رہتی ہے، ہاں بعد تحصیل فنون دانش مندی جس کو خاص تحصیل استعداد ہی کے لئے تجویز کیا ہے اگر اور فنون قدیمہ و جدیدہ کو حاصل کیا جائے تو البتہ مقدار زمانہ تحصیل برابر رہے گا. اس تقدیم و تاخیر سے مطلب بخوبی حاصل ہوگا اور استعداد ہر علم کو بخوبی حاصل ہوگی، اس لئے علوم نقلیہ اور ان کے ساتھ علوم دانش مندی کو داخل تحصیل کیا اس کے بعد اگر طلبہ مدرسہ ہذا مدارس سرکاری میں جا کر علوم جدیدہ کو حاصل کریں تو ان کے کمال میں یہ بات زیادہ مؤید ہوگی، کاش گورنمنٹ ہند بھی قید عمر طلبہ تو داخل کرا اڑا دے تا کہ رفاہِ عام رہے اور سرکار کو بھی معلوم ہو کہ استعداد سے کیا کرتے ہیں. بالجملہ یہ مدرسہ ایک ذخیرۂ خیر اور سرمایہ علم و ادب و استعداد ہے. جس کے طفیل

سے آج خداوند ذوالجلال نے یہ دن دکھلایا کہ چند طالب علموں نے یہاں تعلیم پاکر استعدادِ کامل حاصل کی، ہر فن میں مناسبت معقول اور ہر علم میں لیاقت مناسب پیدا کر کے اقران وامثال میں ممتاز ہوئے۔ (تاریخ دارالعلوم جلد اول، صفحہ ۱۶۹ تا ۱۷۲)

حضرت نانوتویؒ کی اس تقریر سے دارالعلوم کا نصب العین، اس کی تعلیم کا مقصد خوب اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

حافظ محمد احمد صاحبؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے مولانا محمد احمد صاحب کو ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے انتخاب پر دارالعلوم دیوبند کا مہتمم بنایا گیا۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ نے اپنے اہتمام کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند کو علمی اور مالی اعتبار سے مستحکم بنانے کیلئے بڑی جد و جہد کی اور اس کیلئے ایک بڑی اسکیم کا نقشہ تیار کیا اور اہتمام کے کاموں میں مدد کے لئے ۱۳۲۴ھ میں بطور معاون مہتمم مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے فرزند رشید مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کا دفتر اہتمام کی درخواست پر مجلس شوریٰ نے انتخاب کیا۔

۱۳۴۰ھ ۱۹۲۱ء میں نظام حیدر آباد نے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم کو حیدر آباد کی عدالت عالیہ (ہائی کورٹ) کے عہدۂ افتاء پر تین سال کے لئے بمشاہرہ ایک ہزار روپے ماہانہ تجویز فرمایا جس کو دارالعلوم کے حکومت حیدر آباد کے ساتھ خاص تعلقات کی وجہ سے منظور کرنا پڑا لیکن مولانا محمد احمد صاحب کو صدر مہتمم اور مولانا حبیب الرحمٰن کو نائب مہتمم مقرر کر دیا گیا۔

۳؍جمادی الاول ۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء کو مولانا حافظ محمد احمد صاحب کا حیدر آباد میں انتقال ہوگیا...... وہ شاہی قبرستان خطۂ صالحین میں مدفون ہیں۔ ۳۰؍رجب المرجب ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء) میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بھی وفات پاگئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن دارالعلوم کے شمال میں قبرستان قاسمی میں مدفون ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا مسلک

۱۳۴۱ھ ۱۹۲۲ء میں مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو نائب مہتمم بنایا گیا اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی وفات کے بعد قائم مقام مہتمم مقرر کیا گیا اور پھر ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء میں مجلس شوریٰ نے آپ کو مہتمم کے منصب پر فائز کیا۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی زندگی پر کچھ کہنے سے پہلے آیئے ایک نظر اس پر ڈالتے چلیں کہ دارالعلوم دیوبند کا اصل مسلک کیا ہے اور اس کا کیا امتیاز ہے، جو اس کو دوسرے مسلکوں سے ممتاز کرتا ہے۔ اسکے اثرات علمی طور پر اور معاشرے پر کیا مرتب ہوئے ہیں، کیوں کہ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا اصل کام جو انھوں نے اپنی زندگی میں انجام دیا دین کی وہ ترویج واشاعت ہے جو مسلک دیوبند کے نتیجے میں ایک خاص صورت میں آگے بڑھی ہے۔

- دیوبند کے علماء اہل سنت والجماعت ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی جو تعبیر اور طریقہ صحابہ کرام کو بتایا صحابہ کرام اسی طریقہ نبوی کو لے کر آگے بڑھے۔ قرآن اور سنت کی نظر میں صحابہ کرام مجموعی طور پر حق پر قائم رہے اس لئے وہ خود بھی حامل حق رہے اور ان کی عدالت وامانت ہر طرح قابل اعتماد ہے۔

دیوبند کے علماء کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے دین حق کو سمجھنے کے لئے صحابہ کرام سے لے کر ائمہ محدثین اور بعد تک کے علماء امت کو نظر انداز نہیں کیا، ان کی کاوشوں سے پورا پورا فائدہ اٹھایا لیکن ساتھ ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھا کہ ان کا کوئی عمل یا قول قرآن وسنت سے ہٹا ہوا تو نہیں ہے۔ کوشش یہ کی گئی کہ ان کے مقام ومرتبے کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر کوئی بات قرآن وسنت سے ہٹی ہوئی نظر آئے تو اس کی مناسب تاویل کی جائے اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو اس کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی باقی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ کیوں کہ جس طرح قرآن وحدیث کے الفاظ سلسلہ بہ سلسلہ

متوارث ہیں اسی طرح ان پر عمل کا طریقہ بھی سلسلہ بہ سلسلہ متوارث ہے. اگر درمیان کی کڑیوں کو ناقابل اعتبار ٹھیرالیا جائے تو دین پر اعتماد اٹھ جائے گا لیکن اگر شخصیات کی پیروی میں قرآن وسنت کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس کی بنیاد ہل جائے گی. اس طرح علمائے دیوبند نے مقلد ہوتے ہوئے بھی محقق کا کردار اس احتیاط کے ساتھ ادا کیا کہ نہ تو تحقیق کے زعم باطل میں شخصیات کو نظر انداز کیا جائے اور نہ شخصیات پر انحصار میں تحقیق کا دامن چھوڑا جائے.

اس کے نتیجے میں دین کی تعلیمات اس طرح نکھر کر سامنے آتی ہیں کہ اس کی ہر ہر چیز پر عمل بھی ہو جاتا ہے، ہر عمل کا صحیح مقام بھی متعین ہو جاتا ہے. اس میں کسی طرح کا غلو اور افراط وتفریط نہیں ہوتی اور ایک خاص ذوق کتاب وسنت پر عمل کا اس طرح بن جاتا ہے کہ شخصیات کا احترام بھی ہے، ان کی خدمات کا اعتراف بھی ہے، ان کی قدر و منزلت بھی ہے اور دین اپنی اصل شکل وصورت میں علمی اور عملی بنیادوں پر قائم ہے.

یہ ہے وہ دیوبند کا اصل مذاق اور مسلک جس نے اس کو عالم اسلام میں ایک امتیاز عطا کیا ہے اور کوئی شک نہیں کہ اس کا سلسلہ جو شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے شروع ہوا اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانئ دار العلوم دیوبند نے اس کو خاص حکیمانہ انداز میں پیش کیا، جس کو ہم حکمت قاسمیہ کا عنوان دیں تو بالکل مناسب ہے. اسی نکھرے ہوئے ذوق ومزاج کو لے کر یہ کاروانِ علم آگے بڑھا اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ کے بعد مولانا محمد احمد صاحبؒ، مولانا انور شاہ صاحبؒ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے والد مولانا ذو الفقار علی صاحب، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب، مولانا حسین احمد مدنی صاحب، مولانا محمد ابراہیم بلیاوی صاحب اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جیسے لوگ اس علمی کارواں کو لے کر چلتے رہے.

اس بات کو اور زیادہ صاف کرنے کے لئے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں. جس

سے علماء دیوبند کے اندازفکر کا اچھی طرح اندازہ لگایا جاسکتا ہے.

درالعلوم دیوبند کے محدث علامہ انور شاہ کشمیریؒ امام ابن تیمیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ ابن تیمیہ کا علمی مرتبہ اتنا بلند ہے کہ اگر میں ان کی بلندی کو دیکھنے لگوں تو میری ٹوپی نیچے گر جائے گی مگر پھر بھی نگاہ ان کی بلندی تک نہیں پہنچ سکے گی.

ابن تیمیہ کے علمی رتبے کے اس کھلے دل سے اعتراف اور اقرار کے باوجود علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کہتے ہیں کہ اگر ابن تیمیہ استواء علی العرش کے مسئلے پر بحث کرنے کے لئے میرے پاس آئیں تو میں ان کو درس گاہ میں اندر آنے نہیں دونگا. یعنی اس خاص مسئلے پر ان سے اختلاف بھی ہے مگر یہ اختلاف ان کے مرتبے کے اعتراف میں مانع نہیں ہے.

حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمنؒ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ التحیات میں شہادت کی انگلی سے اشارہ کرنے کے قائل نہیں ہیں اور اس کو بدعت سمجھتے ہیں.

اس کے باوجود کہ حضرت مفتی صاحبؒ مجدد الف ثانیؒ کے معترف بلکہ معتقد ہیں اور ان کے مکتوبات اور ملفوظات کا ترجمہ بھی کیا ہے، مگر اس حسنِ اعتقاد کے باوجود صاف کہتے ہیں کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے والے اور امامؒ ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں مجدد الف ثانیؒ کے مقلد نہیں ہیں.

یہ عادلانہ اندازِ فکر علمائے دیوبند کا خاص امتیاز ہے.

حدیث پر عمل کرنے کے سلسلے میں علماء امت کا ذوق یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوئی حدیث ایسی نہ رہ جائے جس پر عمل نہ ہو. اس لئے حدیث اگر اپنی روایت کے اعتبار سے ضعیف بھی ہو اور مختلف طریقوں سے اس کی روایت نے اس کے ضعف کو دور کر دیا ہو تو وہ ہر حال میں اس پر عمل کرنے کو ترجیح دیتے ہیں.

تصوف کے نام پر جس طرح سنت کے چشمہ صافی کو گدلا کرنے کی کوشش کی گئی، علمائے دیوبند نے اس کو صاف کیا تصوف کے نام پر ترکِ دنیا کے تصور کو ختم کیا اور عمل میں

اخلاص، للّٰہیت، تقویٰ، پرہیز گاری، تعلق مع اللہ جس کو حدیث میں احسان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے اس کو اپنے قول و عمل سے اس طرح آگے بڑھایا کہ شریعت اور طریقت میں کوئی ٹکراؤ نہیں رہا۔ بلکہ سکّے کا ایک رخ شریعت اور دوسرا رخ طریقت بن گئی۔

حصولِ برکت سے انکار نہیں کیا گیا مگر تبرک اور برکت کے نام پر بدعت و خرافات کو داخل نہیں ہونے دیا گیا۔

اولیاء اللہ کا احترام، ان کی خدمات کا اعتراف ضرور کیا گیا مگر شخصیت پرستی کا وہ انداز جس نے تصوف کے لبادے میں شریعت کو کھوکھلا کر دیا تھا اور خدا پرستی کی جگہ پیر پرستی نے لے لی تھی اور وہ دراصل دنیا پرستی بن گئی تھی......اس کو جڑ سے ختم کر دیا گیا۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ دیوبند نے اس بت کدۂ ہند میں قرآن وسنت کے صاف وشفاف اور نکھرے ہوئے تصور کو اس طرح حکیمانہ اور معقولانہ انداز میں پیش کیا کہ نظام شریعت اپنی اصل شکل وصورت میں اگر کہیں نظر آیا تو دیوبند کے آئینے میں دکھائی دیا۔

اور پھر یہ اعتبار پورے ملک میں بلکہ عالم اسلام میں قائم ہو گیا کہ اگر کسی مسئلے میں علماء دیوبند متفق نہیں ہیں تو اس کو قابل اعتماد نہیں سمجھا گیا۔

علماء دیوبند نے سیاست سے کنارہ کشی نہیں کی مگر اسلام کو سیاست کا لبادہ پہننے نہیں دیا۔

یہ وہ ذوق وفکر ہے جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی قیادت میں ایک کارواں کی صورت میں آگے بڑھا اور ان کے اخلاف اس کو لے کر چلتے رہے۔ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اسی حکمت قاسمیہ کا ایک جیتا جاگتا نمونہ تھے۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب	مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ۱۸/رجب

۱۳۱۵ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۸۹۷ء کو دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ کا تاریخی نام مظفرالدین ہے جس سے ہجری سال ۱۳۱۵ھ نکلتا ہے.

م ظ ف ر ا ل د ی ن

۴۰ ۹۰۰ ۸۰ ۲۰۰ ۱ ۳۰ ۴ ۱۰ ۵ کل:۱۳۱۵

مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا آبائی وطن قصبہ نانوتہ ہے جہاں ان کے اجداد میں سے مولوی محمد ہاشم صاحب نے شاہ جہاں کے زمانے میں رہائش اختیار کی تھی. نانوتہ دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں سہارنپور سے ۱۵؍کوس جنوب میں، گنگوہ سے ۹؍کوس مشرق میں، دہلی سے چار منزل سات کوس ہے. قاری صاحبؒ کا وطن ثانی دیوبند ہے، جہاں ان کے دادا مولانا قاسم نانوتوی صاحبؒ نے نانوتہ چھوڑ کر رہائش اختیار کی تھی.

مولانا طیب صاحب کا سلسلہ نسب اس طرح ہے:

محمد طیب......ابن (حافظ) محمد احمد......ابن (مولانا) محمد قاسم......ابن شیخ اسد علی...... ابن شیخ غلام شاہ...... ابن محمد بخش...... بن علاؤ الدین...... بن فتح محمد...... بن محمد مفتی......بن عبدالسمیع...... بن (مولوی) محمد ہاشم......اس سے آگے نسب حضرت قاسم بن محمد ابوبکر صدیق تک جا پہنچتا ہے.

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے چھوٹے بھائی مولانا محمد طاہر تھے جو کچھ عرصہ دارالعلوم میں صنعت وحرفت کے شعبے میں دارالصنائع کے ناظم بھی رہے. قاری صاحب کی ایک چھوٹی بہن تھیں جن کا نام طیبہ تھا، جن کی شادی دیوبند کے ایک بڑے رئیس سید محتشم صاحب سے ہوئی تھی. سید محتشم صاحب اور انکے چھوٹے بھائی سید محترم کو ایک سازش کے تحت ریل کے سفر میں دیوبند کے قریب شہید کر دیا گیا تھا اور سید محتشم صاحب کے دولڑکے سید محمد احتشام اور سید محمد واصف پاکستان سے امریکہ منتقل ہو گئے ہیں اور وہیں پر ان کی رہائش ہے.

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے تین صاحبزادے الحمد للہ حیات

ہیں...... بڑے صاحب زادے مولانا محمد سالم صاحب قاسمی ہیں، جو اس وقت دارالعلوم (وقف) کے مہتمم ہیں، دوسرے صاحب زادے مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی ہیں جو دارالعلوم (وقف) میں استاذ حدیث اور اچھے مصنف وخطیب ہیں، تیسرے صاحب زادے محمد اعظم قاسمی ہیں جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اسلامیات کے شعبہ میں پروفیسر ہیں...... ایک صاحب زادے محمد عاصم تھے جن کا ۴۲ء میں چودہ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا...... تین صاحب زادیوں میں سے ایک صاحب زادی ہاجرہ نازلی تھیں. ان کی شادی مولانا حامد الانصاری غازی سے ہوئی تھی...... مولانا حامد الانصاری غازی صاحب کا بمبئی میں انتقال ہو گیا ہے.

(مولانا حامد الانصاری غازی کی وفات ۱۶/اکتوبر ۱۹۹۲ء کو ہوئی، ولادت ۱۹۰۷ء کی تھی)

آپ کی بڑی صاحب زادی فاطمہ تھیں جن کی شادی رشید صاحب (بریلی) سے ہوئی تھی، تیسری اور چھوٹی صاحبزادی حمیرہ ہیں جن کی شادی سید محتشم صاحب اور بہن طیبہ کے بیٹے احتشام صاحب سے ہوئی. ان کی ایک صاحبزادی عذرا تھیں جن کی شادی دیوبند کے ڈاکٹر افضال صاحب سے ہوئی تھی. ان کا بائیس سال کی عمر میں انتقال ہو گیا تھا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی شادی ۱۹۱۵ء میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ سال تھی...... ان کی اہلیہ کا نام حنیفہ خاتون تھا جن کا تعلق رامپور منیہاران سے تھا. اندر گڑھ گوالیار کے قریب ایک ریاست تھی جہاں ان کے والد وزیر تھے اس لئے زیادہ قیام وہیں رہتا تھا. ۱۹۷۴ء میں ان کا انتقال ہو گیا تھا.

تعلیم

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی پوری تعلیم شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں ہوئی. انھوں نے سات سال کی عمر میں قرآن مجید ناظرہ اور صرف دو سال میں مکمل قرآن مجید حفظ کر لیا. پھر باقاعدہ تجوید وقرأت کی مشق قاری عبدالوحید صاحب سے کی.

ان کی تعلیم کی بسم اللہ بھی بڑی شان کے ساتھ ہوئی. ایک خاص تقریب میں ان کی بسم اللہ کرائی گئی اور اس میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن عثمانی دیوبندی، شیخ طریقت مفتی اعظم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، اور ان کے والد مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ، قاری صاحبؒ کے والد حافظ محمد احمد صاحبؒ اور بہت سے بزرگ شریک ہوئے اور ان کی دعاؤں کے ساتھ قاری صاحبؒ کی بسم اللہ ہوئی. مولانا فضل الرحمٰن نے اس مبارک مجلس کی تاریخ اس قطعہ سے نکالی تھی.

حبذا مکتب طیب کی مبارک تقریب
کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
رب یسر جو کہا اس نے تو بیروئے ابا
فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

ت م م ب ا ل خ ی ر
۴۰۰ ۴۰ ۴۰ ۲ ۱ ۳۰ ۶۰۰ ۱۰۰ ۲۰۰ ۱۳۲۳ھ

حفظ قرآن اور قرأت و تجوید کی تکمیل کے بعد دارالعلوم دیوبند کے درجہ فارسی وریاضی میں داخلہ ہوا، اور اس کا پانچ سالہ نصاب مکمل کر کے سند فراغت حاصل کی.

دارالعلوم دیوبند کے درجۂ فارسی کے پانچ سالہ نصاب میں فارسی کی ابتداء سے اعلیٰ درجے تک کی بڑی بڑی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں، جن میں گلستاں، بوستاں، مثنوی مولانا روم، سکندر نامہ، انوار سہیلی اور فارسی گرامر میں احسن القواعد وغیرہ.

اس کے علاوہ حساب میں چکرورتی، اقلیدس.

انشا میں رقعات امان اللہ حسینی، رقعات عالم گیری.

یہ پانچ سالہ نصاب ہائی اسکول کے معیار سے بھی اوپر کے درجے کا تھا، اور اس کی تکمیل کے بعد اردو، فارسی، حساب، تحریر و انشا ان تمام ضروری مضامین کی اچھی استعداد پیدا ہو جاتی تھی. اس کے بعد ہی طالب علم کو درجات عربی میں داخل کیا جاتا تھا.

چنانچہ مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو بھی شعبۂ فارسی وریاضی کی پانچ سالہ تکمیل کے بعد درجات عربی میں داخل کیا گیا۔ ۱۳۳۷ھ ۱۹۱۸ء میں آپ نے درجات عربی سے فراغت پاکر سند فضیلت حاصل کی۔

حدیث میں آپ کے خصوصی استاد حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ تھے۔ حدیث کی خصوصی سند آپ کو مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری سے حاصل ہوئی۔ اس کے علاوہ مولانا عبد اللہ صاحب انصاری اور اپنے والد مولانا محمد احمد صاحب سے بھی حدیث کی سند لی۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے استادوں میں شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی، انکے برادر خورد مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا شبیر احمد عثمانی اس کے علاوہ مولانا اصغر حسین دیوبندی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہی، شیخ المنطق مولانا ابراہیم بلیاوی اور مولانا رسول خان جیسے مشہور علماء شامل ہیں۔

اپنی تعلیم وتربیت کے بارے میں خود مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ”چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے، اور ایک نئی تہذیب وتعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دار العلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے، جو اپنے وقت میں علم و دین کے مجدد تھے اور ان کی زندگی سادہ، توکل پسندی، کم سے کم اسباب، معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی، ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہؒ حضرت نانوتویؒ کے فیضان صحبت اور رفاقت سے براہِ راست مستفید تھیں۔ دادی صاحبہ اپنی عبادت وریاضت، سخاوت، کشادہ دلی، شعائر دین

پر پختگی، نماز روزہ، ذکر شغل کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں.

میرے والد مرحوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیر سایہ مجھے تعلیم و تربیت نصیب ہوئی. ان کی ساری ضروریات زندگی میں بیحد سادگی، مزاج میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلباء دارالعلوم کے لئے جو ملک و بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے...... میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی. بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی.

والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دُھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے، والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی. مگر بعد میں اپنے جذبۂ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متاسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلا کر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا. یہ گویا طلبہ دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا جو طلبہ میں معروف تھا.

یہاں ایک واقعہ یہ بھی بیان کرنا مناسب ہوگا کہ میری دادی صاحبہ ایک دفعہ امروہہ ضلع مرادآباد تشریف لے گئیں، جہاں میرے دادا صاحب کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی تشریف فرما تھے، وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے، حضرت مولانا امروہی مرحومہ دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والوں میں خود بھی شریک تھے، یہ تھا اس دَور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب واحترام. میرا تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور دین کے نادار طلبہ سے محبت وشفقت زندگی کا

ایک بڑا فرض سمجھا جاتا تھا. میرے آباواجداد نے طلبہ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے. اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادی کی تقریبات بھی خود ہی انجام دیں. کتنے ہی علما وفضلا ہیں جن کی مجالس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں. حضرت قبلہ علامہ انور شاہ صاحبؒ کی شادی بھی میرے والد صاحب کے اہتمام سے ہوئی.

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد جامعہ قاسمیہ خود دیوبند کے اونچے خاندان کے فرد تھے. ان کی تقریب شادی بھی میرے والد صاحبؒ نے کی غرض کہ میرا گھرانہ علماء وفضلاء عصر کا مورد تھا، دوسرے متعدد علماء وفضلا نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیرِ سایہ راحت وآرام سے وقت گذارا، تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانۂ روزگار علماء اور فضلا کرام سے استفادہ کا موقع ملا.

حفظ قرآن اور تجوید قرأت میں مولانا قاری عبد الوحید صاحبؒ، فارسی میں مولانا یٰسین صاحب (والد ماجد مفتی محمد شفیع صاحب) فنون میں ابوالاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ اور علوم کتب وسنت میں علامہ دہر، یگانہ روزگار الاستاذ الاکبر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانیؒ، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ، حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحبؒ، مولانا اعزاز علی امروہی، مولانا رسول خاں ہزارویؒ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ میرے اساتذہ ہیں، اپنے رفقاء درس میں بڑے بڑے فضلا کو جمع پاتا ہوں لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گذرا. ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، مولانا سید بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ اور مولانا میرک شاہ کشمیری خاص طور پر قابل ذکر ہیں. یہ حضرات بھی اپنے علم وفضل میں بے نظیر ہیں.

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، مولانا محمد منظور نعمانی اور مولانا سید محمد میاں دیوبندی یہ سب حضرات میرے بعد کے فضلاء دارالعلوم میں سے ہیں. اساتذہ نے

کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا اسکے بارے میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے.

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ حدیث شریف کے استاد اعلیٰ تھے مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے. طلباء کی ذرا سی غفلت پر خفا ہو جاتے. ایک دفعہ طلباء کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر بیٹھ گئے اور دار العلوم میں سبق پڑھانا موقوف کر دیا طلباء پر استاد کی خفگی کا بہت بڑا اثر ہوا مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی اور طلباء نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا عثمانی کو منانے کے لئے ان کے سامنے مجھے پیش کیا جائے حالانکہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا.

چنانچہ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں جا کر عرض معروض اور طلباء کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا تو حضرت نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرمائی اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آئے اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا.

میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت وعنایت دیکھ کر اکابر کی کشیدگیوں کو دور کرنے کیلئے اساتذہ کی طرف سے مجھے ہی منتخب کیا جاتا تھا.

شخصیت کے خدوخال

حضرت قاری صاحب کی گفتار، رفتار، نشست و برخاست ہر چیز میں ایک نفاست جھلکتی تھی. گفتگو کرنے میں نہ آواز بہت بلند ہوتی تھی اور نہ اتنی پست کہ سنائی نہ دے. نہایت شیریں لب و لہجے میں ایک ایک لفظ علیحدہ علیحدہ موتیوں کی جگمگاتے الفاظ معلوم ہوتے تھے...... آواز کا زیر و بم بھی بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا. قد بہت موزوں تھا نہ بہت لمبا تھا اور نہ پست. جسم نہ موٹا اور بھدا اور نہ اتنا دبلا پتلا بلکہ موزوں اور متناسب جسم تھا. لباس عالمانہ اور باوقار ہوتا تھا. دو پلی ٹوپی ذرا اونچی باڑ کی جوان کی اٹھی ہوئی پیشانی پر بہت زیب دیتی تھی...... نشست میں تواضع جھلکتی تھی. چھوٹی سے چھوٹی بات کی بہت قدر کرتے تھے...... مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ہاتھ میں لینے کی چھڑی بہت سبک اور ہلکی سی دیکھنے میں خوبصورت نظر آتی تھی حضرت کیلئے خریدی اور اس وقت

صرف ایک روپے کی آئی تھی. اس کو کاغذ میں لپیٹ کر میں نے حضرت کی خدمت میں پیش کیا. ان کے پاس ایک سے ایک قیمتی اور اچھی سے اچھی چھڑی تھی لیکن میرے اس ناچیز تحفے کی اتنی قدر کی کہ کئی دنوں تک اسے اپنے ہاتھ میں رکھا اور گھر میں بھی اس کا کئی بار ذکر کیا کہ یہ میرے لئے ہلال میاں لیکر آئے ہیں.

شروع سے ہی کچھ اس طرح کا انداز رہا کہ میں نے بڑے آدمیوں کی شخصیت کا جائزہ ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے لیا ہے.

ایک مرتبہ میں نے اپنے تائے ابا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب سے پوچھا کہ آپ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب (صدر جمہوریہ ہند) سے بہت قریب رہے ہیں ان کی خاص بات کیا تھی. مفتی صاحب نے اس کے جواب میں جو بات کہی وہ شخصیت کے ناپنے کا مجھے ایک پیمانہ اور معیار معلوم ہوتی ہے. انھوں نے کہا کہ میں نے ڈاکٹر ذاکر حسین کو اپنے لان کی گھاس کو صاف کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور صدر جمہوریہ کی کرسی پر بیٹھے ہوئے بھی، جتنے عظیم وہ صدر جمہوریہ کی کرسی پر نظر آئے اتنے ہی عظیم وہ اپنے لان کی گھاس صاف کرتے ہوئے نظر آئے.

یہی بات میں حضرت قاری صاحبؒ کے بارے میں کہتا ہوں کہ وہ اپنے گھر میں اپنے رشتہ داروں میں اور دیوبند کی گلیوں میں چلتے ہوئے اتنے ہی عظیم نظر آئے جتنے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے منصب پر.

میری نانی صاحبہ محترمہ زینب معصوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے بہت بے تکلف تھیں اور دونوں میں سگے بہن بھائیوں کا سا رشتہ معلوم ہوا کرتا تھا. میری نانی عمر میں بڑی تھیں اس لئے قاری صاحب ان کو آپا کہا کرتے تھے...... مولانا حبیب الرحمٰن میری نانی کے سگے ماموں تھے. وہ کہا کرتی تھیں کہ مولانا طیب صاحب چھوٹے سے ماموں حبیب الرحمٰن صاحب کی انگلی پکڑے ہوئے اکثر ہمارے گھر آیا کرتے تھے. جیسے ابھی یہ بڑے نظر آتے ہیں بس ویسے ہی یہ بالکل چھوٹے سے نظر آیا کرتے

تھے یعنی وہی انداز اور وہی طور وطریق اور تمیز وادب بچپن سے ان میں اسی طرح تھا جیسے بڑے ہوکر آج ان میں ہے. میرے خیال میں یہ جملہ حضرت قاری صاحب کی شخصیت کی بہترین ترجمانی کرتا ہے. اگر اردو کے محاورے "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات" کو ہم ذہن میں رکھ لیں تو معلوم ہوگا کہ نوعمری سے ہی حضرت قاری صاحب کی تعلیم وتربیت میں وہ تمام چیزیں سموئی جارہی تھیں اور بٹھلائی جارہی تھیں جن سے آگے چل کر اس امت کو اور عالم انسانیت کو بڑا فیض پہنچنا تھا. یوں بھی کچھ ہی لوگ ہوتے ہیں جو تاریخ کے کسی موڑ پر دنیا میں آکر ایسے کام کر جاتے ہیں کہ صدیوں تک وہ بھلائے نہیں جاسکتے. اس کو مبالغہ اور خوش عقیدگی نہ سمجھا جائے تو میں صاف صاف عرض کرونگا کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے ابتدائی معمار اور پھر اس کو ایک مرکزی صورت دینے والے جو ہمیں مولانا قاسم نانوتویؒ سے لے کر علامہ انور شاہ کشمیری تک اپنے اپنے میدان میں نہایت اہم لوگ نظر آتے ہیں جیسے ان سب کا جوہر اور ان کا نچوڑ حکیم الاسلام مولانا طیب صاحب کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے جمع کر دیا تھا، وہ عالم بھی تھے، منتظم بھی تھے. خطیب بھی تھے، متکلم بھی تھے، مفکر بھی تھے اور سب سے بڑھ کر یہ بات کہ ان کی فکر اور ان کی شخصیت بڑی متوازن تھی اور جب نہایت اہم اور نازک مرحلوں پر ان کے قائدانہ جوہر کھلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کی شخصیت نرم دم گفتگو گرم دم جستجو کا نمونہ ہے. مسلم پرسنل لا پر زد پڑنے لگی تو جس عزم اور پختگی اور استقامت کے ساتھ انھوں نے کہا اور عمل کیا اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک نیا حوصلہ دے دیا. اسی طرح جب بھی کوئی کش مکش کی صورت پیدا ہوتی تھی تو حضرت مولانا طیب صاحب اس کا دفاع بھی کرتے تھے اور اس کا حل بھی کرتے تھے، ایک بار نہیں بارہا اس طرح کے منظر سامنے آئے ہیں کہ ان کی رائے کی صلابت اور عزم کی پختگی اور تدبر نے بڑے سے بڑے مسئلے کو چٹکیوں میں حل کر دیا. دارالعلوم بارہا ایسے حالات ومسائل سے دوچار ہوا ہے اور ساٹھ سال کی طویل انتظامی زندگی میں وہ چٹان کی طرح مضبوط، سمندر کی

طرح پر سکون نظر آئے ہیں.

• حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ دفتر اہتمام کے تمام کاموں پر پوری طرح نظر رکھتے تھے. معمول یہ تھا کہ جب بھی دیوبند میں ہوتے تھے پورے وقت دفتر میں بیٹھ کر پورے انہماک کے ساتھ دفتر کے کاغذات اور آنے والی ڈاک خود دیکھتے تھے اور اکثر اپنے قلم سے جوابات لکھا کرتے تھے. حضرت قاری صاحب کی تحریر بہت خوبصورت تھی. چھوٹے چھوٹے حروف صاف صاف موتیوں کی طرح ٹکے ہوئے ہوتے تھے. خط کے جوابات بڑے مکمل اور شافی ہوتے تھے اور ان سے اپنائیت کا اظہار ہوتا تھا.

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ حضرت مہتمم صاحب پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں قیام طویل ہوگیا یہاں تک کہ یہ خیال ہونے لگا کہ معلوم نہیں کہ واپسی کا ارادہ ہے یا نہیں؟ ان کی عدم موجودگی میں دارالعلوم دیوبند کا سالانہ جلسہ تقسیم انعامات ہوا. یہ جلسہ بڑا اہم ہوتا تھا اور ذمہ دار اور طلبا پوری دلچسپی سے اس جلسے میں شریک ہوتے تھے. حضرت مہتمم صاحب کی عدم موجودگی میں جلسہ بڑا بے کیف معلوم ہوا، اور میں نے اس تاثر کا اظہار حضرت کے نام خط میں اس طرح سے کیا کہ آپ کے نہ ہونے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے بارات ہو مگر اس کا دولہا نہ ہو. اسی زمانے میں نائب مہتمم مولانا مبارک علی صاحب کا بھی انتقال ہوا تھا اور وہ میرے دادا مولانا مفتی عزیز الرحمٰنؒ کے خلیفہ تھے. ان کے انتقال کا بھی دل پر بہت اثر تھا. یہ دونوں باتیں ایسی ہوگئیں کہ حضرت کے نام خط خاصا پردرد ہوگیا. حضرت نے فوراً ہی اپنے قلم سے اس کا جواب بہت ہی تسلی اور تشفی دیتے ہوئے تحریر فرمایا. اس میں ایک جملہ مجھے یاد ہے کہ مولانا مبارک علی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم کے بارے میں یہ تھا کہ انہیں نسبت صلاتیہ حاصل تھی اور واقعی مولانا مرحوم نماز کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے.

مولانا عبدالحق صاحب غازی پوری جن کے صاحبزادے مولانا عبداللہ جاوید الحمدللہ حیات ہیں. حضرت کے پیش کار معتمد خصوصی اور مزاج شناس تھے. اس لئے

اہتمام کے تمام کام بڑے سلیقے سے اور بغیر تاخیر کے انجام پاتے تھے. کیوں کہ حضرت مہتمم صاحب کاغذات اور خطوط وغیرہ کے نمٹانے میں بہت مستعد رہتے تھے.

• حضرت کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ جب بھی دیوبند میں ہوتے تھے تو عصر کے بعد یا مغرب کے بعد بلکہ زیادہ تر عصر کے بعد حضرت کے مکان پر مجلس ہوا کرتی تھی. جس میں علماء طلبا اور اہل شہر بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے...... یہ مجلس کیا تھی حقیقت میں حکمت دین کی درس گاہ تھی. لوگ مختلف قسم کے سوالات کرتے تھے. حضرت اس کے جوابات اس طرح سے دیتے تھے کہ سوال کوئی ہو بات گھوم پھر کر دین پر ہی آجاتی تھی. اس طرح یہ دینی مجلس دین کے بے شمار حکمتوں کی گرہ کشائی کرتی تھی. حضرت کا اندازِ بیان اتنا دل چسپ اور آسان ہوتا تھا کہ ہر طرح کے لوگ اس سے فائدہ اٹھا لیتے تھے. اس میں علماء بھی ہوتے تھے، عام لوگ بھی ہوتے تھے. یہاں تک کہ ہم لوگ جو بچپن کی منزل میں تھے وہ بھی سمجھ لیتے تھے اور ہمیں بھی اس میں لطف آیا کرتا تھا. بعض اوقات لوگ سیاسی سوال بھی کرتے تھے، گو حضرت کا مزاج معروف معنی میں سیاسی نہیں تھا مگر حضرت اس سوال کا جواب بھی خندہ پیشانی سے دیتے تھے اور ہوتا یہ تھا کہ تان اس کی دین پر ہی ٹوٹتی تھی. اس مجلس میں کسی کی غیبت نہیں ہوتی تھی، کسی پر تنقید نہیں ہوتی تھی. یہ بڑی خیر کی مجلس ہوا کرتی تھی جس کی یاد اب بھی آتی ہے تو دل تڑپ جاتا ہے کہ "ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے" اب کہاں سے وہ "حکیم الاسلام" آئیں گے جن کی باتوں سے بڑے بڑے مسئلے چٹکیوں میں حل ہو جایا کرتے تھے.

• حضرت کے معمولات میں یہ چشم دید بات ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد صلوٰۃ اوّابین میں حضرت قرآن مجید کے ایک دو سپارے روزانہ پڑھا کرتے تھے. اکثر میں بھی جب حاضر ہوتا تو پیچھے نیت باندھ کر کھڑا ہو جاتا تھا. حضرت کچھ تھوڑی بلند آواز میں جو مجھے سنائی دیتی رہتی تھی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، وہ قاری بھی تھے، حافظ بھی تھے، صاحب دل بھی تھے، صاحب نظر بھی تھے. ان کی تلاوت میں کچھ عجیب

ذائقہ ہوا کرتا تھا کہ ہم جیسے لاابالی جو ابھی ذمہ داری کے دور میں داخل نہیں ہوئے تھے.
ہم بھی اس طویل قرأت سے اکتاتے نہیں تھے.

• حضرت کا ایک معمول تھا کہ سفر میں بھی برابر مطالعہ اور لکھنے میں مشغول رہتے تھے. یعنی سفر ہو یا حضر، ان کے معمولات مطالعہ کے اور تحریر کے برابر جاری رہتے، یہ بھی بڑی عجیب بات تھی کہ ٹرین کی حرکت کا اثر ان کی تحریر پر نہیں پڑتا تھا اور وہ اسی طرح لکھتے رہتے تھے. اکثر کھڑکی کے پاس لمبائی کی نشست پسند کرتے تھے تا کہ روشنی مناسب آتی رہے.

• ان تمام مصروفیات کے ساتھ آپ اپنے گھر والوں کے لئے بھی اچھا خاصا وقت نکالا کرتے تھے، گھر والوں کے ساتھ بیٹھتے تھے ان سے باتیں کرتے تھے، وہ زاہد خشک نہ تھے بلکہ طبیعت میں ایک لطیف مزاح تھا. بچہ یا بوڑھا کوئی بھی ہو ان کی باتیں سننے میں دلچسپی لیتا تھا. گھر میں بھی ان کی باتیں بے تکلف، سادہ اور معلومات افزا ایسی ہوا کرتی تھیں، جیسے باہر مجلسوں میں یا تقریروں میں...... یعنی ان کی گھر کی اور باہر کی زندگی میں تضاد نہیں تھا.

• بچوں کے ساتھ بالکل بچوں کی طرح پیش آتے تھے. ان کا حوصلہ بڑھاتے تھے. ان کی باتوں میں شریک ہوتے تھے. یاد ہے کہ بچپن میں ایک مرتبہ میں نے اور مولوی اسلم صاحب نے جو ان کے منجھلے صاحبزادے ہیں اور میرے ہم عمر ہیں اور ہمارے ساتھ کچھ اور دوستوں نے مل کر ایک جلسہ کیا. ہمارے مکان کے سامنے ایک میدان سا پڑا ہوا تھا. جس میں چار دیواری تھی. جس کو گھیر کہا کرتے تھے کیوں کہ وہ دیوار سے گھرا ہوا تھا. ہم بچوں نے مل کر اس میدان کی بڑی صفائی کی، اس وقت لاؤڈ اسپیکر کا عام رواج نہیں تھا اور دیوبند میں شاید پہلی مرتبہ کرائے پر دینے کے لئے لاؤڈ اسپیکر آیا جو صرافہ بازار میں نریش کی دوکان پر آیا تھا. ہم نے اس سے لاؤڈ اسپیکر کی بات طے کی. پانچ روپے کرایہ طے ہوا اور ہمارے جلسے میں لاؤڈ اسپیکر لگایا گیا. یہ شاید دیوبند

میں بچوں کا پہلا جلسہ تھا. جس میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال ہوا تھا. حضرت مہتمم صاحب اسکے مقرر خصوصی تھے، آپ نے بچوں کی مناسبت سے تقریر فرمائی. جلسے کے بعد چائے مٹھائی کا بھی انتظام تھا. اس میں بھی شرکت فرمائی. خوب حوصلہ بڑھاتے رہے. یہ جملہ اب بھی کانوں میں گونج رہا ہے کہ ''جلسہ تمہارا بڑا کامیاب رہا''

• حضرت کا معمول تھا کہ دیوبند کے مختلف لوگوں سے میل ملاپ اور تعلقات رکھتے تھے. گاہے گاہے ان سے ملاقات کے لئے جایا کرتے تھے. جن میں ایک ہمارا گھر بھی شامل تھا اور اکثر بغیر کسی سواری کے پیدل ہی جاتے تھے. نپے تلے ہلکے ہلکے قدم متواضع رفتار جس میں وقار بھی تھا. دیوبند کی گلیاں جیسے ان کے چلنے سے سج جاتی تھیں. جب بھی آتے تھے بڑی محبت آمیز گفتگو ہوتی تھی. جیسا کہ میں نے پہلے بھی ذکر کیا کہ میری نانی زینب معصوم سے بڑی بے تکلفی کا انداز ہوتا تھا. مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میری نانی جن کو ہم اماں جان کہا کرتے تھے انھوں نے پوچھا ''بھائی جی کبھی گھر میں کھانا کھالو یا ہمیشہ سفر میں ہی رہو'' اس پر حضرت نے بڑا ظریفانہ جواب دیا کہ ''آپا جب روزی تقسیم ہورہی تھی تو قسام ازل نے مونٹھ ماری اور دانے بکھر گئے انہی کو چگتا پھرے جاؤں''.

اس جواب میں ظرافت بھی تھی اور حقیقت بیانی بھی کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں جہاں کا دانہ اور روزی لکھی ہے وہاں جانا ہوتا ہے.

• ایک منظر جیسے اب بھی آنکھوں میں پھرتا ہے. حضرت مہتمم صاحب اپنی والدہ کا بہت احترام کرتے تھے. جب ان کے سامنے آتے تھے تو بالکل بچے سے ہو جاتے تھے. ہم نے ان کی والدہ کو بچپن میں دیکھا تھا سب ان کو اماں بی کہتے تھے...... مختصر سا قد، گورا چٹا رنگ، ہلکا پھلکا جسم، بالکل گڑیا سی معلوم ہوا کرتی تھیں...... ضعیفی کی جھریوں میں بھی ایسا لگتا تھا جیسے اس میں نور کی کرنیں بہہ رہی ہیں...... وہ منظر مجھے یاد ہے کہ مہتمم صاحب سفر حج پر تشریف لے جارہے تھے. اماں بی چاہتی تھیں کہ وہ بھی ساتھ حج کو جائیں. مگر کسی وجہ سے ایسا نہیں ہو پا رہا تھا. حضرت مہتمم صاحب ان کے

قدموں سے آنکھیں مل رہے تھے اور آنسوؤں سے ان کے پیر دھوتے ہوئے ان سے حج پر جانے کی اجازت مانگ رہے تھے. بس ہمیں اتنا یاد ہے کہ اماں بی بہت ناراض ہو رہی تھیں اور حضرت مہتمم صاحب اسی طرح ان کے سامنے گڑگڑا رہے تھے...... جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے......اس کی تصویر بالکل ہمارے سامنے تھی.

• ابتداء میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے بیعت ہوئے تھے. ان کے وصال کے بعد مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تربیتی تعلق قائم ہوا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا کیوں کہ اس پورے گھرانے سے خصوصی تعلق تھا اس لئے مولانا حبیب الرحمٰن نے ان کی تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی اور ان کی شخصیت کو پروان چڑھانے، بنانے اور نکھارنے میں سب سے بڑا ہاتھ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا ہے. راقم الحروف سے خود ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب نے فرمایا تھا کہ مجھے تایا جی یعنی مولانا حبیب الرحمٰن نے کام کا طریقہ اس طرح سکھایا ہے جس طرح بچے کو سبق پڑھاتے ہیں.

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ انتقال سے کچھ پہلے اپنے پاس بٹھا کر جو نصیحتیں فرمائیں اور انتظام کے رموز و اسرار مجھے سمجھائے وہ مجھے آج بھی پوری طرح یاد ہے. ان میں سے ایک بات جو حضرت قاری صاحب نے فرمائی تھی وہ آج بھی میرے لوحِ ذہن پر ثبت ہے. مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے کہا تھا کہ ''میاں طیب تعلق بنانا آسان ہے نبھانا مشکل ہے تعلق وہی بناؤ جو نبھا سکو''

تعلیم سے فراغت کے بعد حضرت قاری صاحب کو تدریس کا موقع بہت کم مل سکا. حالاں کہ اصلاً ان کا مزاج علمی تھا لیکن حالات نے ان کو انتظامی امور سنبھالنے پر مجبور کر دیا. انتظامی بکھیڑوں میں پڑنے کے باوجود ان کا علمی ذوق اسی طرح تازہ تھا. خوب مطالعہ کرتے تھے. تصنیف و تالیف کا بھی مشغلہ رہا اور ان کی خطابت و تقریر نے جیسے ہندوستان میں خطابت کی ایک نئی تاریخ لکھ دی. ان جیسا مقرر اس آدھی صدی میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا. کمال یہ ہے کہ تقریر کی جو خوبیاں سمجھی جاتی ہیں. نشیب و فراز،

اشارے اور انداز، آواز کا زیر و بم، کبھی رلانا، کبھی ہنسانا ان میں سے کوئی ایک بات بھی ان کی تقریر میں نہ تھی لیکن پھر بھی ان کی تقریر اتنی موثر، اتنی باکمال، اتنی جامع، اتنی مرتب، اتنی سلیس اور اتنی آسان ہوتی تھی کہ بڑے بڑے دقیق مسئلے اتنی آسانی کے ساتھ بیان کر دیتے تھے کہ ہر طرح کا آدمی اس کو سمجھ لیتا تھا۔

حکمت قاسمیہ کی ترجمانی اپنی تقریر و تحریر، قول و عمل سے اپنے مزاج اور مذاق میں جذب کر کے جس شرح و بسط کے ساتھ امت کے سامنے پیش کی ہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے بعد ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

معصومیت، حسن اخلاق اور علم و عمل کا یہ پیکر جس نے بہترین اساتذہ کی آغوش میں تربیت پائی تھی، جب دارالعلوم دیوبند کے منصب اہتمام پر جلوہ افروز ہوا تو آدھی صدی سے زیادہ تک اپنی کرنیں اس طرح پھیلاتا رہا کہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ اس کے جلووں سے روشن ہو گیا اور دور دراز کے ملکوں تک دارالعلوم کی آواز اس طرح پہنچی کہ اعتبار اور وقار کا ایک اور ہی منظر سامنے آنے لگا۔ حقیقت یہ ہے کہ قاری محمد طیب صاحب ایک شخصیت کا نام نہیں بلکہ ایک پورے عہد کا نام ہے۔ یہ علماء سلف کی آخری یادگار اور ایسی جامع کمالات شخصیت تھی جس نے دیوبند اور دارالعلوم کو دنیا کے نقشے پر اس طرح چمکا دیا کہ ملک میں کوئی تحریک ایسی نہیں اٹھی کہ جس کی قیادت دیوبند کے ہاتھ میں نہ ہو۔ تحریک خلافت ہو یا مسلم پرسنل لاء بورڈ مدارس کے قیام کی تحریک ہو یا آزادئ ہند کی تحریک ہر جگہ صف اول کے قائد دیوبند اور دارالعلوم کے نظر آئیں گے۔

انتظامی صلاحیت

علمی ذوق اور مزاج ہونے کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ میں انتظامی صلاحیت کم نہ تھی۔ ایک ایسے ادارے کا نظام چلانا جس میں مختلف فکر و رجحان کے لوگ ہوں کوئی آسان بات نہیں ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی جگہ پر حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کو دارالعلوم دیوبند کا شیخ الحدیث مقرر کیا گیا۔

مولانا حسین احمد صاحبؒ اپنے علمی مقام اور مرتبے کے ساتھ ایک خاص سیاسی فکر بھی رکھتے تھے وہ جمعیۃ العلماء ہند کے صدر تھے اور آزادی کے بعد سابقہ روش کے برخلاف جمعیۃ العلماء ہند کانگریس کے ساتھ اس طرح وابستہ ہوگئی تھی کہ دونوں کے سیاسی فکر میں کوئی نمایاں فرق نظر نہیں آتا تھا.

مولانا کے ان سیاسی افکار کا اثر دارالعلوم کی فضاؤں میں صاف محسوس کیا جاسکتا تھا.

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اگرچہ سیاسی لائن کے آدمی نہ تھے، لیکن وہ مولانا اشرف علی تھانویؒ سے تعلق رکھتے تھے، ان کے خلیفہ بھی تھے. مولانا تھانوی جیسا کہ لوگ جانتے ہیں کانگریس اور نہرو گاندھیائی انداز سے کوئی زیادہ متفق نہ تھے.

بہرحال حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور مولانا مدنی کے دینی اور سیاسی مذاق میں ایک فرق موجود تھا اور اسکے اثرات دارالعلوم میں محسوس کیئے جاتے تھے. وہ بہت سے لوگ جو مولانا مدنی کے ہم خیال، انکے عقیدت مند بلکہ ان کی جماعت کے ساتھ تعلق رکھنے والے تھے. دارالعلوم کے کلیدی عہدوں پر فائز تھے. مثلاً تنظیم وترقی جو دارالعلوم کا ایک اہم شعبہ تھا اور اسی کے ذریعے دارالعلوم کی آواز پھیلتی تھی اس کے ناظم بجنور کے مولانا محمود گل تھے، جو مولانا مدنی سے بڑا گہرا تعلق رکھتے تھے. اسی طرح مولانا سلطان الحق دارالعلوم کے کتب خانے کے ناظم تھے اور یہ بھی سکہ بند مدنی پارٹی کے تھے. اسی طرح تعلیمات کی نظامت جو دارالعلوم کا سب سے اہم تعلیمی شعبہ ہے. اس پر بھی عام طور پر وہی لوگ رہتے رہے جن کا تعلق مولانا مدنی سے تھا. منشی عزیز احمد صاحب مع اپنے صاحبزادے محمد حسیب صدیقی کے اس جماعت سے وابستہ رہے. ان دو فکری دھاروں کے باوجود حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے ہمیشہ اعتدال، میانہ روی اور رواداری اختیار کی اور ان افکار وخیالات کو تنازعہ کا سبب نہیں بنایا.

یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ خود مولانا مدنیؒ بھی اپنی خاص سیاسی فکر کے باوجود صاحب علم بھی تھے اور صاحب دل بھی. یہ بات جانتے تھے کہ دارالعلوم کی بھلائی کیلئے

اوراس کی ترقی کیلئے مولانا قاری طیب صاحب کا وجود کتنا اہم ہے.

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ پاکستان گئے اور کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ انھوں نے وہیں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا.مولانا مدنی کواس سے بڑی تشویش ہوئی.قاری صاحبؒ کو پاکستان کی شہریت مل چکی تھی.قانونی طور پر اس کوختم کرنا اورقاری صاحبؒ کو ہندوستان لانا بڑا مشکل کام تھا.

لیکن یہ مولانا مدنی تھے،رائے اوراختلاف کے باوجود دیانت داری کی بات یہ ہے کہ ان کی عظمت کوتسلیم کیا جائے.مولانا مدنی اپنی بے نیازانہ طبیعت کے باوجود خود جواہر لال نہرو کے پاس گئے جواس وقت ہندوستان کے وزیر اعظم تھے.اس معاملے میں ان سے مداخلت کے لئے کہتے ہوئے ان کے الفاظ یہ تھے کہ میں اپنی زندگی بھر کی سیاسی خدمت کا یہ صلہ سمجھتا ہوں کہ آپ حضرت مولانا قاری محمد طیب کو ہندوستان لے آئیں. چنانچہ وہ سب قانونی مرحلے طے ہوئے.قاری صاحب ہندوستان واپس تشریف لائے تو دیو بند کے اسٹیشن پر مولانا مدنی نے ان کا استقبال کرتے ہوئے بے ساختہ یہ شعر پڑھا۔

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو ❁ تو کجا بہر تماشا می روی

یعنی لوگ تو خود تیرے دیدار کے لئے منتظر ہیں تو کہاں دیدار کرانے کیلئے جاتا ہے.فکری اختلاف کے باوجود ان دونوں بزرگوں کا یہ باہمی ربط وتعلق ان لوگوں کے لئے ایک سبق ہے جو چھوٹے موٹے اختلافات کوتخریب کاری کا ذریعہ بنالیتے ہیں.

کبھی کبھی دفتر اہتمام میں ان بزرگوں کی باہمی ملاقات اور چٹکلوں اور لطیفوں کا منظر جیسے نگاہوں میں گھومتا ہے کہ کس طرح یہ لوگ دارالعلوم کے مفادات کو اوراس کی تعمیر وترقی کو سامنے رکھتے تھے اوراپنی سوچ کواس میں حارج نہیں ہونے دیتے تھے.

وہ دور بھی بڑی خیر وبرکت کا تھا جس میں ان جیسی قابل قدر شخصیات دارالعلوم کی خدمت کے لئے موجود تھیں......حضرت مولانا ابراہیم صاحب بلیاوی منطق اور

فلسفے کے امام مولانا اعزاز علی صاحب فقہ وادب کے ماہر مولانا بشیر صاحب علم ہیئت پر پوری دست گاہ رکھنے والے.

اسی طرح اور دوسرے قابل اساتذہ اور ماہرین فن...... ایسا لگتا تھا کہ یہ خوبصورت ہار ہے جس میں چمک دار ہیرے جگمگا رہے ہیں.

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے ہمیشہ ان علماء اور ماہرین کی قدر ومنزلت کی اور ان کو دارالعلوم کی آبرو اور اس کی عظمت کا نشان سمجھتے ہوئے ان لوگوں کا اکرام کیا.

غرض حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے پورے زمانۂ اہتمام میں جو تقریباً ساٹھ سال پر محیط ہے، بہترین انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا.

خطابت: خطابت وتقریر کی صلاحیت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ میں کمال کی تھی. ہر موضوع پر ہر طرح کے مجمع میں اس طرح خطاب کرنا کہ ان کی بات دلوں کو چھوتی ہوئی چلی جائے، ان کی تقریر کی قوتِ تاثیر کا نشان تھا. مخالف سے مخالف بھی ان کے وعظ وتقریر سے متاثر ہوتا تھا.

لاہور کا ایک واقعہ ہے کہ ایک صاحب علماء دیوبند کے خلاف پروپیگنڈے سے بڑے متاثر تھے. علماء دیوبند سے برگشتہ اور طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا تھے. اتفاق سے قاری صاحبؒ لاہور گئے اور وہاں ایک مسجد میں آپ کے وعظ کا اعلان ہوا. یہ صاحب خود سناتے ہیں کہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ انکے وعظ میں اس نیت سے پہنچا کہ انہیں اعتراضات کا نشانہ بناؤں گا. اور موقع ملا تو اس مجلس کو خراب کرنے کی کوشش کرونگا. ابھی تقریر بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ اول تو حضرت قاری صاحب کا معصوم اور پرنور چہرہ دیکھ کر ان کے ارادوں میں زلزلہ سا آ گیا. دل نے گواہی دی کہ یہ چہرہ کسی گمراہ کا نہیں ہوسکتا. پھر جب وعظ شروع ہوا اور اس میں دین کے حقائق اور معارف سامنے آئے تو پہلی بار اندازہ ہوا کہ علم دین کسے کہتے ہیں. وہ کہتے ہیں کہ تقریر کے ختم ہونے تک میں قاری صاحب کے آگے موم ہو چکا تھا. اپنے پچھلے خیالات سے

توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے بزرگان دین کے بارے میں بدگمانیوں سے نجات عطا فرمادی.

برصغیر کا تو شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جہاں حضرت قاری صاحب کی آواز نہ پہنچی ہو. اس کے علاوہ افریقہ، یورپ اور امریکہ تک آپ کے وعظ وارشاد کے فیوض پھیلے اور ان سے نہ جانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آیا.

خطبات حکیم الاسلام کے نام سے انکے مواعظ وتقریر کی جو جلدیں شائع ہو چکی ہیں اور انکی تقریریں کیسٹ کی شکل میں بھی موجود ہیں، ان کو پڑھ کر اور سن کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قاری صاحب نے ہر موضوع پر کیسا خطاب کیا ہے.

معصومیت: کہتے ہیں کہ چہرہ انسان کے باطن کا آئینہ ہوتا ہے. حضرت قاری صاحبؒ کا چہرہ معصوم بھی تھا اور پرنور بھی. خدوخال باوقار، لب ولہجہ سبک جیسے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں. چہرے کی طرح ان کا دل بھی ایسا معصوم تھا کہ جب انکو معلوم ہوتا تھا کہ فلاں صاحب نے ان سے آکر غلط بیانی کی ہے تو فرماتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہی نہیں ہوتا کہ کوئی مسلمان جھوٹ بھی بول سکتا ہے. خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کبھی اپنے قلم سے کسی کو الگ نہیں کیا. شائستگی، شرافت، نرم روی اور سب سے بڑھ کر خدا ترسی جیسے انکے مزاج کا حصہ بن گئی تھی. وہ دوسروں کی تکلیف سے دکھی تو ہوتے تھے مگر خود کبھی دوسروں کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے تھے.

عزم مستحکم | مزاج کی اس نرمی کے باوجود عزم کے بڑے پختہ اور استقامت کا پہاڑ تھے. انتہائی نازک موقعوں پر بھی راقم الحروف نے ان کو پرسکون ہی دیکھا.

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ۱۹۸۰ء میں جب حضرت قاری صاحب مالیر کوٹلہ تشریف لائے میں نے درخواست کی اور اس کو آپ نے قبول فرمالیا. پورے پروگرام کے اشتہارات کی کتابت کرواکے میں دیوبند پہنچا تو دیکھا کہ دارالعلوم میں شورش کا آغاز ہو چکا ہے. یہ اسی شورش کا ایک سلسلہ تھا جس نے آخر سقوط دارالعلوم کی بدنما شکل اختیار کرلی اور جس حادثے سے آج بھی دل زخمی محسوس ہوتے ہیں.

احاطۂ دارالعلوم میں نعرے بازیاں ہورہی تھیں، میں حاضر ہوااور عرض کیا کہ میں نے آپ کے پروگرام کے اشتہارات کتابت تو کروالئے ہیں ابھی چھپے نہیں ہیں اور یہاں حالات پراگندہ نظر آرہے ہیں، ایسا نہ ہوکہ پروگرام منسوخ کرنا پڑے. حضرت قاری صاحب نے پورے اعتماد اور سکون سے فرمایا کہ نہیں. میں انشاء اللہ وقت پر پہنچوں گا تم اشتہارات چھپوالو. اس کے بعد دوسرے وقت میں پھر حاضر ہوا، اور میں نے کچھ شک کا اظہار کیا کہ پتہ نہیں حالات کیسے ہوں اور آپ تشریف لاسکیں کہ نہیں. حضرت قاری صاحب نے پورے سکون کے ساتھ فرمایا کہ نہیں میں پہلے ہی آجاؤں گا تم اشتہار چھپوالو اور اطمینان رکھو. چنانچہ یہی ہوا کہ حضرت مقررہ تاریخ سے پہلے ہی تشریف لائے اور کئی روز تک یہاں بڑے اطمینان کے ساتھ قیام فرمایا.

ذاتِ بابرکت

حضرت قاری صاحب خوش صورت، خوش سیرت، بااخلاق، بامروت اور وضع دار ہونے کے علاوہ ان کی شخصیت بابرکت بھی تھی. اس کا تجربہ خود راقم الحروف کو ہوا کہ ان کے مبارک قدموں کی برکت نہ صرف دل نے محسوس کی بلکہ آنکھوں نے دیکھی. ان کی برکت کا پہلا تجربہ تو یہ ہوا کہ جب وہ میرے مکان پر تشریف لائے تو تقریباً دن کے گیارہ اور بارے بجے کے درمیان کا وقت تھا، حضرت کو لدھیانہ ہوتے ہوئے مالیر کوٹلہ پہنچنا تھا. لدھیانہ سے حضرت کے ہمراہ تین چار کاروں میں تقریباً تیس چالیس لوگ ہمراہ ہوگئے. گھر میں میں نے چند لوگوں کے کھانے کا انتظام کیا تھا اور یہاں تعداد کافی زیادہ ہوگئی تھی. حضرت نے تھوڑی دیر بیٹھ کر فرمایا کہ دلہن سے کہہ کر میرے لئے کھانا اتروادو. میں کھانا کھا کر آرام کرلونگا. میں نے حضرت کے لئے تو کھانا گھر کے اندر اتروایا اور باہر کے لئے جلدی جلدی سالن پکوانے کا انتظام کیا. میری اہلیہ کہنے لگیں کہ کھانا شروع کرادیں. جتنا موجود ہے اس کے علاوہ جلدی جلدی تیار ہوجائے گا اور میں روٹیوں کا تار ٹوٹنے نہیں دونگی.

آپ سچ مانئے کہ وہی کھانا جو چند آدمیوں کے لئے تھا میں نے حیرت سے یہ منظر

آنکھوں سے دیکھا کہ وہ تھوڑا سا کھانا اتنے لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر کھالیا۔ابھی دوسرے سالن کے تیار ہونے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی کہ یہی کھانا سب کے لئے کافی ہوگیا.

حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کے واقعات پڑھتے چلے آئے تھے لیکن آج نائب رسول کی اس برکت کو گنہگار آنکھوں نے خود دیکھا کہ اللہ کے نیک بندوں کے قدموں میں بھی کیسی خیر و برکت ہوتی ہے. جہاں پڑتے ہیں وہ جگہ شاداب ہوتی چلی جاتی ہے.

- اس موقع پر یہ بات بھی ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی کہ میرے بخار میں مبتلا ہونے کے باوجود جب کہ میں بھاگ دوڑ اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں تھا جلسے کے نام پر مدد کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہی. یہاں تک کہ مجھے روپے گننے کی مہلت نہیں ملتی تھی اور میں نام لکھ کر لفافے میں پیسے ڈال دیتا تھا. کہ بعد میں حساب کتاب دیکھیں گے.
- ہوسکتا ہے کہ کچھ ذہنوں کو یہ برکت والی بات عجیب سی لگے مگر یہ حقیقت ہے کہ خیر و برکت کا ہونا قرآن وحدیث اور سیرت کے بہت سے واقعات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے.

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کے سفر میں بیت اللحم میں بھی رکے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے کہنے پر آپ نے وہاں نماز بھی پڑھی. مسلم کتاب الایمان میں عتبان بن مالک کا واقعہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہے کہ وہ نگاہ سے معذور ہوگئے تھے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہلا کر بھیجا کہ کیا ہی اچھا ہو آپ تشریف لائیں اور میرے لئے اپنے نماز پڑھنے کی جگہ کو نشان مسجد بنادیں. چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب تشریف لائے اور آپ نے ان کے گھر میں ایک جگہ نماز پڑھی. فتح الباری شرح بخاری میں اس واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے. ملاحظہ ہو جلد اول صفحہ ۴۳۷ بحوالہ تفہیم المسلم جز ۳ کتاب الایمان.

مگر ظاہر ہے کہ اس میں اعتقاد یا عمل کے اعتبار سے غلو کرنا اور حد سے آگے بڑھ جانا بدعت کی حدوں میں داخل ہوتا ہے.

مقصد تو یہ ہے کہ جہاں تک خیر و برکت کا تعلق ہے وہ شخصیت میں، عمل میں، جگہ میں ایک جانی پہچانی بات ہے.

حضرت قاری صاحب جس زمانے میں میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور مجھے ان کی میزبانی کی سعادت حاصل ہوئی اس وقت میرے مالی حالات اچھے خاصے تنگ رہتے تھے. مگر ان کی تشریف آوری کے بعد ہی حالات میں خوش گوار تبدیلی کھلی آنکھوں سے نظر آنے لگی. حضرت والا نے بھی غیر معمولی شفقت اور محبت کا معاملہ فرمایا یہاں تک کہ خود میری سندیں منگوا کر تمام سندوں پر اپنے دستخط فرمائے. بہت دعائیں دیں اور ان کی دعاؤں کا اثر بھی ہر پہلو سے سامنے آیا.

ادبی مذاق

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا ادبی ذوق بھی بڑا نکھرا ہوا تھا. شعر بھی کہتے تھے. ان کا مجموعۂ کلام بھی عرفان عارف کے نام سے شائع ہو چکا ہے. ۱۵/جنوری ۱۹۶۳ء کو علی گڑھ میں ان کی آنکھ کا آپریشن ہوا. اس موقع پر ''آنکھ کی کہانی'' کے عنوان سے سینکڑوں اشعار بے تکلف ارشاد فرمائے. یہ صرف اشعار ہی نہیں ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اہل بصیرت کے لئے سامان بصیرت ہیں. اس میں آنکھ جیسی نعمت کے لئے اللہ کی شکر گذاری اور اس کی مدح وثنا، آنکھ کی اہمیت، آنکھ کی افادیت، پھر آنکھوں کی مختلف کیفیات ان کا کھلنا، ان کا نیم وا ہونا، آنکھوں کا پھرنا، آنکھوں میں شرم وحیا ہونا. یہ ڈھائی سو اشعار کی منظوم داستان انیس عنوانات پر مشتمل ہے. یہ مجموعہ جو ''آنکھ کی کہانی'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے. جب ملک کے مشہور نقاد صاحب طرز ادیب اور عالم دین صدق وسچ کے ایڈیٹر مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے پاس پہنچا تو انھوں نے حضرت مہتمم صاحب کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا اظہار اس طرح فرمایا:

حضرت محترم   السلام علیکم!

"آنکھ کی کہانی" آں محترم کا عطیہ یہاں آتے ہی پڑھ ڈالی سبحان اللہ ماشاء اللہ! مجھے علم نہ تھا کہ آپ کو شعر و نظم پر بھی اس درجہ قدرت حاصل ہے. ذٰلک فضل اللہ.

کیا کیا قافئے نکالے ہیں، کیسے کیسے مضمون باندھے ہیں کہ پیشہ ور شاعروں کے بھی چھکے چھوٹ جائیں. نہ کہیں جھول نہ اتنی طویل نظم میں کہیں آورد بس آمد ہی آمد، خوش دماغ تو بہ حیثیت ایک سچے قاسم زادہ کے آپ تھے ہی، اب معلوم ہوا کہ ماشاء اللہ خوش فکر بھی اسی درجہ میں ہیں. ماشاء اللہ.

دعا گو و دعا جو: عبد الماجد، ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۴ء

جناب افضل اقبال جو اس زمانے میں ہندوستان میں پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر تھے انھوں نے اس نظم کو پڑھنے کے بعد مولانا طیب صاحب کے نام اپنے مکتوب میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

"شعر کی سادگی، تخیل کی پرواز اور خلوص کی بہتات تمام ایسی خوبیاں ہیں جو آپ کی ذات سے نہایت آسانی سے منسوب ہوگئی ہیں. آپ کی روحانی عظمت کا تو کون قائل نہیں، یہ مثنوی آپ کے ملکۂ شاعری کا لوہا ہم جیسے کافروں سے بھی منواتی ہے، بہت ظلم ہوگا اگر آپ اپنے مشاغل میں صنف شعر کی طرف توجہ نہ دے سکیں، اس ملک (ہندوستان) میں جہاں اسلام کو آپ کی ذات بابرکات سے تقویت پہنچتی ہے وہاں اردو بھی منت پذیر شانہ ہے"

تصانیف

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے انتظامی مصروفیات کے باوجود مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں. بعض کتابیں مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو ان کی تقریر کو مرتب کرکے کتاب کی صورت میں چھاپی گئی ہیں. ذیل میں ان کی تصانیف کی ایک فہرست پیش کی جارہی ہے. جس سے معلوم ہوگا کہ آپ کی تصانیف کا اچھا خاصا ذخیرہ مطبوعہ کتابوں کی صورت میں موجود ہے.

﴿۱﴾ تعلیمات اسلامی اور مسیحی اقدام

یہ کتاب ۱۹۳۹ء میں ندوۃ المصنّفین دہلی سے شائع ہوئی تھی. اس کا دوسرا ایڈیشن پاکستان میں بھی چھپا. اس کتاب میں عیسائیت اور یہودیت کی تعلیمات کا اسلام کی تعلیمات سے موازنہ کر کے اسلام کی حقانیت اور اس کی صداقت کو ثابت کیا گیا ہے. اس کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں کی اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے. اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ مغربی تہذیب اپنی چمک دمک کے باوجود اندر سے کھوکھلی ہے. انسانیت کی نجات مغربی تہذیب میں نہیں بلکہ اس تہذیب میں ہے جس کی دعوت قرآن دیتا ہے. مولانا نے قرآن مجید کی آیتوں اور عقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ انسانیت کو اپنی منزل پانے کے لئے اور اپنے مسائل کے حل کے لئے اسلام کے راستے پر چلنا چاہئے. کتاب سادہ اور عام فہم ہے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا کے لئے بھی بہت مفید ہے.

﴿۲﴾ اسلام کا اخلاقی نظام

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس کتاب میں اسلام کی اخلاقی تعلیمات اور اس کی اثر پذیری پر حکیمانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے. یہ تحریر ایک پادری کے سوال کے جواب میں ہے جس میں اسلام اور عیسائیت کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلام کی اخلاقی برتری کو واضح کیا گیا ہے.

﴿۳﴾ التشبہ فی الاسلام

اس کتاب کا دوسرا نام ''اسلامی تہذیب وتمدن'' بھی ہے. اس کتاب میں اسلامی تہذیب کے خدوخال واضح کرنے کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اسلام نے دوسری تہذیبوں اور قوموں کے ساتھ مشابہت سے کیوں منع کیا ہے. اصل میں دوسری قوموں کے طور طریقوں اور اس کی تہذیب کو اپنانا احساس کمتری کی دلیل ہے اور جس قوم میں احساسِ کمتری پیدا ہو جاتا ہے وہ خود اعتمادی سے محروم ہو کر دوسری قوم میں جذب ہو جاتی ہے.

﴿۴﴾ اسرائیل کتاب وسنت کی روشنی میں

اس کتاب میں بنی اسرائیل کی تاریخ اور انسانیت کے خلاف ان کی سازشوں کو قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے. یہ قوم بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے ہی اسلام کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی ہے جس کی وجہ ان کا بغض وعناد اور کینہ ہے جو رسالت محمدیؐ کے دور سے صرف اس وجہ سے ہے کہ پیغمبر آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں مبعوث ہوئے.

﴿۵﴾ اصول دعوت اسلام

اس کتاب کا اصل نام ''دینی دعوت کے قرآنی اصول'' ہے. یہ کتاب جنوری ۱۹۶۶ء میں مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوئی تھی. ۱۳۲ صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کی سورہ نحل کی آیت اُدْعُوْا اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ سے دس اصولِ دعوت اخذ کر کے ایک ایک اصول قرآنی پر جن کا تعلق دعوت وتبلیغ کے ساتھ ہے بڑی سیر حاصل بحث کی گئی ہے. حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تصانیف میں یہ کتاب مختصر ہونے کے باوجود بڑی اہمیت رکھتی ہے.

اس کتاب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دعوت وتبلیغ کا اصل تعلق ان لوگوں سے ہے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا. جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کی اصلاح کی جائیگی مگر اس کو دعوت وتبلیغ نہیں کہا جائے گا. اس کتاب سے ایک اقتباس جس سے حضرت قاری صاحب کی دین پر گہری نگاہ اور ان کی بصیرت اور حالات پر ان کی نظر کا اندازہ کیا جاسکتا ہے:

ایک غلطی کا ازالہ

> تبلیغ اسلام کے معنی پشتینی مسلمانوں کو عباداتی رنگ کے کچھ احکام پہنچا دینے اور انہیں وابستہ کر لینے کے نہیں ہیں کہ جس کے بعد یہ سمجھ لیا جائے کہ فریضہ تبلیغ ادا ہوگیا یا ارباب تبلیغ فرائض دعوت سے سبکدوش ہوگئے.
>
> مجھے اس انداز کی کسی دعوتِ خاص کی ضرورت اور افادیت سے اگرچہ انکار نہیں

لیکن فریضہ تبلیغ سے سبکدوشی سمجھ لیا جانا قرآن کے اصولِ تبلیغ کی روشنی میں یقیناً صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا یہ جزوی تبلیغ تذکیر واصلاح وغیرہ کے عنوانات سے یاد کی جا سکتی ہے مگر عرف شریعت کے لحاظ سے اسے تبلیغ نہیں کہا جا سکتا اور توسعاً اگر کہا بھی جائے تو زیادہ سے زیادہ تبلیغ احکام کہا جا سکتا ہے (بشرطیکہ احکام و مسائل پہنچائے جائے) تبلیغِ اسلام نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ عرفِ شریعت میں تبلیغ درحقیقت اسلام پہنچانے اور اسلامی برادری کو وسیع کرنے کو کہا گیا ہے اس لئے تبلیغ اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے اسلام کا پیغام پہنچانے کا نام ہے.

(دینی دعوت کے قرآنی اصول صفحہ ۱۰،۹)

﴿۶﴾ انسانیت کا امتیاز

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ نوعِ انسانی کا اصل امتیاز کیا ہے. اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو شرف اور کرامت عطا کی ہے اور دوسری مخلوقات سے اس کا مرتبہ بلند کیا اس کی اصل وجہ کیا ہے.

﴿۷﴾ ایک قرآن

برق جیلانی نے ایک کتاب لکھی جس کا نام دو قرآن ہے. اس میں اسلام کی بڑی گمراہ کن تشریح کی ہے. حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اس کا علمی جواب دیا اور بتایا کہ قرآن دو نہیں ایک ہی ہے اور یہ اپنے زمانہ نزول سے لے کر آج تک جوں کا توں محفوظ ہے.

﴿۸﴾ حدیث رسول کا قرآنی معیار

یہ بھی قاری صاحب کی بڑی اہم کتاب ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کے مقرر کردہ معیار کے مطابق حدیث رسول کا درجہ کیا ہے اور یہ شریعت کا قرآن کے بعد دوسرا مآخذ کیوں ہے. اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ حدیث دراصل قرآن ہی کی تفسیر وتشریح ہے. الگ سے کوئی چیز نہیں ہے.

﴿۹﴾ خاتم النّبیین

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں. حضرت قاری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں

ختم نبوت کو اس طرح سمجھایا ہے کہ قادیانی فتنے کا رد خود بخود ہوتا چلا جاتا ہے.

﴿۱۰﴾ روایات الطیب

اس کتاب میں وہ واقعات اور روایتیں جمع کردی گئی ہیں جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے اپنے بزرگوں سے سنیں یا مختلف کتابوں میں درج تھیں.

﴿۱۱﴾ سائنس اور اسلام

یہ کتاب اصل میں وہ معرکۃ الآرا تقریر ہے جو حضرت قاری صاحب نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں وہاں کے اساتذہ اور طلبا کے سامنے کی تھی. اس میں بتایا گیا ہے اور بڑی بصیرت کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے کہ سائنس کا اسلام کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں ہے بلکہ سائنس اسلام کی حقانیت کو اور زیادہ علمی رنگ میں نکھار دیتی ہے.

﴿۱۲﴾ شانِ رسالت

اس کتاب میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ آپ کی شان اور آپ کا عالی مرتبہ واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے.

﴿۱۳﴾ شہید کربلا و یزید

محمود عباسی نے ایک زمانے میں خلافت معاویہ اور یزید کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں وہ موقف اختیار کیا جو تاریخ کا چہرہ بگاڑنے والا تھا...... اس پر مولانا مودودی کی کتاب خلافت وملوکیت سامنے آئی. اس میں ملوکیت کے نام پر صحابہ رسول حضرت معاویہؓ پر بے جا تنقید کی گئی. حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے شہید کربلا اور یزید میں اس سانحہ کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کے حقیقی موقف پر روشنی ڈالی ہے.

﴿۱۴﴾ علم غیب

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ علم غیب جو کسی کا دیا ہوا نہ ہو بلکہ خود بخود ہو وہ صرف اللہ کی صفت ہے جو کہ عالم الغیب ہے. مخلوق میں سے اگر کسی کو غیب کی کسی بات کا علم ہو تو وہ اللہ کا دیا ہوا ہے خود بخود حاصل نہیں ہوا ہے.

﴿۱۵﴾ علماء دیوبند کا دینی رخ اور ان کا مسلکی مزاج.

اس کتاب میں مسلک دیوبند پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دین ایک ہے. مسلک مختلف ہو سکتے ہیں جن سے دین کی وحدت متاثر نہیں ہوتی. دعوت و تبلیغ دین کی ہوتی ہے مسلک کی نہیں ہوتی. علمائے دیوبند کا اعتدال اور جامعیت مزاج نبوت سے اس کا قرب فقہ حنفی پر ان کی گہری نظر اس کتاب میں یہ باتیں بڑی خوبی کے ساتھ سامنے آتی ہیں.

﴿۱۶﴾ مسلک علمائے دیوبند

اس مختصر کتاب میں بھی علماء دیوبند کے مسلک پر اچھا کلام کیا گیا ہے.

﴿۱۷﴾ فلسفۂ نماز

نماز کی حکمت، اس کی اہمیت اور دین میں اس کا مقام کیا ہے، یہ سب باتیں اس کتاب میں بڑے خوب صورت انداز میں بتائی گئی ہیں.

﴿۱۸﴾ کلمۂ طیبہ

بمبئی کے ایک جرنلسٹ نے اپنے ایک مضمون میں کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اسلامی کلمہ ہونے سے انکار کر دیا اور پھر اخبار میں مسلسل مضامین لکھنے شروع کر دیئے. اہل بمبئی کی فرمائش پر اس فتنے کو دبانے کے لئے حضرت قاری صاحب نے کلمہ طیبہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں قرآن وحدیث، اجماع وقیاس تمام دلیلوں سے ثابت کیا کہ یہ اسلام کا کلمہ ہے. مختصر ہونے کے باوجود عوام اور خواص سب کے لئے بڑی مفید کتاب ہے.

﴿۱۹﴾ مقالاتِ طیبات

مقالات طیبات مقالات یا طیبہ اس کتاب کے دو حصے ہیں. پہلے حصے میں یہ مقالات شامل ہیں. میلاد النبیؐ کی حقیقت، اردو کی شرعی حیثیت، تصویر اسلام کے آئینے میں. دوسرے حصہ میں یہ مقالے ہیں: ۱۸۵۷ء اور دار العلوم دیوبند. تقریر علم وحکمت، کلماتِ طیبات.

۱۸۵۷ء اور دارالعلوم دیوبند کے نام سے ہندوستان کی تحریک آزادی پر روشنی ڈالی گئی ہے.
یہ تقریر علم وحکمت اصل میں ایک وعظ ہے جو برنپور میں کیا تھا. کلمات طیبات کے عنوان سے مریدین اور متعلقین کے لئے شجرۂ طیبہ یعنی ذکر اللہ کے دس کلمے بتائے گئے ہیں.

﴿۲۰﴾ اسلامی آزادی | اس کتاب میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے بتایا ہے کہ اسلام میں آزادی کا اصل مفہوم کیا ہے اور جب کسی قوم کو آزادی مل جاتی ہے تو اس پر کیا ذمہ داریاں آتی ہیں. ان باتوں کو قرآن وحدیث سے نکال کر ۲۲/ دفعات میں جمع کیا ہے.

﴿۲۱﴾ عالمی مذہب | اس میں بتایا گیا ہے کہ وہ کون سا مذہب ہے جو عالمی ہوسکتا ہے.

﴿۲۲﴾ مقاماتِ مقدسہ | یہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی نہایت اہم تصنیف ہے. اس کا مسودہ موجود تھا. لیکن اس کی طباعت ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی نے اپنے کتب خانہ قاسمی دیوبند سے کی ہے. اس میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بیت المقدس اور دوسرے مقدس مقامات کی تاریخ ان کی فضیلت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے.

﴿۲۳﴾ خطبات حکیم الاسلام | اس میں حضرت قاری صاحب کی تقریریں اور خطبات جمع کئے گئے ہیں. اب تک دس جلدیں شائع ہو چکی ہیں. عوام وخواص میں آپ کے خطبات کا مجموعہ نہایت مقبول ہے.

﴿۲۴﴾ ذکرِ طیب | یہ حضرت قاری صاحب کی سوانح عمری ہے. جس کو حافظ محمد اکبر شاہ بخاری نے مرتب کیا ہے. ۱۹۸۹ء میں اس کا ایڈیشن دارالکتاب دیوبند سے شائع ہوا ہے. ۳۴۰ صفحات کی اس کتاب میں قاری صاحب کے تعلق سے مختلف مضامین ایک جگہ اکٹھے کر دیئے گئے ہیں جس سے آپ کی زندگی

کے مختلف گوشوں پر روشنی پڑتی ہے.

﴿۲۵﴾ نونیۃ الآحاد (عربی) یہ عربی زبان میں لکھا ہوا ایک قصیدہ ہے جس میں امت کے مشاہیر علم وفن کی مختصر سوانح نظم میں جمع کی ہیں.

﴿۲۶﴾ فلسفۂ نعمت ومصیبت اس کتاب میں حضرت قاری صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں یہ بتایا ہے کہ جو ہمیں مصیبت نظر آتی ہے وہ بھی درحقیقت اپنے نتیجے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے.

﴿۲۷﴾ دارالعلوم کا فتویٰ اور اس کی حقیقت

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے. ایک صاحب نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتاب تصفیہ العقائد کی چند عبارتوں کو توڑ مروڑ کر ایک سوال کی صورت میں دارالعلوم دیوبند سے فتویٰ حاصل کیا. حضرت قاری صاحب نے اس فتوے پر اپنے مضمون میں بتایا کہ حقیقت کیا ہے. یہ رسالہ شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا ہے.

﴿۲۸﴾ اسلام اور فرقہ واریت اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے فرقہ واریت جڑ سے ختم کرکے ایک امت کا عالمی تصور پیش کیا ہے.

﴿۲۹﴾ سفرنامہ افغانستان ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں آپ نے افغانستان کا سفر کیا. یہ کتاب اسی سفر کی روئیداد ہے.

﴿۳۰﴾ عرفان عارف یہ آپ کے پاکیزہ کلام کا مجموعہ ہے جس میں حمد، نعت اور مختلف اصناف سخن پر طبع آزمائی کی گئی ہے.

جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا اب ہم اس قصے کی طرف آنا چاہتے ہیں جو حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی زندگی

کا اور ان کی آخری عمر کا سب سے زیادہ دردناک المیہ ہے.

۲۱/۲۲/۲۳/ مارچ ۱۹۸۰ء کو دارالعلوم دیوبند کا صدسالہ جشن ہوا. ۲۱/ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دارالعلوم بند کرنا پڑا اور ۲۳/ مارچ ۱۹۸۲ء کو مولانا اسعد مدنی کے گروپ نے دارالعلوم دیوبند پر اپنا قبضہ کرلیا.

دارالعلوم پر قبضہ ایک بڑے لمبے منصوبے کے ساتھ ہوا ہے. اس کا ایک خاص پس منظر ہے. جب تک وہ پس منظر سامنے نہ ہو قبضہ کی تصویر مکمل نہیں ہوتی. ہفت روزہ عقائد دیوبند کے ۸/ اگست ۱۹۷۲ء کے شمارے میں ایک مضمون شائع ہوا تھا. یہ بھی قابل ذکر ہے کہ ہفت روزہ عقائد دیوبند سے شائع ہونا شروع ہوا. ۸/ اگست کا یہ شمارہ پہلے سال کا پہلا شمارہ تھا. اس پرچے کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ پہلا شمارہ چھپتے ہی چند دن میں ختم ہوگیا اور پھر اس کو دوبارہ تبارہ چھ ہزار کی تعداد میں چھاپنا پڑا. اس میں ایک مضمون اطہر عثمانی کے نام سے چھپا تھا. اس کا ایک حصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"ابھی حال ہی میں دیوبند کے ایک خاص گروپ کی طرف سے عیدگاہ دیوبند کے انتظام پر قبضہ کرنے کی ایک بھونڈی کوشش کی گئی. واقعہ کی تفصیل سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ پورا پس منظر پڑھنے والوں کے سامنے آجائے تاکہ اس واقعہ کی صحیح تصویر اس کے پس منظر کے ساتھ دیکھی جاسکے.

دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی قدس سرہٗ کے بالکل آخیر دور میں دارالعلوم دیوبند کے اندر کچھ اس قسم کے واقعات رونما ہوئے کہ اس وقت کے شیخ الحدیث حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کو دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی. یہ واقعہ دارالعلوم کی تاریخ میں ایک انتہائی نازک موقع تھا. جب مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے ساتھ چند دیگر بزرگ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، اور دوسرے حضرات کو دارالعلوم سے تعلق ختم کرنا پڑا. مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خالی جگہ کو پُر کرنا آسان نہیں تھا. ان جیسا عالم فن

حدیث کا امام اس وقت کوئی دوسرا نہیں تھا. مگر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بڑے فہیم و ذکی تھے. اور دارالعلوم کی خیر خواہی ان کا مقصد تھا. مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی جگہ کے لئے انھوں نے مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۶ھ، ۱۹۲۷ء میں) کا انتخاب کیا اور ان کی علمی حیثیت کو "شیخ العرب والعجم" جیسے القاب سے اتنا نمایاں کیا کہ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی خالی جگہ کا احساس کم سے کم ہو سکے. مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اپنی اس کوشش میں کامیاب رہے اور دارالعلوم کی ساکھ کا بروقت تحفظ کر گئے.

مگر مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ اپنی علمی حیثیت کے ساتھ ساتھ سیاسی خیالات بھی رکھتے تھے. مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اس کے بعد کچھ زیادہ دن حیات نہیں رہے. (۳ رجب ۱۳۴۸ھ ۱۹۲۹ء کو ان کی وفات ہوگئی) ان کے انتقال کے بعد مولانا مدنیؒ کے سیاسی خیالات کے اثرات کو سنبھالنے والا کوئی نہ رہا. مولانا مدنی کے مزاج میں شدت تھی. یہ شدت دینی امور میں بھی تھی احیائے سنت میں بھی تھی اور سیاسی خیالات و نظریات میں بھی یہ شدت نمایاں تھی.

مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے انتقال کے بعد مولانا مدنیؒ کے سیاسی نظریات کا اثر دارالعلوم کی فضا میں نمایاں ہونے لگا.

اور اس طرح دارالعلوم سیاسی اعتبار سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا. موجودہ مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے ان کے گروپ کا اختلاف اسی سیاسی نظریات کی شدت کا اثر تھا. مگر چوں کہ مولانا عالم باعمل تھے اس لئے بات بہت کچھ بنی رہی، چنگاریاں دبی رہیں اور مولانا مدنی کی شخصیت کا بھاری پن ہر خلا کو ڈھانپے رہا اور مولانا محمد طیب کا تحمل ہر موڑ پر بات سنبھالتا رہا. ۱۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء، ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۷۷ء بروز جمعرات مولانا مدنی کا وصال ہو گیا.

حضرت مدنیؒ نے وصال کے بعد اپنے حلقہ اثر میں تین طرح کے لوگ چھوڑے:

(۱) وہ لوگ جو حضرت کے عقیدت مند مخلص تھے اور مخلصین کی

تعداد ہمیشہ کم رہی ہے.

(۲) وہ حضرات جو سیاسی اعتبار سے حضرتؒ کے ہم خیال تھے.

(۳) وہ لوگ جن کے ذاتی مفادات وابستہ تھے.

ان تینوں قسم کے لوگوں کو بدستور آستانہ مدنی سے وابستہ رکھنے کے لئے کئی اقدام کئے گئے:

(ا) حضرتؒ کے خلفاء کے ذریعہ حضرت مدنیؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید اسعد مدنی کو حضرت کا جانشین بنایا گیا.

یہ اقدام جس انداز میں کیا گیا تصوف کی پوری تاریخ میں شاید اس کی مثال نہیں ملے گی.

خود مولانا مدنیؒ نے صاحب زادے کو اپنا خلیفہ یا جانشین نہیں بنایا بلکہ زندگی میں کسی نے ذکر بھی کیا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور شیخ کے انتقال کے بعد کچھ خلفاؤں نے مل کر گویا شیخ کی مرضی کے خلاف ان کو شیخ کا جانشین بنا ڈالا. کچھ لوگوں نے اس حرکت کو پسند نہیں کیا مگر یا تو وہ خاموش رہے یا ان کی آواز اتنی کمزور رہی کہ بے اثر ہوگئی. بہر حال شیخ الاسلام کی منشا کے بالکل برخلاف مولانا سید اسعد مدنی ''جانشین شیخ الاسلام'' قرار دے دیئے گئے.

(۲) سیاسی پوزیشن بنانے کے لئے جمعیۃ علماء پر قبضہ کا منصوبہ تیار کیا گیا.

جمعیۃ العلماء پر قبضہ ہو جانے سے راجیہ سبھا تک پہنچنا آسان ہوگیا. یہ اس جانشین کا حال ہے جس کے والد نے حکومت کے خطاب پدم بھوشن کو بے نیازی سے ٹھکرا دیا تھا. (۱۳۷۴ھ، ۱۹۵۴ء) کرسی کے پیچھے یہ اس جانشین کی سرگردانی جس کے محترم باپ نے کبھی اپنی سیاسی خدمات کا کوئی صلہ نہیں چاہا. ذاتی مفاد رکھنے والے اگرچہ خوب ہاتھ دھو رہے تھے مگر ابھی ایک بات باقی تھی...... ابھی دارالعلوم دیوبند پر قبضہ باقی تھا. ابھی وہ ادارہ باقی تھا جسکی مسند حدیث پر شیخ الاسلام درس دیتے تھے.

جانشین محترم خود تو اس مسند کے لائق نہیں تھے. ابھی تک لکڑی کے پیر لگا لگا کر ان کا قد لمبا کیا گیا تھا. مگر اس مسند پر لکڑی کے پیر لگا کر نہیں چڑھا جا سکتا تھا کیوں کہ یہ مسند بہت اونچی تھی، کیوں کہ اس مسند کے تقاضے کچھ اور تھے اور جانشین محترم ان تقاضوں کو پورا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے.

اقتدار کی تصویر ابھی مکمل نہیں ہوئی، ابھی ایک رنگ اس میں باقی ہے. دارالعلوم پر قبضہ کئی اعتبار سے ضروری ہے:

(۱) دارالعلوم کی بے داغ ساکھ کے بل بوتے پر حکومت سے سودا آسان ہے.

(۲) دارالعلوم سے فارغ ہونے والے طلبا کی کھیپ جمعیۃ العلماء کے لئے غذا کا کام دیتی ہے. جمعیۃ العلما کا چارہ اب صرف مدرسوں کے طلبا ہی رہ گئے ہیں. کیوں کہ آج کی جمعیۃ مریدین کے ایک حلقہ میں محدود ہے کیوں کہ آج کی جمعیۃ کے پاس ایسی کوئی آواز نہیں ہے جس سے ہندوستان کے مسلمان آواز ملا سکیں، کیوں کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے بعد جمعیۃ میں اب مسلمانوں کے لئے کوئی کشش نہیں ہے.

(۳) دارالعلوم کے ملازمین میں جو لوگ وابستہ ہیں ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے بھی دارالعلوم پر قبضہ ضروری ہے. اس دارالعلوم پر قبضہ کے لئے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلےگئے. دہلی سے سفیروں وزیروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کو پکڑ پکڑ کر لایا گیا اور انہیں باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ دارالعلوم کے کرتا دھرتا جو کچھ ہیں ہم ہیں. ارباب دارالعلوم پر یہ اثر ڈالنے کی کوشش کی کہ اب مولانا اسعد میاں کا قد اتنا اونچا ہو گیا ہے کہ ایک جست میں پورے دارالعلوم پر قبضہ ہو سکتا ہے. اس دارالعلوم پر قبضہ کے لئے بار بار اسٹرائیکیں کرائی گئیں. مگر وائے ناکامی. اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا اقبال کہ ہر کوشش پاؤں کی زنجیر بنتی گئی.

منزل دور اور دور ہوتی گئی.

دارالعلوم پر تسلط بہر حال ضروری ہے. حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ بہت ضعیف ہوتے جا رہے ہیں. نہ جانے یہ چراغ کب گل ہو جائے. نہ جانے موت کے ہاتھ کب اس روشنی کو ڈھانپ لیں. آنے والے کل کا نقشہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) دارالعلوم کی مسند صدارت پر وہ شخص آئے جو خالص اپنا ہو. مفتی محمود صاحب جیسے سادہ لوح حضرات اس کام کے لئے بہت موزوں ہو سکتے ہیں. ایسے شخص کے ذریعہ دارالعلوم کی تعلیمات پر اپنا قبضہ رہ سکتا ہے.

(۲) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد دفتر اہتمام بھی اپنے تصرف میں ہو. دارالعلوم پر تسلط کے لئے اہل شہر کا تعاون بھی ضروری ہے ورنہ یہ لوگ عین وقت پر گڑبڑ پھیلا دیتے ہیں.

خاندان قاسمی کو ہر طرح سے باندھنے کیلئے شہر کا ساتھ لازمی ہے تاکہ اندر اور باہر کوئی آواز اٹھانے والا نہ مل سکے.

شہر والوں پر اپنے اثرات قائم رکھنے کے لئے ایک تو مسلم فنڈ ہے جس سے شہر والوں کی خاصی ضرورتیں وابستہ رہتی ہیں مگر صرف مسلم فنڈ یہ رول اس لئے ادا نہیں کر سکتا کہ اس کا حلقہ محدود ہے. مذہبی انداز میں تسلط عقیدت مندی کے قیام کیلئے مناسب ہو سکتا ہے. اور عقیدت ہی وہ ہتھیار ہے جو عوام کو اندھا اور بہرا اور گونگا بنا دیتا ہے. اس کے لئے عیدگاہ، جامع مسجد اور دوسرے مذہبی مرکز بہت کام دے سکتے ہیں.

وہ شب تاریک

۲۳/مارچ ۱۹۸۲ء کی رات وہ شب تاریک تھی جس میں رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر مولانا اسعد مدنی کے گروپ نے دارالعلوم دیوبند پر اچانک قبضہ کر لیا. ایک طرف اس اچانک حادثے کی سنگینی کا اندازہ لگایئے اور دوسری طرف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے صبر اور استقامت کو محسوس کیجئے. صبح کے وقت جب ایک ضعیف بوڑھے کو اطلاع دی گئی کہ وہ دارالعلوم جس کو اس نے ساٹھ سال تک اپنے خون جگر سے سینچا تھا اور جس کے بقا اور

استحکام کے لئے ان کے اجداد نے اپنے اوپر دن کا چین اور رات کی نیند حرام کر لی تھی، وہ امانت جس کو یہ انسان اپنے سینے سے لگائے ہوئے تھا، اب اس سے چھین لی گئی ہے اور اس پر چوروں اور ڈاکوؤں کی طرح دیواریں پھاند کر قبضہ کر لیا گیا ہے تو اس کے درد بھرے سینے سے ایک آہ نکلی اور صرف ایک جملہ زبان سے ادا ہوا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون. کچھ دیر یہ بوڑھا اپنا درد سینے میں چھپائے سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا. پھر انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ اٹھا، گھر والوں سے صرف اتنا کہا دارالعلوم اللہ کی امانت تھی، اس نے جب تک چاہا خدمت کا موقع دیا ہمیں اس کی رضا پر راضی رہنا چاہئے.

اہل خانہ کا بیان ہے کہ پھر انھوں نے سب کو اس طرح کھانا پکانے اور مختلف کاموں میں لگا دیا کہ ادھر سے اس حادثے سے سب کا دھیان بٹ جائے اور فوراً گھر والوں کے ساتھ بیٹھ کر اس طرح واقعات اور قصے بیان کرتے رہے کہ سب اس حادثے کو بھول کر دوسری طرف لگ جائیں اور یہی ہوا کہ تھوڑی دیر کے بعد اس سوگوار ماحول میں تبدیلی آگئی اور سب یہ بھول گئے کہ کیا قیامت سروں کے اوپر سے گذری ہے.

بے شک یہ کڑی آزمائش اور سخت امتحان تھا لیکن قاری محمد طیب صاحب استقامت کا ایک ایسا پہاڑ ثابت ہوئے کہ ان کو کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے ہلا نہ سکا.

اپنے تو اپنے کبھی کسی مخالف کیلئے بھی کوئی گرا ہوا لفظ ان کی زبان سے کسی نے نہیں سنا...... بے شک وہ گالیاں سن کر دعائیں دینے والوں میں سے تھے......

مجھے بار بار حضرت قاری صاحب کے کردار کو دیکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یاد آتی تھی...... کہ اپنی نرم خوئی اور صلہ رحمی کے باوجود جب مخالفین نے ان کو گھیر لیا تو وہ اسی طرح ثابت قدم رہے اور اپنی جان کی کوئی پرواہ نہیں کی.

اہل حق کے لئے ایسی آزمائش کوئی نئی نہیں ہے...... اجالے اندھیروں کے مقابلے میں ہی پہچانے جاتے ہیں...... اور علم جہالت سے ہی ممتاز ہوتا ہے.

قبضہ کرنے والے مشاق قسم کے لوگ تھے. اس سے پہلے جمعیۃ العلماء ہند کے

دفتر پر قبضہ کی ریہرسل ہو چکی تھی...... پگڑیاں اچھالنے کے ماہر تھے. مولانا حفظ الرحمٰن جیسے مجاہد ملت، مولانا محمد میاں صاحب جیسے خاموش خدمت گار اور مفتی عتیق الرحمٰن جیسے مخلص و درد مندان کے ستم کا نشانہ بن چکے تھے...... پھر مولانا قاری محمد طیب صاحب ہی کیوں باقی رہتے...... اپنے تیروں کی آزمائش ان پر خوب خوب کی گئی. طرح طرح کے الزامات، تہمتیں اور آخر کار اہل علم کی بے وقاری، رسوائی اور جگ ہنسائی......

ترکش نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ملنے کے نہیں! نایاب ہیں ہم

آخر وہ وقت موعود بھی آ پہنچا جو دنیا میں ہر آنے والے کا مقدر ہے...... موت ایک اٹل قانون ہے اور دیکھا جائے تو انسانی عروج کی منزل ہے. اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ۱۸؍رجب ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۳؍دسمبر ۱۸۹۷ء کو دنیا میں تشریف لائے تھے. اور ۶؍شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء کی صبح انھوں نے اس عالم فانی میں آخری سانس لی اور روح پاک رب اعلیٰ سے جا ملی...... ان کی وفات کی خبر کوئی معمولی خبر نہ تھی. پورے ملک میں کہرام مچ گیا. لاکھوں اشک بار آنکھوں نے آنسوؤں کے نذرانے پیش کئے. بڑے صاحب زادے مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مہتمم (وقف دارالعلوم) نے اسی احاطہ مولسری میں نماز جنازہ پڑھائی جہاں کتنے ہی اللہ کے نیک بندوں کی نماز جنازہ ہو چکی تھی. اور جس کے بارے میں کچھ ایسے اشارے ملتے ہیں کہ اس جگہ پر نماز جنازہ بھی قبولیت کی ایک علامت ہے. دارالعلوم دیوبند کے ایک فاضل برادر عزیز مولانا عبید اقبال عاصم (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنے ایک مضمون میں آپ کی وفات کا منظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء کا دن موسم کا گرم ترین دن تھا. صبح سے ہی گرمی شباب پر

تھی. ساڑھے گیارہ بجے جامع مسجد سے حضرت کے وصال کا اعلان ہوا. یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی. لوگ جوق در جوق حضرت کے دولت کدہ کی طرف بڑھتے گئے. موسم ایک دم خوشگوار ہو گیا. عشاء میں تدفین ہوئی. میت کو کاندھا دینے کے لئے خدا کی خلقت امنڈ پڑی. احاطہ مولسری میں نماز جنازہ ادا کی گئی. دیوبند میں نماز جنازہ میں شریک ہونے والوں کی نہ اتنی بڑی تعداد کسی نے دیکھی اور نہ کسی نے سنی. حاضرین کی تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ احاطہ مولسری سے لیکر دیوان تک تل دھرنے کی جگہ نہ تھی. یہ ان کی عند اللہ اور عند الناس مقبولیت کی علامت تھی. اس گرم ترین دن کی رات جب حضرت کی تدفین ہوئی تو موسم اتنا سرد ہو گیا کہ باشندگان دیوبند گرمی کی اس رات کی رضائیوں کو تاہنوز نہیں بھولے ہیں.''

آخر اس پیکر علم و عمل کو ان کے دادا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے داہنے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا. آج فخر ملت احمد زیر خاک آرام فرما ہیں. یہ اس شہید وفا کا مزار ہے جسے اپنوں کے ستم نے گھائل کر کے رکھ دیا تھا.

فرصت ملے تو خاک سے پوچھوں کے اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

ملت کے وہ لوگ ان زخموں کا حساب کس طرح دیں گے جنھوں نے اس پاکیزہ روح کو گھائل کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی...... یوم الحساب ایک دن ہونا ہے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہونا ہے......

ملت کے دردمندوں کی یہ تحریریں اور تاثرات ملاحظہ فرمائیں جو اس عظیم ہستی کے چلے جانے پر ان کی زبان و قلم سے ظاہر ہوئے ہیں. بیچ بیچ میں ہم نے ان تحریروں کا کچھ جائزہ اور وضاحت بھی پیش کر دی ہے تاکہ واقعات اور اچھی طرح نکھر کر قارئین کے سامنے آجائیں. یہ نقوش و تاثرات بتاتے ہیں کہ انسان وہ بھی ہیں جو مر کر بھی زندہ و جاوید رہتے ہیں.

ہر گز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

حرف آخر اس تحریر کے خاتمہ پر نہایت ادب کے ساتھ چند گذارشات پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں.

۱......اس تحریر میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے جن مخالفین کا تذکرہ آیا ہے. ان میں سے کوئی شخص یا فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی ان سے میرا کبھی بھی کوئی ذاتی اختلاف نہ رہا ہے اور نہ ہے...... انکے پورے گھر سے ہمارے گھر کے ہمیشہ بڑے خوش گوار تعلقات رہے ہیں اور میں دلی طور پر اس گھر کی اسلئے بھی عزت کرتا ہوں کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ میرے محترم استاد تھے. اور میں نے ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۶ء میں بخاری شریف ان ہی سے پڑھی ہے اور اس زمانے میں بھی حضرت مدنیؒ کی خاص شفقت میرے ساتھ رہی ہے...... اس لئے میری کسی تنقید اور تبصرے کو کسی ذاتی مخاصمت کا نتیجہ نہ سمجھا جائے. میں نے اپنی حد تک جو کچھ سمجھا وہی لکھا ہے.

۲......حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ ایک آزمائش اور ابتلا تھی. جو اللہ کے نیک بندوں کے ساتھ پیش آتی رہی ہے. مگر ان واقعات نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ آزمائش کی ان گھڑیوں میں کون حق کا ساتھی ہے. اسلئے یہ آزمائش حضرت قاری صاحب کی ہی نہیں بلکہ پوری جماعت دیوبند کی تھی.

۳......اتنے سنگین واقعہ کے بعد بھی نہیں لگتا کہ فریقین نے افراد کے استثنا کے ساتھ مجموعی طور پر اس سے کوئی عبرت حاصل کی ہے اور آئندہ کے لئے ان کی روش میں کوئی فرق رہا ہے...... مجھے معاف کریں کہ محسوس یہی ہوتا ہے کہ اخلاص اور للٰہیت جو دارالعلوم دیوبند کی اصل روح تھی وہ نکل چکی ہے اور ایک خوب صورت ڈھانچہ ہے جو دیکھنے میں بڑا اچھا نظر آتا ہے مگر بے جان ہے. کہنے کو اب بھی گوشے گوشے سے قال

اللہ اور قال الرسول کی صدائیں سنائی دیتی ہیں. رمضان کے آخری عشرے میں اجتماعی اعتکاف کا منظر بھی ایسا ہوتا ہے کہ شاید کسی نے دورِ نبوت میں بھی نہ دیکھا ہو...... لباس تقویٰ کا اظہار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں...... مگر تقویٰ نہ لباس میں ہے نہ ظاہری صورت میں ہے نہ ھاوھو کی صداؤں میں ہے. وہ تو یہاں سینے میں ہے دل میں ہے. نبیؐ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ...... التقویٰ ھٰھنا التقویٰ ھٰھنا.

۴...... ہمیں غور کرنا چاہئے کہ آج یہ درس گاہیں کیوں اپنی افادیت اور معاشرے میں اپنے نفوذ سے محروم ہوتی جارہی ہیں...... "وائے محرومی احساس زیاں جاتا رہا"......

۵...... دارالعلوم اللہ کی امانت ہے، کسی کی ذاتی ملکیت اور میراث نہیں ہے...... کیا حق پہنچتا ہے کہ اس میں من مانی کی جائے، بے انصافیاں کی جائیں...... ابھی غالباً اکتوبر ۲۰۰۱ء (شعبان ۱۴۲۲ھ) میں ایک بڑا عجیب فیصلہ کیا گیا. یہ فیصلہ بطور مثال ذکر کیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رجسٹرڈ دارالعلوم میں کس طرح کی من مانیاں اور بے انصافیاں ہو رہی ہیں...... محدث دارالعلوم مولانا میاں اصغر حسین صاحبؒ کے صاحبزادے میاں اختر حسین صاحب ایک زمانے تک دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے مدرس اور ناظم تعلیمات رہے...... ان کے صاحب زادے حافظ انور حسین دارالعلوم کے درجہ حفظ میں ایک زمانے سے مدرس تھے...... محنتی اور وقت کے انتہائی پابند، اِدھر اُدھر کی باتوں سے الگ صرف اپنے کام میں مشغول رہنے والے، ابھی وہ نہ ضعیف ہوئے اور نہ اتنے معمر کہ اپنے کام انجام نہ دے سکیں ان کو جبری ریٹائرڈ کر دیا گیا...... پالیسی یہ ہے کہ دیوبند اور خاص طور پر یہاں کی معزز برادریوں کا اور وہ جن کے بزرگوں نے دارالعلوم کی خدمت کی ہے انکا کوئی فرد دارالعلوم میں نہ رہے. بس ہم رہیں اور ہماری چاپلوسیاں کرنے والے...... بے شک دارالعلوم میں لائق اور خوددار و بے باک حضرات بھی ہیں جیسے مولانا سعید پالن پوری وغیرہ ان سے انتظامیہ ڈرتی اور

کتراتی ہے کہ کوئی معاملہ کھڑا نہ ہو جائے......

مولانا نانوتویؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا تھا کہ......

''سب دور نزدیک کے رہنے والے جانتے ہوں گے کہ اس مدرسہ کی بنیاد دیوبند والوں نے ڈالی، اس امر میں یہ سب کے امام ہیں ہر چند باہر کے صاحب بھی اس کارِ خیر میں شریک ہوئے مگر جو کچھ ہے وہ دیوبند والوں کے طفیل ہے''

(تقریر جامع مسجد ۱۹/ذیقعدہ ۱۲۹۰، ۱۸۷۳ء)

آج چن چن کر ان لوگوں کو باہر نکالا جا رہا ہے. جنھوں نے اس دارالعلوم کو بنایا اور ترقی دی......

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی نہ حرارت نہ معرفت نہ نگاہ

❁❁❁

حکیم الاسلام کے خاندانی حالات

از: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری

آباؤ اجداد

دیوبند اور دارالعلوم میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور دارالعلوم کا دیوبند سے گہرا تعلق اور رابطہ ہے. دیوبند کی تاریخ دارالعلوم کے مجد و شرف کا ایک حصہ ہے. دیوبند ایک بہت پرانی آبادی ہے، دیوبند شمالی ہندوستان میں اتر پردیش میں ضلع سہارنپور کی ایک تحصیل ہے. اتر پردیش کے شمال مغربی اضلاع کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ سرزمین ہمیشہ مذہبی روایات کی حامل رہی ہے. گنگ وجمن کا یہ شاداب اور زرخیز خطہ قدیم زمانے سے مقدس سمجھا جاتا ہے.

تیرھویں صدی ہجری کے اواخر میں دارالعلوم کے قیام نے دیوبند کی عظمت کو چار چاند لگا دیے. جس سے اسکی شہرت تمام دنیا میں پھیل گئی. اور برِ اعظم ایشیاء اور افریقہ سے کشاں کشاں کر طلباء یہاں آنے لگے. ایک سوبیس سال سے دیوبند دینی علوم اور اسلامی ثقافت کا مرکز بنا ہوا ہے. دیوبند ابتداء ہی سے شرفا کی بستی ہے اور یہاں شیوخ عثمانی، صدیقی، فاروقی اور انصاری آباد چلے آرہے تھے.

ضلع سہارنپور کے نواح میں ایک قدیم مردم خیز قصبہ نانوتہ ہے جو دیوبند سے مغربی جانب سولہ میل کے فاصلے پر واقع ہے. یہاں نوی ہجری سے صدیقی شیوخ کا ایک ممتاز خاندان آباد ہے.. بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نسبی تعلق اسی خاندان سے ہے. حضرت نانوتویؒ کی ولادت ۱۲۴۸ھ میں اسی قصبہ نانوتہ میں ہوئی. اسی معدن سے یہ جوہر فرد نکلا جس کے انوارِ علم نے تیرھویں صدی ہجری کے نصف آخر کی علمی و مذہبی مجالس کو منور و تابناک بنا دیا تھا. مکتبی تعلیم کے بعد اس جوہر فرد کو بھی قدرت نے دیوبند پہنچا دیا. اور پھر اسی دیوبند میں آپ کی شادی ہوئی اور مستقل

قیام گاہ دیوبند ہوئی.

یہاں حضرت نانوتوی قدس سرہ کے مختصر حالات اوران کے علمی وعملی کمالات پر روشنی ڈالی جاتی ہے. جوحضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے جدامجد ہیں اوردارالعلوم دیوبند کے بانی اورموسس اعلیٰ ہیں.

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا مولد قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور ہے. آپ کا سلسلۂ نسب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے جا ملتا ہے، آپ کے والدصاحب کانام شیخ اسعدعلی بن غلام شاہ ہے جونہایت پرہیزگاراور صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے. آپ نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے چھوٹے صاحب زادے حضرت شاہ عبدالغنی دہلویؒ سے دورۂ حدیث پڑھ کردستارِفضیلت حاصل کی.

۱۸۶۶ء میں جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد اپنے رفقاء کے تعاون سے سرزمین دیوبند میں دارالعلوم دیوبند کی بنیادرکھی جورہتی دنیا تک آپ کی یادگاراور صدقۂ جاریہ ہے. اس سلسلہ میں آپ کے پوتے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے اپنی زندگی میں یہ خواب دیکھا کہ:

> ’’میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں. میرے ہاتھوں اور پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں. اوراطراف عالم میں پھیل رہی ہیں.‘‘

یہ خواب پوراہوااوردیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں. ایک انارکادرخت ہے اسی درخت کے نیچے آب حیات کا یہ چشمہ پھوٹا اوراسی چشمہ نے ایک طرف تودین کے چمن کی آبیاری شروع کردی اوردوسری طرف اس کی تیزوتندرونے

شرک، بدعت، فطرت پرستی، الحاد و دہریت اور آزادی فکر کے ان خس و خاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کر دیا. جنھوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روزِ بد دکھایا تھا. پھر حقیقت میں مشرق و مغرب میں علوم دین کے یہ چشمے جاری ہوئے جو حضرت بانی دارالعلوم کی انگلیوں سے جاری ہوتے دکھائی دیے تھے.

دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ مہاجر مدنی کا یہ خواب کہ علوم دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں. خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا. اور اس مدرسہ کے ذریعہ ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دیے جو علم کا ظرف تھے یا ظرف بننے والے تھے. جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوسِ قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزارہا علماء کا علم ہو گیا. اس کے ساتھ بانی دارالعلوم نے متعدد مناظرے عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے کئے. تصانیف اور تقریروں کے ذریعے ولی اللّٰہی مسلک کی وضاحت اور اشاعت کی متکلمانہ اور عارفانہ انداز سے اصولِ اسلامیہ اور اساسی عقائد دین کی عقلی دلائل سے مستحکم اور مضبوط کیا اور دین اسلام کی سرحدات کو اتنا مضبوط بنا دیا کہ اغیار کے حملے ان پر اثر انداز نہ ہو سکیں.

> ''۱۸۵۷ء کے انقلاب میں عملی اور قائدانہ حصہ لیا. جنگِ شاملی میں خود سپاہیانہ جنگ کی. معاشرہ میں غلط قسم کی رسوم سے جو ابتری پھیلی ہوئی تھی اسے پہلے اپنے گھر سے ختم کیا. اسکے بعد دوسروں کو ان کے ترک پر آمادہ کر کے معاشرہ کو صاف کیا اور خدمت اسلام میں عمر بسر کی.'' (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مفتی اعظم حضرت اقدس مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہر علم و فن میں یکتائے روزگار تھے اور علم کا بحر ناپیدا کنار تھے. ان کی تصانیف آب حیات، تقریر دل پذیر، قاسم العلوم اور مباحثہ شاہجہانپور وغیرہ سے ان کے مقام علمی کا کچھ اندازہ ہوتا ہے. ان میں سے بعض تصانیف تو ایسی ہیں کہ اچھے اچھے علماء کی سمجھ میں نہیں آتیں.

حد یہ ہے کہ ان کے ہم عصر بزرگ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کا یہ جملہ دارالعلوم میں معروف تھا کہ میں نے آب حیات کا چھ مرتبہ مطالعہ کیا ہے اب وہ کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے.

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اب بھی مولانا نانوتویؒ کی تحریریں میری سمجھ میں نہیں آئیں اور زیادہ غور وخوض کی مشقت مجھ سے برداشت ہوتی نہیں. اس لئے مستفید ہونے سے محروم رہتا ہوں اور اپنے دل کو یوں سمجھا لیتا ہوں کہ ضروریات کا علم حاصل کرنے کے لئے اور سہل سہل کتابیں موجود ہیں. پھر کیوں مشقت اٹھائی جائے'' (اشرف السوانح)

ایسے وسیع وعمیق علم کے بعد بالخصوص جب کہ اس پر عقلیات کا غلبہ ہو. عموماً علم وفضل کا زبردست پندار ہو جایا کرتا ہے. لیکن حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ خود فرماتے ہیں:

''جس طرح صوفیوں میں بدنام ہوں اسی طرح مولویت کا دھبہ بھی مجھ پر لگا ہوا ہے اس لئے پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے. اگر یہ مولویت کی قید نہ ہوتی تو قاسم کی خاک کا بھی پتہ نہ چلتا'' (رواح ثلاثہ)

چنانچہ ان کی بے نفسی کا عالم یہ تھا کہ بقول حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب جس طالب علم کے اندر تکبر دیکھتے تھے اس سے کبھی کبھی جوتے اٹھوایا کرتے. اور جس کے اندر تواضع دیکھتے اس کے جوتے خود اٹھا لیا کرتے تھے (ایضاً)

یہی حال قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا تھا، انہیں ان کے تفقہ کے مقام بلند کی بناء پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ نے ابوحنیفہ عصر کا لقب دیا تھا اور وہ اپنے عہد میں اسی لقب سے معروف تھے.

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسے بلند پایہ محقق جو علامہ شامی کو ''فقیہ النفس'' کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے. حضرت گنگوہی قدس سرہ کو فقیہ النفس فرمایا

کرتے تھے. ان کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک مرتبہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کہ بارش آ گئی. سب طلباء کتابیں لے کر اندر کو بھاگے مگر مولانا گنگوہیؒ سب طلباء کی جوتیاں جمع کر رہے تھے کہ اٹھا کر لے چلیں. لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کٹ گئے. (ایضاً)

"دیکھئے ان کی سادگی کا کیا عالم تھا جن کے علوم کی آج ان کی تصانیف بھی شاہد ہیں مگر حضرت نانوتویؒ کا یہ حال کہ ان کے پاس کبھی کپڑوں کے دو سے زائد جوڑے جمع نہیں ہوئے. دیکھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکتا تھا کہ یہ وہی مولانا محمد قاسم ہیں جنھوں نے مسلمانوں ہی سے نہیں، غیر مسلموں اور مخالفوں سے بھی اپنے علم و فضل کا لوہا منوایا ہے" (الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر)

الغرض حضرت نانوتویؒ قدس سرہٗ علم و فضل اور تقویٰ و طہارت کے پہاڑ تھے، آپ کے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ:

"ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے" .

آپ ایک سچے عاشق رسول ﷺ تھے آپکو سرزمینِ عرب سے ایسا تعلق تھا کہ جسکی مثال اس دَور میں ملنی مشکل ہے جب آپ حج کیلئے تشریف لے جاتے تو اپنا جوتا اتار لیتے تھے اور عرب کی حدود میں ننگے پاؤں پھرتے رہتے تھے اور فرمایا کرتے کہ:

"جس زمین اور گلی کوچوں میں پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک لگے ہوں وہاں میں جوتے پہن کر کیسے چلوں"

سبحان اللہ! کیا محبت و عشق ہے اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے، اپنی لکھی ہوئی نعت میں اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ عشق و محبت کی دلیل ہے. آپ نے زندگی میں دو مرتبہ حج کیا اور ساری زندگی درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں بسر کی. آخر ۴ر جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ کو اس آفتاب علم و عمل نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا

اور قبرستان قاسمی دیوبند میں محو آرام ہیں. اللہ تعالیٰ قبر مبارک کو نور سے بھر دے. آمین.
(تفصیل کے لئے انوار قاسمی اور سوانح قاسمی ملاحظہ فرمائیے)

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ قاسمی

آپ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے والد ماجد تھے. آپ ۱۲۷۹ھ میں قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے. آپ کی عمر جب مکتب نشینی کے قابل ہوئی تو قصبہ رام پور کے جو نانوتہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر جانب سہارنپور ایک قصبہ ہے حافظ نور محمد صاحب کے پاس پڑھنے بٹھا دیا نویں سال آپ نے قرآن مجید حفظ کر لیا. پھر تحصیل علوم کے لئے بیرونی مدارس میں روانہ فرما دیا اور گلاوٹھی ضلع بلند شہر میں جو مدرسہ آپ کے والد گرامی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے قائم کیا تھا وہاں آپ کو داخل کرا دیا گیا. اس کے بعد اونچی تعلیم کے لئے مدرسہ قاسم العلوم شاہی مراد آباد بھیجا گیا، یہ مدرسہ بھی حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ نے قائم فرمایا تھا. اور اس میں صدر مدرس حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ تھے، جو حضرت مولانا نانوتویؒ کے مایۂ ناز شاگرد تھے.

حضرت مولانا محمد احمد صاحب نے مختلف علوم وفنون کی متعدد کتابیں حضرت مولانا احمد حسن امروہی سے اسی مدرسہ شاہی مراد آباد میں رہ کر پڑھیں اسی دوران حضرت نانوتوی کو اپنے صاحبزادے کو خود ہی تعلیم دینے کا خیال پیدا ہوا اور آپ نے مراد آباد سے ان کو دیوبند بلا لیا. لیکن حضرت نانوتویؒ کی وفات کا زمانہ قریب آچکا تھا. سفر حج کی تیاریاں تھی اور اسی سفر میں مرض وفات شروع ہوا. اس لئے جس خصوصی تعلیم کے لئے صاحبزادہ کو بلایا تھا وہ نہ ہو سکی اور حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی بقیہ تعلیم پوری کی. متعدد کتابیں اور بالخصوص معقولات وعربیت کی اونچی کتابیں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ سے پڑھیں اور سب سے

آخر میں دورۂ حدیث گنگوہ پہنچ کر قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں پورا کیا. اور وہیں سے حدیث کی سند حاصل کی.

۱۲۹۸ھ میں حضرت نانوتوی کی وفات ہوگئی تو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب تھانہ بھون کے عربی مدرسہ میں جو حضرت نانوتوی کا ہی قائم کردہ تھا، تشریف لے گئے اور عرصہ تک وہاں پڑھاتے رہے. وہاں سے پھر دیوبند بلائے گئے اور ۱۳۰۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کئے گئے. عموماً تمام فنون کا درس دیتے تھے لیکن خصوصیت سے مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، جلالین شریف اور میر زاہد وغیرہ کتابیں زیر درس رہیں. اس زمانہ تدریس میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ تھے. ان کی ہجرت مکہ مکرمہ کے بعد مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ سرپرست دارالعلوم دیوبند نے ۱۳۱۳ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب کو دارالعلوم دیوبند کا مہتمم مقرر فرمایا. آپ نے اپنے طبعی جوہروں کے ساتھ دارالعلوم کا اہتمام پوری قوت و وجاہت اور جرأت و استقلال کے ساتھ چلایا. جس کے نمایاں اثرات تاریخ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ دارالعلوم کا ترقیاتی دور حضرت حافظ صاحب ہی کا چالیس سالہ دور اہتمام ہے.

اس دور میں جماعت دیوبند کے تمام اکابر علماحتیٰ کہ حضرت حافظ صاحب کے اساتذہ بھی ان کی نسبت کی وجہ سے ان کے سامنے جھکتے تھے. حضرت شیخ الہند باوجودیکہ حضرت حافظ صاحب کے استاد بھی تھے اور حضرت حافظ صاحب کا قلب بھی اس کی استاذی عظمت سے بھرپور تھا. لیکن جب کبھی حضرت حافظ صاحب اپنی صاحب زادگی اور مخدوم زادگی کے رنگ میں ہوتے اور حضرت شیخ الہند آجاتے تو ادھر سے ناز اور ادھر سے نیاز قابل دید ہوتا تھا. بعض اوقات تو نہایت نیازمندی سے حافظ صاحب کے سامنے ہاتھ جوڑتے اور پاؤں پکڑ لیتے اور شیخ الہند فرمایا کرتے تھے کہ:

"حافظ احمد کا میرے دل میں اتنا احترام ہے کہ اگر وہ پاخانہ کی کوئی ٹوکری

اٹھانے کو بھی مجھ سے کہیں تو میں اس کی تعمیل کو اپنی عزت سمجھوں گا"

اللہ اکبر! دیکھئے، حضرت شیخ الہندؒ اپنے اس شاگرد کا کتنا احترام کرتے ہیں. یہ صرف حضرت نانوتویؒ قدس سرہ کی نسبت تھی.

غرض حضرت شیخ الہندؒ اس شفقت کے ساتھ جو نیاز مندی کے رنگ میں ہوتی تھی. حضرت حافظ صاحب کی پشت پناہی فرماتے اور وجاہت و جرأت ان کی کام کرتی تھی. حضرت حافظ صاحب کے اخلاق و اوصاف بھی بہت بلند تھے. آپ جب چلتے تو نیچی نگاہ کر کے چلتے تھے چال میں وقار اور متانت تھی، ان کے سامنے پہنچ کر ایک ہیبت سی طاری ہو جاتی. صاف گوئی اور ظاہر و باطن کی یکسانی معروف و ممتاز تھی. ہر ایک سے بات نہایت صاف بے لاگ اور بے جھجک فرماتے تھے. سریع الغضب تھے، غصہ آتا تو ایک دم آجاتا اور ایک دم بات کھری کھری فرماتے اور دوسرے کی صفائی پیش کر دینے پر اسی مجلس میں غصہ ایک دم سرد ہو جاتا اور اسی مغضوب پر بے حد مہربان ہو جاتے اور غیر معمولی شفقت فرماتے.

غرض طلباء اور مدرسین سب پر ان کی وجاہت کے اثرات تھے. جس کو چار چاند حضرت شیخ الہندؒ کے نیاز مندانہ رنگ کی باطنی توجہات و تصرفات اور معنوی قوت و ہمت نے اور ادھر حضرت مولانا گنگوہیؒ قدس سرہ کی سرپرستی اور روحانی اعانت نے لگائے، تا آں کہ اس دَور میں مدرسہ سے دارالعلوم بنا اور اس نے مالی اور علمی حیثیت سے نمایاں ترقیاں کیں. عمارت کی وسعت، شعبہ جات کا پھیلاؤ. شاندار اجتماعات، ملک میں دارالعلوم کی روشناسی، قوم اور حکومت دونوں کا اس سے تاثر وغیرہ اس دَور کی پیداوار ہیں، جس سے دارالعلوم ہر جہتی ترقی کرتا ہی چلا گیا.

کام کے بڑھ جانے پر حضرت حافظ صاحب کی نگاہِ انتخاب اپنی نیابت کے لئے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہ پر پڑی. حبیب دوراں مانے ہوئے مدبر، بزرگ، عالم ربانی، محدث، ادیب اور بافراست بزرگ تھے. ان کے تدبر نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا. اب تدبیر و سیاست حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی تھی اور

وجاہت و جرأت اور قوت حضرت حافظ صاحبؒ کی اور ہمت باطنی اور پشتِ پناہی حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی تھی. ان تینوں سروں کے جڑنے سے دارالعلوم نے وہ ترقی کی کہ وہ زمین سے اٹھ کر آسمان تک پہنچ گیا. سخاوت اور فراخ دلی مثالی تھی. مہمانداری اور مہمان نوازی میں شغف تھا. روزانہ دو چار، دس بیس مہمان دسترخوان پر ہوتے تھے. جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا تو مدرسہ کی چھٹی ہونے پر دروازۂ مدرسہ پر کچھ دیر رک جاتے اور اساتذہ میں سے جو گذرتا اسے گھر ساتھ لے آتے اور کھانے میں شریک فرماتے.

حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو دس سال تک اپنے سے جدا نہیں ہونے دیا. اپنے ساتھ ہی کھانا کھلاتے اخلاص اور اعتماد علی اللہ میں راسخ القدم تھے. اور دوسری ممتاز اخلاقی قوتیں آپ کی شیوہ ہوگئی تھیں. بہرحال تمام عمر درس وتدریس، تبلیغ وارشاد اور دارالعلوم دیوبند کی ترقی کے لئے کام کرتے رہے.

۳/جمادی الاوّل ۱۳۴۷ھ کو رحلت فرمائی. آپ کے دو صاحبزادے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب اور قاری محمد طاہر صاحب مشہور ہیں.

حضرت حکیم الاسلام کے شیوخ واساتذہ

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے اساتذہ وشیوخ میں ایسے مشاہیر بھی ہوئے جو اپنے اپنے وقت کے امام ملت علم وعمل کا نمونہ، خواص وعوام کی رشد وہدایت کا مرکز، روایت حدیث، تفسیر، فقہ وروایت میں راسخ اور ذاتی خدا پرستی کے ساتھ مخلوق کے حق میں مربی، اخلاق و مصلح دین اور دوسرے قومی وملکی امور میں مسلّمہ طور پر قائد تسلیم کئے گئے ہیں.

ذیل میں حضرت حکیم الاسلامؒ کے انہی چند ممتاز اساتذہ اور شیوخ کا مختصر اذکر کیا جاتا ہے.

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ:

''آپ حضرت نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین تھے. حضرت نانوتویؒ کے بعد قاسمی علوم کا جو فیضان عالم میں آپ کی ذات سے ہوا اس کی نظیر دوسرے تلامذہ میں نہیں ملتی. اپنے استاذ میں فانی استاذ کے علم میں غریق تھے. دین کے ہر دائرے میں آپ کی خدمات نمایاں مقام رکھتی ہیں. درس وتصنیف ارشاد وتلقین اور جذبۂ جہاد وحریت میں آپ کی خاموش خدمتیں زبانِ حال سے گویا ہیں.

آپ اپنے استاذ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے علوم کے امین اور خزینہ دار تھے. آپ نے ان علوم کی ایضاح وتفصیل اور تفہیم وتیسیر میں نمایاں حصہ لیا اور عظیم خدمت انجام دی. حضرت نانوتوی کی تصانیف کی اعلیٰ ترین طباعت و تزئین حواشی وعنوانات آپ ہی نے شروع فرمائی اور حجۃ الاسلام پر آپ ہی نے سب سے پہلے عنوانات قائم کئے. قرآن شریف کا ترجمہ فرمایا. بخاری شریف کے ابواب و تراجم پر ایک جامع اور دبیز رسالہ تصنیف فرمایا. متعدد مناظرانہ تصانیف بھی تالیف فرمائیں اور مناظرے بھی کئے. دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس تک مسلسل درسِ حدیث دے کر (۸۶۰) اعلیٰ استعداد کے صاحب طرز عالم دین فاضل علوم اور ماہرین فنون پیدا کئے. آپ کا درسِ حدیث اس دور میں امتیازی شان رکھتا تھا اور مرجع علماء تھا.

آپ کو علماء عصر نے محدثِ عصر تسلیم کیا. بیعت و ارشاد کے راستہ سے ہزارہا تشنگان معرفت کو عارف باللہ بنایا اور آپ کا سلسلۂ طریقت ہندوستان سے گذر کر افغانستان اور عرب تک پہنچا. متعدد علمی تصانیف آپ نے ترکہ میں چھوڑیں. اس کے علاوہ ہندوستان کو غیر ملکیوں سے آزاد کرانے کے لئے ایک زبردست انقلابی تحریک چلائی جس کو رپورٹ کمیٹی کی رپورٹ میں ریشمی رومال کی تحریک کے نام سے موسوم کیا گیا ہے. یہ تحریک بہت زیادہ مؤثر تھی. مگر راز میں نہ رہ سکی اور ناکام ہوگئی. پھر بھی اس کی آگ جن کے دلوں میں لگی ہوئی تھی انھوں نے آئندہ کام کر کے ہندوستان کو آزاد کرایا.

آپ تقریباً پانچ برس مالٹا میں قید رہے. ۱۳۲۸ھ میں رہا ہوئے. ۱۳۳۹ھ میں

دیوبند میں رحلت فرمائی. قبرستانِ قاسمی میں اپنے استاذ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی

(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مفتی اعظم پاکستان حضرت اقدس قبلہ مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

"دارالعلوم دیوبند نے جتنی عظیم شخصیتیں پیدا کیں. اتنی شخصیتیں کم ہی کسی علمی درسگاہ کے حصے میں آتی ہیں. شیخ العرب والعجم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جنھوں نے تقریباً چالیس سال دارالعلوم میں درسِ حدیث وغیرہ کی خدمات انجام دیں، اس کے ساتھ ہی اصلاح وتربیت کا بڑا سلسلہ قائم فرمایا. ہزاروں علماء صلحا اور مشائخ طریقت کی صورت میں ہندوستان وغیر ہندوستان میں پھیلا.

آپ کا معمول تھا کہ سارا دن تعلیم وتدریس کی محنت اٹھانے کے باوجود رات کو دو بجے بیدار ہوجاتے اور فجر تک نوافل وذکر میں مشغول رہتے. اور رمضان المبارک میں تو تمام رات جاگنے کا معمول تھا. حضرت کے یہاں تراویح سحری سے ذرا پہلے تک جاری رہتیں. اور مختلف حفاظ کئی کئی پارے سناتے تھے یہاں تک کہ حضرت کے پاؤں پر ورم آجاتا۔

اتنے علم وفضل کے باوجود سادگی اور تواضع وتقویٰ کا پہاڑ تھے. ایک مرتبہ خوراک اور نیند کی کمی اور طویل قیام کے اثر سے حضرت کا ضعف بہت زیادہ ہوگیا. اس کے باوجود رات بھر کی تراویح کا یہ معمول ترک نہیں فرمایا. آخر مجبور ہوکر گھر کی خواتین نے تراویح کے امام مولوی کفایت اللہ صاحب سے کہلایا کہ آج کسی بہانے سے تھوڑا سا پڑھ کر اپنی طبیعت کے کسل اور گرانی کا عذر کر دیجئے. حضرت کو دوسروں کی راحت کا بہت خیال رہتا تھا اس لئے خوشی سے منظور کرلیا. تراویح ختم ہوگئی. اور حافظ صاحب اندر لیٹ گئے اور باہر حضرت شیخ الہندؒ.

تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے محسوس کیا کہ کوئی شخص آہستہ آہستہ پاؤں دبا رہا ہے. انھوں نے ہوشیار ہوکر دیکھا تو خود حضرت شیخ الہندؒ تھے.

ان کی حیرت وندامت کا کچھ ٹھکانا نہ رہا وہ اٹھ کر کھڑے ہوگئے. لیکن حضرت

فرمانے لگے کہ:

''نہیں بھائی کیا حرج ہے. تمہاری طبیعت اچھی نہیں ذرا راحت آ جائے گی

(الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر، بحوالہ حیات شیخ الہندؒ)

سبحان اللہ! یہ کیسے فرشتہ صفت لوگ تھے. حضرت گنگوہی قدس سرہٗ آپ کو علم کا گھٹلہ فرماتے تھے. اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جو آپ کے ممتاز ترین تلامذہ میں سے تھے. آپ کو علم شریعت وطریقت کا ناپیدا کنار سمندر کہتے تھے.

اللہ تعالیٰ درجاتِ عالیہ نصیب فرمائے. آمین.

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ

حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے. استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے نواسے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کے خاص بھانجے تھے. ۱۲۸۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے تکمیل علوم کے بعد مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں مدرس مقرر ہوئے. پھر اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے حکم پر کچھ عرصہ کے لئے بھوپال چلے گئے. اور وہیں درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا. پھر وہیں سے حج کے لئے چلے گئے. واپسی پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ نے آپ کو بھاولپور بھیج دیا.

۱۲۹۷ھ میں آپ نے دوبارہ حج کا ارادہ فرمایا. اس موقع پر حضرت گنگوہیؒ نے جن سے آپ کو شرف بیعت حاصل تھا، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد حاضر خدمت ہو رہے ہیں آپ ان کی حالت پر مطلع ہو کر مسرور ہوں گے.

حضرت حاجی صاحب نے جب آپ کی باطنی حالت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور سر سے دستار مبارک اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی اور اس کے ساتھ اپنی جانب سے تحریری

خلافت عطا فرمائی. بعد میں اس اجازت نامہ پر حضرت گنگوہیؒ نے بھی دستخط ثبت فرمائے.

حج سے واپسی کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو مدرسہ مصباح العلوم بریلی کا صدر مدرس مقرر فرمایا. ۱۳۰۸ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر کیا گیا. ۱۳۱۴ھ میں یہاں سے بحیثیت صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے. ۱۳۲۵ھ میں آپ کو مظاہر العلوم کا ناظم منتخب کیا گیا اور آخر عمر میں ۱۳۴۴ھ میں بقصد ہجرت مدینہ منورہ میں مقیم ہو گئے. آپ کو اگرچہ تمام علوم پر مکمل عبور اور مہارت تامہ حاصل تھی لیکن حدیث سے بہت زیادہ شغف تھا. اسی شغف کے سبب آپ نے ابوداؤد کی شرح فرمائی. جو "بذل المجہود" کے نام سے پانچ جلدوں میں طبع ہوئی ہے. بذل المجہود علم حدیث میں آپ کا عظیم الشان کارنامہ ہے. اس کے علاوہ بھی آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں.

۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ کو بمرض فالج میں مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی اور حضرت عثمانؓ کے جوار میں آسودہ خواب ہیں۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت میں چھ سال رہا. مجھے یاد نہیں کہ حضرت کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو. البتہ ایک دن صبح کو وضو کرتے ہوئے آپ کے دانتوں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ چلتا رہا. تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کی جائے. میرے دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا. اس روز بے شک عذر کی وجہ سے حضرت کی تکبیر تحریمہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی.

احقر کو اِن چھ سالوں میں حضرت کے ساتھ سفر و حضر کا بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے حضرت کا تہجد ناغہ ہوتے کبھی نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الخلیل)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سہارنپوریؒ اتنے علم و فضل کے باوجود سادگی اور تقویٰ کا پہاڑ تھے. جب ۱۳۱۴ھ میں آپ مظاہر

العلوم میں مدرس ہوکر آئے تو مدرسہ کے متصل کرایہ پر ایک مکان لیا تھا، ۲؍روپیہ ماہوار اس کا کرایہ تھا اور جب ۱۳۴۴ھ میں مستقل مدینہ پاک میں قیام کی نیت سے گئے اس وقت تک اسی میں قیام رہا. دروازہ کے متصل ایک چھوٹی سی چھپریہ تھی. یہ باورچی خانہ تھا. اس کے بعد ایک اور کوٹھری تھی. باورچی خانہ کی چھپریہ اسی پر سے پڑی ہوئی تھی. اس کے سامنے ایک کوٹھا تھا. اس پر بھی ایک چھپر پڑا ہوا تھا. ہمیشہ اسی میں گذر فرمائی. چار پانچ برس میں وہ چھپر گل جاتا تو اسے بدل دیا جاتا، لوگوں نے کہا بھی حضرت اس کی جگہ ایک ٹین ڈلوادیں. حضرت نے فرمایا:

''ارے کاہے کے واسطے، کے دن کی زندگی ہے، سب ٹھیک ہے.''

الغرض ساری زندگی قناعت کی حالت میں گزاردی. آپ نے سات حج کئے اور آخری عمر مدینہ منورہ ہی میں بسر کی اور وہیں جنت البقیع میں آرام فرما رہے ہیں. (آپ بیتی مولانا زکریا صاحبؒ)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ:

''حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ مشہور محدث، عارف باللہ، فقیہ اور بزرگ تھے. آپ دین کے ہر شعبہ کے کاموں کے لئے من اللہ موفق تھے. پینتیس برس کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں درس قرآن وحدیث دیا، جس سے آپ کے تلامذہ ملک کے ہر طبقہ اور ہر خطے میں پھیل گئے. ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ وتبلیغ نہ فرمایا ہو. تصنیف کے میدان میں قدم رکھا تو ہر علم وفن میں ہزار سے اوپر تصانیف ورثہ میں چھوڑیں آخر میں خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون میں مقیم ہوئے تو ہند اور بیرون ہند کے ہزارہا انسانوں کو بیعت وارشاد کے سلسلہ سے واصل فرمایا.

بڑی تعداد میں آپ کے خلفاء ہیں جنھوں نے مختلف خطّوں میں اصلاحِ و

تربیت کا کام مختلف رنگوں سے انجام دیا.

آپ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اولین صدر المدرس دار العلوم دیوبند سے زیادہ مستفید ہیں. جو حدیث وتفسیر میں حضرت نانوتویؒ سے مستفید ہیں. نیز آپ حضرت نانوتوی سے براہِ راست بھی بعض تفسیری درسوں میں مستفید ہوئے.

حکیم الامت کا لقب آپ کے لئے اسم با مسمّٰی تھا. بہرحال آپ کی تقریر، تحریر، تصنیف اور تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی وعملی فیض پہنچا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح ہوئی. آپ دار العلوم دیوبند میں اس سال بغرض حصول تعلیم تشریف لائے جس سال حضرت نانوتویؒ کا وصال ہوا. اسی لئے حضرت نانوتوی سے مزید استفادہ نہیں فرما سکے. مگر حضرت کے تلامذہ مثلاً حضرت شیخ الہندؒ، حضرت مولانا عبد العلی صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے استفادۂ کمالات کیا. حق تعالیٰ حضرت کے درجات بلند فرمائے. آمین. (تاریخ دار العلوم دیوبند)

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جنہیں آج دنیا اس صدی کے عظیم رہنما کی حیثیت سے جانتی ہے جو دارالعلوم دیوبند کے فضلاء میں ایک بے نظیر شخصیت ہیں. آپ ایک امیر گھرانے کے چشم و چراغ تھے لیکن دارالعلوم میں طالب علمی کی زندگی اسی طرح بسر کی کہ مدرسے کے قریب ایک چھوٹی سی مسجد میں رہتے اور طالب علمی ہی کے زمانے سے اوقات لظم وضبط کا یہ عالم تھا کہ ان کی مصروفایت کو دیکھ کر وقت معلوم کیا جا سکتا تھا. زمانہ امتحان کا ہو یا عام تعلیم کا، ہمیشہ عشاء کی نماز کے بعد سو جاتے اور آخر شب مین تہجد کے لئے بیدار ہوتے. کبھی اس معمول میں فرق نہیں آیا. دین اور علم دین کی خدمات کے لئے جتنے شعبے ہیں سب میں آپ کے مآثر بے شمار ہیں. ایک ہزار سے زائد آپ کی وہ مقبول تصانیف ہیں جن سے لاکھوں مسلمانوں کی زندگیوں میں انقلاب آیا. اور آپ کے سلسلۂ ارشاد سے بھی لاکھوں مسلمانوں کی زندگی بنی اور

سینکڑوں مشائخ طریقت پیدا ہوئے.(الرشید دارالعلوم دیو بند)

مفتیِ اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

مفتیِ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی نور اللہ مرقدہٗ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے باضابطہ مفتی بلکہ دارالعلوم میں دارالافتاء کا نقطۂ آغاز ہیں.دارالعلوم میں دارالافتاء کی منضبط صورت آپ ہی کے وجود باوجود سے معرض وجود میں آئی.آپ عارف باللہ، صاحب درس وتدریس، صاحب بیعت وارشاد اور مربی اخلاق بزرگ تھے.آپ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندی قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے.جو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ کے ارشد خلفاء میں سے تھے.آپ سے دارالعلوم کے حلقوں نے ظاہری وباطنی فیوض وبرکات کافی حد تک حاصل کئے.افتاء کی خدمات کے ساتھ ساتھ حدیث فقہ اور تفسیر کے اونچے اسباق بھی آپ پڑھاتے تھے. جلالین شریف میں احقر ناکارہ کو بھی حضرت مفتیِ اعظم ہی سے تلمذ حاصل ہے.آپ کا بیعت وارشاد کا سلسلہ کافی پھیلا.آپ ہی کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب میرٹھیؒ تھے.جن کے خلیفۂ مجاز حضرت مولانا سید بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی تھے.جن سے عرب اور افریقہ میں نقشبندیہ طریق کا کافی شیوع ہوا.اور سینکڑوں کی اصلاح ہوئی.ساؤتھ افریقہ اور ایسٹ افریقہ کے لوگ جب حج کے لئے حاضر ہوتے تو اکثر وبیشتر مولانا بدر عالم صاحب کے حلقۂ بیعت میں داخل ہو کر جاتے تھے.

ابتداء میں حضرت مفتی اعظم ہی حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ (احقر کے والد ماجد) کی غیبت میں نیابت اہتمام کے فرائض انجام دیتے تھے.بہرحال دارالعلوم دیوبند آپ کے علم وسلوک اور افتاء اور انتظام وغیرہ سے سارے ہی شعبوں میں مستفید ہوتا رہا ہے۔(تاریخ دارالعلوم دیوبند)

مفتیِ اعظم پاکستان حضرت اقدس مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ کے علم وفضل کا یہ عالم تھا کہ آج ان کی تصنیف ''عزیز الفتاویٰ'' عہد حاضر کے تمام مفتیوں کے لئے مآخذ بنی ہوئی ہے اور فتاویٰ کے ساتھ شغف کا یہ حال تھا کہ وفات کے وقت بھی ایک استفتاء ہاتھ میں تھا جسے موت ہی نے ہاتھ سے چھڑا کر سینے پر ڈال دیا لیکن سادگی وتواضع اور خدمت خلق کا یہ مقام تھا کہ یہ کوئی کیسے سمجھے کہ یہ بھی کوئی بڑے عالم یا صاحب کرامت صوفی اور صاحبِ نسبت شیخ ہیں. جب کہ غایت تواضع کا یہ عالم ہو کہ بازار سے سودا سلف نہ صرف اپنے گھر کا بلکہ محلے کی بیواؤں اور ضرورت مندوں کا سودا بھی خود لاتے بوجھ زیادہ ہو جاتا تو بغل میں گٹھڑی دبا لیتے اور پھر ہر ایک کے گھر کا سودا مع حساب کے اس کے گھر پہنچاتے تھے.

کبھی تو اس سودا سلف لانے میں ایسا بھی ہوتا کہ جب آپ کسی عورت کو سودا دینے کے لئے جاتے تو وہ دیکھ کر کہتی کہ مولوی صاحب یہ تو سودا آپ غلط لے آئے ہیں. میں نے تو یہ چیز اتنی نہیں اتنی منگائی تھی. چنانچہ یہ فرشتہ صفت انسان دوبارہ بازار جاتا اور اس عورت کی شکایت دور کرتا. بہرحال آپ اپنے ظاہری اور باطنی علمی وروحانی کمالات میں اپنی نظیر آپ تھے ساری زندگی درس وتدریس تبلیغ وارشاد اور خدمتِ افتاء میں مصروف رہے.

۱۷/ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ کو آپ نے دیوبند میں رحلت فرمائی. اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے. (اکابر علماء دیوبند مولفہ احقر بخاری غفرلہ)

امام العصر حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ

حکیم الاسلام حضرت علامہ قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند حضرت شیخ الہند کے مخصوص شاگردوں میں سے ہیں علم کا چلتا پھرتا کتب خانہ تھے. آپ تمام علوم منقولات ومعقولات میں کامل دستگاہ رکھتے تھے. قوت حافظہ میں یگانۂ روزگار

تھے. کئی مشہور محققانہ کتابوں کے مصنف تھے. آپ کا درس حدیث اپنے دَور کا مشہور درس تھا. جو ایک خاص امتیازی طرز لئے ہوئے تھا. آپ کے تبحر علمی نے درس حدیث کو جامع علوم وفنون بنا دیا تھا. آپ کے درس نے نقل وروایت کی راہ سے آنے والے فتنوں کے لئے آنے کی گنجائش نہیں چھوڑی. آج بھی نمایاں علماء اور صاحب طرز فضلاء زیادہ تر آپ ہی کے تلامذہ ہیں. جو پاک و ہند میں علمی مسندوں کو آراستہ کئے ہوئے ہیں. آپ کے یہاں ردِّ قادیانیت کا خاص اہتمام تھا اور اس فتنہ کو اعظم الفتن شمار کرتے تھے.

اس سلسلہ میں کتنی معرکۃ الآرا کتابیں خود بھی تصنیف فرمائیں اور بڑے اہتمام کے ساتھ اپنے تلامذہ سے بھی لکھوائیں. اس بارے میں بڑے شغف کے ساتھ لکھنے والوں کو علمی مدد دیتے تھے اور کوئی بھی اپنا نوشتہ لاکر سناتا تو غیر معمولی خوشی کا اظہار فرما کر دعائیں دیتے تھے.

۱۳۲۷ھ سے آپ نے دارالعلوم دیوبند میں درس کا آغاز فرمایا. ۱۳۳۴ھ سے ۱۳۴۵ھ تک آپ دارالعلوم کے صدر مدرس رہے اس دوران میں تقریباً ایک ہزار طلباء نے آپ سے استفادہ کیا جن میں سے آپ کے دور مدرسی میں ۸۰۹ طلباء نے درس حدیث لیا. اور اس فن پاک کو تقریراً و تحریراً اور درساً و تدریساً دور دور تک پھیلایا. (تاریخ دارالعلوم ص ۶۴)

مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ:

امام العصر نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے.

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے اپنی ایک مجلس میں فرمایا کہ اس زمانہ میں مولانا انور شاہ کا وجود اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ نے تمام علوم وفنون میں ایک بے نظیر جامع عالم بنایا تھا خصوصاً حدیث میں تو اپنے زمانے کے امام زہری اور حافظ ابن حجر سمجھے جاتے تھے. آپ کا درس حدیث ایک مثالی درس تھا. اپنے استاذ حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی وفات کے بعد دارالعلوم میں بحیثیت صدر مدرس

گیارہ سال درسِ حدیث کی خدمات انجام دیں. جس میں ایک ہزار سے زائد طلبہ نے آپ سے درس حدیث لیا اور سینکڑوں علماء ومحدثین پیدا ہوئے.(الرشید دار العلوم دیوبند)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، مصر، شام اور دوسرے ممالک میں علماء وفضلاء سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی لیکن تبحرِ علمی وسعت معلومات جمعیت اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا.(حیات انورؒ)

بہر حال آپ کی شخصیت ایک جامع شخصیت تھی اور علمی اشغال میں غیر معمولی انہماک اور شغف کے باوجود عمل بالکتاب والسنۃ اور اتباعِ سلف کے اہتمام میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں ہوتی تھی. ملنے والے بہت سی سنتوں کو حضرت شاہ صاحب کے عمل کو دیکھ کر معلوم کر لیا کرتے تھے. سنت نبویؐ کے متعلق کھانا اُکڑوں بیٹھ کر کھاتے تھے. اور کھانے میں ہمیشہ تین انگلیاں استعمال کرتے اور دونوں ہاتھ مشغول رکھتے. بائیں ہاتھ میں روٹی اور دائیں ہاتھ سے اسے توڑ توڑ کر استعمال کرتے تھے. لقمے ہمیشہ چھوٹے چھوٹے استعمال کرتے. زہد وتقویٰ حضرت ممدوح کے روشن اور کھلے ہوئے چہرہ پر برستا تھا. ایک غیر مسلم شخص نے کسی موقع پر آپ کا سرخ وسفید رنگ، کشادہ پیشانی اور ہنس مکھ چہرہ، نیز چہرہ کی مجموعی عظمت و وجاہت دیکھ کر کہا تھا کہ:

''اسلام کے حق ہونے کی ایک دلیل یہ نورانی چہرہ ہے.''

حضرت علامہ کشمیری اپنی جلالت قدر اور رفع منزلت کے باوجود اکابر دیوبند کے متعلق کیا خیال رکھتے تھے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیے.

ایک دفعہ فرمایا ہم یہاں آئے یعنی کشمیر سے ہندوستان تو دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا. اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائپوری کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا ہے تو وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں دیکھئے.

اندازہ کیجئے جن حضرات کی تعریف وتوصیف علامہ کشمیری جیسے محدثِ زماں کی

زبان سے ہو رہی ہو ان کا مقام کتنا بلند ہوگا. ہم جیسے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے.

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ

آپ دار العلوم دیو بند کے قدیم ممتاز فضلاء میں بلند مقام پر فائز تھے آپ کے والد ماجد حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ تھے. بنائے دار العلوم دیو بند میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کے رفیق اور معاون تھے. تعلیم و تربیت دار العلوم دیو بند میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے زیر سایہ حاصل کی اور سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد احمد قاسمیؒ مہتمم دار العلوم دیو بند کے نائب مہتمم مقرر ہوئے. آپ اپنی دانش و بینش اور فہم و فراست میں یگانۂ ہند تسلیم کئے جاتے تھے.

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کا اسم گرامی ہمارے بزرگوں میں بہت نمایاں ہے. آپ دار العلوم دیو بند کے مہتمم تھے. اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی و عملی طور پر عجیب کمالات عطا فرمائے تھے. آپ کو عربی ادب کا بڑا صاف ستھرا ذوق تھا اور آپ کی عربی تحریریں بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں. آج کل دار العلوم کے فضلاء کو جو سند دی جاتی ہے اس کا پورا مضمون حضرت مولانا ہی کا مرتب فرمایا ہوا ہے. اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا قدس سرہٗ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر غیر معمولی عطا فرمائی تھی کہ در حقیقت وہ وزیر بننے کے لائق تھے.

دار العلوم دیو بند پر سخت سے سخت وقت بھی آئے، بڑی بڑی شورشیں اٹھیں لیکن میں نے اس بندۂ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا، سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آیا. انھوں نے دار العلوم میں خلاف معمول باتوں کو کبھی برداشت نہیں کیا. اور اپنے حسن تدبر سے مدرسے کو بڑے

بڑے فتنوں سے محفوظ رکھنے کی پوری کوشش کی.

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولانا کی جان تک کے دشمن ہوگئے. ان حالات میں بھی مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے.

میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا. آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سوجایا کریں. لیکن حضرت مولانا نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا.

''میں تو اس باپ یعنی سیدنا حضرت عثمان غنیؓ کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو چار آدمی اٹھانے والے بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا، لہٰذا مجھے بھی کیا پرواہ ہوسکتی ہے. (البلاغ مفتی اعظم نمبر)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ دارالعلوم دیوبند کے چھٹے مہتمم تھے. حق تعالیٰ نے آپ کو دین کا خاص فہم عطا فرمایا تھا. آپ کی دانش وتدبر مشہور زمانہ تھی. ادبیات کے ماہر تھے. عربی نظم ونثر دونوں پر کمال قدرت رکھتے تھے. دارالعلوم کے نظم ونسق نے آپ کے تدبر و دانش سے عظیم استفادہ کیا. آپ کی اس دانش وبینش اور عظیم علمی شخصیت کی بناء پر حکومت حیدرآباد کا عہدۂ افتاء مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے بعد آپ ہی کو تفویض کیا گیا تھا. آپ کا علم، تواضع، مروت اور تحمل مشہور زمانہ تھا. آپ حضرت گنگوہی کے متوسل اور طریقت کے معمولات کے نہایت پابند تھے''.

وفات کے دن مجھ سے حسرت کے ساتھ فرمایا کہ میرا بارہ ہزار اسم ذات افسوس کہ آج پورا نہ ہوسکا. شب بیدار اور ہمہ وقت مشغول کار رہتے تھے. ان کی مجلس پر شکوہ اور مورث طمانیت ہوتی تھی. کئی عربی قصیدے اور کئی مفید ترین تصانیف آپ کا ترکہ ہیں. جوامت کو ملیں.

ان میں ''اشاعت اسلام'' ایک معرکۃ الآرا تصنیف ہے جو مقبول خواص و عام ہے. اس کے علاوہ ''اسلام میں مشورہ کی اہمیت'' قرآنی آیات احادیث نبویؐ اور علماء و فقہاء کے اقوال کی روشنی میں مشورہ کی اہمیت اور فضیلت پر ایک مدلل تالیف ہے. آپ عربی زبان کے بہترین ادیب اور شاعر تھے. ''قصیدہ لامیۃ والمعجزات'' اور متعدد قصائد آپ کے طبع شدہ ہیں، جو قصائد الخبیب کے نام سے مشہور ہیں. بہرحال آپ ایک جید ترین عالم، محدث فقیہ اور بہترین مدبر و منتظم تھے. ۱۹۳۰ء میں رحلت فرمائی، حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے. آمین. (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ آسمانِ شریعت اسلامیہ کے درخشندہ آفتاب تھے. آپ ایک بہت بڑے محدث، جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبت متکلم، رفیع الشان فقیہ، بہترین مقرر، اعلیٰ درجے کے انشاپرداز اور بلند پایہ سیاست داں تھے. آپ کی ذاتِ گرامی علم وعمل کا سرچشمہ تھی.

مجاہد اسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے شیخ الاسلام علامہ زماں محققِ دوراں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو دنیائے اسلام کا درخشندہ آفتاب بنایا تھا. ان کی بے مثل ذکاوت، بے مثل تقریر، عجیب وغریب حافظہ، عجیب وغریب تبحر کمالاتِ علمیہ ایسے نمایاں اوصاف ہیں. کہ کوئی شخص منصف مزاج انکار نہیں کرسکتا. (تجلیات عثمانی)

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں کہ:

علامہ عثمانی اپنے وقت کے زبردست متکلم، نہایت خوش بیان مقرر، محدث و مفسّر، محقق و مدبر تھے. حلقہ عُلماء میں ایسا قادر الکلام مقرر اور ایسا بلیغ البیان خطیب شاید اب تک میسّر نہ ہوا ہوگا. جب آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ علم و

کمال کا سمندر موجیں مار رہا ہے. اور علم وعرفان کی سوتیں رہ رہ کر ابل رہی ہیں. وہ تحریر و تقریر میں اپنے وقت کے امام تھے. (انوار عثمانی)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ فرماتے ہیں کہ:

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کے معتمد علیہ تلامذہ میں سے تھے غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کے حامل تھے. علم متحضر تھا. اور بڑا منقح علم تھا علوم عقلیہ سے خاص ذوق تھا. منطق وفلسفہ اور علم کلام میں غیر معمولی دسترس تھی. حکمتِ قاسمیہ کے بہترین شارح تھے. دار العلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مسجد فتح پوری دہلی کے مدرسہ میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریس علوم میں مشغول ہوئے. پھر دار العلوم میں بحیثیت استاذ حدیث بلائے گئے. حدیث وتفسیر کے اونچے طبقہ کے اساتذہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا. پھر ڈابھیل میں ایک عرصہ تک شیخ التفسیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں اور اپنے آخری دور میں دار العلوم دیوبند کے صدر مہتمم رہے. صحیح مسلم کی بہترین شرح متکلمانہ انداز میں لکھی اور حکمتِ قاسمیہ کو اس میں نمایاں رکھا. حضرت شیخ الہندؒ کے تفسیری فوائد جو حضرت نے ترجمہ کے ساتھ شروع فرمائے تھے آپ نے پایۂ تکمیل کو پہنچائے، بے مثال خطیب تھے اور خطبات میں قاسمی علوم بکثرت بیان کرتے تھے. تحریر وتقریر میں انہی علوم کا غلبہ تھا. سیاسی شعور اونچے درجہ کا تھا. ملکی معاملات کے اُتار چڑھاؤ کا پورا نقشہ ذہن کے سامنے رہتا تھا. اور اس بارے میں جچی تلی رائے قائم کرتے تھے. حضرت شیخ الہندؒ کی تحریک ریشمی رومال میں شریک رہے.

جمعیت علماء ہند کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لیا. آخر میں مسلم لیگ کی تحریک میں شامل ہوگئے. اور جمعیت علماء اسلام کی بنیاد ڈالی، تقسیم ملک کے بعد آپ نے پاکستان پہنچ کر ترکِ وطن کردیا. پاکستانی پارلیمنٹ کے ممبر ہوئے، پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیا. قرارداد مقاصد پاس کرائی. پاکستانی قوم

نے آپ کو شیخ الاسلام کے لقب سے نوازا۔ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم، پاک باز محدث، بہترین مفسر اور خوش بیان ایک جید عالم ہی نہیں بلکہ ایک صاحب الرائے مفکر بھی تھے۔ فہم و فراست اور فقہ نفس بے نظیر تھا۔

ایک سفر کے دوران بہاولپور میں وفات پائی۔ اور کراچی میں دفن ہوئے۔ پورا ملک اور حکومت سوگوار ہوئی۔ عرصہ دراز تک آپ کا غم منایا جاتا رہا۔ دو لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ پڑھی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃ۔ (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ:

حضرت الاستاذ مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے معروف تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے اور دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیاء کے استاذ تھے ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر نیز ہندو پاک میں ہزاروں افراد ہوں گے علم قرآن و حدیث کے بہت بڑے ماہر اور جملہ علوم و فنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو، حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔ دیوبند میں آپ کا مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھیں۔ ہر سال برسات کے موقع پر اس کی لپائی پتائی ناگزیر تھی جس میں کافی روپیہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرتؒ جتنا خرچہ سالانہ اس کی لپائی پر کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کر دیں تو دو تین سال میں خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے اس محنت سے نجات مل جائے۔

یہ سن کر پہلے تو فرمایا۔ ماشاء اللہ بات تو بہت عقل کی کہی ہے ہم بوڑھے ہو گئے ادھر دھیان ہی نہ آیا۔ پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی۔ تب پتہ چلا کہ یہ

حضرات کس مقام سے سوچتے ہیں. فرمایا کہ:

''میرے پڑوس میں سب غریبوں کے مکان کچے ہیں اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں کہ سب کے سب مکان پکے بنواؤں''. (نقوش وتاثرات)

بہرحال آپ ایک عظیم محدث فقیہ اور عارف کامل تھے۔ ساری زندگی درس وتدریس اور تبلیغ واصلاح میں گزاری۔ اپنی حیات مبارکہ میں تین حج کئے اور ۱۳۲۰ھ میں علوم عربیہ کی تکمیل سے فارغ ہوکر دارالعلوم دیوبند میں استاذ حدیث مقرر ہوئے۔ تدریس کے ساتھ تصنیف کا بھی مشغلہ رہا. فتاویٰ محمدیہ، دستِ غیب، اذان واقامت، حیاتِ خضر، فقہ الحدیث، نیک بی بیاں اور حیات شیخ الہندؒ آپ کے علمی شاہکار ہیں.

۱۳۶۴ھ میں دیوبند میں رحلت فرمائی اور اپنے اکابر کے ساتھ آسودۂ خواب ہوئے. حق تعالیٰ درجات بلند فرمائے. آمین.

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہیؒ

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ الہندؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے. ۱۳۲۰ھ میں دارالعلوم سے سندِ فراغ حاصل کی اور ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم میں مدرس مقرر ہوئے. اور تادمِ آخر ۱۳۷۴ھ تک دارالعلوم ہی میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے. تدریسی وعلمی خدمات کے ساتھ ساتھ تصوف وسلوک کے منازل بھی طے کرتے رہے. اور قطب الارشاد حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی.

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ہم سبق تھے، فرماتے تھے کہ:

''حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ہمارے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم وتربیت ہماری تعلیم کا اصل قوام تھی. دارالعلوم میں درس وتدریس کی والہانہ

خدمت آپ کا شب و روز کا محبوب مشغلہ تھا. اس کے ساتھ ادب اور فقہ کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے". (تاریخ دار العلوم دیوبند)

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

حکیم الامت حضرت قاری طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ:

آپ دار العلوم دیوبند کے صدر رہ چکے ہیں. اور حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے. معقولات میں خصوصی مہارت حاصل تھی. اور درسِ حدیث میں ایک خاص امتیاز رکھتے تھے. (نقوش و تاثرات)

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں کہ:

حضرت مولانا بلیاویؒ دار العلوم کے مایۂ ناز محقق عالم تھے. درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین استاد تھے. اپنی حیات کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ و عقلیہ کی تعلیم و تدریس میں صرف کیا اور پورے ساٹھ برس تک تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی. ذکاوت وقوتِ حافظہ اور حسنِ تعبیر میں خصوصاً معقول و منقول کے مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے. ہند و پاک کے ہزاروں علماء کے استاد تھے. اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدماء سلف کی یادگار تھے. (ماہنامہ بینات کراچی ذیقعدہ ۱۳۸۷ھ)

حق تعالیٰ ان حضرات کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین!)

دار العلوم دیوبند کے مایۂ ناز سپوت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ

دار العلوم دیوبند وہ شجرۂ طوبیٰ ہے جس کے لئے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ شاہ عبد العزیز دہلویؒ اور حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکیؒ اور شہدائے بالاکوٹ نے زمین ہموار کی جس کی داغ بیل حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور

قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ جیسے سراپا اخلاص و عمل بزرگوں نے رکھی. پھر جس کی آبیاری میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، امام العصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ اور مجاہد اسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ جیسے اساطینِ امت نے اپنی زندگی تج دی، ان کے بعد بانیٔ دارالعلوم کے حفید رشید حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی نے دارالعلوم کو چار چاند لگائے. دارالعلوم کی تعمیر و تشکیل سے حضرت قاری صاحب کی پوری زندگی کی داستان وابستہ ہے. اسی لئے اس تذکرے کی ابتداء دارالعلوم سے ہوئی. پھر حضرت کے مشائخ و اساتذہ کا تعارف کرایا گیا جن سے حضرت کا تعلق رہا.

ولادت و تعلیم حضرت حکیم الاسلام کی ولادت باسعادت ماہ جون ۱۸۹۷ء بمطابق محرم ۱۳۱۵ھ یک شنبہ مقام دیوبند ہوئی. اور خاندان قاسمی کے اس ہونہار فرزند نے اپنی مبارک پیدائش سے اس عالم کو منور کیا. اسم گرامی ''محمد طیب'' تجویز کیا گیا. اور تاریخی نام ''مظفرالدین'' رکھا گیا. سات سال تک بڑے ناز و نعم کے ساتھ والدین کی آغوش میں پرورش پاتے رہے. ۱۳۲۲ھ میں آپ کو تعلیم و تربیت کے لئے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں دے دیا گیا. وقت کے بڑے بڑے بزرگ اور شیوخ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی.

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ، شیخ طریقت مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب قاسمیؒ جیسے باکمال شیوخ اور اکابر نے بسم اللہ شروع کرائی. حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانیؒ نے اس مبارک مجلس کی تاریخ ذیل کے قطعہ سے نکالی تھی.

ھذا مکتب طیب کی مبارک تقریب ❁ کہ نئی طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر

ربِّ یسّر جو کہا اس نے تو بروئے ابا ❁ فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

۱۳۲۲ھ

دو سال کی قلیل مدت میں آپ نے پورا قرآن مجید حفظ کیا. اور اس کے ساتھ قرأت و تجوید میں مہارت تامہ حاصل کی. حفظِ قرآن شریف سے فراغت کے بعد درجۂ فارسی میں داخل کیئے گئے. اور وہاں سے پانچ سال میں پورا نصاب مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی. اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے شعبہ عربی میں داخلہ لے لیا. چونکہ آپ بچپن ہی سے بے حد ذکی اور ذہین تھے. اس لئے خدا نے قوت حافظہ بطور خاص ودیعت فرمائی تھی. نیز جس مقدس شخصیت حضرت نانوتویؒ کی طرف آپ کی نسبی نسبت تھی، انہی کی نسبتِ روحانی نے مخفی صلاحیتوں کی روحانی تربیت ونگہداشت فرمائی. آٹھ سال کی مدت میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کی تمام نصابی تعلیم سے ۱۳۳۷ھ میں فراغت پا کر سندِ فضیلت حاصل کی. حدیث میں آپ کو خصوصی تلمذ امام العصر محدثِ اعظم حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل رہا.

اس کے علاوہ حدیث کی خصوصی سند آپ کو وقت کے مشاہیر علماء واساتذہ سے بھی حاصل ہوئی. چنانچہ حضرت اقدس مولانا شاہ خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ نے بطور خود آپ کو سہارنپور طلب فرما کر اور اوائل حدیث کی تلاوت کرا کر اپنی خصوصی سند خود اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی. اسی طرح حضرت مولانا عبد اللہ صاحب انصاریؒ اور اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب سے بھی سندِ حدیث لی ہے. آپ کے دوسرے اساتذہ و مشائخ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ، مولا اعزاز علی صاحب امروہیؒ، مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور مولانا رسول خان صاحب

جیسے مشاہیر علماء شامل ہیں. جنھوں نے آپ کی تعلیم و تربیت میں بڑا حصہ لیا. اور آپ پر ہمیشہ شفقت فرماتے رہے.

آپ کے چند ممتاز اساتذہ و مشائخ کا مختصراً تذکرہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے جن کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں. اللہ تعالیٰ ہمیں ان بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے. آمین. (الرشید مدنی نمبر)

حضرت حکیم الاسلامؒ خود اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے. اور ایک نئی تہذیب و تعلیم کا غلغلہ تھا. میری پیدائش میرے جدِ امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے. جو اپنے وقت میں علم و دین کے مجدد تھے اور ان کی زندگی سادہ، توکل پسندی کم سے کم اسباب، معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی. ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہ حضرت نانوتویؒ کے فیضانِ صحبت اور رفاقت سے براہِ راست مستفید تھیں. دادی صاحبہ اپنی عبادت وریاضت سخاوت، کشادہ دلی، شعائر دین پر پختگی، نماز روزہ ذکر شغل کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں.

میرے والد مرحوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب اور ان کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیر سایہ مجھے تعلیم و تربیت نصیب ہوئی. ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی، مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلباء دارالعلوم کے لئے جو ملک و بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کر کے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے. میری دادی صاحبہ والد مرحوم اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیر معمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی. بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی.

والد مرحوم کا یہ ایک قصہ ضرور قابلِ ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دُھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے. والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی. مگر بعد میں آپنے جذبۂ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متاسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلا کر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا. یہ گویا طلبائے دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا. جو طلبہ میں معروف تھا.

یہاں ایک واقعہ یہ بھی بیان کرنا مناسب ہوگا کہ میری دادی صاحبہ ایک دفعہ امروہہ ضلع مراد آباد تشریف لے گئیں. جہاں میرے دادا صاحب کے ممتاز شاگرد حضرت مولانا احمد حسن صاحب محدث امروہی تشریف فرما تھے. وہ امروہہ ہی کے باشندے تھے. حضرت مولانا امروہی مرحومہ دادی اماں کو اسٹیشن سے پالکی میں اس شان سے گھر لائے کہ کہاروں کے ساتھ پالکی کو اٹھانے والوں میں خود بھی شریک تھے. یہ تھا اس دَور میں اپنے اساتذہ اور ان کے متعلقین کے ساتھ اور ان کی اولاد کے ساتھ شاگردوں کا ادب واحترام. میرا تعلق ایک ایسے ماحول سے رہا ہے جس میں دین کے سب ہی شعبوں بالخصوص دینی تعلیم اور دین کے نادار طلبہ سے محبت وشفقت زندگی کا ایک بہت بڑا فرض سمجھا جاتا تھا. میرے آباؤ اجداد نے طلبۂ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے. اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادی کی تقریبات بھی خود ہی انجام دیں. کتنے ہی علماء وفضلاء ہیں جن کی مجالس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں. حضرت قبلہ مولانا انور شاہ صاحبؒ کی شادی بھی میرے والد صاحب کے اہتمام سے ہوئی.

حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد جامعہ قاسمیہ خود دیوبند کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد صاحبؒ نے کی. غرض کہ میرا گھرانہ علماء وفضلاء عصر کا مورد تھا. دوسرے متعدد علماء و

فضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت و آرام سے وقت گذارا. تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانۂ روزگار علماء اور فضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا.

حفظِ قرآن اور تجوید قرأت میں مولانا قاری عبدالوحید صاحبؒ فارسی میں مولانا محمد یٰسین صاحب (والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب) فنون میں ابوالاساتذہ حضرت مولانا غلام رسول ہزارویؒ اور علوم کتب و سنت میں علامہ دہر، یگانہ روزگار الاستاذ الاکبر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی، فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب، مولانا اعزاز علی صاحب امروہیؒ، مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ اور مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ میرے اساتذہ رہے. اپنے رفقاء درس میں بڑے بڑے فضلاء کو جمع پاتا ہوں لیکن جن رفقاء کے ساتھ تعلیمی دور کا اکثر وقت گذرا، ان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی، مولانا سید بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنیؒ، اور مولانا میرک شاہ صاحب کشمیری خاص طور پر قابل ذکر ہیں. یہ حضرات بھی اپنے علم و فضل میں بے نظیر ہیں.

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ، مولانا محمد منظور نعمانی صاحب اور مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی یہ سب حضرات میرے بعد کے فضلاء دارالعلوم میں سے ہیں. اساتذہ نے کس قدر غیر معمولی شفقت کا ثبوت دیا. اس کے بارے میں ایک واقعہ قابلِ ذکر ہے.

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ حدیث شریف کے استاد اعلیٰ تھے. مگر بے حد نازک مزاج اور حساس طبیعت کے بزرگ تھے. طلباء کی ذرا سی غفلت پر خفا ہو جاتے. ایک دفعہ طلباء کی کسی غلطی پر خفا ہو کر گھر میں بیٹھ گئے اور دارالعلوم میں سبق

پڑھانا موقوف کر دیا طلباء پر استاد کی خفگی کا بہت بڑا اثر ہوا مشوروں کی مجلس منعقد ہوئی۔ اور طلباء نے یہ طے کیا کہ حضرت مولانا عثمانی کے منانے کے لئے ان کے سامنے مجھے پیش کیا جائے۔ حالاں کہ میں خود بھی اس سال حضرت کے ہاں ایک طالب علم ہی تھا۔

چنانچہ میں نے حضرت مولانا کی خدمت میں جا کر عرض معروض اور طلباء کی طرف سے ندامت کا اظہار کیا۔ تو حضرت مولانا نے خندہ پیشانی سے میری سفارش قبول فرمائی۔ اور فوراً ہی مدرسہ تشریف لے آئے۔ اور اسباق کا سلسلہ شروع کر دیا۔

میرے ساتھ بزرگوں کی یہ شفقت وعنایت دیکھ کر اکابر کی کشیدگیوں کو دور کرنے کے لئے اساتذہ کی طرف سے مجھے ہی منتخب کیا جاتا تھا۔ (رسالہ ماہ نامہ "دارالعلوم" دیوبند)

مسند درس وتدریس

ابتدائی حالات اور تعلیم وتربیت کے بعد آپ کی زندگی تین نمایاں گوشوں کے محور پر گھومتی نظر آتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ حضرت حکیم الاسلام کی زندگی کے تین مرکزی مقام ہیں۔ جہاں سے آپ کا نصیب العین اور عنداللہ مقصد حیات سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) مسند درس وتدریس۔ (۲) مسند اہتمام۔ (۳) مسند رشد وہدایت۔

یہی تین پہلو ہیں جو حضرت قبلہ حکیم الاسلامؒ کی زندگی کے تین اہم عنصر تھے۔ اور آپ کی تمام خدماتِ جلیلہ ان ہی تین گوشوں سے بطور خاص متعلق ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آگے ان تینوں گوشوں پر الگ الگ مختصراً روشنی ڈالی جائے گی۔

اس سلسلے میں آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا عبداللہ جاوید غازیپوری فرماتے ہیں کہ:

دورانِ تعلیم میں چونکہ اکابر و اساتذہ کی حقیقت شناس نگاہوں نے آپ کی صلاحیتوں اور خداداد علمی ملکات کو تاڑ لیا تھا۔ نیز آپ کے ذاتی اوصاف اور علمی صلاحیتوں کا سب ہی کو اعتراف تھا۔ اس لئے آپ کو تعلیم سے فراغت کے بعد منصب تدریس پر فائز کیا گیا۔ خداداد ذکاوت وذہانت، فہم وفراست اور پھر خاندانی وجاہت ونسبت کی بنا پر بہت جلد آپ نے عام مقبولیت اور علمی حلقوں کی گرویدگی حاصل کر لی۔ اس مسند علم و

فضل پر فائز ہونے کے بعد آپ کے اوصاف وکمالات کے حقیقی جوہر کھلے. جس کا اکابر نے تہہ دل سے اعتراف کرتے ہوئے ہمیشہ عزت افزائی کی. چنانچہ حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اکثر تبلیغی اسفار میں آپ کو اپنے ہمراہ رکھتے اور بڑے بڑے نازک مواقع پر بہ تقاضائے وقت مختلف موضوعات پر آپ سے تقریر کراتے اور اظہار اطمینان ومسرت فرماتے تھے.

مسندِ تدریس پر فائز ہونے کے بعد شروع میں آپ نے فقہ، منطق، فلسفہ صرف ونحو، معانی اور مہتم بالشان فنون کی اہم کتابیں نہایت شان وشوکت سے پڑھائیں. اسی اثنا میں اہتمام کی اہم ذمہ داریاں بھی آپ کو سونپی گئیں. لیکن باوجودیکہ دارالعلوم کے انتظام وانصرام کی ذمہ داریاں بڑھ چکی تھیں. نیز ملک وبیرون ملک تبلیغی اسفار کثرت سے بھی زیادہ تجاوز کر چکے تھے. مگر آپ کا ذوق وشوقِ تدریس برابر اسی نہج پر تھا. اور اس زمانۂ اہتمام میں بھی کچھ نہ کچھ اسباق اپنے ذمہ کئے رہے. اور الحمدللہ ان دنوں جب کہ دارالعلوم کی انتظامی مشغولیت اور مصروفیت اس حد کی تھی کہ شب وروز کا کوئی لمحہ اس سے فارغ نہیں تھا. مگر اس کے باوجود آخر دم تک آپ نے کبھی درس وتدریس سے کنارہ کشی اختیار نہ کی. (الرشید مدنی نمبر، ساہیوال)

جناب مولانا عزیز احمد صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلام نے ۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے دورۂ حدیث پڑھ کر فراغت حاصل کی اور اپنے مایۂ ناز اساتذہ ہی کے زیرِ سایہ حسبۃً للہ درس وتدریس کا آغاز کیا اور درسِ نظامی کی مختلف علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں اور اہتمام دارالعلوم کے طویل الذیل کاموں کے باوجود درس وتدریس کا مشغلہ آپ کا کبھی ترک نہیں ہوا. حدیث وتفسیر اور فنِ حقائق واسرار کی کتابیں جیسے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ اکثر زیرِ تدریس رہتی تھیں. آپ سے علمی استفادہ کرنے والے برصغیر کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں. جن میں ممتاز علماء وفضلاء شامل ہیں جو آج خود بھی دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں. (تاریخ دارالعلوم)

درسِ حدیث کی خصوصیات

حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ صاحب بخاری فرماتے ہیں:

حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات طیبہ کا اکثر حصہ درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں گذرا، جس طرح آپ فضل و کمال میں عدیل و مثیل نہ رکھتے تھے اسی طرح درس میں بھی آپ کی امتیازی شان تھی. اور تدریس میں بڑا کمال حاصل تھا. آپ کا درس پُر وقار اور شائستہ ہوتا تھا. اور حلقۂ درس کو دیکھ کر سلف صالحین اور اکابر محدثین کے حلقۂ تدریس کا نقشہ نظروں میں پھر جاتا تھا. زمانۂ تدریس کے آغاز میں منطق و فلسفہ اور اصول فقہ وغیرہ کتب پڑھاتے رہے اس کے بعد حدیث کی اعلیٰ کتابیں زیر درس رہیں. اور ہزاروں افراد کو اپنی زندگی میں فیض یاب کیا ہے. (مکتوب گرامی بنام مرتب)

حضرت مولانا عبد اللہ جاوید ہاشمی غازی پوری حضرت حکیم الاسلام کی درسی خصوصیات کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

۱۳۳۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ نے اسی مادرِ علمی میں درس دینا شروع کیا. اور اس عرصہ میں مختلف علوم و فنون کی اہم کتابوں کا درس دیتے رہے. خصوصیت سے حجۃ اللہ البالغہ آپ کے درس میں زیادہ رہتی تھی. کہ جس میں آپ کے ذوق حکیمانہ کے جوہر و اسرار کھلتے تھے. اور پڑھنے والوں کی تشریحات اسلامی کی ان مخفی پہلوؤں پر آپ کے درس گرامی سے وہ نذر ہو جاتی تھی جو برسہا برس کی محنتوں کے بعد بھی میسر آنا مشکل ہے. حق یہ ہے کہ حکمت ولی اللّٰہی کے لئے جس فکری عروج کی ضرورت ہے. وہ بدرجۂ اتم حضرت حکیم الاسلام میں موجود تھا. اس کے علاوہ ابن ماجہ شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی برابر زیرِ درس تھیں آپ نے کئی سال شمائل ترمذی کا درس بھی دیا ہے. حضرت حکیم الاسلام ایک طرف تو حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے علوم و معارف کے صحیح وارث تھے اور دوسری طرف براہِ راست حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اس لئے

آپ کے درس میں دونوں بزرگوں کے علوم و معارف کا فیضان رہتا تھا چنانچہ آپ منقولات اور تشریحات اسلامی کو دلائل عقلیہ سے اس انداز میں ثابت فرماتے کہ جس سے ہر دور کا ذہن مطمئن ہو سکے اور حضرت نانوتوی قدس سرہ کے رنگ میں اسلامی تعلیمات پر تقریر اسی نہج سے کرتے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہتا تھا. جن لوگوں نے حضرتؒ کی درسی تقاریر سنی ہیں وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ بعض مرتبہ علوم قاسمیہ کا فیضان اس طرح ہوتا کہ بے ساختہ حضرتؒ کی زبان سے حضرت نانوتویؒ کی پوری پوری تقریر نقل ہوتی چلی جاتی تھی. اور بسا اوقات تو اتنی ہم آہنگی تھی کہ الفاظ تک میں کوئی تغیر نہیں ہوتا تھا. حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے راقم کو مشکوٰۃ شریف اور ابنِ ماجہ شریف میں شرفِ تلمذ حاصل ہوا ہے.

مشکوٰۃ جس روز شروع ہوئی تو حضرت کے درس میں ابھی بسم اللہ بھی شروع نہیں ہوئی تھی. کہ فنِ حدیث پر تقریر شروع کی. سچ کہتا ہوں کہ علم و فضل کا ایک بحرِ بیکراں تھا. جو پوری روانی کے ساتھ بہتا چلا آ رہا ہو. حقائق و معارف کا ایک دریا تھا جو بے اختیار اُمڈ رہا تھا. الفاظ کیا تھے حقانیت و معارف کے موتی تھی جو بے تحاشا لٹائے جا رہے تھے. علم حدیث کی اہمیت پر استدلال، محدثین کے طبقات اہل قرآن پر اعتراضات اور ان کے جوابات، گویا کوئی موضوع ایسا نہیں تھا جس پر تفصیل سے روشنی نہ ڈالی ہو.

بہر حال حضرت قبلہ مرحوم کی درسی تقریریں تبحر علمی، وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر، تحقیق مسائل کی بناء پر علمی حلقوں میں غایت احترام سے دیکھی جاتی ہیں. اور ایک طالب علم درس میں بیٹھ کر علم و فضل کے اس خزانے سے اپنے دامنِ مراد کو بھر کر اٹھتا تھا.

(الرشید ساہیوال ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ)

حضرت حکیم الاسلام مسندِ اہتمام پر	حضرت مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:

اگر مجھے عرف عام اور مخصوص ذہن سے قطع نظر قیادت کے حقیقی معنی اور مفہوم مراد

لینے کی اجازت دی جائے تو میں یہاں بجائے مسندِ اہتمام کے منصبِ قیادت کا عنوان رکھ سکتا ہوں اس لئے کہ یہ حضرت حکیم الاسلامؒ کی زندگی کا وہ مقام ہے. جہاں آپ کی عزت وعظمت کا اعتراف کرتے ہوئے ملت اسلامیہ نے آپ کے سر پر قیادت اور رہنمائی کا تاج رکھا تھا. دارالعلوم دیوبند مسلمانان پاک وہند ہی کے لئے نہیں بلکہ عالم اسلام کا بین الاقوامی مذہبی ادارہ ہے. اور اس اعتبار سے ملت اسلامیہ کا یہ قلب ہے. جہاں سے ان کی روح اور فکر کی جلا کا سامان پہنچایا جاتا ہے. اس عظیم ادارہ کی اہم ذمہ داری صدارتِ اہتمام کے لئے کسی شخصیت کا انتخاب ایک خاص اہمیت رکھتا ہے. اس جلیل القدر منصب پر اسی شخص کا انتخاب ہوسکتا ہے جو کمالات علمی اور اوصاف باطنی و ظاہری سے پوری طرح مزین ہو. اگر ایک طرف وہ علم وفضل، زہد وتقویٰ، دیانت و امانت فہم وفراست میں ممتاز مقام کا مالک ہو. تو دوسری طرف قوم وملت میں با اثر اور بارسوخ ہو. اس کی قیادت پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے. اس کی رہنمائی پر قوم کو اطمینان ہو. اب اگر اس حیثیت سے حضرت حکیم الاسلام کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف ناگزیر ہوگا. کہ ۱۳۴۸ھ میں وقت کے اکابر وشیوخ اور ذمہ دار حضرات نے اپنے متفقہ ریزولیوشن کے مطابق مسندِ اہتمام پر حکیم الاسلامؒ کو فائز کرنے کا جو فیصلہ کیا تھا وہ ان کی حقیقت آشنا نگاہوں کی کرشمہ سازی تھی کہ انھوں نے حضرت حکیم الاسلام کی علمی صلاحیتوں کا اندازہ کرکے اس عظیم مسند کا ان کو اہل قرار دیا. جو درحقیقت عالم اسلام کی قیادت ورہنمائی کے مترادف تھا. ادارہ اہتمام سے تو آپ کا تعلق ۱۳۴۰ھ ہی میں قائم ہوگیا تھا جب کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم بنایا گیا.

اسی عرصہ میں آپ دارالعلوم کے انتظامی معاملات کا جائزہ اور ادارۂ اہتمام کے انصرامی معاملات میں حصہ لیتے رہے. حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے انتقال کے بعد منصب اہتمام پر کسی اہم شخصیت کی ضرورت کا مسئلہ سامنے آیا. تو اکابر دارالعلوم اور ممبرانِ مجلس شوریٰ کی نظر انتخاب آپ ہی پر پڑی. ایک طرف تو آپ کی

علمی اور تبلیغی خدمات کی بناء پر ملک میں آپ کا بہت زیادہ اثر درسوخ ہوگیا تھا. دوسری طرف نیابت واہتمام کے دوران انتظامی صلاحیت کے سبھی معترف تھے. لیکن اس کے علاوہ جو سب سے اہم چیز اکابر کے داعیہ کا باعث بنی، وہ درحقیقت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند سے آپ کا نسبی انتساب تھا. جو ہمیشہ سے دارالعلوم کی ترقی وکامیابی اور فلاح و بہبود کے لئے اکابر کی نظروں میں خاص اہمیت رکھتا تھا. چنانچہ باوجودیکہ حضرت حکیم الاسلام مرحوم کا خاص علمی ذوق اور آپ کا رجحان طبعی انتظامی معاملات کی طرف مائل نہ تھا لیکن حضراتِ ذمہ دارانِ دارالعلوم نے بصد اصرار آپ کو مجبور کیا. کہ دارالعلوم کی باگ ڈور اپنے باوقار ہاتھوں میں لیں. لہٰذا ۱۳۴۸ھ میں آپ دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ قرار دئے گئے. اور یہیں سے اس شاندار داستان کی ابتداء ہوتی ہے. جو دارالعلوم کی بے پناہ مقبولیت عالمگیر اہمیت ادارہ کی بین الاقوامیت اور اس کی ترقی اور کامیابی کے لئے دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے. جسے دارالعلوم کی علمی ودرسی تاریخ حضرت الاستاذ الاکبر علامۃ العصر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی مثال اس حیثیت سے پیش کرنے سے عاجز ہے کہ ان کے دور میں دارالعلوم کا درسی عروج اور علمی وسعت اس درجہ کی تھی کہ اس وقت دارالعلوم کی آغوش علم وتربیت سے پرورش پاکر نکلنے والا ہر فاضل اپنی اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا. ٹھیک اسی طرح دارالعلوم کی پوری تاریخ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کا اسم گرامی فخر سے پیش کرسکتی ہے کہ اس کی ترقی وکامیابی اور اس کی رفعت و عظمت کا راز حضرت حکیم الاسلام کی زندگی میں پوشیدہ ہے." (الرشید ساہیوال ستمبر ۱۹۸۳ء)

جناب مولانا سید محبوب رضوی صاحب تاریخ دارالعلوم دیوبند میں "اہتمام کے لئے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا انتخاب" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ:

اواخر ۱۳۴۹ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن مولانا سعید الدین صاحب رامپوری نے مجلس میں یہ تحریک پیش کی تھی کہ حضرت مولانا محمد احمد صاحب

مہتمم دارالعلوم اپنی کبرسنی کے سبب سے ضعیف ہوگئے ہیں. ہر چند ان حضرات نے اب تک خدمات دارالعلوم میں کوئی فرق نہیں آنے دیا. تاہم مجلس شوریٰ کا یہ فرض ہے کہ وہ اس امر کا احساس کرتے ہوئے ایسے وسائل اختیار کرے جس سے ان حضرات کو فی الجملہ اپنے کاموں میں امداد مل سکے. تجویز کا متن حسب ذیل تھا:

''حضرت مہتمم صاحب (مولانا محمد احمد صاحبؒ) اور نائب مہتمم صاحب (مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی) کی جو کچھ خدمات ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں. اب یہ دونوں حضرات بوجہ تقاضائے عمر و نیز بسبب امراض گوناگوں ضعیف ہوگئے ہیں. اگرچہ خدمات دارالعلوم میں کسی قسم کا فرق نہیں آتا، لیکن مجلس شوریٰ کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا احساس کرے اور ایسے وسائل پیدا کرے جس سے ان میں ہر دو حضرات کو خاص طور سے اپنے کاموں میں مدد ملے. لہٰذا ایک عہدہ نائب دوم کا تجویز کرنا ضروری ہے اور اس خدمت پر ایسا شخص تجویز کرنا ضروری ہوگا. جو صاحب علم عالی خاندان اور با اثر ہو. دارالعلوم کے ساتھ سچی اور دلی ہمدردی مثل ان ہر دو حضرات کے رکھتا ہو. پس میں اپنی رائے میں اس عہدہ کے لئے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کو تجویز کرتا ہوں.

مولانا موصوف نوجوان صالح، صاحب علم اور عالی خاندان اور دارالعلوم کے ساتھ آبائی نسلاً بعد نسل سچی و دلی ہمدردی رکھنے والے ہیں. حضرت مہتمم صاحب حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے فرزند اکبر ہیں. اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سلمہٗ ان کے پوتے ہیں.

حضرت مہتمم صاحب کے زمانے میں دارالعلوم کو جس قدر ترقی آمدن میں ہوئی اور جس قدر درجات تعلیم المضاعف ہوئے جس قدر طلباء کی تعداد بڑھی اور جس قدر ہندوستان سے باہر دور دراز اقالیم و ممالک میں اس دارالعلوم کی قدر و منزلت قلوب میں عامۂ روز افزوں پیدا ہوئی اس کے ثبوت میں خود دارالعلوم ایک مجسم شہادت موجود

ہے لہٰذا تمام مسلمانان بہی خواہان دارالعلوم پر عموماً اور مجلس شوریٰ پر خصوصاً روحانی طور سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس خاندان کے کسی فرد کے ہاتھ میں بشرط قابلیت وصلاحیت نظام دارالعلوم تجویز کر دیا جائے تاکہ وہ روحانی فیض جو ترقیات دارالعلوم میں باطنی طور پر ممد و معاون ہے برابر جاری رہے۔ (رجسٹر تجاویز مجلس شوریٰ ۱۳۴۰ھ)

مجلس کی اس تجویز کی رو سے ۱۳۴۱ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو نائب مہتمم بنایا گیا مگر یہ عہدہ آپ کے طبعی رجحان کے خلاف تھا، آپ انتظامی اُمور سے علیحدہ رہ کر یکسوئی کے ساتھ علمی اور تدریسی مشاغل کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد اپنی خواہش و اصرار سے اپنے آپ کو شعبۂ تعلیم میں منتقل کرا لیا مگر بالآخر اکابر کے اصرار نے مجبور کیا اور پھر آپ کو نیابت اہتمام کا عہدہ سنبھالنا پڑا جس پر اوائل رجب ۱۳۴۸ھ تک فائز رہے۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے پہلے تجربے کے طور پر قائم مقام مہتمم بنایا۔ اور جب اس امر کا یقین ہو گیا کہ اس اہم منصب کے سنبھالنے کی آپ میں بدرجہ اتم صلاحیت موجود ہے تو مندرجہ فیصلے کے ساتھ آپ کو مستقل طور پر مہتمم مقرر کر دیا گیا۔ مجلس کی تجویز یہ ہے:

"ہم سب ممبران مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ۱۸ر شوال ۱۳۴۸ھ سے ۲۱ر شوال ۱۳۴۸ھ تک دارالعلوم رہ کر دارالعلوم کے تمام شعبوں کا غور سے معائنہ کیا۔ جو اُمور بحث طلب مہتمم صاحب نے مجلس شوریٰ میں پیش کئے۔ ان کا بلا رو رعایت تصفیہ کیا۔ ہم ممبران اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ جب سے حکیم الاسلام مولوی قاری محمد طیب صاحب نے زمام اہتمام اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ ان کے ہر طریق عمل سے صدق و اخلاص نیت، حب و بغض فی اللہ اور ادائے حقوق اور فرضِ شناسی میں عزم قوی اور ثبات و استقلال بوجہ احسن ثابت ہوتا ہے۔ وللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔

ہم سب حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے قوی امید رکھتے ہیں کہ اس تھوڑی سی مدت

میں جن خوبیوں کا مہتمم صاحب سے ظہور ہوا ہے انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اس سے اضعافاً مضاعفۃً ظاہر ہوگا. وماذالك على الله بعزيز. یہ الفاظ بے اختیار قلب سے نکلے ہیں. اس میں نہ تصنّع کو دخل ہے اور نہ مہتمم صاحب کی خدمات کی داد ہے." (روئداد ۱۳۴۸ھ ص۵)

چنانچہ آپ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۹ء میں مستقل مہتمم بنائے گئے اور دارالعلوم نے آپ کے زمانۂ اہتمام میں نمایاں ترقی حاصل کی. ۱۳۴۸ھ میں جب آپ نے انتظام دارالعلوم کی باگ ڈور ہاتھ میں لی تو اس کے انتظامی شعبے آٹھ تھے. جن کی تعداد اب تیس تک پہنچ چکی تھی. اس وقت دارالعلوم کی آمدنی کا بجٹ پچاس ہزار دو سو باسٹھ روپے سالانہ تھا. اور آپ کے زمانے میں ساٹھ لاکھ تک پہنچ گیا تھا.

اس وقت دارالعلوم کے عملے میں صرف ۴۵/افراد تھے. اور آپ کے زمانے میں عملے کی تعداد ۲۵۰ تھی. اور آپکے آخری دور تک طلباء کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی. اسی طرح عمارتوں میں نمایاں اضافہ ہوا. دارالتفسیر، دارالافتاء، دارالقرآن، مطبخ جدید، فوقانی دارالحدیث، بالائی مسجد، باب الظاہر، جامعہ طبیہ، دارالاقامہ جدید دو منزلہ، مہمان خانہ، اور کتب خانہ کے دو جدید ہال وغیرہ جیسی عظیم الشان عمارتوں کی تعمیر و تکمیل حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہی کے دورِ اہتمام کی یادگاریں ہیں. (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

دارالعلوم کی نمایاں ترقیات

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب (اکوڑہ خٹک پاکستان) فرماتے ہیں کہ:

"دارالعلوم دیوبند کو جو خدا تعالیٰ نے علمی لحاظ سے، طلباء کے لحاظ سے اساتذہ اور علماء کے لحاظ سے، اقتصادیات اور تعمیرات کے لحاظ سے اور دوسرے ہر لحاظ سے جو خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور ترقیات سے نوازا ہے. یہ سب کچھ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے دورِ اہتمام میں اور ان کے زیر نگرانی انجام کو پہنچا ہے.

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے زمانۂ اہتمام میں حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس رہ چکے

ہیں. پھر ان کے بعد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت حکیم الاسلام ہی کے زمانہ اہتمام میں تدریس کرتے رہے.

حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے اس زمانہ میں جو عروج اور ترقی حاصل کی، یہ تاج اور اس کا سہرا حضرت قاری صاحب مرحوم کی مساعی جمیلہ کے سر ہے. اور یہ ان ہی کے مخلصانہ شبانہ روز مساعی کا ثمرہ ہے. آج شہر شہر، بستی بستی اور قریہ قریہ جو آپ کو یہ دینی علوم کے مدارس و مراکز نظر آتے ہیں اور ہر گاؤں اور ہر بستی میں جو آپ کو دارالعلوم دیوبند کا فاضل، اکابر اساتذہ کا تلمیذ یا تلمیذ التلمیذ آپ کو جو نظر آتے ہیں. یہ سب حضرت قاری صاحب کی اور ان کے خاندان کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے. اور یہ سب دارالعلوم دیوبند ہی کی برکات ہیں. ایشیا بھر میں پھیلے ہوئے مدارس ان کے اساتذہ اور منتظمین کا تعلق بغیر واسطہ کے یا بالواسطہ دارالعلوم دیوبند سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ حکیم الاسلام حضرت قاری صاحبؒ کے اہل خاندان اخلاف رشید میں بھی ان ہی جیسے اوصاف و کمالات پیدا فرمادے اور اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس خلاء کو پورا فرمادے. آمین. (ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، اگست ۱۹۸۳ء)

جناب مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب ایم. اے. فرماتے ہیں کہ:

’’حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے عالمِ اسلام خصوصاً ہندوستان کے مسلمانوں میں علم دین کی جو شمع روشن رکھی اور ہندوستانی مسلمانوں کے بزرگ قائد کی حیثیت سے جو خدمات انجام دیں تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی. آپ تقریباً ساٹھ سال دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اعلیٰ رہے. اور ان کے دور میں دارالعلوم نے ہر شعبہ میں ترقی کی جس کا سہرا بلاشبہ انہی کے سر ہے اسے دلچسپ اتفاق ہی کہہ لیں کہ آپ کے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے ۴۳ سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی. ۴۳ سال کی عمر ہی میں حضرت قاری صاحبؒ کے والد گرامی مولانا محمد احمد

صاحبؒ دارالعلوم کے مہتمم مقرر ہوئے. اور حضرت قاری صاحب کی عمر بھی ۳۴ سال ہی کی تھی جب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم کی حیثیت سے فرائض سنبھالے تھے. آپ ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۸ھ تک اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد احمد صاحب قاسمیؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی کے زمانۂ اہتمام میں نائب مہتمم رہے اور ۱۳۴۸ھ سے آخر دم تک دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ رہے.

آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے غیر معمولی ترقی کی. تعلیمی اور تعمیری سلسلہ کافی بڑھا. کاموں اور شعبوں میں اضافہ ہوا. اساتذہ وطلباء اور عملہ کی تعداد بھی کافی بڑھ گئی. آمدنی کی رفتار غیر معمولی طور پر ترقی پذیر ہوئی جس کی تفصیل تاریخ دارالعلوم دیوبند مؤلفہ خود حضرت قاری صاحب و تاریخ دارالعلوم مؤلفہ سید محبوب رضوی میں دیکھئے. (مشاہیر علماء دیوبند)

حضرت مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی صاحب فرماتے ہیں کہ:

۱۳۴۸ھ میں جب کہ آپ نے دارالعلوم دیوبند کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اس کے انتظامی شعبے صرف آٹھ تھے اور اب تقریباً پچیس تیس ہیں. اس وقت دارالعلوم کا کل بجٹ محض پچاس ہزار روپے تھا. اور اب اس کی آمدنی کا تخمینہ ساٹھ لاکھ روپے تک پہنچ گیا تھا. اس زمانہ میں دارالعلوم کا عملہ صرف ۴۵ افراد پر مشتمل تھا اور حضرت کے آخری دَور میں ۲۵۰ افراد کا اسٹاف تھا. جو دارالعلوم کی خدمت میں مصروف عمل تھا. اسی طرح دارالعلوم کی تعمیری ترقی میں بھی نمایاں اضافہ ہوا.

۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم کی عمارتوں کا تخمینہ چند ہزار روپے سے زیادہ نہیں تھا لیکن آج بحمد للہ ۲۵/۳۰ لاکھ کی فلک بوس عمارتیں قوم کی امانت ہیں. اور حضرت کی عظیم یادگاریں ہیں.

غرضیکہ مسندِ اہتمام پر فائز ہونے کے بعد دارالعلوم کی ارتقائی زندگی روز بروز بڑھتی گئی. چنانچہ متعدد بار دارالعلوم کی مجالس شوریٰ ومنتظمہ نے آپ کی اس کارگزاری

اور خدمات کے سلسلہ میں بطور تشکر و امتنان پاس کیے گئے. ریزولیشنوں کے ذریعے اس حقیقت کا اعتراف کیا.

دَور اہتمام ہی میں آپ کا سفر افغانستان آپ کی جلیل القدر خدمات و عظمت کی ایک مستقل تاریخ ہے. جب کہ دارالعلوم کے نمائندے کی حیثیت سے دارالعلوم اور افغانستان کے درمیان علمی و عرفانی رابطہ پیدا کرنے کے لئے، آپ نے یہ سفر ۱۳۵۸ھ میں اختیار کیا تھا. وہاں اگر علمی حلقوں نے آپ کا شاندار استقبال کیا. اور انجمن ادبی و اعلیٰ سرکاری سوسائٹی، مجلس قانون جمعیت علماء کابل یونیورسٹی اور دوسرے تعلیمی اداروں نے آپ کو دعوت دے کر آپکے علمی و عرفانی فیض سے استفادہ کیا تو دوسری طرف حکومت افغانستان نے سرکاری طور پر آپ کا خیر مقدم کر کے اور شاہ افغانستان نے ایک گرانقدر خطیر رقم دارالعلوم کو عنایت فرما کر آپ کی عظمت و احترام کا اعتراف کیا.

انہی ایام میں برما کا اہم سفر بھی دارالعلوم کی ارتقائی زندگی کا ایک جلی عنوان ہے. جس سے دارالعلوم کی مالی منفعت اور ترقی میں کافی اضافہ ہوا.

الحاصل اگر مجموعی طور پر سوال کیا جائے کہ ۱۲۸۳ھ میں قائم ہونے والے اس چھوٹے سے مکتب کو آگے بڑھا کر دارالعلوم کا رنگ دینے والا کون ہے؟

تو موجودہ دور کی تاریخ نہایت عقیدت سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کا نام دنیا کے سامنے پیش کر دے گی. (الرشید ساہیوال ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ)

جناب مولانا حامد الانصاری غازی صاحب فرماتے ہیں کہ:

۱۸۵۷ء کے انقلاب کے ۹ رسال بعد ایک اسلامی عربی مدرسہ دیوبند میں قائم ہوا. جو آگے چل کر جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کے نام سے دنیا کے طول و عرض میں مشہور و معروف ہوا. جس کی داغ بیل اللہ کے چند مقبول بندوں نے سرزمین دیوبند پر ڈالی تھی. اور خلوتوں میں رو رو کر رب العالمین سے التجا کی تھی کہ اسے ہندوستان میں اسلام و ایمان کے تحفظ بقا اور اشاعت کتاب و سنت کا ذریعہ بنا دیا جائے تا کہ تثلیث

کے فرزندوں کے تمام منصوبے ناکام ہو جائیں. اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ اور خدارسیدہ علماء و بزرگوں کی دعائیں قبول فرمائیں اور دیوبند کے اس جامعہ کو ایسی عظیم ترقی فرمادی کہ جس کی مثال روئے زمین پر نہیں ملتی.

اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دارالعلوم نے جو تعلیمی، دینی، اصلاحی، سماجی، تبلیغی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں وہ ہندوستان کی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن باب ہے. دنیا کا گوشہ گوشہ اس کی خدمات سے منور ہے. عجم سے لے کر عرب تک بلکہ یورپ و افریقہ تک اس کا فیض پھیلا ہوا ہے. یہاں سے بڑے بڑے محدثین، مفسرین، متکلمین، محققین، مبلغین، فقہائے امت، مجاہدین ملت، مفتیانِ کرام، مورخین اسلام اور مختلف علوم وفنون کے مایۂ ناز ماہرین پیدا ہوئے. جنھوں نے دین کے ہر میدان میں، تصنیف وتالیف کا میدان ہو یا وعظ وتقریر کا تزکیۂ باطن اور تزکیۂ قلوب کی بات ہو یا سیاسی جدوجہد کا گوشہ، ایسی عظیم خدمات انجام دی ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی.

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی اسی چمنستان علم وعمل کے ایک رنگارنگ پھول ہیں جس کی خوشبو سے پوری دنیا مہکی ہے. آپ کی تعلیم وتربیت اسی دارالعلوم کی رہین منّت ہے. فراغت کے بعد درس وتدریس کے منصب پر فائز ہوئے. اور پوری تندہی ودلچسپی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے لگے. مگر ۱۳۴۱ھ میں اراکین مجلس شوریٰ نے اتفاق رائے سے آپ کو نیابت اہتمام کا عہدہ پیش کیا چونکہ یہ عہدہ آپ کے علمی ذوق کے خلاف تھا. اس لئے آپ کے اصرار پر آپ کو شعبۂ تعلیم کی طرف منتقل کر دیا گیا لیکن اکابر نے بہت مجبور کیا جس کے نتیجہ میں نیابت اہتمام کا عہدہ قبول کرنا پڑا. ۱۳۴۸ھ تک اسی عہدہ پر رہ کر دارالعلوم کی انتظامی اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی خدمات بھی انجام دیتے رہے. لیکن جب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ عالم جاودانی کی طرف رخصت ہو گئے تو ۱۸ر شوال المکرّم ۱۳۴۸ھ کو آپ عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے. اور دارالعلوم کی خدمات میں مسلسل منہمک

رہے. اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم باعتبار شہرت وعظمت دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچا ہے. اور بچہ بچہ آپ کے خلق، مروّت، علم وعمل، فرض شناسی امانت ودیانت سے واقف ہے. یہ واقعہ ہے کہ اس پایہ کا مہتمم دارالعلوم دیوبند کو آئندہ شاید نہ مل سکے گا. سارے مدرسین وملازمین اور کارکنانِ دفاتر آپ کے اخلاق اور حوصلہ پر مکمل یقین رکھتے تھے.

آپ کی شخصیت علمی گہرائیوں، تحقیق وتصنیف کی خدمات وعظ وتذکیر تقویٰ و طہارت اور تنظیمی صلاحیت کی ایک بہترین مثال تھی. آپ کے ساٹھ سالہ دورِ اہتمام میں دارالعلوم نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کی ہیں، آپ جس وقت عہدۂ اہتمام پر تشریف لائے تھے اس میں اور آج میں بڑا نمایاں تفاوت ہے. اس وقت یعنی آپ کے آخری زمانۂ اہتمام میں دارالعلوم کا مالی بجٹ تقریباً ساٹھ لاکھ تک پہنچ چکا تھا جو مسلمانوں کے عام چندہ سے پورا ہوتا تھا. کم وبیش ڈھائی سو مدرسین وملازمین آپ کے دورِ اہتمام میں کام کررہے تھے. جن کی مجموعی ماہانہ تنخواہ ۸۰/ہزار روپے بنتی تھی. آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کی تعمیراتی ترقی میں بھی بہت اضافہ ہوا. جب آپ کے دورِ اہتمام میں طلبا کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی تو ایک وسیع وعریض دارالاقامہ کی بنیاد رکھی گئی جو ۱۳۶۰ھ میں تکمیل کو پہنچی.

یہ دارالعلوم کا سب سے وسیع وعریض دارالاقامہ ہے جس میں ۱۰۹ کمرے صرف نچلی منزل میں ہیں. بعد میں اسکے اوپر بھی کمرے بنائے گئے. جن میں افریقی طلباء قیام پذیر رہتے تھے. چھتے کی مسجد کے سوا کوئی دوسری مسجد نہیں تھی. جس کی وجہ سے قیام پذیر طلباء اور اساتذہ کو نماز پڑھنے میں دشواری آتی تھی.

چنانچہ اس کے پیش نظر ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم کی مسجد کی بنیاد رکھی گئی جو ۱۳۲۸ھ میں بن کر تیار ہوئی. بعد میں ضروریات کے تحت آپ ہی کے دورِ اہتمام میں ۱۳۴۹ھ میں اس مسجد کی بالائی منزل کا اضافہ ہوا. ۱۳۵۸ھ میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر دارالتفسیر کے

نام سے ایک عمارت بنائی گئی. دارالعلوم کی یہ سب سے بلند عمارت ہے. اس پر عمدہ گنبد تعمیر کیا گیا ہے جو اپنی بلندی اور عظمت میں ممتاز ہے جو بہت دور سے نظر آتا ہے. یہ بھی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کے زمانۂ اہتمام کی یادگار ہے.

۱۳۵۹ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ افغانستان تشریف لے گئے. تو ظاہر شاہ سابق والیٔ افغانستان نے ایک رقم پیش کی واپس آکر حضرت مہتمم صاحب نے مزید روپیہ چندہ کرکے ''باب الظاہر'' کے نام سے غربی دروازہ تیار کرایا. ان کے علاوہ بھی آپ کے دورِ اہتمام میں مختلف عمارات بنیں. جیسے دارالقرآن، یادگارِ سعدیؒ، کتب خانہ کا جدید ہال، دفتر محاسبی، دفتر تنظیم وترقی، جدید مہمان خانہ، جامعہ طبیبہ، دارالمدرسین وملازمین اور دیگر درسگاہیں وغیرہ حضرت مہتمم صاحبؒ کی عظیم یادگاریں ہیں.

۱۳۶۰ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی زیرنگرانی ایک رسالہ ''دارالعلوم'' نکالنا طے پایا جو تقریباً حضرت کے آخری دَور تک علم ودین کی بڑی خدمات انجام دیتا رہا. یہ دارالعلوم کا ایک علمی ترجمان ہے.

۱۳۸۴ھ میں ایک پندرہ روزہ عربی اخبار ''الداعی'' جاری کیا جواب تک پابندی سے شائع ہو رہا ہے.

آپ کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کی شہرت بام عروج پر تھی. اور حضرت مہتمم صاحب کے ذریعے دارالعلوم کا تعارف پوری دنیا میں ہوا. اس لئے یہاں بین الاقوامی اونچے درجے کے علماء اور زعماء ملت دارالعلوم کی زیارت کے لئے وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہتے تھے.

۱۳۷۰ھ میں حکومت کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کی عظمت وتقدیس کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے انھوں نے دارالعلوم کے طلباء اساتذہ اہل شہر اور ذمہ داران کے سامنے ایک تاریخی ومؤثر تقریر

فرمائی۔اور دارالعلوم کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا۔

۱۳۷۶ھ میں ہندوستان کے اولین صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد دارالعلوم میں تشریف لائے۔ان کے بعد صدر جمہوریہ ہند جناب فخر الدین علی احمد مرحوم بھی اپنے دورِ صدارت میں تشریف لائے۔

حکومت ہند کے علاوہ دوسرے ممالک کے بھی بہت سے سربراہ دارالعلوم تشریف لائے۔ان میں شاہِ افغانستان اور مصر کے صدر انور السادات قابل ذکر ہیں۔ان حضرات نے بھی دارالعلوم کی خدمات کی نہایت مؤثر انداز میں توصیف فرمائی۔اور اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ان کے علاوہ بھی دنیا کے مختلف ممالک کے بیسیوں اہل علم دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں کے پروفیسر صاحبان اور ریسرچ اسکالرس وقتاً فوقتاً یہاں تشریف لاتے رہے اور دارالعلوم کی خدمات سے متاثر ہوکر واپس ہوئے۔ یہ سب حضرت مہتمم صاحب کی سعی و کاوش کا ثمرہ ہے اور ان ہی کے دورِ اہتمام کی یادگاریں ہیں۔غرضیکہ حضرت کا دورِ اہتمام دارالعلوم کا ایک درخشندہ باب ہے۔(صد سالہ رپورٹ دارالعلوم)

دورِ اہتمام کا سن وار مختصر جائزہ

حضرت حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کی مسندِ اہتمام پر باقاعدہ اور مستقل طور پر ۱۳۴۸ھ میں فائز ہوئے۔اور یہیں سے آپ کا مستقل دورِ اہتمام شروع ہوتا ہے۔ آپ نے اپنے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کے لئے جو خدمات انجام دیں ان کا مختصر طور پر سن وار جائزہ لیا جاتا ہے۔

۱۳۴۹ھ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ نے سب سے پہلے جو اقدامی تجویز اپنے قلم سے لکھی وہ مسجد کی بالائی منزل کی تعمیر سے متعلق تھی۔نیز صحن مسجد کو بھی مشرق کی جانب بڑھایا گیا اور حوض جو پہلے صحن کے آخر میں تھا توسیع کے بعد تقریباً وسط میں ہوگیا۔اس تعمیر کے مصارف سید زین العابدین حیدر آبادی نے ادا کئے۔دارالحدیث کی پرشکوہ عمارت جو عرصے سے زیر تعمیر تھی۔بحمد اللہ تعالیٰ آپ ہی کے دورِ

اہتمام میں تکمیل کو پہنچی. اسی طرح اس سال مسجد میں اضافہ اور دارالحدیث کی تکمیل ہوئی.

۱۳۵۰ھ و ۱۳۵۱ھ میں حضرت حکیم الاسلام ہی کی تجویز سے دورۂ تفسیر کا اجراء کیا گیا. دورۂ تفسیر کے اجراء کے ساتھ مزید دو کتابیں داخل نصاب کی گئیں. ایک تفسیر بیضاوی مکمل، دوسری تفسیر ابن کثیر. یہ دونوں کتابیں فہم قرآن کے لئے علم تفسیر میں نہایت اہم سمجھی جاتی ہیں. دورۂ تفسیر کے اجراء سے دارالعلوم میں علم حدیث کی طرح علم تفسیر کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا. اس کے ساتھ ساتھ تجوید کو بھی لازمی قرار دیا گیا. اس سے پہلے یہ مضمون غیر لازمی تھا.

۱۳۵۲ھ میں درسِ حدیث کے لئے نو درے پر ایک عظیم الشان ہال دارالحدیث فوقانی کی تعمیر کا آغاز کیا گیا جو چند سالوں میں بحمد اللہ مکمل ہو گیا. اسی سال قواعد داخلہ میں اصلاح کی گئی اور طلباء کے لئے کھانے کے ٹکٹ جاری کرنے کا سلسلہ قائم کیا گیا. جس سے طلباء کے لئے راحت و سہولت پیدا ہو گئی.

۱۳۵۳ھ ماہِ شوال میں حضرت حکیم الاسلام حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے. مکہ مکرمہ میں حضرت شاہ نیاز احمد صاحب خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے چھ ہزار روپے دارالعلوم کے لئے عطا فرمائے. اس گراں قدر رقم کو دارالعلوم کے لئے ایک صاحب نسبت بزرگ کا متبرک عطیہ ہونے کے علاوہ سرزمین بیت اللہ کی موہبت عظیم سے اگر تعبیر کیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا. ارضِ بیت اللہ سے کسی بعید ترین ادارے کی امداد کا غالباً یہ پہلا موقع تھا حج سے واپسی پر حضرت مہتمم صاحب نے مدرسین دارالعلوم کے لئے پنشن کا اجرا کیا تھا. جس سے ضعیف اور ریٹائرڈ مدرسین کے لئے سہولت پیدا ہو گئی.

۱۳۵۴ھ میں حضرت مہتمم صاحب کے زمانۂ سفر حج کی وجہ سے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کو مجلس شوریٰ نے صدارت اہتمام کیلئے منتخب کیا جو دارالعلوم کے لئے بہت مفید دور رہا.

۱۳۵۵ھ میں دارالعلوم میں تین شعبوں کے قیام کی منظوری دی.
پہلا شعبہ تنظیم وترقی، دوسرا شعبہ محافظ خانہ اور تیسرا شعبہ ورزش کا تھا. اسی سال علماء مصر کا ایک وفد دارالعلوم آیا اور دارالعلوم کی خدمات کو دیکھتے ہوئے جامعہ ازہر اور دارالعلوم کے مابین ارتباط باہمی کے رشتے کو زیادہ سے زیادہ مستحکم بنانے کیلئے خواہش کا پرزور الفاظ میں اظہار فرمایا.

۱۳۵۶ھ میں چند جدید عمارتیں قائم کی گئیں. پہلی عمارت درجۂ فارسی کی تھی. یہ وہ درسگاہ ہے جو اس درجے کی قدیم درسگاہوں کے قریب شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کی یادگار کے طور پر ''یادگارِ سعدی'' کے نام سے موسوم ہے.

دوسری عمارت محافظ خانے کی دومنزلہ عمارت تھی جو دارالاہتمام کی جنوبی سمت میں واقع ہے. تیسرا سلسلہ دارالاقامہ کی تعمیر کا تھا جس کے ۵۲/کمرے تعمیر کرنے تجویز کئے گئے تھے. اس کے لئے حضرت مہتمم صاحبؒ نے حیدرآباد دکن کا سفر اختیار فرمایا. اس کے بعد مدراس تشریف لے گئے. جس کے چندہ کے لئے اہل مدراس نے رمضان المبارک کے ایک ہی عشرہ میں ۴۷/ہزار روپے حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں پیش کئے. اس طرح حق تعالیٰ نے ان تجویز شدہ کمروں کی تعمیر کا کام پورا فرمایا.

۱۳۵۷ھ میں جب حضرت مولانا مدنیؒ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے. تو سلطان ابن سعود نے حضرت مدنی سے ملاقات فرما کر خلعتِ شاہی سے نوازا. اور کتب خانہ دارالعلوم کے لئے حکومت حجاز کی جانب سے طبع شدہ کتابیں عنایت فرمائیں.

سلطان کا یہ علمی ہدیہ کتب خانہ میں ''عطیۂ سعودیہ'' کے عنوان سے ایک ممتاز جگہ رکھا ہوا ہے.

اسی سال حضرت مہتمم صاحب نے افغانستان کا سفر اختیار فرمایا. حضرت کا بڑا شاندار استقبال کیا گیا علماء افغانستان نے حضرتؒ کے لئے آنکھیں فرش راہ کیں. افغانی سرحد میں داخل ہوتے ہی شاہی مدارات شروع ہوگئیں. غایت تعظیم واحترام سے نہایت

شاندار استقبال کیا گیا. کابل پہنچنے پر اولاً وزیر خارجہ سردار علی محمد خان سے ملاقات ہوئی.

حضرت مہتمم صاحب نے ایک طویل فارسی تقریر کے ذریعے دارالعلوم کا تعارف کرایا. اس کے بعد صدر اعظم سردار محمد ہاشم خان سے ملاقات ہوئی. جنھوں نے انتہائی مدارات اور شفقت آمیز انداز سے حضرت مہتمم صاحب کا خیر مقدم کیا. پھر اعلیٰ حضرت امیر افغانستان سے ملاقات ہوئی جو اپنی کرسی سے اٹھ کر دروازہ تک آ کر بغل گیر ہوئے.

اس دورے کی تفصیل ''روئداد سفر افغانستان'' کے نام سے تاریخ دارالعلوم میں دیکھئے. کابل سے واپسی پر وداعی ملاقات کرتے ہوئے صدر افغانستان نے اپنی حکومت کی جانب سے دارالعلوم کے لئے پچاس ہزار روپے افغانی کے عطیے سے حضرت مہتمم صاحب کو مطلع فرمایا.

اسی سال ۱۳۵۸ھ میں دارالحدیث کی بالائی منزل پر ۳۰/۳۰ مربع فٹ ہال کی درسگاہ دارالتفسیر کے نام سے تعمیر کی گئی. اس وقت تک دورۂ تفسیر کے لئے کوئی مستقل درسگاہ موجود نہ تھی. دارالتفسیر کے اوپر ایک پرشکوہ گنبد بنایا گیا. جو اپنی رفعت و عظمت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ گویا دارالعلوم کے سر پر تاج رکھا ہوا ہے. دارالحدیث وتفسیر کی یہ عظیم الشان عمارت بہیئت مجموعی بڑی پرشوکت ہے. جسے دیکھنے والا محوِ حیرت ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا. حضرت مہتمم صاحب کی عظیم یادگار ہے.

۱۳۵۹ھ میں باب الظاہر کی تعمیر افغانی عطیے سے ہوئی. اس کا نام شاہِ افغانستان کے نام پر ''باب الظاہر'' رکھا گیا، اس کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کو دعوت دی گئی. باب الظاہر دارالعلوم میں ایک عظیم الشان اور پرشوکت سہ منزلہ عمارت ہے جس میں متعدد کمرے اور بڑی بڑی درسگاہیں ہیں. جن میں شعبہ خوشنویسی کے اساتذہ طلبہ کو فنِ کتابت سکھاتے ہیں. اسی سال ایک مفید تعلیمی اسکیم کی تدوین کے لئے حضرت مہتمم صاحب نے ریاست قلات کا دورہ کیا. اس کے ساتھ ساتھ اسی سال حضرت مہتمم صاحب نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کا معائنہ

کیا. اور اسلام و سائنس کے عنوان پر ایک معرکۃ الآراء عالمانہ و فلسفیانہ تقریر فرمائی. جو کتابی شکل میں چھپ کر شائع ہوئی. اس کا اثر یہ ہوا کہ یونیورسٹی میں علماء کے خلاف جو بدظنی پھیلی ہوئی تھی وہ دور ہوگئی. اور دارالعلوم دیوبند اور یونیورسٹی علیگڑھ میں تعلق روز بروز بڑھتا گیا اور آج یہ بدظنی بہت کم ہوگئی ہے.

۱۳۶۰ھ میں حضرت مہتمم صاحب مدراس تشریف لے گئے. اور پھر کلکتہ کے راستے واپسی ہوئی، جس میں مخیّر حضرات نے دارالاقامہ کے لئے کھل کر عطیات دئے. اور اس کی تکمیل کا مرحلہ طے ہوا. اسی سال جمادی الثانی ۱۳۶۰ھ میں "دارالعلوم" کے نام سے ایک ماہنامہ رسالہ کا اجراء عمل میں آیا. جو حضرت مہتمم صاحب کی نگرانی میں اسلام اور مسلمانوں کی مفید خدمات انجام دیتا رہا. جس کے ایڈیٹر مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر صاحب تھے.

۱۳۶۱ھ میں حضرت مولانا مدنیؒ کی گرفتاری عمل میں آئی تو دارالعلوم میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد کیا گیا جس کی صدارت حضرت مہتمم صاحب نے کی اور مہتمم صاحب نے صدارتی خطاب میں فرمایا کہ:

"اگر حکومت حضرت مولانا مدنی کو گرفتار کر کے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو چیلنج کرنا چاہتی ہے تو میں پوری جماعت کی طرف سے اس چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں." جس کا اثر یہ ہوا کہ مولانا مدنی جلد ہی رہا ہوگئے.

۱۳۶۲ھ میں تحریک پاکستان اور ملکی سیاسیات کا اثر دارالعلوم پر بھی پڑا. ایک طرف تو ملک میں یہ ہنگامہ برپا تھا تو دوسری طرف دارالعلوم کے ارباب حل وعقد کا سیاسی اختلاف کی بنا پر کشیدگی اور مخالفت کا شدید خلفشار رونما ہوگیا. جو بالآخر دارالعلوم کے صدر مہتمم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور پانچ اساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب اور مولانا ظہور احمد صاحب اور دوسرے استاذوں کے استعفاء اور علیحدگی پر منتج ہوا. ان کے ساتھ ساتھ طلباء بھی دارالعلوم سے علیحدہ ہوگئے. البتہ کچھ مدت کے بعد حضرت مہتمم صاحب کی سعی وکوشش سے مولانا محمد

ابراہیم صاحب اور مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم میں واپس تشریف لے آئے. آخر پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ پاکستان چلے گئے.

۱۳۶۳ھ میں حضرت مدنیؒ کی رہائی عمل میں آئی تو مہتمم صاحبؒ نے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو دارالعلوم میں منعقد ہوا تھا. ایک اہم مفید فارسی میں قصیدہ لکھ کر سنایا.

۱۳۶۴ھ میں دارالعلوم میں شعبۂ خوشخطی کا اجراء ہوا.

۱۳۶۵ھ میں دارالصنائع کا قیام عمل میں آیا.

۱۳۶۶ھ میں دارالعلوم کی طرف سے بہار اور گڑھ مکتیشور کے فساد زدہ مسلمانوں کی امداد و اعانت کی گئی. اسی سال دارالعلوم میں پراوڈنٹ فنڈ کا اجرا کیا گیا تاکہ ملازمین کی شدید ضرورتوں یا سبکدوشی کے مواقع پر بسہولت امداد میسر آسکے.

۱۳۶۷ھ میں دارالافتاء کی جدید عمارت کی بنیاد رکھی گئی. یہ عمارت متعدد کمروں پر مشتمل ہے ان میں ایک کمرہ دارالافتاء کے کتب خانہ کے لئے مخصوص ہے. پہلے کوئی ایسی عمارت نہ تھی. ۱۹ر ربیع الثانی ۱۳۶۷ھ سے دارالافتاء کو جدید عمارت میں منتقل کیا گیا.

۱۳۶۸ھ میں مسلم یونیورسٹی کورٹ کے لئے علماء دیوبند کا انتخاب عمل میں آیا، جس میں حضرت مہتمم صاحب کو کورٹ کی رکنیت کے لئے منتخب کیا گیا اور اس طرح دونوں علمی اداروں میں تعاون کی راہیں کھل گئیں.

۱۳۶۹ھ میں حضرت مہتمم صاحب کی درخواست پر دارالعلوم دیوبند میں پاکستانی طلبہ کے داخلے پر سے حکومت ہند نے پابندی اٹھالی جس سے دارالعلوم کی ترقی میں نمایاں اضافہ ہوا. اسی سال حکومت ہند نے دارالعلوم کا تعارف کرانے کے لئے پروگرام بنایا. اور دارالعلوم کے فوٹو اتارے گئے اور آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے بیرون ہند میں دارالعلوم کا تعارف کرایا، پھر اسی سال سفیر افغانستان سردار نجیب اللہ خان سرکاری حیثیت سے دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کو دیکھ کر مہتمم صاحب کی خدمات کو سراہا.

۱۳۷۰ھ میں حکومت ہند کے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد دارالعلوم تشریف لائے. حضرت مہتمم صاحب نے دارالعلوم کا مفصل تعارف کرایا. مولانا آزاد نے ایک جلسہ عام میں نہایت فصیح و بلیغ انداز میں تقریر کی اور بانی دارالعلوم کی مثالی زندگی کی خصوصیات دارالعلوم کی علمی اہمیت و عظمت پر مفصل روشنی ڈالی. اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا.

۱۳۷۱ھ میں اچاریہ ونوبا بھاوے اپنی بھومی دان کی تحریک کے سلسلہ میں دیوبند وارد ہوئے. حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی اور خوشی کا اظہار کیا اور اپنی تقریر میں کہا.

''یہ یونیورسٹی ہمارے ملک کا بہترین سرمایہ ہے. اس نے انگریزی اقتدار کے دورِ غلامی میں عظیم الشان خدمات انجام دیں ہیں.''

اسی سال حضرت مہتمم صاحب نے مسلمانانِ عالم کے لئے ایک اپیل شائع کی جس کا مقصد دارالعلوم کی اعانت تھا. الحمدللہ حضرت کی اپیل کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا. خصوصاً پاکستان اور جنوبی افریقہ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا. اور لاکھوں روپیہ جمع ہوا. ہزاروں من گندم جمع ہوا. اور دارالعلوم کو اس نازک موقع پر بڑی تقویت ملی.

۱۳۷۲ھ میں شعبۂ طب اور دارالشفاء کا قیام عمل میں آیا. جس میں مفرد مرکب اور پیٹنٹ ادویہ کے ذخیرے کے ساتھ چارپائیوں، بستروں اور تیمارداری کا بھی ضروری سامان مہیا کیا گیا. ہمدرد دواخانہ دہلی تین چار ہزار روپے کی سالانہ دوائیں بھیجتے رہے. یہ سب حضرت مہتمم صاحب کے خلوص اور سعی و کاوش کا نتیجہ تھا.

۱۳۷۳/۷۴ھ میں ملک حجاز کی طرف سے حضرت مہتمم صاحب کو پیغام تبریک ملا. اور جب اسی سال جلالۃ الملک ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم پر شاہانہ توجہ مبذول فرمائی. اور ۲۵ ہزار روپے کا عطیہ دارالعلوم کو عطا فرمایا اسی سال عرب جمہوریہ کے صدر انورالسادات دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کے بارے میں اپنے حسنِ ظن کا اظہار فرمایا. اور حضرت مہتمم صاحب کی خدمات جلیلہ کو سراہا.

۱۳۷۵ھ میں مصر سے دارالعلوم کے روابط قائم ہوئے اور حضرت مہتمم صاحب

کی خواہش پر وہاں کے دو جلیل القدر استاذ شیخ عبد المنعم النمر اور شیخ عبد العالی جامعہ ازہر مصر سے دو سال کے لئے تشریف لائے۔ اور دارالعلوم میں عربی ادب اور عربی زبان میں تقریر و تحریر کا ایک خاص ذوق پیدا ہوا اور دارالعلوم اور جامعہ ازہر مصر کے تعلقات مضبوط ہو گئے۔

اسی سال دارالعلوم کی مسجد میں توسیع کی گئی۔ اور اسی سال فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کی تدوین کا کام حضرت مہتمم صاحب کی زیرِ نگرانی جاری کیا گیا جس کی کئی جلدیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔ یہ حضرت مہتمم صاحب کا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ اس میں حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فتاویٰ کثرت سے ہیں۔

۱۳۷۶ھ میں صدر جمہوریہ ہند دارالعلوم آئے اور دارالعلوم کی خدمات کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ پھر اسی سال حضرت مہتمم صاحب برما کے سفر پر روانہ ہوئے۔ عوام اور حکومت حضرت مہتمم صاحب کی جامع صفات شخصیت سے بہت متاثر ہوئے اور عوام و حکام نے دو لاکھ سے زائد رقم دارالعلوم کے لئے عطیہ دیا۔ اس رقم سے حضرت مہتمم صاحب نے کتب خانہ دارالعلوم کے لئے ایک بڑا ہال تعمیر کرایا۔ جس میں ایک لاکھ سے زائد قدیم اکابرین کی کتب موجود ہیں۔ یہ مسلمانانِ برما کی ایک عظیم یادگار ہے تفصیلات کے لئے سفرنامہ برما جو کتابی شکل میں شائع ہو چکا ہے ملاحظہ فرمائیے۔

۱۳۷۷ھ میں شاہ افغانستان محمد ظاہر شاہ دارالعلوم تشریف لائے، یہ دورہ دارالعلوم کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اس کی تفصیلات تاریخ دارالعلوم مؤلفہ سید محبوب رضوی اور ''شاہِ افغانستان دارالعلوم میں'' کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۳۷۸ھ میں حضرت مہتمم صاحب کی تجویز سے شعبۂ تنظیم فضلاء دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ سبھی اکابر کی ایک دیرینہ آرزو تھی جو حضرت مہتمم صاحب کے ذریعے پوری ہوئی۔

۱۳۷۹ھ میں حضرت مہتمم صاحب نے افریقہ کا سفر اختیار فرمایا اس سفر سے دارالعلوم کو مادّی فائدہ بھی کافی پہنچا۔ اور تقریباً سوا لاکھ روپیہ دارالعلوم کو بلا طلب و

تحریک حاصل ہوگئے. اسی سال دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد کی جوبلی میں دارالعلوم کے نمائندہ کی حیثیت سے مولانا محمد سالم صاحب استاذ دارالعلوم (جو حضرت مہتمم صاحب کے بڑے صاحبزادے ہیں) نے شرکت کی. اور حضرت مہتمم صاحب کا پیغام اور ایک علمی مقالہ جوبلی کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا. جس سے ان دونوں اداروں میں گہرے روابطہ قائم ہوئے. اسی دوران مصر کے صدر جمال عبدالناصر نے ہندوستان کا دورہ کیا. حضرت مہتمم صاحب نے دہلی جاکر صدر ناصر سے ملاقات کی. اور دارالعلوم کی جانب سے فیض الباری شرح بخاری، فتح الملہم شرح مسلم اور سوانح قاسمی کے نسخے علمی ہدیے کے طور پر صدر ناصر کو پیش فرمائے. صدر ناصر نے کھڑے ہوکر بڑی عقیدت سے حضرت مہتمم صاحب سے اس ہدیہ کو قبول کیا. اور وقیع الفاظ میں حضرت مہتمم صاحب اور دارالعلوم کا شکریہ ادا کیا. پھر مصر پہنچ کر قرآن شریف کا ایک حسین نسخہ صدر ناصر نے حضرت مہتمم صاحب کے لئے ارسال کیا. پھر اسی سال حضرت مہتمم صاحب اور دیگر علماء کرام حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ نبویؐ سے مشرف ہوئے.

۱۳۸۰ھ میں دارالعلوم میں جامعہ طبیہ کا اجراء کیا گیا اور احاطۂ دارالعلوم کے شمال میں جامعہ طبیہ کی ایک وسیع اور شاندار عمارت کا قیام عمل میں آیا اسی سال لندن یونیورسٹی شعبہ تعلیم اسلام کے پروفیسر ڈاکٹر پی ہارڈی اپنی تاریخی تحقیق کے سلسلہ میں دارالعلوم دیوبند آئے. اور حضرت مہتمم صاحب سے علم وتحقیق کے بارے میں طویل گفتگو ہوئی. اور ڈاکٹر ہارڈی کا یہ تاثر قابل ذکر ہے کہ:

> ”جس اسلام کو ہم کتابوں میں پڑھتے تھے اور جس اسلام کو پیغمبر اسلام نے دور اول میں پیش فرمایا تھا سچ یہ ہے کہ وہ اسلام ہم نے دیوبند اور علماء دیوبند میں موجود پایا ہے.“

۱۳۸۱ھ میں حکومت ہند کے وزیر ثقافت وسائنس ہمایوں کبیر دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم سے بے حد متاثر ہوئے. ایک جلسہ سے خطاب کے دوران کہا کہ:

''دارالعلوم دیوبند نے علم کی جو عظیم خدمت انجام دی ہے وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ ساری دنیا کے لئے قابل قدر ہے.''

اسی سال حکومت مصر نے قرآن مجید کے چوالیس ریکارڈوں کا سیٹ جن میں پورے قرآن مجید کی قرأت موجود ہے حضرت مہتمم صاحب کے لئے تحفہ بھیجا.

۱۳۸۲ھ دارالعلوم کی تاریخ کا وہ سال ہے جس میں اس نے اپنی عمر کے ایک سو سال پورے کئے. اس سو سالہ دور میں دارالعلوم نے جو خدمات انجام دیں اس کی تاریخ بہت طویل ہے. اسی زمانہ میں شام کے ایک جلیل القدر عالم شیخ عبدالفتاح ابوغدہ دارالعلوم تشریف لائے اور اپنے جن قلبی تاثرات کا اظہار کیا اس کی تفصیل تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ملاحظہ فرمائیے.

۱۳۸۳ھ میں حضرت مہتمم صاحب نے دو سفر فرمائے ایک سفر جنوبی افریقہ کا اور دوسرا سفر مصر کا تھا. یہ دونوں سفر مختلف حیثیتوں سے دارالعلوم کیلئے مفید ترین ثابت ہوئے. اسی دوران سفر ۱۹ر شوال ۱۳۸۳ھ کو عالمی مؤتمر اسلامی قاہرہ کی دعوت پر عالمی کانفرنس میں شرکت کی جس میں دنیائے اسلام کے ممتاز علماء کو دعوت دی گئی تھی. حضرت مہتمم صاحب ہندوستانی علماء کے وفد کے رئیس تھے. آپ نے ایک علمی مقالہ پڑھا جسے بے حد پسند کیا گیا. اور عالم اسلام کے علماء بے حد متاثر ہوئے. مؤتمر کے اختتام پر حضرت قبلہ مہتمم صاحب حج بیت اللہ کے لئے حجاز مقدس تشریف لے گئے. اولاً مدینہ منورہ میں قیام رہا. بعد ازاں حج سے مشرف ہوئے. قیام مدینہ منورہ کے دوران جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کی دعوت پر جامعہ میں ایک تاریخی خطاب فرمایا غرضیکہ مجموعی حیثیت سے حضرتؒ کے یہ دونوں سفر بہت نتیجہ خیز ثابت ہوئے. ان سفروں کے ذریعے سے براعظم افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے علاوہ مغربی ممالک میں بھی دارالعلوم کے تعارف کا حلقہ وسیع ہوگیا. اور چونکہ قاہرہ کے علماء کے اجتماع میں تمام دنیائے اسلام کے نمائندے موجود تھے اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں دارالعلوم متعارف ہوگیا. اور دارالعلوم

کو متعارف کرانے والی شخصیت حضرت مہتمم صاحب کی تھی.

۱۳۸۴/۸۵ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ کی نگرانی میں ایک رسالہ عربی ''دعوۃ الحق'' کے نام سے دارالعلوم کی طرف سے جاری کیا گیا. انھی سالوں میں اتر پردیش کے گورنر کی دارالعلوم میں آمد ہوئی اور اسی دوران حکومت ہند نے ایک کتابچہ ''ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی ادارے'' کے عنوان سے شائع کیا. جس میں دارالعلوم دیوبند کا تعارف بڑے اچھے الفاظ میں کیا گیا تھا اور اس میں دارالعلوم کو دنیا کی بہترین تعلیمی یونیورسٹی قرار دیا گیا تھا.

۱۳۸۶/۸۷ھ میں دارالعلوم کی عمارتوں میں کتب خانہ کی توسیع کے لئے ایک جدید ہال اور دو کمروں کا اضافہ ہوا. یہ ہال عربی زبان کی کتابوں کے لئے مخصوص کیا گیا. یہ سب حضرت مہتمم صاحبؒ کی سعی و کاوش تھی کہ دارالعلوم کو ہر طرح سے چار چاند لگا دئے.

۱۳۸۸/۸۹ھ میں عرب ممالک کے زائرین دارالعلوم تشریف لائے جن میں مراکش، الجزائر اور اُردن وغیرہ کے حضرات شامل تھے دارالعلوم کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے. اسی سال مسجد چھتہ کی شمالی جانب ایک حجرہ قدیم تھا جس میں حضرت نانوتویؒ اور دیگر اکابر قیام فرمایا کرتے تھے. وہ بہت بوسیدہ ہو چکا تھا. اس کو بھی حضرت مہتمم صاحب کے حکم سے از سرِ نو تعمیر کیا گیا. اور اس تاریخی جگہ کو محفوظ کیا.

۱۳۹۰ھ میں دارالعلوم کے نصاب تعلیم میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں اور دارالعلوم کا کچھ بیرون ملک سے رابطہ قائم ہوا. سعودی عرب، مصر، کویت، شام، لبنان، لیبیا، عراق، اردن، سوڈان، مراکش، تیونس، یمن، ترکی، نائیجیریا، الجزائر، ایران، انڈونیشیا، تاشقند، حبش، امریکہ، جرمن، سیلون، ڈنمارک اور افریقہ وغیرہ حضرت مہتمم صاحب نے مختلف اوقات میں ان ممالک سے روابط قائم کئے. اور مختلف اوقات میں ان تمام ملکوں کے دورے بھی کئے. دارالعلوم کا تعارف ان ممالک میں کرایا. تبلیغی اجتماعات کئے اور دارالعلوم کا عربی ترجمان رسالہ ''دعوۃ الحق'' کے ذریعے دارالعلوم کی علمی و

دینی خدمات کا تعارف کرایا.

۱۳۹۱ھ میں جب دارالعلوم کی کچھ جدید عمارتوں میں اضافہ کیا گیا اور دارالشفاء جامعہ طبیہ کی نامکمل عمارتوں کو مکمل کیا گیا تو طلباء کے لئے دارالاقامہ کا بڑا حصہ افریقی بلڈنگ کے نام سے تیار ہوا جس میں ۱۱ر وسیع کمرے تیار ہوئے. اسی سال حضرت مہتمم صاحب نے یورپ، انگلستان، فرانس اور مغربی جرمنی کا سفر اختیار فرمایا اور ان ممالک کے متعدد شہروں میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے اسلام کی حقانیت پر معرکۃ الآرا تقاریر فرمائیں، جن سے وہاں کے باشندے بہت متاثر ہوئے اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے.

ان ممالک کے سفر کے بعد آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے. اور عمرہ کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور پھر کویت میں مختصر قیام کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے. اس دورے کی روئداد اخبارات میں بھی شائع ہوئی تھی اور دارالعلوم کے رسالہ ماہنامہ ''دارالعلوم'' میں بھی کئی قسطوں میں تفصیلات شائع ہوتی رہیں. حضرت مہتمم صاحبؒ کا یہ ایک عظیم تاریخی دورہ ثابت ہوا تھا.

۱۳۹۲ھ میں مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لئے حضرت مہتمم صاحبؒ ہی منتخب کئے گئے. یہ حضرت کی مقبولیت کی دلیل ہے. آپ ہند ہی کے مقبول عالم نہیں تھے بلکہ پوری دنیائے اسلام کے عظیم مذہبی اسکالر تھے.

۹۴/۱۳۹۳ھ میں سعودی عرب سے دو وفد دارالعلوم میں آئے. ایک وفد جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی جانب سے دنیا کے مختلف ملکوں کا دورہ کر رہا تھا وسط سال میں آیا. سید ابراہیم ثقاف رئیس الوفد تھے. اس کے کچھ عرصہ بعد دوسرا وفد آیا. اس میں وزارتِ معارف کے ڈائریکٹر اور ادارہ مباحث علمیہ کے نمائندے شامل تھے. ان حضرات نے دارالعلوم کو دیکھنے کے بعد اسے علم کا روشن مینار، عرفان و معرفت کا مرجع اور طالبین ہدایت کی پناہ گاہ قرار دیا اور مہتمم دارالعلوم کی خدمات کا اعتراف کیا.

اسی سال حضرت مہتمم صاحبؒ کی جدوجہد سے دارالعلوم میں دارالقضاء کا قیام عمل

میں آیا جس میں مسلم پرسنل لاء اور قوانین شریعت کے تحفظ اور بقا کے لئے عملی طور پر محکمہ قضا قائم کیا گیا. اس کے نتیجے میں ملک میں متعدد مقامات پر دارالقضاء قائم کئے گئے. اور نکاح وطلاق وغیرہ عائلی مسائل کا شرعی طور پر فیصلہ ہونے لگا. اسی سال آپ حج کے لئے تشریف لے گئے. مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں دینی مدارس کے اجتماعات سے خطاب فرمایا.

۱۳۹۵ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے افریقہ وحجاز اور یورپ کا سفر اختیار فرمایا. دوران سفر عمرہ ادا کیا اور مکہ مکرمہ میں بہت سی جگہوں پر خطاب فرمایا. اس کے بعد پیرس (فرانس) ہوتے ہوئے مسلمانانِ انگلستان کی دعوت پر لندن تشریف لے گئے. وہاں کے متعدد شہروں کے اجتماعات سے خطاب فرمایا. اور انگلستان میں مقیم بہت سے مسلمانوں کے عقائد اعمال کی اصلاح کا موقع ملا. اسی سال شیخ الازہر مصر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود، وکیل الازہر شیخ عبدالرحمٰن بیطار، مفتی اعظم مصر محمد خاطر اور سابق شیخ الازہر محمد الفحام دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور دارالعلوم سے متاثر ہوکر ان حضرات نے فرمایا کہ:

> ''ہم یہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مہتمم دارالعلوم کے زہد وتقویٰ، رفعت علم اور اخلاص وللّٰہیت ہی کے یہ آثار ہیں جو اس ادارے میں دیکھے جارہے ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ فضلاء دارالعلوم تمام شہروں اور ملکوں میں کامیابی کے ساتھ دینی کاموں میں مشغول ہیں.''

۱۳۹۶ھ میں دارالعلوم میں صدر جمہوریہ ہند کی آمد ہوئی. وہ حضرات اکابرِ دیوبند کے مزارات پر بھی گئے. دارالعلوم کے ایک عظیم جلسہ میں دارالعلوم کی خدمات کو شاندار الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا. جس کی مفصل رپورٹ تاریخ دارالعلوم میں دیکھی جاسکتی ہے.

حضرت مہتمم صاحب اسی سال پاکستان کی بین الاقوامی سیرت کانفرنس میں شرکت کے لئے پاکستان تشریف لائے. یہاں دنیائے اسلام کی نامور شخصیتوں نے کانفرنس میں شرکت کی. حضرت مہتمم صاحبؒ نے سیرت کے موضوع پر ایک زبردست تقریر فرمائی. جس سے عوام وحکام بیحد متاثر ہوئے. سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس

میں سیرت کمیٹی کی طرف سے حضرت مہتمم صاحبؒ کو چاندی کے منقش خول میں جو ایک مخملی بکس کے اندر تھا. ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا تھا. جس میں دارالعلوم دیوبند کی اور حضرت مہتمم صاحبؒ کی دینی علمی اور اصلاحی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ یوں تو تمام پاکستان ہی مہمانوں کا شکرگذار ہے لیکن اہل پاکستان کو سب سے زیادہ دو شخصیتوں نے متاثر کیا ہے. ایک حرم مکہ کے مہمان شیخ عبداللہ بن السبیل اور دوسرے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب شیخ الجامعہ دارالعلوم دیوبند.

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحبؒ نے ساٹھ ستر ہزار کے عظیم اجتماع سے خطاب فرمایا. کانفرنس کے بعد حکومت کی طرف سے حضرت مہتمم صاحب کو ایک پر تکلف دعوت دی گئی. اسی دورۂ پاکستان میں کراچی، لاہور، راولپنڈی اور پاکستان کے دوسرے شہروں میں عظیم اجتماعات سے خطاب فرمایا.

۱۳۹۷ھ میں دارالعلوم دیوبند کے صدسالہ اجلاس کے انعقاد کا اعلان کیا گیا اور حضرت مہتمم صاحب نے متعدد ممالک میں اس اجلاس کے بارے میں دورے فرمائے.

۱۳۹۸ھ میں حضرت مہتمم صاحب پھر پاکستان تشریف لائے. اور کراچی میں اپنے رفیقِ خاص مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی ان کے صاحب زادوں سے تعزیت کی. اور دارالعلوم کراچی میں تعزیتی خطاب فرمایا. اس کے بعد لاہور تشریف لائے. اور جامعہ اشرفیہ میں قیام پذیر ہوئے. پھر جامعہ خیرالمدارس ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی تعزیت کے بارے میں ایک مفصل خطاب فرمایا. اس کے علاوہ دارالعلوم راولپنڈی. جامعہ رشیدیہ ساہیوال، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) اور دوسرے شہروں میں حضرت نے معرکۃ الآرا تقاریر فرمائیں اور پاکستانی عوام اور علماء کرام کو مارچ ۱۹۸۰ء میں ہونے والے اجلاس صدسالہ میں دیوبند آنے کی دعوت دی. بہت سے مخیّر حضرات نے دل کھول کر دارالعلوم کے لئے عطیات

دیئے. یہاں سے حضرت مہتمم صاحب امریکہ اور افریقہ اور دوسرے ممالک کے دورے پر روانہ ہوگئے. اور وہاں بھی اجلاس صد سالہ کے پروگراموں کا اعلان فرمایا. اور ملتِ اسلامیہ کو اس میں شرکت کی دعوت دی.

۱۳۹۹ھ میں حضرت مہتمم صاحبؒ نے کئی ممالک کا دورہ فرمایا اور اجلاس صد سالہ کے انتظامات کے سلسلے میں شبانہ روز مصروف رہے اور پاکستانی عوام و علماء اور دوسرے اسلامی ممالک کے عوام سے اپیل کی کہ:

> ''اجلاس صد سالہ کا مرحلہ بالکل سامنے ہے. اور اس عظیم منصوبے کو پورا کرنے کیلئے لاکھوں روپے کی ضرورت ہے. مسلمانان ہند و پاکستان اپنے سب سے بڑے دینی ادارے کی اس تقریب کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور فوری طور پر اپنے گراں قدر عطیہ سے دارالعلوم کی امداد فرمائیں.''

اس اعلانِ و اپیل پر متعلقین دارالعلوم نے دل کھول کر امداد کی اور اجلاس صد سالہ کی بڑے جوش و خروش سے تیاریاں شروع ہوگئیں.

۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس منعقد ہوا. جس میں پوری دنیائے اسلام کے علماء، زعماء، صحافیوں، سفیروں، لیڈروں اور دوسرے مسلمانوں نے چالیس پچاس لاکھ کی تعداد میں دارالعلوم دیوبند کے اجلاس میں شرکت کی اور شاہ خالد فرماں روا سعودی عرب نے دارالعلوم کے لئے دس لاکھ روپے کا عطیہ بھیجا. اسی طرح دوسرے اسلامی ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے عطیات حضرت مہتمم صاحب کے حوالے کئے. اسی موقع پر افتتاحی اجلاس سے حضرت مہتمم صاحب نے خطاب فرمایا. اور دارالعلوم کے ۱۱۷ سالہ دور کی تاریخ پر روشنی ڈالی. حضرت کا خطبہ استقبالیہ صد سالہ اجلاس دارالعلوم بہت سے اخبارات و رسائل میں مفصل شائع ہوا ہے. اور اسی اجلاس صد سالہ کی مفصل رپورٹیں بھی اخبارات میں شائع ہو چکی ہیں. یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے.

۱۴۰۱ھ و ۱۴۰۲ھ حضرت مہتمم صاحب کے دورِ اہتمام کے آخری سال ہیں، ان

میں بھی بدستور آپ دارالعلوم کی خدمات میں مصروف رہے۔

مذکورہ بالا مختصر جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی دارالعلوم کی خدمت میں گذری اور دارالعلوم آپ کے دورِ اہتمام میں ہر لحاظ سے اور ہر شعبہ میں ترقی وکمال کے بامِ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ جس کا تمام عالم اسلام معترف ہے۔

(ماخوذ تاریخ دارالعلوم مؤلفہ سید محبوب رضوی / ماہنامہ دارالعلوم دیوبند والرشید ساہیوال)

حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمۃ مسندِ رشد وہدایت پر

ایک مصلح اور رہنما کی عنداللہ انتہائی معراج یہ ہوتی ہے کہ مخلوقِ خدا کی ظاہری وباطنی اصلاح کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دے۔ اور دنیا کی ہر ضلالت وگمراہی میں ہدایت اور راستی کے فانوس جلاتا رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اہل اللہ کے ہاں تین ہی طریقے ہوتے ہیں۔ کوئی تصوف وسلوک کی راہ سے گم کردہ راہِ حق کی ہدایت کرتا ہے کوئی اپنے قلم کی سحر طرازیوں سے عوام کی اصلاح کرتا ہے یا پھر تبلیغ ودعوت کے لئے تقریر کے میدان کو پسند کرتا ہے۔ لیکن اگر مبداء فیاض کی طرف سے کسی شخص واحد میں یہ تینوں ملکے ودیعت کردئے جائیں تو اس کی جامعیت اور اکملیت تو مسلم ہوتی ہے لیکن تبلیغ ودعوت جیسے عظیم مقصد میں کامیابی اپنے انتہائی عروج پر ہوتی ہے۔ ہم آج بلا مبالغہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حکیم الاسلامؒ مسندِ رشد وہدایت کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے کیونکہ اگر آپ ایک طرف راہِ طریقت اور تصوف وسلوک کے ذریعے خلق اللہ کے تزکیۂ نفس اور ان کی اصلاح باطنی میں مصروف رہے تھے تو دوسری طرف اپنی تقریر وتحریر کے ذریعے بیرون ملک میں گمراہی وتاریکی کے اس دَور میں حقیقت ومعرفت کی شمعیں جلاتے رہے تھے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے تعلق بیعت:

حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے بعد لوگوں کی عقیدت ومحبت کا مرکز

ہندوستان میں اس وقت تین بزرگ تھے. شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ، شیخ العلماء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کو ویسے تو ان تینوں بزرگوں سے یکساں عقیدت تھی. شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ کا وطن چونکہ دیوبند تھا اور وہ اس وقت دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے. اور دارالعلوم کے سب مدرسین و منتظمین ان کے شاگرد تھے.

اس زمانہ میں دارالعلوم کے مہتمم اعلیٰ حضرت حکیم الاسلام کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب قدس سرہٗ تھے. حضرت حکیم الاسلام بچپن ہی سے اپنے والد ماجد کے ساتھ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں بڑے ذوق شوق سے حاضر ہوا کرتے تھے. جب آپ دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے اسی وقت سے آپ کا معمول تھا کہ ہر سال جب شیخ الہند قدس سرہٗ بخاری شریف کا درس افتتاح فرماتے اور سب علماء و طلباء اس میں تبرکاً شریک ہوتے آپ بھی ضرور حاضر ہوتے. اسی طرح تعلیمی سال کے آخر میں جب بخاری شریف کا درس ختم ہوتا اس میں بھی شریک ہوتے. اسی طرح حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر ایک مجلس بعد عصر ہوا کرتی تھی. آپ اس میں بھی اپنے والد مکرمؒ کے ساتھ شریک ہوتے. جوں جوں حاضری بڑھتی گئی، روز افزوں عقیدت و محبت بڑھتی گئی.

ادھر حضرت شیخ الہندؒ بھی آپ سے بے حد شفقت فرمایا کرتے تھے اور ہر طرح آپ کا خیال رکھتے تھے. اسی دوران تعلیم ہی میں آپ نے اور آپ کے خاص رفیق درس حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے حضرت شیخ الہندؒ سے کئی مرتبہ عرض کیا کہ:

"حضرت ہمیں بیعت فرمالیجئے." حضرت شیخ الہند ہمیشہ یہی فرماتے کہ طالب علمی سے فارغ ہو جاؤ جب کریں گے. حضرت کا اصول تھا کہ کسی طالب علم کو بیعت نہ فرماتے تھے تاکہ طالب علمی کے لئے جس یکسوئی کی ضرورت ہے اس

میں خلل نہ آئے۔"

اسی دوران حضرت شیخ الہندؒ حج کے لئے تشریف لے گئے اور تقریباً ایک سال وہیں گذارا،اور پھر ۱۳۳۵ھ میں وہیں سے انگریزوں کے اسیر ہوکر مالٹا جیل بھیج دئے گئے۔

۱۳۳۶ھ میں آپ درسیات سے فارغ ہوئے اور دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری فرمایا۔اسی زمانۂ تدریس میں ۱۳۳۸ھ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ مالٹا جیل سے رہا ہوکر دیوبند تشریف لائے تو تحریک خلافت اور آزادیِ ہند کی قوت کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔حضرت شیخ الہند کی زیارت کے لئے اطرافِ ملک سے انسانوں کا ایک سیلاب امڈ آیا۔حضرت شیخ الہندؒ اپنے ضعف وعلالت کے باوجود انہی ہنگاموں میں مشغول و مصروف رہے۔حضرت حکیم الاسلامؒ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ سے بیعت ہونے کے لئے موقع کی تلاش میں تھے اسی حال میں ایک روز آپ نے اور آپ کے رفیق خاص حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور چند دیگر حضرات نے موقع پاکر حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھ پر بیعت طریقت کی۔چند تسبیحات کی تلقین حضرت شیخ الہندؒ نے فرمائی۔اور آپ نے حضرت کے آخر وقت تک ان سے استفادہ کیا۔حضرت شیخ الہند کی پرفیض تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جوں جوں استفادہ بڑھا تشنگی بڑھتی چلی گئی۔مگر مالٹا سے رہائی کے بعد حضرت شیخ الہندؒ ایک سال چھ ماہ حیات رہے اور ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو وفات پائی۔

حکیمُ الامت حضرت تھانویؒ سے بیعت وخلافت

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی رہنمائی میں سلوک وتصوف کا جو سفر نئے ولولوں کے ساتھ شروع کیا گیا تھا جلد ہی راستہ میں رک گیا۔حضرت شیخ الہند کی وفات کا بہت زیادہ غم ہوا۔اور کئی سال اسی حالت میں گذرے۔اور ساری دلچسپیاں تدریس وتصنیف تک محدود رہیں۔ بالآخر پھر وہی تشنگی آپ کو تھانہ بھون لے گئی۔اور تربیت باطنی اور تکمیل

سیرت کے لئے خانقاہِ اشرفیہ امدادیہ کو منتخب کیا. جہاں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے. جہاں انسان سازی کا کام بڑی با قاعدگی اور سلیقہ سے ہو رہا تھا. اور اس زمانہ میں حضرت حکیم الامت کی ذات بابرکات سے خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل تھی جو گیارھویں صدی کے آغاز میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ذاتِ اقدس سے سرہند کو حاصل تھی. اس چودھویں صدی میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت سے تجدید دین کا کام جس عظیم الشان طریقہ پر لیا وہ اہلِ نگاہ سے پوشیدہ نہیں. اس تجدیدی و اصلاحی خدمات کے لئے ضروری تھا کہ وقت کے علماء و فضلاء اس مجدد اعظم کی طرف رجوع کرتے تا کہ اصلاحی مساعی عام ہو جائیں. اور ہر مقام میں اس کا شیوع ہو جائے، چنانچہ یہی ہوا کہ غیر منقسم ہندوستان کے علماء کبار کی اکثریت خوانِ اشرفیہ ہی کی زلّہ ربا رہی، بڑے بڑے اصحابِ بصیرت اور اربابِ فکر یہیں سے اپنے دامنوں کو علم و معرفت کے جواہرات سے بھر کر لے جاتے یہ ایک ایسی جامعیت تھی جو اس دَور میں اللہ تعالیٰ نے حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے خاص کر دی تھی. علماء ہوں کہ فضلا، صحافی ہوں کہ شعراء، اہلِ قلم ہوں کہ اربابِ معرفت، سب اپنے اپنے ظرف کے مطابق اس مخزن سے اپنے نہاں خانوں کو پُر کرتے اور بامراد واپس ہوتے تھے.

حضرت حکیم الاسلامؒ بھی ایسے ہی جامع شیخ کی تلاش میں تھے قلب و نظر نے حضرت شیخ الہندؒ کے بعد حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی طرف ایسی جاذبیت اور کشش محسوس کی جو بعد میں رجوع پر منتج ہوئی، اسی باطنی جاذبیت اور عقیدت و محبت نے ۱۳۴۳ھ میں حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت اقدس میں تھانہ بھون پہنچا دیا.

اس سلسلے میں حضرت مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حکیم الاسلام کا پہلے سلسلۂ بیعت ۱۳۳۹ھ میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ قدس سرہٗ سے قائم ہوا. ابھی آپ راہِ طریقت کی اعلیٰ منازل

طے کر رہے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کا وصال ہو گیا ان کے بعد آپ نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے شیخ قطب عالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی طرف رجوع کیا. اور آپ کی نگرانی میں راہ معرفت و حقیقت کے اعلیٰ مدارج طے کئے. حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے یہاں آپ کی بڑی قدر و منزلت تھی اور آپ کی تربیت میں مخصوص طریقے سے حصہ لیتے تھے. آخر کار جب شیخ کی حقیقت آشنا نگاہوں نے مرید کے جواہر استعداد کا اعتراف کر لیا تو ۱۳۵۰ھ میں آپ کو اپنا مجاز قرار دے دیا اور خلافت کے خلعت فاخرہ سے مشرف فرمایا". (الرشید ساہیوال)

یہاں خود حضرت حکیم الاسلام اپنے شیخ عالی مقام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

میری زندگی کی ساخت و پرداخت میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا بہت بڑا حصہ ہے. عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت حکیم الامت کے ہاں آتے جاتے گذرا. مسائل دینیہ میں ان کی فقیہہ سنجی، بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیہات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم ان کا وسیع عمیق علم ان کی سینکڑوں تصانیف ان کی محبت و بابرکت اور حکیمانہ اندازِ تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھائے، حضرت حکیم الامتؒ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا. آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفاء کرام شریعت و طریقت کے میدان میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں. اس دور میں حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا اہتمام کم ہی ملتا ہے. جتنا کہ حضرت کے یہاں تھا. آپ کو اپنے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق آپ نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے اپنے از سرِ نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق اسے پہنچایا. میرا تعلق حضرت حکیم الامت سے عرصہ دراز تک رہا، حضرت احقر سے بے

حد شفقت و محبت فرماتے، میرے دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کے زمانے میں دل میں انتہائی زیادہ تکبر پیدا ہوا. میں نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں مکتوب لکھا کہ میں تو تکبر میں مبتلا ہو چکا ہوں اس کا علاج تجویز فرمایا جائے.

حکیم الامت قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اصلاح میں اجتہاد کا مرتبہ عطا فرمایا تھا مکتوب کا جواب لکھا کہ اہتمام کو چھوڑ کر ابھی تھانہ بھون پہنچو.

مکتوب ملتے ہی میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی خدمت میں تھانہ بھون حاضر ہوا، تو فرمایا کہ خانقاہ میں رہائش رکھو اور آپ کے ذمہ کام یہ ہے کہ خانقاہ کی مسجد میں نمازیوں کے جوتے آپ کو درست کرنے ہیں.

میں نے یہ کام شروع کیا ہی تھا لیکن بقول مولانا رومیؒ

نفس ما را کمتر از فرعون نیست ❁ لیکن او را عون ما را عون نیست

اور تمام نمازیوں کی جوتیاں درست کرتا لیکن نفس نے یہ سکھایا کہ جو جوتیاں نئی ہوتیں ان کو درست کر دیتا تھا اور پرانی جوتیاں درست نہ کرتا تھا. حضرت حکیم الامت نے ایک مرتبہ دیکھ لیا تو فرمایا کہ محمد طیب کیا وجہ ہے، پرانی جوتیاں بھی تو جوتیاں ہیں ان کو کیوں درست نہیں کرتے اور یہ بھی فرمایا کہ تکبر اتنا بڑا مرض ہے کہ یہ اہل اللہ سے بھی بڑی مشکل سے جاتا ہے. اور سب سے آخر میں یہ ختم ہوتا ہے. اس نے کئی آدمیوں کو ذلیل کیا ہے اور شیطان کو لعنت کے قید خانہ میں گرفتار کیا ہے.

حضرت کے یہ الفاظ سن کر تو میں مر مٹا یعنی ایسی فنائیت حضرت حکیم الامتؒ کی تربیت سے حاصل ہوئی کہ اپنی فنائیت سے بھی بے خبری ہوگئی. بقول خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کہ:

میں مٹنے کو بھی میٹنا چاہتا ہوں ❁ مقامِ فناء ہے الفنا چاہتا ہوں

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

جناب مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ علوم ظاہریہ سے فارغ ہوئے اور ۱۳۳۷ھ کے

بعد باطنی علوم کا آغاز اس طرح ہوا کہ آپ نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ کے دستِ کرامت پر بیعت کا شرف حاصل کیا. اور حضرت شیخ کے وصال کے بعد قطب العالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے دربار کی طرف رجوع کیا اور چند سال کے بعد ۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی نے آپ کو حکیم الاسلام کا لقب عطا فرما کر خلیفہ مجاز قرار دیا. پھر آپ کے علوم ظاہر کے ساتھ علوم باطن کے بھی شہسوار بنے، حکیم الامت حضرت تھانوی کے خلفاء میں آپ کو ایک خاص مقام حاصل تھا، حضرت تھانوی آپ پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے. اور آپ پر حضرتؒ کی خاص نظر عنایت تھی. آپ تقریباً بیس سال تک حضرت حکیم الامت کی صحبت میں رہے. اور صحیح علمی و روحانی جانشین ثابت ہوئے. جس طرح آپ نے علمی و دینی خدمات انجام دیں اسی طرح سلوک و تصوف میں بھی آپ کی بے مثال خدمات ہیں. آپ نے اپنی زندگی عوام کی اصلاح و فلاح کے لئے وقف کی ہوئی تھی. اور عام مسلمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے خدا کی رضا اور شریعتِ نبویؐ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے. اور اپنی زندگی میں بیشمار لوگوں کی اصلاح فرمائی. ملک و بیرون ملک میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ سے فیضیاب ہوئے. اور بہت سے خوش نصیبوں نے آپ سے خلافت واجازت کا شرف حاصل کیا جو آج خود بھی عوام وخواص کی اصلاح میں مصروف ہیں. (ہفت روزہ لولاک فیصل آباد)

جناب مولانا اخلاق احمد عثمانی خلیفۂ مجاز حضرت حکیم الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ:

حکیم الاسلام غزالئی دوراں، جامع شریعت وطریقت، مرشد کامل، خطیب بے مثل، مفکر اسلام حضرت علامہ قاریؒ محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الامت تھانوی کے علمی و روحانی عظیم ترجمان تھے. اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی وفات کے بعد نصف صدی سے زائد تک حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب صحیح معنوں میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی نیابت و خلافت کے

فرائض احسن طور پر انجام دیتے رہے. جس سے پورا عالم اسلام بخوبی واقف ہے. آپ اپنے چشمۂ ہدایت سے تشنگانِ قلب وروح کو سیراب فرماتے رہے. اور راہِ حق کے طلب گار اپنی امیدوں اور آرزؤں کی جھولی اس خزانۂ معرفت سے بھرتے رہے. ملک اور بیرونِ ملک میں حضرت حکیم الاسلام کے مریدین اور مسترشدین کی تعداد ہزاروں سے تجاوز ہے. جو براہِ راست آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوکر آپ کی روحانی تربیت اور ہدایت واصلاح سے اپنی زندگی کو منور کئے ہوئے ہیں. ان کے علاوہ ایک بہت بڑا طبقہ ایسا بھی تھا جو راہِ حق کے طلب گار ہوتے اور بذریعہ خط وکتابت آپ کی روحانی وعرفانی ہدایتوں سے مستفید ہوتے رہتے تھے. اس طرح سے برّ اعظم ہندو پاکستان کے گوشہ گوشہ میں آپ کے بے شمار مریدین ومنتسبین اور خلفاء مجازین موجود ہیں اور حضرت کا یہ سلسلۂ روحانی جاری وساری ہے. (ماہنامہ بینات کراچی)

خطاب میں حضرتؒ کا مقام اور تبلیغی واصلاحی خدمات

رشد وہدایت کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کی تبلیغی واصلاحی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں. حضرت کی تبلیغی تقریریں اور وعظ ان کی زندگی کا مابہ الامتیاز مقام تھا. کہ جس کی وجہ سے ہند وپاک کا چپہ چپہ گونجتا رہا اور لاکھوں کی تعداد میں مسلمان آپ کی تقریروں کی وجہ سے گمراہی سے نکل کر ہدایت وراستی کی روشنی پاتے رہے فنِ خطابت اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوتِ گویائی حاصل تھی. زمانۂ طالب علمی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں اور علمی حلقوں میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں. اہم سے اہم مسائل پر تین تین چار چار گھنٹے مسلسل تقریر کرنے اور علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی، حقائق وشریعت کے بیان وایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت حاصل تھی. جسے بڑے بڑے اہل علم تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے تھے.

جدید تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص طور پر محظوظ

ہوتا تھا. چنانچہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آپ کی علمی تقریریں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں. اور بعض تقریروں کو مسلم یونیورسٹی نے شائع بھی کروایا تھا.

فرقہ باطلہ کے رَد میں آپ کی انفرادی شان تھی. نہایت باوقار متین اور سنجیدہ لہجہ اختیار فرماتے تھے. بازاری اور سوقیانہ طرز سے ہٹ کر خالص علمی و اصلاحی انداز میں گمراہ عقائد کا اس طرح رد فرماتے کہ مخالف بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا. آپ کی بعض تقریریں تاریخی اہمیت کی حامل ہیں.

۱۹۴۷ء میں سرکاری عربی مدارس کے نصاب کی ترتیب وتدوین کے لئے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی زیرِ صدارت کونسل ہاؤس لکھنؤ میں منعقد کانفرنس کی وہ تقریر جو حضرت نے علماء دیو بند کی قیادت کرتے ہوئے فرمائی تھی وہ آج بھی تاریخ خطابت کا انمول شاہکار ہے. جس پر مولانا آزاد جیسا خطیب بھی داد دئے بغیر نہ رہ سکا.

۱۹۵۳ء میں بسلسلۂ سفرِ حجاز آپ نے ہندوستان کے ایک مؤتمر وفد کی قیادت کرتے ہوئے سلطان ابن سعود کے دربار میں ایک شاندار تقریر فرمائی. جس پر سلطان بہت متاثر ہوئے اور بوقتِ رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب کے عطیہ کے ذریعے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا.

آپ نے افغانستان، برما اور افریقی ممالک کے اسفار ودورے بھی کئے. دیو بند میں زمانۂ قیام میں روزانہ بعد مغرب آپ کی مجلس روحانی مقامی اور غیر مقامی طالبانِ حق کے لئے ایک مکتب رشد و ہدایت کی حیثیت رکھتی تھی. جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرہ رہتا تھا. جس میں آپ مختلف موضوعات پر اپنی علمی تحقیق سے حاضرین کو محظوظ فرماتے تھے، یہاں جب بھی پاکستان تشریف لاتے تو آپ کے مراکز رشد و ہدایت کراچی میں دارالعلوم اور جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری، لاہور میں جامعہ اشرفیہ ملتان میں جامعہ خیر المدارس، ساہیوال میں جامعہ رشیدیہ اکوڑہ خٹک (پشاور) میں دارالعلوم حقانیہ اور جامعہ اشرفیہ وغیرہ دینی مدارس ہوتے تھے، جہاں بڑے بڑے اجتماعات سے

حضرت خطاب فرماتے. اور ہزاروں افراد کو اپنے فیضِ علمی و روحانی سے مستفیض فرماتے تھے. (ماہنامہ الرشید ساہیوال)

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہٗ اپنے تقریری ذوق کے بارے میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''تحریر و تقریر میں مجھے دلچسپی لڑکپن سے ہی تھی، اسے بڑھانے اور ترقی دینے، نیز اس لائن پر سفر کرانے میں میرے اکابر پیش پیش رہتے تھے، میری طالب علمی کے دَور میں حضرت الاستاذ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ جو مجھے اپنے ساتھ پنجاب کے ایک تبلیغی دورہ میں لے گئے، بڑے بڑے شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات میں میری تقریریں کرائیں. یہ واقعہ کوئی ساٹھ پینسٹھ سال پہلے کا ہے. لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ملتان کے ایک جلسہ میں، میں اس طرح شریک ہوا کہ بارش میں کپڑے بھیگ چکے تھے اور میں نے ستر پوشی کیلئے ایک بڑا سا کمبل اپنے بدن پر لپیٹ رکھا تھا، نہ سر پر ٹوپی تھی اور نہ پیر میں جوتا، اسی ہیئت سے میں اس بڑے اجتماع کے سامنے آ گیا''۔

حضرت علامہ کشمیریؒ نے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے میرا تعارف ان الفاظ میں کرایا کہ:

> ''یہ فقیر صاحب جو آپ کے سامنے کھڑے ہیں مستقبل کے ایک بہت بڑے مقرر ہیں. ہرگز یہ خیال نہ کیجئے کہ فقیروں کی طرح کمبل پوش ہیں تو ان کے پاس کچھ نہیں بلکہ یہ سمجھئے کہ اس گدڑی میں لعل بھی مخفی ہے.''

یہ حضرت استاذ مرحوم کی حوصلہ افزائی تھی، ورنہ کہاں ایک معمولی سا طالب علم اور کہاں لعل و یاقوت! یہی اکابر تو میرے مربّی تھے.

۱۹۴۹ء کو مولانا ابوالکلام آزادؒ نے ملک کی تعلیمی مسائل پر لکھنؤ میں ایک کانفرنس طلب کی. اس میں احقر کو بھی تقریر کرنے کا اتفاق ہوا مولانا آزاد نے میری تقریر کی جو تحسین فرمائی وہ الفاظ آج بھی مجھے یاد ہیں، غرض میری زندگی کا ایک بڑا حصہ تینوں

برّ اعظموں کے طویل سفروں میں گزرا ہے۔اور حق تعالیٰ نے تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائی۔ برما، حجاز، افغانستان، عدن، جرمنی، جنوبی افریقہ، لیبیا، روڈیشیا، مدغاسکر، حبشہ، زنجبار، سری لنکا، ایسٹ افریقہ، ری یونین، کویت، لبنان، اردن، فرانس اور انگلستان اور بہت سے ممالک میں مجھے بار بار آنے جانے اور وہاں مذہبی اور علمی سوسائٹیوں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔میں جہاں تک حق تعالیٰ کے اس فضل وکرم پر ہزاروں ہزار شکریہ ادا کرتا ہوں اور عہدہ برآ نہیں ہوسکتا کہ ان لاکھوں بندوں تک مجھے اسلام، ایمان، انسانیت اور دیوبند کے مسلک کے تحت اخوت و رواداری کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہوئی وہیں اس اعتراف پر بھی مجبور ہوں کہ اپنے اساتذہ اور مربیوں کی نظیر شاذ و نادر ہی کہیں دیکھنے میں آئی جن سے میری علمی اور اخلاقی تربیت کا تعلق رہا ہے۔(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

جناب مولانا سید محبوب رضوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

علمی سلسلے میں درس و تدریس کے علاوہ فنِ خطابت اور تقریر میں آپ کو خداداد ملکہ اور قوت گویائی حاصل تھی، اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق کے ساتھ سنی جاتی تھیں۔اہم سے اہم مسائل پر بھی دو دو تین تین گھنٹے مسلسل تقریر کرنے سے آپ کو کوئی رکاوٹ اور تکلف نہیں ہوتا تھا۔حقائق اور اسرارِ شریعت کے بیان اور ایجاد مضامین میں آپ کو خاص قدرت تھی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان خاص طور پر مقبول ہیں اور بعض معرکۃ الآرا تقریریں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ سے شائع بھی ہوچکی ہیں۔ملک کا کوئی خطہ ایسا نہیں جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہنچی ہو۔ان کی رواں دواں اور دلکش تقریر جب علم کے گہرے سمندر سے گزرتی تھی تو لہروں کا سکوت قابلِ دید ہوتا تھا۔

جمعیت العلماء ہند کے سالانہ اجلاسوں میں آپ کے خطبات صدارت بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔آپ کی علمی تقریروں سے ایک خاص حلقہ اثر پیدا ہوا۔

بیرونِ ہند میں بھی آپ کی خطابت کے اثرات وہاں کے علمی حلقوں میں بہت پائے جاتے ہیں.

۱۳۵۳ھ میں بسلسلہ سفر حجاز آپ نے ہندوستان کے ایک موقر وفد کے صدر کی حیثیت سے سلطان ابن سعود کے دربار میں جو تقریر فرمائی اس نے سلطان کو بہت متاثر کیا. سلطان ابن سعود نے شاہی خلعت اور بیش بہا قیمت کتب کے عطیے سے اعزاز بخشا.

دوسرے بیرونی ممالک میں افغانستان، برما، جنوبی افریقہ، مشرقی افریقہ، زنجبار، کینیا، روڈیشیا، ری یونین، عدن، کویت، حجاز، حبش، مصر، انگلینڈ، فرانس اور جرمنی وغیرہ ممالک کا دورہ فرما چکے تھے. جہاں اپنی اردو، عربی اور فارسی کا لوہا منوایا.

حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی مرحوم ناظم جمعیت علماء ہند کا آپ کے بارے میں مشہور مقولہ ہے کہ اب تک مہتممین دارالعلوم دیوبند ثوابت تھے. اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سیّارہ ہیں.

آپ کو ہر جگہ سپاس نامے دئے گئے. اور لوگوں کو دارالعلوم سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس کے مسلک کی اشاعت ہوئی. دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ جن چیزوں سے آپ کو طبعی دلچسپی تھی وہ تعلیم و تدریس اور دعوت و تبلیغ تھی. ان کمالات کی وجہ سے ملک و بیرون ملک میں آپ کو ایک خاص امتیازی مقام حاصل تھا. عام تبلیغی دوروں کے علاوہ جب دیوبند میں قیام ہوتا تو عصر سے مغرب تک عمومی مجلس کا معمول رہتا تھا. جس کا موضوع عموماً علمی مذاکرے اور تبلیغ و اصلاح ہوتے تھے. اس کے ساتھ بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی سفر و حضر میں جاری رہتا تھا. آپ کے مریدین کا حلقہ بہت وسیع ہے جو ہند اور بیرون ہند میں پھیلے ہوئے ہیں.

۱۳۳۶ھ سے ہر جمعہ کو جامع مسجد دیوبند میں تقریر کا معمول تھا جو تقریباً بیس بائیس برس تک جاری رہا. بعد میں کثرتِ اسفار کی وجہ سے متروک ہو گیا اور تقریر ملک گیر ہو گئیں.

۱۳۵۳ھ میں جب کہ شاہ ابن سعود مرحوم پر قاتلانہ حملہ ہوا جس میں وہ بال بال

بچ گئے، ہندوستان کے علماء وفضلاء اور عمائدین کی طرف سے مبارک باد کا جلسہ فندق مکہ میں منعقد کیا گیا جس کا صدر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو بنایا گیا تھا. علماء ہندوستان کے وفد نے شاہ ابن سعود کو مبارک باد پیش کی اس موقع پر آپ نے ہی عربی کی مختصر تقریر کے بعد جلسہ تبریک کی تجویز پڑھ کر سنائی تھی.

۱۹۷۲ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ بمبئی نے جس میں تمام فرقوں کے علماء اور تمام مؤثر تنظیموں کے سربراہ شریک تھے. آپ کو اپنا صدر منتخب کیا اس سلسلے میں دو مرتبہ وزیراعظم ہند مسز اندرا گاندھی نے آپ کو دعوت دے کر بلایا اور پرسنل لاء کے موضوع پر گفتگو کی. بہرحال ملک وقوم میں آپ کا ایک خاص علمی وقار قائم تھا. کئی اکیڈیمیاں آپ کی تالیفات کی طباعت واشاعت کا کام انجام دے رہی ہیں.

مؤتمر عالم اسلامی قاہرہ اور رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں متعدد مرتبہ شریک ہو چکے تھے اور پوری دنیا میں تبلیغی دورے فرما چکے تھے. (تاریخ دارالعلوم دیوبند)

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو وعظ وخطابت کا ایک ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا اس کی نظیر مشکل سے ملے گی. بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں حضرت قاری صاحب کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے، نہ جوش وخروش، نہ فقرے چست کرنے کا انداز، نہ پُرتکلف لسانی، نہ لہجہ اور ترنم، نہ خطیبانہ ادائیں، لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر مؤثر، دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے. مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ، لیکن انداز بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی پانی ہو کر رہ جاتے. جوش وخروش نام کو نہ تھا لیکن الفاظ ومعانی کی ایک نہر سلسبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب ودماغ کو نہال کر دیتی تھی. ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں. ان کی تقریر میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک

باوقار دریا کا ٹھہراؤ تھا. جو انسان کو زیر وزبر کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا تھا. حضرت قاری صاحب نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا. لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی اور کتنے غلط عقائد ونظریات سے تائب ہوئے.

لاہور میں ایک صاحب علماء دیوبند کے خلاف معاندانہ پروپگنڈے سے بہت متاثر اور علماء دیوبند سے بری طرح برگشتہ تھے. طرح طرح کی بدعات میں مبتلا، بلکہ ان کو کفر وایمان کا معیار قرار دینے والے، اتفاق سے حضرت قاری صاحبؒ لاہور تشریف لائے اور وہاں ایک مسجد میں آپ کے وعظ کا اعلان ہوا. یہ صاحب خود سناتے ہیں کہ میں اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ان کے وعظ میں اس نیت سے پہنچا کہ انہیں اعتراضات کا نشانہ بناؤں گا اور موقع ملا تو اس مجلس کو خراب کرنے کی کوشش کروں گا. لیکن اول تو ابھی تقریر شروع بھی نہ ہوئی تھی کہ حضرت قاری صاحب کا معصوم اور پُر نور چہرہ دیکھ کر ہی اپنے عزائم میں زلزلہ سا آ گیا. دل نے اندر سے ہی گواہی دی کہ یہ چہرہ کسی بے ادب گستاخ یا گمراہ کا نہیں ہو سکتا.

جب وعظ شروع ہوا اور اس میں دین کے جو حقائق ومعارف سامنے آئے تو پہلی بار اندازہ ہوا کہ علم دین کسے کہتے ہیں، یہاں تک کہ تقریر کے اختتام تک میں حضرت قاری صاحب کے آگے موم ہو چکا تھا. میں نے اپنے سابقہ خیالات سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے بزرگانِ دین کے بارے میں ایسی بدگمانیوں سے نجات عطا فرمائی.

بہرحال برّصغیر کا تو شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی آواز نہ پہنچی ہو. اس کے علاوہ افریقہ، یورپ اور امریکہ تک آپ کے وعظ وارشاد کے فیوض پھیلے ہوئے ہیں اور ان سے نہ جانے کتنی زندگیوں میں انقلاب آیا ہے. (ماہنامہ البلاغ کراچی)

جناب پروفیسر احمد سعید صاحب تھانوی ایم. اے. فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ نے دارالعلوم دیو بند کے اہتمام اوردرس و تدریس کے علاوہ تبلیغی و اصلاحی خدمات بھی انجام دی ہیں. جو نا قابل فراموش ہیں. آپ کوفنِ خطابت اور تقریر میں یدِ طولیٰ اور خداداد ملکہ اور قوتِ گویائی حاصل تھی. اور زمانۂ طالب علمی ہی سے آپ کی تقریریں پبلک جلسوں میں شوق اور دلچسپی کے ساتھ سنی جاتی تھیں. اہم سے اہم اسلامی مسائل پر دو دو تین تین گھنٹے مسلسل اور بے تکلف تقریر کرنے اور ٹھوس علمی مواد پیش کرنے میں آپ کو کوئی تکلف نہیں ہوتا تھا. حقائق و اسرارِ شریعت کھولنا اور تخلیق و ایجاد مضامین آپ کا خاص حصہ تھا جسے آپ کے اکابر و اساتذہ بھی تسلیم کرتے تھے. تعلیم یافتہ طبقہ آپ کے علمی اور حکیمانہ اسلوب بیان سے خاص تسلی حاصل کرتا تھا.

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں آپ کی تقریریں خصوصی طور پر مقبول ہوئیں. آپکی معرکتہ الآرا تقریریں خود یونیورسٹی نے شائع کی ہیں. جیسے ''سائنس اور اسلام'' ملک کے علمی طبقوں میں آپکو مدعو کیا جاتا تھا. اور ملک کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس میں آپ کی تقریروں کی گونج نہ پہنچی ہو.

بمبئی وغیرہ جیسے اہم شہروں میں آپ کی علمی تقریروں سے دارالعلوم کا ایک خاص حلقہ پیدا ہو گیا. ان علمی و اصلاحی تقریروں کا عدد سینکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہنچ چکا تھا. بیرون ہند میں بھی آپ کی خطابت کے کافی اثرات اونچے حلقوں میں پہنچ چکے تھے.

۱۳۵۳ھ میں بسلسلہ سفرِ حجاز جب کہ آپ دوسرے حج کے لئے روانہ ہوئے. ہندوستان کے ایک مؤقر وفد کی حیثیت سے سلطان ابن سعود کے دربار میں باریاب ہوئے. اور آپ کی تقریر عربی میں ہوئی. سلطان نے جواباً شکریہ کی تقریر کی. اور بوقت رخصت شاہی خلعت اور بیش قیمت کتب دینیات سے اعزاز بخشا. اسی سفر میں مدینہ منورہ کے المدرستہ الشرعیہ کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر بھی آپ کی عربی تقریر قابلِ ذکر ہے. جو مختلف عربی ممالک کے مجمع میں ہوئی اور بہت پسند کی گئی تھی.

۱۳۷۸ھ میں آپ کا سفر افغانستان علمی خدمات کی ایک مستقل تاریخ ہے آپ نے دارالعلوم دیوبند کے نمائندہ کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند اور حکومت افغانستان کے درمیان علمی و عرفانی روابط قائم کرنے کے لئے یہ سفر اختیار فرمایا اور حکومت افغانستان کے مہمان ہوئے. وہاں کے علمی حلقوں نے آپ کا خیر مقدم کیا. کابل کی انجمن ادبی اعلیٰ سرکاری سوسائٹی جمعیت علماء، افغانستان، مجلس قانون ساز وغیرہ اداروں نے آپ کو تقریر کے لئے مدعو کیا. آپ نے فارسی زبان میں برجستہ تقریریں کیں. جس سے تمام علمی حلقے متاثر ہوئے. اسی طرح بیرونی ممالک میں برما، کینیا، جنوبی افریقہ، زنجبار، روڈیشیا، ری یونین، مدغاسکر، حبشہ، مصر، انگلینڈ، فرانس، برطانیہ، امریکہ، مغربی جرمنی، حجاز مقدس، مصر، شام، اردن، عراق، ایران، پاکستان وغیرہ میں آپ کی علمی تقریروں نے عوام و خواص کو بے حد متاثر کیا. عام تعلیمی خدمات کے سلسلے میں حکومت افغانستان کی خواہش پر آپ نے کابل کی تمام یونیورسٹیوں کا معائنہ فرمایا. اور ان کے بارے میں اپنی تفصیلی رائے پیش کی، جسے حکومت نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا.

۱۳۵۹ھ میں والیٔ ریاست قلات، بلوچستان اور ریاست بہاولپور پنجاب کے وزیر تعلیم نے آپ کو نصاب تعلیم تیار کرنے کے لئے مدعو فرمایا.

مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ بورڈ آسام، پنجاب یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی اور جامعہ نظامیہ حیدر آباد نے آپ کو دینیات کے پرچوں کا ممتحن قرار دیا.

غرضیکہ آپ پوری دنیا کے بہترین خطیب اور بین الاقوامی طور پر ایک عظیم مذہبی اسکالر تسلیم کئے جاتے تھے. اور ہندوستان و پاکستان کے ہر خطہ میں پہنچ کر آپ نے تقریر و خطابت کے ذریعے، اسلامی مقاصد کی اشاعت اور مسلک دارالعلوم دیوبند کی ترویج میں نمایاں حصہ لیا. پاکستان میں متعدد بار تشریف لائے. اور جامعہ اشرفیہ لاہور، خیر المدارس ملتان، دارالعلوم کراچی، دارالعلوم ٹنڈو الہ یار، جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور راولپنڈی و پشاور کے دینی مدارس میں اپنی علمی تقاریر سے لاکھوں افراد کو منور کیا. اور

ہزاروں کی اصلاح فرمائی. مغربی ممالک میں ہزاروں افراد کو مشرف بہ اسلام کیا. اور آج دنیا بھر میں لاکھوں عقیدت مند پھیلے ہوئے ہیں. (بزمِ اشرف کے چراغ)

حضرت مولانا تاج محمود صاحب فیصل آبادی فرماتے ہیں کہ:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے، ایک جید عالم دین، بلند مرتبہ فقیہہ و بے شمار کتابوں کے مصنف، قادرالکلام خطیب اور ملّت اسلامیہ کے ممتاز حکیم و فلسفی تھے. نصف صدی سے زائد تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم اعلیٰ رہے اور اس دوران انھوں نے دنیا کی اس مشہور علمی اور دینی درس گاہ کو چار چاند لگا دیئے. حضرت قاری صاحب بے شمار خوبیوں اور اوصاف کا مجموعہ تھے. لیکن حق تعالیٰ نے انہیں زبان و بیان پر جو ندرت اور قدرت عطا کر رکھی تھی اس کی مثال ملنا مشکل ہے. وہ جب بھی کسی موضوع پر تقریر کرنے بیٹھتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے دل و دماغ کا کنکشن عالم بالا میں کہیں جڑ گیا ہے. وہ بولتے کیا تھے موتی رولتے تھے اور ان کا بیان سن کر بے ساختہ زبان سے نکلتا تھا کہ:

''لفظ لفظ ٹپکتا ہے عرش سے''

آپ نے بڑے بڑے جلسوں اور اجتماعات میں اپنی بے مثال حکیمانہ تقریریں کیں اور اس مقصد کے لئے پاکستان اور بھارت کے چپے چپے پر سفر کرتے رہے. بلکہ پوری دنیائے اسلام نے ان کے قدموں کا تیمّن اور ان کی میزبانی کا مجد حاصل کیا. آپ کی تقاریر و عظ ایسا سلجھا ہوا ہوتا کہ آپ بے ڈھب جذبات کا شکار ہوئے بغیر روانی اور تسلسل سے بولتے جاتے تھے. موضوع کی مناسبت سے مسلسل عجیب و غریب مثالیں، حکایات، واقعات قرآن و حدیث اور عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے جیسے کہ مقالہ وغیرہ پڑھ رہے ہوں. آپ کی ہر بات سامعین کے ذہنوں میں اترتی جاتی اور قلب و دماغ میں بیٹھ جاتی تھی.

ایک مرتبہ آپ مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ کے موقع پر تقریر فرما رہے تھے. جس میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ بھی پہنچ گئے. شاہ صاحب کچھ دیر تو خاموش بیٹھے رہے اور عظیم الشان خطاب سنتے رہے. مگر پھر یک دَم وجد کی سی حالت طاری ہوگئی، بے اختیار نعرۂ تکبیر بلند کیا. اور چند منٹوں کی اجازت لے کر مائیکروفون پر آ کھڑے ہوئے. اور اپنے دو شعر حضرت قاری صاحب کی نذر کرتے ہوئے قاری صاحب کی طرف ہاتھ کے اشارے سے بار بار ان اشعار کو پڑھتے رہے.

یہ تھا، قاری صاحب کی تقریر کا اثر کہ امیر شریعت جیسا بے مثال خطیب بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا.

الغرض حضرت قاری صاحب مرحوم فنِ خطابت کے شہنشاہ تھے اور آخر دم تک اپنے فنِ خطابت سے دنیائے اسلام کو محظوظ فرماتے رہے. ساری عمر تبلیغ دین کی خدمت میں مصروف رہے. اس کے ساتھ ساتھ دار العلوم دیوبند جیسے عظیم ادارے کے مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے. سچ یہ ہے کہ اب حضرت قاری صاحبؒ جیسا مہتمم دار العلوم کو ملنا مشکل ہے. (لولاک فیصل آباد)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو خطابت کا خاص ذوق، زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام و تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا. اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں بلا تکلف خطاب فرماتے تھے. زبان ایسی صاف اور شستہ اور جملے ایسے نپے تلے کہ گویا سامنے کتاب رکھی ہے اور اس کی عبارت پڑھ کر سنا رہے ہیں. حقائق و واقعات کی ایسی منظر کشی فرماتے تھے گویا واقعہ متمثل ہو کر سامعین کے سامنے کھڑا ہے. شریعت کے اسرار و حکم اور طریقت و حقیقت کے رموز و لطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم و معرفت وہبیہ کا طوفان امڈ آیا ہے.

حضرت قاری صاحب مرحوم نے اپنے ساٹھ پینسٹھ سالہ علمی دور میں خدا جانے

ہزاروں مرتبہ خطاب فرمایا ہوگا. اور بعض اوقات ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ انہیں تقریر وخطابت کی نوبت بھی آئی لیکن ان کی ہر تقریر کا ہر موضوع منفرد ہوتا تھا. اور جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس میں لطائف واسرار کے ایسے گل ولالہ بکھیرتے کہ حقائق ومعارف کے چمنستان میں نئی بہار آجاتی. ان کے علوم اکتسابی سے زیادہ وہبی تھے. مشکل سے مشکل مسائل کو بلا تکلف سامعین کے ذہن میں انڈیل دینا اور بات بات میں نکتہ پیدا کرنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا.

ایک موقعہ پر یہ مضمون ارشاد فرما رہے تھے کہ مطالب ومعانی کو صرف الفاظ سے ہی نہیں ادا کیا جاتا. بلکہ لب ولہجہ اور انداز تکلم سے بھی الفاظ میں معنیٰ بھرے جاتے ہیں. اور اس کی مثال میں اردو کا ایک فقرہ ''کیا بات ہے''؟ پیش کیا کہ یہ انکار کے لئے بھی ہے اور اقرار کے لئے بھی استفہام کیلئے بھی ہے اور اخبار کیلئے بھی. داد وتحسین کے لئے بھی ہے اور زجر وتوبیخ کے لئے بھی.

الغرض مسلسل ایک گھنٹہ تک ''کیا بات ہے؟'' کی تشریح ہوتی رہی اور حضرت مرحوم اس کے ہر مفہوم کو لب ولہجہ کی تبدیلی سے سمجھاتے رہے اور مجمع سحر بیان سے عش عش کر رہا تھا.

حضرت مرحوم کی بعض تقریریں وقتاً فوقتاً شائع بھی ہوتی رہیں. حال ہی میں عزیز محترم مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری سلمہٗ خطیب مسجد غفوریہ حسن پروانہ کالونی ملتان نے حضرت کی تقریروں کی کیسٹیں فراہم کرکے ''خطبات حکیم الاسلام'' کے نام سے تین ضخیم جلدیں مرتب کی ہیں اور اگر یہ محنت وجستجو جاری رہی اور حضرت کی جتنی تقریریں محفوظ کرلی گئی ہیں وہ سب شائع کردی گئیں تو امت کے لئے حقائق ومعارف اور ''کلمات طیبات'' کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم ہوجائیگا. (ماہنامہ بینات کراچی ۱۹۸۳ء)

علمی وتصنیفی خدمات

جناب مولانا عبداللہ جاوید ہاشمی فرماتے ہیں کہ:

درس وتدریس اور تبلیغ وارشاد کے علاوہ حضرت

حکیم الاسلام قدس سرہ کی علمی و تصنیفی خدمات بھی نا قابلِ فراموش ہیں. دارالعلوم کے اہتمام اور تبلیغی و تدریسی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف آپ کا محبوب مشغلہ تھا. آپ کی مضمون نگاری اور انشا پردازی کی ابتداء زمانہ طالب علمی سے ''القاسم'' کے صفحات سے شروع ہوئی. جب ہی سے آپ کے تحقیقی مقالے علمی حلقوں میں بنظرِ استحسان دیکھے جاتے تھے. انشا پردازی میں آپ انفرادی حیثیت کے مالک تھے. ہند و پاکستان کے طبقہ علماء کے صفِ اول کے اہل قلم اور مقالہ نگار تھے. ملک بھر کے مؤقر جریدے اور رسالے آپ کے مضامین کی اشاعت باعثِ فخر سمجھتے تھے. اس فن میں بھی آپ کو خاص ملکہ تھا. ادق سے ادق عنوانات پر لمبے لمبے طویل مقالے اور مضامین ایک ہی نشست میں لکھ دیتے تھے. آپ کی تصانیف و تالیف اور مقالہ نگاری کا اکثر حصہ دورانِ سفر میں انجام پاتا تھا.

آپ کی تصانیف و تالیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے. اگر الگ الگ کتابوں پر تبصرہ کروں تو صفحات کو تنگ دامنی کا گلہ ہوگا. اس لئے صرف ان کتابوں میں سے چند مشہور کتابوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں.

آپ کی سب سے پہلی تصنیف ''التشبہ فی الاسلام'' ہے جو آپ کے ابتدائی دور کی شاہکار ہے. علمی حلقوں نے اسے بہت زیادہ پسند کیا ہے، اس کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابیں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر مقبولِ خاص و عام ہو چکی ہیں.

فطری حکومت، اسلام اور فرقہ واریت، سائنس اور اسلام، مشاہیر امت، شانِ رسالتؐ، فلسفہ نماز، شرعی پردہ، ڈاڑھی کی شرعی حیثیت، مسئلہ تقدیر، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، علم غیب، خاتم النبیین، اسلام اور مغربی تہذیب، تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام، اصولِ دعوتِ اسلام، عالمی مذہب، نظریہ دو قرآن پر ایک نظر، کلمہ طیبہ کی حقیقت، مسئلہ زبان اور ہندوستان، دین و سیاست، اسباب عروج و زوالِ اقوام، الاجتہاد والتقلید، اسلامی مساوات، کلماتِ طیبات، تفسیر سورۂ فیل، آفتابِ نبوت، سفر

نامہ افغانستان، عرفانِ عارف مجموعہ کلام، مقالات طیبات، تاریخ دارالعلوم دیوبند، خطبہ طیبہ، مقالات اکابر دیوبند، روایات الطیب اور خطبات حکیم الاسلام وغیرہ.

ان کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں. اور تصانیف کے علاوہ ان علمی مقالوں کی تعداد حد کثرت سے تجاوز ہے. جو پاکستان اور ہندوستان کے مقتدر علمی جرائد کی زینت بن چکے ہیں. (مدنی نمبر بحوالہ الرشید ساہیوال)

جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی فرماتے ہیں:

تقریر وخطابت کی طرح حضرت حکیم الاسلامؒ کا تصنیف وتالیف میں بھی ایک خاص رنگ تھا. جس میں علم وعقل کی ہم آہنگی اور ظاہر وباطن کی یک جائی پائی جاتی تھی. ان کی خداداد حکمت ومعرفت مسائل کے اسباب وعلل، اسرار وحکم، مبادی وغایات اور اطراف وجوانب کا احاطہ کر لیتی تھی. حضرت موصوف کو حسین وشیریں الفاظ میں مافی الضمیر ادا کرنے کا خاص ملکہ تھا، دقیق ترین مسائل کو بہت ہی آسان عبارت میں ادا فرماتے تھے. اور ایسے ژولیدہ وپیچیدہ مباحث جن میں برسوں بھٹکتے ہیں اور انہیں ان کا کوئی سرا نہیں ملتا. حضرتؒ کا قلم حقائق رقم ایسے مباحث کو بڑی سہولت وسلاست سے حل کر دیتا تھا اور ان کی تحریر پڑھ کر آدمی محسوس کرتا کہ اس موضوع پر اس کے ذہن میں کوئی الجھن باقی نہیں رہی. انہوں سے سیرت طیبہ سے لے کر مسئلہ تقدیر ایسے نازک مسئلہ پر قلم اٹھایا، مگر ان کا خاص معیاری اسلوب ہر جگہ قائم رہا. صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض ذہن کی صناعی اور الفاظ کی مینا کاری نہیں بلکہ یہ وہبی علوم ہیں اور ان میں ''قاسمی روح'' جھلکتی ہے. (ماہنامہ بینات کراچی)

جناب مولانا مفتی غلام مرتضیٰ صاحب آپ کی تالیفات کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود تبلیغ وتدریس اور تصنیف وتالیف کی خدمت بھی انجام دیتے رہے. اور آپ کی تصنیفات ڈیڑھ سو سے زائد ہیں. جن میں مشہور تالیفات یہ ہیں.

''سائنس اور اسلام'' یہ آپ کی علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک تقریر ہے. امام الانبیاءؑ کی ایک حدیث مبارکہ سے بطور اجتہاد پوری سائنس کو ثابت فرمایا اور ایک فلسفہ نماز ہے. فلاسفروں کو تین طبقات میں تقسیم فرما کر تینوں کی تردید فرمائی ہے. اور پھر عجیب انداز سے حکمتِ صلوٰۃ یا حقیقت صلوٰۃ بیان فرمائی ہے.

''التشبہ فی الاسلام'' یہ دو جلدوں میں ہے. حقیقت میں یہ کتاب علمی تنقید ہے. سر سید مرحوم کی تہذیب اخلاق کے بعض مضامین کی''

''اسلام کا اخلاقی نظام'' یہ ایک پادری کے سوال کے جواب میں لکھی تھی. جس میں تقابلی مطالعہ اسلام و عیسائیت کا تجزیہ کرتے ہوئے اسلام کے اخلاقی نظام کی برتری و بلندی عیسائیت پر اس کو حکیمانہ انداز سے ثابت فرمایا جس کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے. اس جواب کو پڑھ کر پادری نے اعتراف کیا تھا جو کہ دارالعلوم دیوبند میں شائع ہوا تھا. کہ اسلام کے اخلاقی نظام کا کوئی مذہبی نظام بھی مقابلہ نہیں کر سکتا.

بہر حال آپ کی تمام تصنیفات پر تبصرہ یہ ایک مستقل مضمون ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے. ان کے علاوہ آپ تینوں زبانوں کے شاعر بھی تھے. عربی، فارسی اور اردو میں مہارت تامہ حاصل تھی. عربی کی شاعری کا شاہکار آپ کا ایک عربی منظوم رسالہ شائع شدہ ملتا ہے جس کا اردو ترجمہ ''مشاہیر امت'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے. یہ رسالہ ستّر اشعار کا ہے. جس میں ہر فن کے موجد کے مختصر حالات عجیب انداز سے بیان کر دئے ہیں. کہ ایک منصف انسان دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے. اور نیز آپ کی متعدد نظمیں، مثنویاں اور قصائد ہیں. جو رسالہ ''دارالعلوم'' اور ''القاسم'' میں شائع ہوتے رہتے تھے. بعض بلیغ نظمیں کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکی ہیں. (لولاک فیصل آباد)

اوصاف و کمالات حضرت مولانا پروفیسر محمد اشرف خان صاحب مدظلہم فرماتے ہیں کہ:

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ فضائل و

کمالات، دینی مزایا اور خوبیوں کے اعتبار سے ملت کی ان چند گنی چنی ہستیوں میں تھے جو مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں. قدیم تعلیم نے جو بہترین نمونے پیدا کئے حضرت قاری صاحب کا نام ان میں بے تکلف لیا جا سکتا ہے.

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند آپ کے جد امجد تھے. آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ دارالعلوم کے پانچویں مہتمم تھے، جن کا زمانہ اہتمام ۱۳۱۳ھ سے ۱۳۴۷ھ تک رہا اور دارالعلوم نے اس دَور میں ہر اعتبار سے نمایاں ترقی کی. گویا حضرت قاری صاحبؒ کا دارالعلوم سے آبائی تعلق تھا. اس لئے دارالعلوم کی محبت ان کے ریشے ریشے میں سرایت کی ہوئی تھی. وہ بچپن سے بڑھاپے تک دیوبند میں رہے بلکہ یوں کہئے کہ ان کی عمر دارالعلوم کی فضا میں گزری ہے. دیوبند یا دارالعلوم ان کے لئے صرف وطن نہ تھا بلکہ ان کے دادا کا لگایا ہوا سدا بہار دینی باغ تھا. جس کی آبیاری ان کے باپ دادا نے کی تھی. اور جس میں علم وعمل اور ظاہر و باطن کے ائمہ و اساطین نے علوم و معارف اور تعلیم و تربیت کی بساط بچھا رکھی تھی. ان کی پرورش ان روحانی اور پاکیزہ فضاؤں میں ہوئی جس وقت دارالعلوم کا چپہ چپہ اپنے وقت کی نادرۂ روزگار شخصیتوں کے فیوض و برکات سے بھرپور معطر تھا.

انھوں نے محدث عصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ جید وقت حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ استاذ الاساتذہ حضرت مولانا رسول خان صاحب ہزارویؒ اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ جیسے اساطین علم کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا. اور استفادہ کے ہفت خواں کو طے کر کے خود علم و عمل کے اس مقام پر فائز ہو گئے. جن کی مثالیں شاذ نہیں تو کمیاب ضرور ہیں. علوم ظاہری کے سمندر ان کی نگاہ میں پایاب تھے. معقولات و منقولات پر یکساں دسترس تھی. اللہ تعالیٰ نے علوم حکم و اسرار دین سے بہرہ ور فرمایا تھا. ان کا علم بہت ہی وسیع، راسخ و پختہ تھا. نگاہ بصیرت، فکر عمیق اور نظر ثاقب تھی.

ان کے مشائخ میں مجاہد کبیر اسیر مالٹا حضرت شیخ الہندؒ (جن سے وہ بیعت ہوئے تھے) اور حضرت حکیم الامت مجدد ملت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ (جن کے وہ خلیفہ تھے) جیسے اولیاء باصفا تھے. وہ خود خانوادہ قاسمی کے چشم و چراغ تھے. ان عظیم نسبتوں اور گوناگوں فضائل و مناقب نے انہیں علم و عمل کی ان رفعتوں تک پہنچایا جہاں تک رسائی ہر ایک کے بس کی بات نہیں اور ان سے وہ عالمگیر و ہمہ گیر دینی و علمی، ظاہری و باطنی خدمات لی گئیں. جو بہت کم اشخاص سے لی جاتی ہیں. اور جسے محض موہبت الٰہی اور توفیق ربانی سے منسوب کیا جا سکتا ہے. وہ اپنے علمی افادات سے جیسے اپنے تلامذہ کو مستفید کرتے رہے اسی طرح وہ باطنی دولت جو انہیں شیخ وقت حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے ملی تھی. اکناف عالم میں دریا دلی سے تقسیم کرتے رہے. ان کا دعوت و ارشاد کا میدان بھی آفاقی تھا. اور طرز اصلاح و تربیت اشرفی، مواعظ و خطبات کا انداز البیلا، اچھوتا، دلکش اور ہر طبقہ کے لئے مؤثر تھا. ان کے مواعظ میں حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ کی دل آویزی و تاثیر قاسمی حکمت کی گہرائی اور ان کے اپنے اخلاق کی شیرینی و نرمی پائی جاتی ہے. زبانِ خلق نے انہیں ''حکیم الاسلام'' کے نام سے پکارا. اور حق یہ ہے کہ ان کی تصنیفات مواعظ و خطبات نے اس خطاب کی توثیق کردی.

حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی تصنیفات تقریباً سوا سو سے زائد ہیں. جو ان کے متکلمانہ، حکیمانہ اور عارفانہ انداز میں علوم و فیوض کا بحرِ ذخار ہے. حضرت قاری صاحب کی کتابوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری از خود اسلام کی حقانیت اور اس کی تعلیمات کی حقانیت کا قائل ہو جاتا ہے اور شک و ریب کی ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں.

فقیر نے سب سے پہلے حضرت قاری صاحب کی کتاب ''اسلام اور مسیحی اقوام'' ۱۹۴۱ء میں پڑھی جس کے نقوش آج تک دل و دماغ میں مرتسم ہیں یہ پہلی کتاب تھی جس نے حضرت قاری صاحب کی عظمت اور علماء کی قدر دل میں ثبت کی. کاش ہماری نژادِ نو ہمارے اکابر کے ان علمی خزائن سے بہرہ ور ہو سکتی اور اپنے اوہام و شکوک باطلہ

کا مداوا کر پاتی. کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں کی کتابیں آج بھی برملا پکار رہی ہیں.

چند چند تو خواندۂ حکمت یونانیاں ❁ حکمتِ ایمانیاں را نیز خواں

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ ایک عظیم انسان تھے. ان کے چہرے کی پاکیزگی ونورانیت ہی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ یہ فرشتہ صفت انسان نیکی و پاکی کا مجسمہ، محبت و پارسائی اور متانت و وقار کا پتلا ہے. جس سے خیر تو پہنچ سکتی ہے. ضرر کا اندیشہ نہیں. ضرورت پر مدد تو مل سکتی رسوائی وخذلان کا خوف نہیں. وہ خوش اندام، خوش خلق لباس تھے. تواضع وشرافت، بے نفسی و اخلاص، نرمی و مروت و ملاطفت، حلم و مروت، حلم و بردباری ان کے اخلاقی جواہر تھے. وہ سبک رو، خنداں رو، مرنجان مرنج طبیعت کے حامل تھے. وہ مختلف طبائع اور مزاجوں سے بخوبی نبھا لیتے تھے. ان کی ان خوبیوں نے انہیں ہر طبقے میں ہر دل عزیز بنا دیا تھا. اللہ تعالیٰ نے انہیں محبوبیت عامہ اور شہرت تامہ سے نوازا تھا.

یہ اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ان کی صفاتِ رائقہ وکمالات فائقہ اور جامعیت وہمہ جہتی ثقافت کا نتیجہ تھا کہ وہ بیک وقت مختلف طبقات ومختلف نظریاتی جامعات، مختلف اداروں اور جماعتوں کے معتمد ورکن بن سکے. وہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایگزیکیٹو کونسل کے ممبر، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے مقتدر رکن اور دیگر متعدد علمی اور دینی اداروں کے ممبر اور سرپرست تھے. آپ عرصہ دراز تک آل انڈیا سنی سنٹرل بورڈ کے ممبر رہے. آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے وہ پہلے دن سے آخر دن تک متفقہ صدر رہے. خیال رہے کہ یہ بورڈ مختلف دینی جماعتوں اداروں اور طبقات کا نمائندہ ہے. بہر حال جہاں دارالعلوم دیوبند کا فیض پہنچا وہاں حضرت قاری صاحبؒ کا نام پہنچا. دنیا انہیں مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتی ہے. یہاں تک کہ یہ لاحقہ ان کے اسم گرامی کا لازمہ بن گیا. ہر جگہ وہ اس نسبت سے عزیز ومحترم تھے. ہندوستان ہو یا پاکستان. افریقی ممالک وافغانستان ہو یا امریکہ و

انگلستان جہاں بھی دارالعلوم کی شعاعِ نور پہنچی. وہ محبت واکرام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے. اور انہیں ایک مخلص دینی خادم ورہنما، ایک ربانی عالم بزرگ وپیشوا، ایک پاکباز مصلح ومرشد اور ایک عظیم عالم وخطیب سمجھا جاتا ہے.

دلوں کے اندر ان کی جگہ تھی اور محبت ووفا کے رشتے ان سے قائم تھے وہ دیوبند کا نشان، بزرگوں کی نشانی، خانوادۂ قاسمی کے نمائندہ، علم وعمل کی قندیل اور تقریباً پون صدی پر پھیلی ہوئی دینی خدمات کا مجسمہ تھے. وہ اسلامیانِ برِّ کوچک کی گزشتہ دینی، علمی وتعلیمی سرگرمیوں کی زندہ تاریخ تھے. اور ہماری ملی تاریخ کا ناقابلِ فراموش حصہ تھے.

(ماہنامہ البیان پشاور، ذیقعدہ ۱۴۰۳ھ)

سپریم کورٹ کے جج محقق العصر مفکر اسلام حضرت علامہ تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ذاتِ گرامی دارالعلوم دیوبند کے اس بابرکت دور کی دلکش یادگار تھی جس نے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت علامہ محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ اور ان جیسے دوسرے حضرات کا جلوۂ جہاں آراء دیکھا تھا. جس ہستی کی تعلیم وتربیت میں علم وعمل کے ان مجسم پیکروں نے حصہ لیا ہو. اس کے اوصاف وکمالات کا ٹھیک ٹھیک ادراک بھی ہم جیسوں کے لئے مشکل ہے. لیکن یہ ضرور ہے کہ حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کے پیکر میں معصومیت حسنِ اخلاق اور علم وعمل کے جو نمونے ان آنکھوں نے دیکھے ہیں ان کے نقوش دل ودماغ سے محو نہیں ہوسکتے.

حضرت قاری صاحبؒ، بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے تھے. اور اللہ تعالیٰ نے حکمتِ دین کی جو معرفت حضرت نانوتویؒ کے علوم کو جن حضرات نے اپنے مزاج ومذاق میں جذب کرکے انہیں شرح وبسط کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کا کوئی ثانی نہیں تھا.حضرت قاری صاحبؒ کو تعلیم سے فراغت کے بعد تدریس وتصنیف کے لئے باقاعدہ وقت بہت کم ملا اور نوعمری ہی میں دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم الشان ادارے کے انتظام وانصرام کی ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر آگئیں.ان ذمہ داریوں کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو عموماً علمی مشاغل سے دور کر کے اس کی علمی استعداد پر بہت بُرا اثر ڈالتی ہیں.لیکن حضرت قاری صاحبؒ کا معاملہ اس لحاظ سے بھی حیرت انگیز تھا انتظامی بکھیڑوں میں مبتلا رہنے کے باوجود ان کا علمی مذاق ہمیشہ تازہ اور انکی علمی استعداد سدابہار رہی.

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب کو تصنیف اور خطابت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا.اگر چہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت بھی حضرتؒ کی زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئی تھی حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو، لیکن حیرت ہے کہ ان مصروفیات کے باوجود آپ درس وتبلیغ اور تصنیف وتالیف کے لئے بھی وقت نکال لیتے تھے. چنانچہ آپ کی بہت سی تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں.اوران کے مطالعہ سے دین کی عظمت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے. جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی.(ماہنامہ البلاغ کراچی)

حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی فرماتے ہیں:

''حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے کاروانِ علم وفضل کے ان باقیات صالحات میں سے تھے جنہیں دیکھ کر ایک گونہ اطمینان ہوتا تھا.کہ یہ دنیا بھی اہل اللہ سے خالی نہیں اور ابھی ہمارے دامن میں ایسے گنج ہائے گراں مایہ موجود ہیں.جن سے نہ صرف ہماری عظمت کا قومی بھرم قائم ہے. بلکہ جو خود انسانیت کی آبرو اوراس کے چہرے کا غازہ ہیں.وہ اس خانوادہ شرف ومجد کے گوہر شب چراغ تھے.جو خاندان ولی اللٰہی کے روحانی اثاثہ کا امین اور علماء سلف کی متاع

عظمت کا وارث رہا ہے. ان کے جدِ امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور آج ہندوستان کی ناموافق آب و ہوا وقت کی نامساعدت اور حالات کی ناسازگاری کے باوصف یہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی کرامت تھی کہ وہ اس مرکز علمی اور اپنی نوعیت کی دنیا بھر میں منفرد درسگاہ کی آب وتاب اور ان کی روایتی شان وشوکت کو برقرار رکھے ہوئے تھے. تقسیم ملک کے ابتدائی دَور میں انھوں نے پاکستان کو اپنا مستقر بنانا چاہا مگر یہاں کی فضا انہیں راس نہ آسکی. اور وہ واپس دیوبند تشریف لے گئے.

آج دارالعلوم دیوبند اس ظلمت کدۂ شرک ومعصیت میں روشنی کا وہ مینار ہے جس سے اکناف واطراف عالم کے تشنگانِ علم اکتساب حاصل کرتے ہیں. حضرت قاری صاحبؒ اپنی وجاہت اور حُسن و جمال میں اپنی نظیر آپ تھے. سرخ وسفید رنگ، بیضوی چہرہ، غلافی آنکھیں، کشادہ پیشانی، دلکش خدوخال تیکھے نقش، موزوں قد، اکہرا بدن، نگار آتشیں رُخ سر پر کلاہِ فضیلت، آنکھوں میں حیا وطبیعت میں گداز، رُخِ روشن پر اسلام کی سیزدہ صد سالہ روایات کی تابندگی کا پرتو. ایک پیکر حسن و جمال ایک مجسمۂ خوبی ورعنائی. ایک سراپا اخلاص وللّٰہیت، وجود علم ومعرفت کا سرچشمہ، رشد و ہدایت کا منبع، شریعت وطریقت کا مرکز، حُسنِ ظاہری و باطنی کا جامع ایک منارۂ نور جس کی ضیاباریوں سے فکر ونظر کا دامن منّور اور دلوں کی دنیا جگمگاتی تھی. جس کا سینہ معرفتِ الٰہی کا گنجینہ اور دل انوار وتجلیات کا خزانہ تھا.

حضرت قاری صاحبؒ تقریر کرتے تھے تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے نسیم صبح گاہی محو خرام ناز ہو. وہ بولتے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے ان کے اندازِ تکلم میں جوئے آب رواں کی نغمگی تھی جو فردوسِ گوش بن جاتی تھی. ان کے لب ولہجہ میں حدی خوانوں کا سوز اور ان کی گفتگو میں نو دمیدہ غنچوں کی مہک تھی. جو دماغوں کو معطر کرتی اور دلوں کی دنیا میں ہل چل برپا کردیتی وہ ہماری عظمت رفتہ کی حسین وجمیل یادگار تھے.

حضرت قاری صاحبؒ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل تھے. سیاست سے الگ ہو کر علم کی دنیا کے سیاح عمل کی وادیوں میں تھے. جستجو کہ ''خوب سے خوب تر کہاں'' کے متلاشی، خیال و کردار میں پاکیزہ، فکر و نظر میں راست باز، تقویٰ و طہارت میں نمونہ کے انسان، خوش وضع، خوش قطع، خوش لباس، خوش پوشاک، خوش بخت و خوش خصال، خوش اطوار، خوش نہاد، ایک نورانی وجود، والدین کے ادب کی رخشندہ مثال جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک اور شبنم کا صحیح مصداق.

بانیٔ دارالعلوم دیوبند کے پوتے مہتمم دارالعلوم مولانا حافظ محمد احمد صاحب قاسمیؒ کے فرزند و طیب، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت، حضرت حکیم الامت کے خلیفۂ، علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے تلمیذِ رشید، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے علمی ترجمان اور دارالعلوم دیوبند کے ساٹھ سالہ خدمت گار، مزاج ایسا کہ بچوں کے ساتھ ہوں تو حکایت لطیف، نوجوان، بزرگوں کو کلمات طیبات فرماویں تو اخلاق محسنی، دلچسپ نصائح سنائیں تو گلستان منظوم ہدایت کا باب کھلے تو ''ہست قرآں در زبانِ پہلوی''، حلیم و بردبار شخص متواضع وجود مسعود

''نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُر سوز''

(الرشید ساہیوال)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب فرماتے ہیں:

حضرت قاری صاحبؒ ایک پاک باز اور باکردار انسان تھے. حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے علوم و معارف کے ترجمان تھے. الولد سرٌّ لابیہ کا مظہر تھے. حضرت قاری صاحبؒ اکابر دیوبند کے علوم بالخصوص علوم قاسمیہ، علوم شیخ الہندؒ، علوم تھانویؒ اور علوم عثمانیؒ کا ایک عظیم خزانہ، جامع ماہر اور شارح تھے. تحریر و تقریر میں ان کو زبردست ملکہ حاصل تھا. اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کو جو خدا تعالیٰ نے علمی لحاظ سے، طلباء کے لحاظ سے، اساتذہ اور علماء

کے لحاظ سے، اقتصادیات اور تعمیرات کے لحاظ سے اور ہر لحاظ سے جو خوبیاں عطا فرمائی ہیں اور ترقیات سے نوازا ہے یہ سب کچھ حضرت قاری صاحبؒ کے دورِ اہتمام اور ان کے زیرِ نگرانی انجام کو پہنچا ہے. اور دارالعلوم کے عروج و ترقی کا تاج اور سہرا حضرت قاری صاحب کے سر ہے. حضرت قاری صاحب ایک پاکیزہ شخصیت جامع العلوم اور بہترین کمالات سے متصف تھے. (ماہنامہ الحق، اکوڑہ خٹک)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی فرماتے ہیں کہ:

حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کی عبقری شخصیت گوناگوں فضائل و کمالات کا مجموعہ تھی وہ اپنے دور کے بہترین قاری، جید حافظ، صاحب کمال عالم، قوی النسبت شیخ طریقت بے بدل خطیب، صاحب طرز ادیب، نامور متکلم، نکتہ رس فلسفی، قادر الکلام شاعر، کامیاب مدرس اور شگفتہ قلم مصنف تھے. حکمت قاسمی کے شارح اور روایات سلف کے امین تھے. قدرتِ فیاض نے حسن و جمال اور فضل و کمال کے ساتھ ساتھ عقل و دانش، فہم و فراست، حلم و وقار، حسن تدبیر اور نظم و نسق کی بے پناہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں. حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو خطابت کا خاص ذوق زبان و بیان کا خاص انداز اور افہام و تفہیم کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا. اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں بلا تکلف بولتے تھے اور خطاب فرماتے تھے. شریعت کے اسرار و حکم اور طریقت و حقیقت کے رموز و لطائف اس طرح بیان فرماتے تھے گویا دریائے علم و معرفت کا بند ٹوٹ گیا ہے اور علوم وہبیہ کا طوفان آمڈ آیا ہے. (ماہنامہ بینات کراچی)

پاکستان میں اہم خطابات

حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے لئے پاکستان کوئی اجنبی اور نیا ملک نہیں تھا. انھوں نے تو اس کے لئے قربانیاں دی ہیں. اور وہ اپنے شیخ و مربی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ اپنے استاذ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ اور ہم عصر علماء کرام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ، حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ، حضرت مولانا اطہر علی صاحب سلہٹیؒ اور دیگر حضرات کی طرح قیام پاکستان کے لئے کوشاں رہے. تحریک پاکستان میں اپنے شیخ اور استاذ کے حکم پر سرگرم حصہ لیتے رہے. انہیں پاکستان سے محبت تھی. ان کے عزیز و اقارب یہاں کثرت سے موجود ہیں یہ ان کا اپنا گھر تھا وہ یہاں بارہا تشریف لائے اور پاکستان کے بڑے بڑے شہروں کراچی، لاہور، راولپنڈی، پشاور، ملتان اور فیصل آباد کے دینی مدارس میں عوام وخواص کو اپنے سحرانگیز خطابات سے محظوظ فرماتے رہے. ہزاروں افراد یہاں آپ کی فیضِ علمی وروحانی سے مالا مال ہوئے.

جب بھی آپ پاکستان تشریف لاتے تو خاص طور پر اپنے رفیقِ خاص مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہاں دارالعلوم کراچی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ کے مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کے مدرسہ خیر المدارس ملتان ضرور تشریف لے جاتے. یہ مدارس ان کے مراکز فیض تھے.

فرمایا کرتے تھے کہ: پاکستان میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب، مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا خیر محمد صاحب اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ صاحب کی طرف نظریں اٹھتی تھیں اب یہ سب حضرات چل بسے. اب یہاں آنے اور رہنے کا مزہ نہ رہا.

ان حضرات سے آپ کے گہرے روابط تھے اور یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کا بے حد احترام فرماتے تھے. ایک بار لاہور کے قیام میں فرمایا کہ:

ہمارا درسوں میں جن سے زیادہ ملنا جلنا تھا اور جن کی کشش ہمیں یہاں لے آتی تھی وہ نہ رہے ان میں ایک تو مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ تھے جن کا حال ہی میں انتقال ہوا. دوسرے مولانا بدر عالم صاحب تھے. جنھوں نے پاکستان سے ہجرت

کر کے مدینہ منورہ کو اپنا گھر بنایا اور رشد و ہدایت کا سلسلہ دور دور تک پھیلایا. تیسرے مفتی محمد شفیع صاحب ہیں جن کے ساتھ ہر معاملے میں قریبی تعلق رہا. اٹھنا بیٹھنا. کھانا پینا، لکھنا پڑھنا سفر و حضر سب میں ساتھ رہا. بہر حال ان حضرات سے حضرت حکیم الاسلام کے گہرے تعلقات رہے. پاکستان میں جب بھی تشریف لاتے انہی حضرات کے یہاں قیام فرماتے تھے.

ذیل میں حضرت حکیم الاسلام کے پاکستان میں آخری چند دوروں کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے. جن میں آپ نے مختلف بڑے شہروں کے دینی مدارس کے اجتماعات اور چند اہم کانفرنسوں اور جلسوں سے خطاب فرمایا، یہاں انہی چند اہم خطابات کا تذکرہ کیا جاتا ہے.

جناب سجاد میر حضرت حکیم الاسلامؒ کی ۱۹۷۵ء میں لاہور میں آمد کا مختصراً آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہیں. لکھتے ہیں کہ:

"پاک سرزمین میں ایک طیب ہستی کی آمد آمد کا شہرہ تھا. دارالعلوم دیوبند برصغیر میں علوم اسلامی کی نامور درسگاہ ہے. کوئی گذشتہ نصف صدی سے اس درسگاہ کا اہتمام جس خوش بخت انسان کے سپرد ہے وہ یہی حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی ہی تو ہیں. جو جنگ دسمبر کے بعد پہلی بار پاکستان تشریف لا رہے ہیں. خاندان نانوتہ کا یہ چشم و چراغ اپنے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھنے کے لئے اس پیرانہ سالی میں بھی جوانوں کی طرح سرگرم عمل ہے. یہ ۱۳۴۷ھ کا واقعہ ہے کہ دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داری قاری صاحب کے سپرد کی گئی. اس سے پہلے ان کے والد مولانا محمد احمد صاحبؒ چالیس برس تک اس فریضے کو انجام دیتے رہے. وہ دارالعلوم کے پانچویں مہتمم تھے. ان کی وفات کے بعد کوئی ۱۱ر ماہ تک مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اہتمام کے ذمہ دار رہے اور پھر جو یہ ذمہ داری قاری صاحب کے سپرد ہوئی تو آج تک وہ اس کٹھن مرحلے سے گذر رہے ہیں.

یہ نصف صدی کا واقعہ ہے کوئی دو چار دن کی بات نہیں. اس نصف صدی میں

ہزاروں طالبان علم اس شمع علم سے اپنی مشعلیں جلا جلا کر دنیا کے اندھیروں میں دور دور تک پھیل گئے. پاکستان میں بھی اسی مردِ جلیل کا فیض خیبر سے کیماڑی تک پھیلا ہے. ان کی آمد ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے لئے ایک خوشگوار حیرت تھی. حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب پاکستان آ رہے ہیں مگر کیسے؟ فاصلوں کی فصیلیں تو خیر سدِ راہ نہیں مگر سرحدوں پر ضابطوں کی جو حدیں قائم ہیں اور انہیں پھلانگنا اس عہد میں آسان نہیں رہا. پاکستان اور بھارت کے درمیان سفارتی تعلقات تک نہیں ہیں. تاہم خدا نے وسیلہ پیدا کیا اور حکیم الاسلام محمد طیب کئی سال بعد ایک بار پھر اہلِ پاکستان کے درمیان موجود تھے. یہاں لاہور میں ان کا قیام تین دن تک رہا. اس دوران ایک درس قرآن دینے کے علاوہ قاری صاحب نے دو اجتماعات سے بھی خطاب کیا. ایک جامعہ اشرفیہ اور دوسرا دارالعلوم الاسلامیہ کی رسم دستار بندی کی تقریب تھی. ہمیں بھی ان اجتماعات میں ان کی باتیں سننے، ان سے الگ باتیں کرنے اور انہیں دیکھنے کا شرف حاصل ہوا. نہ کبر و نخوت، سراپا انکسار، دھیرے دھیرے رواں رواں جب یہ شخص علم کے گہرے سمندروں سے پایاب گذرتا ہے تو لہروں کا سکوت دیدنی ہوتا ہے. کتنے خوبصورت، کتنے نستعلیق ہیں یہ لوگ جن کی باتوں سے ملی ہے سینکڑوں کو زندگی اور یہ سینکڑوں لوگ اس روز جمعۃ المبارک کی نماز کے لئے جامعہ اشرفیہ کی مسجد کا رخ کر رہے تھے.

شہر کی دیواروں پر پوسٹر اور فضاؤں میں لاؤڈ سپیکر کی صدائیں یہ اعلان کر رہی تھیں کہ جمعہ کے فوراً بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جامعہ کے فارغ التحصیل طلباء کی رسم تقسیم اسناد سے خطاب فرمائیں گے. اس اجتماع میں جہاں دور دراز سے خلقت کھنچی چلی آتی تھی وہاں مسلک دیوبند کے جید اور نامور علماء بھی موجود تھے. قاری صاحب نے خطاب شروع کیا.

''میں آپ سے چند کلمات مختصر وقت میں گذارش کرونگا مختصر اس لئے کہ ضعیف و علیل ہوں اور بیان طویل ہوتا نہیں. ایک وجہ یہ بھی ہے بچپن کی بات ہے ہمارے استاذ

اکبر علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملنے تھانہ بھون جایا کرتے تھے. میں بھی ہمراہ ہوتا مجھے یاد ہے حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے کہ شاہ صاحب کے آنے سے میرے قلب پر ان کی عظمت کا بوجھ پڑتا ہے. ذرا تصور کیجئے کہ اتنا بڑا عارف کامل یہ بات کہہ رہا ہے اور اس وقت تو یہاں اتنے علماء موجود ہیں. اندازہ کیجئے مجھ ناتواں کے دل پر کس قدر بوجھ پڑ رہا ہوگا. سو کچھ ضعف اور علالت اور کچھ علماء کی موجودگی میں کلام کو مختصر کروں گا.

مگر پھر جو بات چلی تو اس وقت تک جاری رہی جب مؤذن نمازِ عصر کے لئے پکار رہا تھا اور بادلوں سے پھوار بھی پڑ رہی تھی. اندر ٹیپ ریکارڈوں کی قطاریں پڑی تھیں اور باہر لاؤڈ سپیکروں کا نظام متعین تھا.

بہر حال قاری صاحب نازک اور باریک نکتے سمجھا رہے تھے. وہ فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو نصیحت کر رہے تھے کہ وہ اپنی صورت اور وضع ایسی بنائیں جو دوسروں کے دلوں میں ان کے لئے محبت پیدا کرے.

وہ کہہ رہے تھے "ہم ذرا اپنے اردگرد نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے ہر شے مرکب پیدا کی ہے. اس کا ایک حصہ خفی ہے جسے روح کہتے ہیں اور دوسرا جلی ہے جسے جسم کہتے ہیں. جسم محض کی بات کریں تو اس کا انجام تو گلنا سڑنا ہے. اور روح بغیر جسم کے نمایاں نہیں ہوسکتی. یوں سمجھئے کہ جب بھی کوئی غیبی حقیقت ظاہر ہوگی. تو اس کا کوئی نہ کوئی پیرایہ کوئی نہ کوئی صورت ہوگی. جیسے گلاب کی خوشبو پتی اور پھول میں نمایاں ہوتی ہے. ذائقہ بغیر کسی شکل کے ظاہر نہیں ہوتا. اللہ ہر صورت کو مناسب حقیقت اور ہر حقیقت کو مناسب صورت دیتا ہے."

ادھر قاری صاحب کی تقریر جاری تھی. اُدھر ہمارے فوٹو گرافر محفوظ شاہد صاحب اس تاک میں تھے کہ نظریں بچا کر تصویریں اتارلوں، فلیش گن کی لائٹ چمکی اور مائک سے قاری صاحب کی ملتجانہ آواز سنائی دی.

''کیوں بھائی! تصویریں بنا کر ہمیں رسوا کرتے ہو.''

مگر وہ خاصی رسوائی کا انتظام کر چکے تھے. اور اس کے بعد کرتے رہے یہاں لاؤڈ سپیکروں نے خاصی خرابی پیدا کی. قاری صاحب کو اتوار کی صبح ایک دوسرے اجتماع سے بھی خطاب کرنا تھا. یہ اجتماع دارالعلوم اسلامیہ کا جلسہ تقسیم اسناد تھا. جہاں شہر کی ابتداء ہوتی ہے. وحدت روڈ اور ملتان روڈ آپس میں ملتی ہیں. وہیں دارالعلوم کی عمارت ہے. یہ دارالعلوم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کے ایماء پر فنِ تجوید و قرأت کی تعلیم کے لئے قائم کیا گیا تھا. چنانچہ قاری صاحب نے دو گھنٹے سے بھی طویل خطاب میں قرآن کے موضوع پر گفتگو کی. اتنی دور افتادہ جگہ تھی مگر یہاں بھی دور دور سے لوگ کافی تعداد میں آئے ہوئے تھے. (ماخوذ ہفت روزہ ادا کار لاہور)

یہ دورہ حضرت حکیم الاسلام نے جنوری ۱۹۷۵ء میں فرمایا. اسی دورۂ پاکستان میں آپ نے اپنے رفیقِ خاص حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی وفات کے سلسلے میں مولانا کاندھلویؒ کے صاحب زادگان سے تعزیت کی. جو ان کے دورہ سے چند ماہ قبل لاہور میں فوت ہو گئے تھے. اسی طرح حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کی رحلت پر بھی آپ نے تعزیت کی. اسی دوران ۱۹۷۵ء میں کراچی بھی اپنے قدیم رفیق مفتیِ اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لے گئے. اس موقع پر آپ نے دارالعلوم کے اساتذہ اور طلباء سے ''علم اور زیارت علم'' کے موضوع پر ایک اہم خطاب فرمایا جو علم و معرفت کا مرقع اور حکمتوں کا گنجینہ تھا. ایک گھنٹہ کے اس خطاب نے سامعین کو نہال کر دیا. اس خطاب کی رپورٹ اور جامعہ اشرفیہ لاہور کی رپورٹ ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی اور ''ترجمانِ اسلام'' لاہور میں مفصل شائع ہوئی ہیں. بعد میں یہ اہم تقریریں ''خطبات حکیم الاسلام'' اور ''اخلاص فی الدین'' نامی کتابوں میں بھی من و عن شائع کر دی گئی ہیں. (ماہنامہ الرشید ساہیوال)

مارچ ۱۹۷۶ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر پھر پاکستان تشریف لائے. حکومت

پاکستان نے ایک بین الاقوامی سیرت کانفرنس کے انعقاد کا پروگرام بنایا تھا. اور اس میں دنیائے اسلام کی نامور علمی شخصیتوں کو دعوت دی گئی تھی. ہندوستان سے اس پروگرام میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ اور مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی پاکستان تشریف لائے. پاسپورٹ وغیرہ کے مراحل میں تاخیر کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام قدس سرہٗ وزیر اعظم پاکستان کی طرف سے دئے گئے استقبالیہ اور سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس ہی میں شریک ہو سکے. جب کہ کانفرنس کا افتتاح حضرت حکیم الاسلام ہی کے عظیم الشان خطاب سے ہونا تھا. حضرت حکیم الاسلام نے سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس سے خطاب فرمایا اور آپ نے اپنے خطاب میں ارشاد فرمایا:

''پاکستان نے جو یہ بین الاقوامی سیرت کانفرنس منعقد کی ہے میں پاکستان کو توجہ دلاتا ہوں کہ اس بین الملکی کانفرنس کے پیشِ نظر اتحاد باہمی کے جو مبارک اور خوش آئند اثرات ونتائج ہیں. ان میں اس بات کو ضرور ملحوظ رکھا جائے کہ پڑوسی ممالک کا زیادہ حق ہے. کہ ان کو اتحاد کے جذبہ سے پاکستان زیادہ سے زیادہ اپنے سے قریب کرے. اور ان پڑوسی ممالک میں اس کا سب سے زیادہ حقدار ہندوستان ہے.''

حضرت نے اپنی تقریر کے دوران یہ بھی ارشاد فرمایا کہ پاکستان نے عالمی اتحاد کے سلسلے میں دو عظیم الشان اقدامات کئے ہیں. ایک سربراہِ کانفرنس اور دوسری سیرت کانفرنس جو عالمی اتحاد کا موجب ہوگی.''

۲۰ / مارچ ۱۹۷۶ء کو کراچی میں منعقد کئے گئے سیرت کانفرنس کے استقبالیہ میں جو شہر کراچی کی طرف سے دیا گیا تھا. انتظام کرنے والی سیرت کمیٹی نے حضرت حکیم الاسلام سے درخواست کی کہ وہ مہمانوں کا شکریہ ادا کریں. حضرت نے کلمات ترحیب وتشکر پیش کرتے ہوئے یہ دلچسپ بات ارشاد فرمائی کہ اس کانفرنس کے مہمان خصوصی عرب ممالک کی مؤقر شخصیتیں ہیں. جن کی مہمانی کا

شرف عجمیوں کو حاصل ہے. اور عجم ہونے کے رشتہ سے پاکستان اور ہندوستان دونوں برابر ہیں. اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت میں مہمان کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک میزبان کی حیثیت سے ہندو پاکستان دونوں کی طرف سے خیر مقدم کرتا ہوں. اور عرب مہمانوں کے لئے سپاس گزار ہوں."

سیرت کانفرنس کے اختتامی اجلاس میں سیرت کمیٹی کی طرف سے حکیم الاسلام کو چاندی کے منقش خول میں جو ایک مخملی بکس کے اندر تھا ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا. جس میں دارالعلوم دیوبند کی اور حضرت کی دینی علمی اور اصلاحی خدمات کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے وضاحت کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ یوں تو تمام پاکستان ہی مہمانوں کا شکر گذار ہے. لیکن اہلِ پاکستان کو سب سے زیادہ دو شخصیتوں نے متاثر کیا ہے ایک حرم مکہ کے امام شیخ عبداللہ بن السبیل اور دوسرے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب شیخ الجامعہ دارالعلوم دیوبند.

جب حضرت اقدس اس اختتامی اجلاس سے باہر تشریف لانے لگے تو عوام کے زبردست ہجوم نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ چونکہ عوام حضرت حکیم الاسلام کی تقریر سننے آئے تھے. جس سے اب تک محروم رہے ہیں. اس لئے ہم اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتے. جب تک اس جلسہ میں حضرت ممدوح کی کوئی مفصل تقریر نہ ہو.

چنانچہ قاری ظاہر قاسمی صاحب نے لوگوں کو اطمینان دلایا اور جلسہ دوبارہ جمایا گیا اور ساٹھ ستّر ہزار افراد کے ایک زبردست اجتماع میں حضرت کی تقریر ہوئی. جو ایک تاریخی اہمیت کی تقریر تھی.

۲۵/مارچ ۱۹۷۶ء کو حضرت حکیم الاسلام لاہور روانہ ہوئے. لاہور میں ۲۷/مارچ کو شب میں ایک عام شہری جلسہ ہوا. جس میں ایک اہم تقریر ہوئی اور ۲۸/مارچ ماہنامہ الرشید و دارالعلوم دیوبند نمبر کے افتتاح کے لئے دوسرا جلسہ عام جامعہ اشرفیہ لاہور میں ادارہ الرشید کی طرف سے منعقد کیا گیا جس میں ابتدائی تقریر حضرت مولانا مفتی محمود

صاحبؒ کی ہوئی. جو دارالعلوم کی عظمت وشان پر مشتمل تھی. اس کے بعد مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور کی تقریر ہوئی. اور آخری تقریر دارالعلوم دیوبند کے موضوع پر حضرت حکیم الاسلامؒ کی ہوئی جس میں یہ نمبر تجلید شدہ حضرت کو مع سپاسنامہ پیش کیا گیا. اور پانچ نسخے دارالعلوم کے لئے دیئے گئے. اس تقریب میں حضرت کی خدمت میں جو سپاسنامہ پیش کیا گیا اس کے چند جملے ملاحظہ فرمایئے:

یہ سپاسنامہ عبدالرشید ارشد نے پیش کیا.

عالی مقام حکیم الاسلام! علم وعمل کے تاجدار! آپ کے دارالعلوم دیوبند نے صرف علمی خدمات ہی سرانجام نہیں دیں بلکہ ایسے عملی انسان پیدا کئے جو اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں حضور اقدسؐ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے تھے. اور جنھوں نے عملی طور پر سنن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا احیاء کیا. جس کا اثر یہ نکلا کہ علی گڑھ. ندوۃ اور دیگر اداروں کے ممتاز افراد اور سربراہ ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے.

معزز مہمان! آپ کے شیخ اور سرپرست دارالعلوم حضرت حکیم الامت تھانویؒ، آپ کے استاذِ مکرم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند، آپ کے رفیقِ خاص دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی شیخ الحدیث دارالعلوم اور آپ نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کا قائدانہ ساتھ دیا. جس سے پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوا. ورنہ شاید پاکستان کا قیام عمل میں نہ آتا."

اسی دوران اسلام آباد اور راولپنڈی وغیرہ شہروں میں بھی تشریف لے گئے. جہاں دوسرے کئی اجتماعات سے خطاب فرمایا. اسلام آباد میں جناب مولانا کوثر نیازی سابق وزیر مذہبی امور نے حضرت کو ایک پرتکلف دعوت دی. اور راولپنڈی میں مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ نے اپنے مدرسہ میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا. جس میں حضرت نے خطاب فرمایا. بعد میں حضرت نے اہل شہر کی طرف سے دیئے گئے ایک

استقبالئے میں شرکت کی.اور مختصر خطاب کیا.

اس کے بعد حضرت حکیم الاسلامؒ کراچی تشریف لے گئے. جہاں ۳۰/مارچ ۱۹۷۶ء کو دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات کے سلسلہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی صدارت میں ان ہی کے دارالعلوم کراچی کورنگی میں پاکستان کے دینی مدارس کے سربراہان کا ایک اہم اجلاس ہورہا تھا.آپ بھی اس میں شریک ہوئے.اس اجلاس میں ملک بھر کے جیّد علماء تشریف لائے تھے.اس اہم اجلاس سے مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور،اور مولانا محمد تقی عثمانی وغیرہ حضرات نے خطاب کیا اور آخر میں حضرت حکیم الاسلام نے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کی تقریبات کی تیاری کے بارے میں مفصل روشنی ڈالی.اور اس سلسلے میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی.جس کے کنوینر مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور ناظم مولانا محمد تقی عثمانی مہتمم دارالعلوم کراچی منتخب کئے گئے.

۳۱/مارچ ۱۹۷۶ء کو آپ واپس دیوبند روانہ ہو گئے.(مختصر رپورٹ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)

حضرت حکیم الاسلام آخری عشرہ اپریل ۱۹۷۸ء میں دیوبند (انڈیا) سے کراچی تشریف لائے.مستقل قیام اپنے برادر زادہ قاری طاہر قاسمی صاحب کے ہاں تھا.سب سے پہلے اپنے رفیق قدیم مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی وفات پر تعزیت کے لئے حضرت مفتی اعظمؒ کے صاحبزادگان مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی اور مولانا محمد تقی عثمانی کے ہاں دارالعلوم کورنگی تشریف لے گئے. جہاں دارالعلوم کراچی کے اساتذہ طلباء اور منتظمین حضرات سے حضرت مفتی اعظم کی رحلت پر تعزیتی خطاب فرمایا.جس میں حضرت مفتی اعظم کے اوصاف وکمالات دینی وعلمی خدمات اور اپنے قدیم تعلقات کا ذکر فرمایا.

اس کے بعد ۲۹/اپریل بروز شنبہ حضرت حکیم الاسلام صبح قریباً ۸/بجے جامعۃ العلوم الاسلامیہ نیوٹاؤن کراچی گئے.اور وہاں کے اساتذہ وطلباء کی حضرت علامہ محمد

یوسف بنوریؒ کی وفات پر تعزیت کی اور اسی سلسلہ میں خطاب بابرکت سے بھی اساتذہ و طلباء کو مشرف فرمایا، ان دونوں حضرات مرحومین کی تعزیت کے سلسلے میں جو کلمات ارشاد فرمائے اس کے چند جملے ملاحظہ فرمائے۔

ارشاد فرمایا کہ: ''ان حضرات کی رحلت کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو نفس وصال کی جس کا تعلق ان حضرات کی ذات سے ہے۔ دوسرے فراق کی۔ جس کا تعلق ان حضرات کے پس ماندوں سے ہے۔ جہاں تک نفس وصال کا تعلق ہے اس میں رنج و غم کی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ یہ حضرات بوجہ علم و اخلاق اور زہد و تقویٰ کے فائز المرام تھے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے یقیناً ان کو بخش دیا ہوگا۔ بلکہ مراتب عالیہ کا معاملہ فرمایا ہوگا۔ اور جہاں تک تعلق پس ماندوں کا ہے وہ واقعی قابلِ رنج و غم ہے۔ مگر اس میں بھی قول خداوندی اِنَّ مع العسر یسراً۔ ایک وجہ تسلی کی نکل سکتی ہے۔

امام محمدؒ کی وفات کے بعد بعض عارفین نے پوچھا کہ آپ پر کیا گزری؟

پہلی بات تو یہ فرمائی کہ علماء نے سن رکھا تھا کہ موت بڑی کسنگ چیز ہے، بڑی سخت چیز ہے، بڑی ہی درد و کرب کی چیز ہے مجھے تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔ میں تو فقہ کا ایک مسئلہ سوچ رہا تھا سوچتے سوچتے آخرت میں پہنچ گیا۔ مجھے خبر نہیں گذری، یہ ایک جملہ ہوا۔ اور دوسرا جملہ یہ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھے بخش دیا۔ اور یہ فرمایا کہ اے محمد! اگر ہمیں بخشنا نہ ہوتا تو ہم اپنا علم تیرے سینے کے اندر کیوں ڈالتے، علم تو تقویٰ کی چیز ہے۔ تو یہی صورت ان حضرات کی بھی ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے ان کے سینے میں علم ڈالا اور علم بھی ایک امتیازی درجہ کا۔

اپنے اساتذہ و شیوخ بالخصوص حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور استاذ الاکبر حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے علوم و معارف کی جتنی امانت ان حضرات کے سینے میں تھی اور ان علوم و معارف پر جتنا افادہ ان حضرات نے فرمایا یہ بھی امتیازی چیزیں تھیں جو انہیں حاصل تھیں۔ اتنا بڑا علم کتاب و سنت کا جب ان حضرات کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ڈالا تھا تو انشاء اللہ ثم انشاء اللہ یہ یقین ہے کہ ان کے مراتب

بھی بلند ہونگے. ویسے تو غیب کی خبر اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے. مگر اللہ ہی نے جن علامات کی اطلاعات دی ہیں ان کی بنا پر ہم امید رکھ سکتے ہیں کہ انشاء اللہ ان حضرات کے مراتب بلند ہیں اور وہ درجات قرب میں ہیں اور بہت اونچے مقام پر ہیں انشاء اللہ ثم انشاء اللہ تو ان کے لئے کوئی رنج کی چیز نہیں ہے. کیونکہ انھوں نے تو اپنا مقصد پالیا. رنج اور صدمہ تو پسماندوں کا ہے. کہ جن سے ایک نعمت چھن گئی. ایک دولت چھن گئی. اس واسطے رنج اور صدمہ اپنے فراق کا ہے. ان کے وصال کا نہیں ہے.

جب میں نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے انتقال کی خبر سنی تو دارالعلوم دیوبند میں اس حادثۂ فاجعہ کا سب سے زیادہ اثر مجھ ناتواں پر ہوا. وہ میرے تعلیمی زمانے کے ساتھی تھے ایک ساتھ دونوں نے پڑھا، ایک ہی ساتھ حج کیا ایک ہی ادارہ میں رہے اور ایک ہی وقت درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا. وہ مدتوں دارالعلوم دیوبند میں حدیث وفقہ کے استاذ اور صدر مفتی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے. سینکڑوں کتابوں کے مصنف تھے. تفسیر میں تفسیر معارف القرآن ان کا عظیم کارنامہ ہے. حضرت مفتی صاحب پاکستان میں مسلک دیوبند کے عظیم داعی اور ترجمان تھے. حضرت مفتی صاحبؒ اور حضرت بنوریؒ صاحب اگرچہ آج ہم میں نہیں ہیں. مگر ان کا علم اور ان کی دینی خدمات زندہ ہیں. اور زندہ رہیں گی. حضرت مولانا بنوری صاحب مرحوم ایک بڑے عالم اور محدث تھے. مولانا مرحوم کا جو برتاؤ میرے ساتھ تھا وہ ایک خصوصی برتاؤ تھا. وہ بڑی محبت کرتے تھے. اور محبت سے گزر کر ایسی نیازمندی سے پیش آتے تھے. جیسے کوئی شاگرد، یہ تواضع للہ کی بات تھی ورنہ وہ علم فضل میں ہم لوگوں سے کہیں بڑے تھے. مگر جتنا علم بڑھتا ہے اتنی ہی تواضع بڑھتی ہے. حق تعالیٰ شانہٗ آپ سب کو اور ہمیں صبر بھی دے اور اجر بھی عطا فرمائے اور توفیق بھی دے کہ آئندہ ان کے کاموں کو چلائیں اور ان کے یہ مدارس خدا کرے ہمیشہ جاری وساری رہیں.''

کراچی میں چند اجتماعات سے خطاب فرمانے کے بعد آپ بذریعہ طیارہ

۳۰ رمئی ۱۹۷۸ء کو ملتان تشریف لائے. آپ کے ہمراہ مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور شیخ الحدیث مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب بھی تشریف لائے. جو حضرت کے مجازین خصوصی بھی ہیں. ملتان میں آپ مولانا محمد شریف جالندھری مرحوم مہتمم جامعہ خیر المدارس کی دعوت پر تشریف لائے تھے. مولانا محمد شریف صاحب مرحوم بھی حضرت کے مجاز بیعت تھے.

۳ رمئی کو جامعہ خیر المدارس ملتان میں ایک عظیم الشان جلسے کا اہتمام کیا گیا تھا. جس میں پورے پنجاب سے ہزاروں لوگ حضرت کی زیارت اور تقریر سننے کی غرض سے جمع ہوئے تھے جلسے کا پروگرام نماز مغرب کے بعد ہی شروع ہو گیا تھا. جلسہ میں علماء صلحاء اور طلبہ کی بہت بڑی تعداد موجود تھی.

حضرت حکیم الاسلامؒ نے خیر المدارس کے فارغ التحصیل علماء کی دستار بندی بھی کی اور ہزاروں افراد کے اس اجتماع سے ایک بصیرت افروز علمی خطاب بھی فرمایا. حضرت کی تقریر کے چند جملے یہاں پیش کئے جاتے ہیں. جو حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری بانی مدرسہ خیر المدارس کی وفات کے بارے میں تعزیتی کلمات ہیں. ویسے یہ تقریر ایک ڈیڑھ گھنٹہ تک بڑے علمی انداز میں جاری رہی. جو ماہنامہ الرشید ستمبر ۱۹۸۳ء میں مکمل شائع بھی ہو چکی ہے. لیجئے صرف یہاں چند تعزیتی کلمات ملاحظہ فرمائیے. ارشاد فرمایا کہ:

> ''میری اس وقت حاضری کا مقصد ملتان میں نہ کوئی جلسہ تھا نہ کوئی مجلس تھی. نہ کوئی تقریب اور نہ وعظ کا تخیل ذہن میں تھا. میری حاضری کا مقصد حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان کی وفات کے بعد یہ پہلی حاضری تھی تا کہ تعزیت ادا کروں. اور تعزیت کے لئے ہجوم اور مجمع نہیں ہوتا. اگر مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ جلسہ کا اعلان کیا گیا ہے تو میں روک دیتا. اور مجھے امید تھی کہ مولانا محمد شریف صاحب مہتمم مدرسہ خیر المدارس، فرزند ارجمند حضرت مولانا خیر محمد صاحب

مان بھی لیتے. لیکن اچانک آ کر معلوم ہوا کہ کوئی جلسہ بھی ہے اور اجتماع بھی. جلسہ اور تقریریں ان سب کے لئے ضرورت پڑتی ہے نشاط کی، طبیعت میں انشراح ہو، نشاط ہو، یہ ساری چیزیں مل جاتی ہیں. مگر میں اس وقت حاضر ہوا ہوں ایک بجھے ہوئے دل کے ساتھ مولانا خیر محمد صاحب کا غم ستائے ہے. مگر یہاں آ کر تازہ ہو گیا حالاں کہ ان کی وفات کو ایک عرصہ گذر چکا ہے مگر میرا تعلق اتنا قوی تھا ان سے اور قلبی رابطہ برسہا برس سے تھا. مولانا مرحوم جب جالندھر میں مقیم تھے، پنجاب کا جو بھی میرا سفر ہوتا تو اس جگہ اترنا لازمی ہوتا تھا. جالندھر میں مولانا مرحوم کی وجہ سے اور امرتسر میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب مرحوم کی وجہ سے، پاکستان بننے کے بعد مولانا مرحوم کا قیام ملتان میں ہوا، یہاں بھی ایک دو مرتبہ ان کی حیات میں حاضری ہوئی. اس وقت ان کی وفات کے بعد یہ پہلا موقعہ ہے حاضری کا. تو وہ سارے تعلقات بھی سامنے آ گئے. وہ ساری تاریخ سامنے آ گئی. اس وجہ سے دل پر غم کا ایک بوجھ ہے تو اس بجھے ہوئے دل سے میں کیا تقریر کروں اور کیا جلسے کا حق ادا کروں؟ اور خود میرا بھی اب ضعیفی کا عالم ہے قوت بھی وہ نہیں ہے. جو پہلے تھی. جذبات بھی سرد پڑ چکے ہیں تو ایسی حالت میں تقریر ہو تو کیا ہو؟ بہر حال اب غم کے سلسلے میں ہی ایک تعزیتی تقریر ہوگی''.

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم کی ذات مقناطیسی ذات تھی جو قلوب کا رجحان تھا اور دل کھینچتے تھے. اور ان کی وفات جیسا کہ مقولہ مشہور ہے. موت العالم موت العالم، اس لئے کہ عالم کے ذریعے حیات پھیلتی ہے وہ حیات یہ نہیں ہے جو کھانے پینے کی ہے. وہ حیات روحانی ہوتی ہے اور وہی حقیقی حیات ہے اور وہی حقیقی روح ہے. اس لئے حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم کو اپنی روح فرمایا ہے. اسی روح سے اقوام زندہ ہونگی اور اسی روح کے نکل جانے سے پژمردگی طاری ہوگی.

حضرت کی یہ عالمانہ بصیرت افروز تقریر ''روح اور جسم کی حقیقت'' کے بارے

میں مدلِلانہ انداز سے ہوتی رہی. اور لوگوں کا عظیم الشان ٹھاٹھیں مارتا ہو، اسمندر بڑے پرسکون ماحول میں حضرت کی یہ تقریر سنتا رہا. آگے حضرت نے علماء ربانی کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''علماء ربانی کی شان یہ بتائی گئی ہے. کہ ان کا دل، روح اور دماغ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہتا ہے. یہ اثر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کا صدقہ ہے. حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں فرمایا گیا ہے کہ کان یذکر اللہ علی کل احیانہ.

کوئی لمحہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ سے خالی نہیں ہوتا تھا. زبان سے ذکر کریں، قلب سے ذکر کریں. جس کو ذکر کہتے ہیں. روح سے ذکر کریں. جس کو توجہ کہتے ہیں اور معرفت کہتے ہیں. غرض کسی نہ کسی طریق پر ذکر میں مصروف رہتے ہیں. تو جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے جس کے لئے کہا گیا ہے کہ موت العالم موت العالم، تو ایسے عالم کا اٹھ جانا تو پورے عالم کا اٹھ جانا ہے. کیونکہ وہ روح نکل جاتی ہے تو پورے عالم پر ایک پژمردگی چھا جاتی ہے.

تو میں نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ مولانا خیر محمد صاحبؒ جیسے ان کے نام میں خیر ہے. ان کے مسمّٰی میں بھی اللہ نے خیریت ہی رکھی تھیں. اور واقعۃً خیر ہی خیر تھے.

حدیث کا پڑھنا پڑھانا، قرآن پاک کا درس دینا. مواعظ سے تبلیغ و تلقین کرنا. اپنے پروردوں کی تربیت کرنا. غرض ذکر اللہ ہی ان کا مشغلہ تھا. چاہے کسی بھی انداز سے ہو تو ایسے عالم ربانی کا اٹھ جانا یقیناً پورے عالم کے لئے موت کا بھی اور علامات موت کا یقیناً اشارہ ہے. جب کوئی عالم ربانی اٹھتا ہے تو قلوب محسوس کرتے ہیں کہ ایک قسم کی ظلمت طاری ہوگئی ہے پورے عالم پر روحانیت میں کمی آگئی ہے. ہر شخص محسوس نہیں کرتا. صاحبِ دل جانتا ہے کہ نورانیت میں کتنی کمی آئی ہے. (ماہنامہ الرشید ساہیوال ستمبر ۱۹۸۳ء)

الغرض حضرتؒ نے جامعہ خیر المدارس ملتان میں یہ ایک نہایت نصیحت آمیز تقریر فرمائی. اس کے علاوہ مدرسہ قاسم العلوم اور تعلیم الابرار وغیرہ مدارس کا بھی معائنہ فرمایا.

خیر المدارس میں حضرت کی تقریر کے بعد حضرت مولانا محمد مالک کاندھلوی صاحب نے بھی خطاب فرمایا۔اور دعا حضرت نے فرمائی۔شب کا قیام خیر المدارس ہی میں فرمایا۔

۴رمئی ۱۹۷۸ء کو مع رفقاء ساہیوال تشریف لے گئے۔اس کی مختصر رپورٹ حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ رشیدی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے۔

فرماتے ہیں کہ: ۲۵رجمادی الاولیٰ ۱۳۹۸ھ جمعرات کی صبح جامعہ رشیدیہ کے لئے ایک عجیب صبح تھی کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند جامعہ رشیدیہ نمبر ۲ر کی جدید عمارت کے افتتاح کے لئے تشریف لائے۔حضرت قاری صاحب مدظلہٗ نے ملتان تا لاہور کار کے ذریعے صرف اس لئے سفر کی تکلیف فرمائی کہ راستہ میں ''دیوبند مکاتیب فکر'' کے احباب سے ملاقات ہو جائے۔ چنانچہ حضرت موصوف ۹ربجے کے قریب جامعہ رشیدیہ تشریف لائے۔جامعہ کے اکیس علماء فارغ التحصیل کی دستار ہائے فضیلت،سندات،انعامی کتب آپ کے سامنے رکھی تھیں۔اور ۲۲رطلباء حفاظِ قرآن،قرآن حکیم ختم کر چکے تھے۔

حضرت کی تشریف آوری پر احقر ناظم ادارہ نے مختصر سا زبانی سپاسنامہ پیش کیا۔ اور جامعہ رشیدیہ کا دارالعلوم دیوبند اور اکابر دیوبند سے تعلق اور رابطہ بیان کیا۔

حضرت نے جامع خطاب فرماتے ہوئے (کتب خانہ رشیدیہ) میں دعا فرمائی اس تقریب سعید میں ساہیوال، بھاولپور، بھاول نگر، ملتان، فیصل آباد، سرگودھا اور لاہور کے اضلاع سے لوگ حضرت قاری صاحب موصوف کی زیارت کے لئے اور خطاب سے مستفید ہونے کے لئے کثیر تعداد میں شریک ہوئے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے اپنے مختصر مگر جامع خطاب میں فرمایا کہ:

''پاکستان میں میری حاضری محدود وقت کے لئے ہوتی ہے۔وقت بہت کم ہے اور پروگرام طے پایا کہ ملتان سے لاہور تک سفر سڑک کے راستے بذریعہ کار کیا جائے تاکہ راستے میں دوستوں سے ملاقات ہوتی چلی جائے۔اور زیارت سے ہم مستفید

ہوتے چلیں گے اگر چہ گرمی کا موسم ہے اور سفر گو دشوار تھا مگر دوستوں اور احباب کی گرمی محبت گرمی آفتاب پر غالب آ گئی. جامع رشیدیہ میں حاضری ہوگئی. کیونکہ اس کا تعلق اکابر دارالعلوم دیوبند سے ہے. نیز جہاں بھی کوئی فاضل دارالعلوم بیٹھا ہے اس سے تعلق ہے یہ خطہ تو ایک ہی تھا مگر تقسیم نے جدا کر دیا.

یورپ میں، میں نے دیکھا ہے کہ بہت زیادہ مدارس قائم ہیں. اور فضلاء دارالعلوم اپنی اپنی جگہوں پر اشاعت دین میں بذریعہ تدریس مصروف ہیں. تقریباً بیس رپچیس گرجے خرید کر وہاں مدارس اور مساجد قائم کر دی گئی ہیں. اور فضیلت کی بات یہ ہے کہ ان گرجوں کو خریدنے میں غیر مسلموں نے بھی انتہائی کوشش کی. مگر فروخت کرنے والوں نے مسلمانوں کے ہاتھ بیچنے کو ترجیح دی. کیونکہ وہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا نام لیں گے." اب وہاں عقیدۂ تثلیت کی جگہ عقیدہ توحید کی تعلیم دی جارہی ہے. اور یورپین نوجوان نسل اپنے نظریات واعمال سے دل برداشتہ ہو چکے ہیں. وہ اب سکون حاصل کرنے کی سعی میں مصروف ہیں. جس کے نتیجے میں فضلاء دارالعلوم دیوبند نے نوجوان نسل کے ذہنوں میں تبدیلی کے لئے محنت کی اور کر رہے ہیں. اور اس میں بڑی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں. اور اس لئے میں کہتا ہوں کہ آپ ہی (فضلاء دارالعلوم) فاتح انگلستان بن سکتے ہیں. یہی صورت برما وغیرہ دوسرے ممالک میں ہے. کہ وہاں بھی مدارس قائم ہیں. اور اشاعت اسلام میں مصروف ہیں. بہر حال اکابر دارالعلوم دیوبند نے ایسا شجرہ طیبہ قائم کیا ہے کہ دنیا میں کہیں شاخیں ہیں، کہیں پھول اور کہیں پتیاں.

حضرت نے فرمایا کہ: "میں تو ایک طالب علم ہوں اور یہاں آ کر سکون محسوس کر رہا ہوں کیونکہ مچھلی جس طرح پانی میں خوش ہوتی ہے اور وہاں اسے آرام ملتا ہے. اپنی برادری میں آ کر مجھے قلبی سکون و آرام میسّر ہوا. اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو ہمیشہ قائم رکھے. یہاں میری حاضری میرے لئے باعثِ سعادت ہے. کہ اتنے احباب، دوستوں اور بزرگوں کی زیارت ہوگئی. بزرگوں واحباب کی زیارت کرنا اسلام کی روایت ہے."

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ: ''ہم میں سے کوئی پنجابی ہے. کوئی پٹھان ہے اور کوئی کسی خاندان اور علاقہ سے تعلق رکھتا ہے. مگر اسلام کے ایک رشتہ نے سب تفاوت اور فرق ختم کردئے. ہم میں گو بُعد زمان و مکان ہے. مگر رشتہ اسلام کی وجہ سے دلوں میں قرب ہے. اور دلوں کے اس تعلق اور محبت کو بُعد زمانی یا مکانی ختم نہیں کر دیتا. اس زیارت کو غنیمت سمجھتا ہوں. کیونکہ عمر کی آخری منزل ہے. دل چاہتا ہے کہ جتنے احباب سے ملاقات ہو جائے اتنا ہی کم ہے.'' اس کے بعد حضرت نے دعا فرمائی اور مجلس ختم ہوگئی. (ماہنامہ الرشید مئی ۱۹۷۸ء)

جامعہ رشیدیہ ساہیوال سے بذریعہ کار لاہور تشریف لے گئے جہاں جامعہ اشرفیہ میں آپ نے قیام فرمایا. یہ وہ عظیم درسگاہ ہے جس میں حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی متعدد بار تشریف آوری ہوئی ہے. اور یہاں بڑے بڑے عظیم الشان جلسوں سے آپ نے خطاب فرمایا ہے. جامعہ اشرفیہ کے بانی حضرت اقدس مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ حضرت حکیم الاسلام کے خاص رفیق و بزرگ ساتھی تھے. جامعہ اشرفیہ کے موجودہ مہتمم اور حضرت مفتی صاحب کے صاحبزادے حضرت مولانا عبید اللہ صاحب اور نائب مہتمم حضرت مولانا صاحبزادہ عبدالرحمٰن صاحب حضرت حکیم الاسلامؒ کے خلفاء و مجازین میں سے ہیں. اور حضرت حکیم الاسلام کے خاص عشاق میں سے ہیں.

پاکستان میں حضرت حکیم الاسلام کے فیض یافتہ حضرات کی بہت بڑی تعداد موجود ہے. اور حضرت کے ہزاروں مریدین و تلامذہ ملک بھر میں دینی علمی اور تبلیغی خدمات میں مصروف ہیں. پاکستان میں حضرت کا یہ آخری دورہ تھا. اس کے بعد دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس ۱۹۸۰ء میں دیوبند میں منعقد ہوا جس کی مختصر رپورٹ آگے آرہی ہے.

دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ تقریبات

دارالعلوم دیوبند کے قیام کو اس وقت تقریباً ایک سو بیس سال گذر چکے ہیں. مدارس دینیہ عربیہ کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے کہ وہ ہر سال اپنے فضلاء کو

ڈگری دینے کے ساتھ ان کی دستار بندی یعنی ان کے سر پر پگڑی باندھتے ہیں. جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہ طالب علم اب پڑھانے کے قابل ہو گیا ہے اور اس کے اساتذہ اس طالب علم کی نیک چلنی پر مطمئن ہیں. دارالعلوم میں پچھلے ایک سو بیس سال میں تین دفعہ اس قسم کی تقریبات منعقد ہوئی ہیں. جن میں فضلاء دارالعلوم کی دستار بندی کی گئی.

سب سے پہلے جلسہ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اور دیگر اکابر علماء کرام کی دستار بندی کی گئی تھی. اور دوسرے جلسے میں جو کہ اس کے ۲۵/سال بعد ہوا تھا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے مشاہیر علماء کی دستار بندی کی گئی تھی. ان دو جلسوں کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مرحوم کی سعی و کاوش سے ان کے آخری دور اہتمام میں مارچ ۱۹۸۰ء میں فضلاء دارالعلوم دیوبند کی دستار بندی کے لئے یہ صد سالہ تقریبات منعقد کی گئی تھی. جس میں تقریباً ۱۷/ہزار افراد کو سندِ فضیلت دی گئی اور ان کی دستار بندی کی گئی. یہ تقریبات ۲۱/مارچ تا ۲۳/مارچ تین روز تک جاری رہیں. اور اس صد سالہ تقریبات دارالعلوم دیوبند میں تمام ممالک اسلامیہ سے فضلاء دیوبند اور دیگر معزز حضرات اور علماء کرام نمائندگانِ حکومت اور سفراء عالم اسلام نے شرکت کی. اور بڑے بڑے ممالک اسلامیہ کے سربراہوں کے پیغامات پڑھ کر سنائے گئے. تقریبات کی ابتداء پاکستان سے اسپیشل ٹرین کے پہنچنے پر ہوئی. پاکستان سے ایک ہزار سے زائد افراد پر مشتمل ایک اسپیشل ٹرین جس کی قیادت حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ حضرت مولانا عبید اللہ صاحب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا عبد القادر آزاد صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا محمد تقی عثمانی وغیرہ حضرات علماء نے کی.

صبح ۶/بجے دیوبند کے اس نئے اسٹیشن پر پہنچی جو پنڈال کے سامنے اس تقریبات کے لئے بنایا گیا تھا. اسپیشل ٹرین کو لاہور میں کسٹم اور امیگریشن اور محکمہ صحت

کے عملے نے بہت گرم جوشی کے ساتھ رخصت کیا تھا اس اسپیشل ٹرین کا استقبال دارالعلوم دیوبند کے منتظمین اور دیوبند کے شہریوں نے بڑے پُر تپاک انداز میں کیا.

۲۰ رمارچ کو ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں سے اسپیشل ٹرینیں آدھ آدھ گھنٹہ بعد دیوبند آتی رہیں. اور شام تک دیوبند کا ہر حصہ علماء کرام اور دوسرے لوگوں سے بھر چکا تھا. ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے. لوگوں کی رہائش کے لئے پنڈال کے اردگرد خیمے لگائے گئے تھے. اور ہر ملک کے لئے الگ الگ خیمے تھے. اور وہاں پر رہائش کا اچھا انتظام کیا گیا تھا.

۲۱ رمارچ تقریبات کے پہلے روز سب سے پہلے صبح نو بجے ہندوستان کے محکمے ڈاک نے اسی صدسالہ تقریبات کے لئے جو ٹکٹ جاری کیا تھا اس کی خریداری کا افتتاح کیا. اور ڈاک خانے کے بڑے افسر نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے لئے ٹکٹوں کا پیکٹ بطور تحفہ پیش کیا. اور اس کے بعد اس ٹکٹ کی فروخت دارالعلوم دیوبند اور پنڈال کے قریب بنے ہوئے ڈاک خانہ میں شروع کی گئی. اور چند ہی گھنٹوں میں اس ٹکٹ کا اسٹال مکمل طور پر ختم ہوگیا.

۲۱ رمارچ بروز جمعہ پنڈال ہی میں نماز جمعہ کا اہتمام کیا گیا تھا. پنڈال اتنا بڑا بنایا گیا تھا کہ اس میں تقریباً دس لاکھ افراد بیٹھ سکتے تھے. اسٹیج بھی بہت بڑا بنایا جس میں تقریباً تین ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی. اسٹیج پر کرسیاں لگائی گئی تھیں. پنڈال میں سب سے آگے صحافیوں کے لئے میز کرسیاں لگائی گئی تھیں. نماز جمعہ میں تقریباً انیس بیس لاکھ افراد نے شرکت کی اور اتنا بڑا ہجوم تھا کہ تمام پنڈال اور اس کے اردگرد اور تمام وہ شامیانے جو لوگوں کے قیام کیلئے بنائے گئے تھے نمازیوں سے بھر گئے تھے. اور پھر بھی بہت سارے لوگ رہ گئے جنھوں نے اپنی نماز کا الگ انتظام کیا.

واضح رہے کہ دیوبند کی تمام مساجد اور دارالعلوم کی بڑی مسجد میں بھی جمعہ کا انتظام حسبِ سابق تھا. پنڈال میں جمعہ کی نماز کی امامت کے فرائض حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے انجام دئے. اور نماز کے بعد اتنے بڑے اجتماع نے اسلام کی سربلندی اور عالم اسلام کی خوشحالی اور اجتماع کی کامیابی کے لئے دعا کی.

عجیب منظر تھا. بچے، بوڑھے، جوان، علماء، مشائخ، صوفیا، اور عوام ہر قسم کے لوگ خدا تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کر رہے تھے اور اپنے عجز کا اظہار کر رہے تھے. اسی عاجزی اور آہ وزاری کا ثمرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سہ روزہ اجتماع کامیاب کیا اور اتنے بڑے ہجوم میں کسی قسم کا کوئی حادثہ پیش نہیں آیا. اور نہ ہی کسی شخص کو کسی قسم کی پریشانی ہوئی.

نماز جمعہ کے بعد پہلے اجلاس کا آغاز مصر کے مشہور قاری عبدالباسط عبدالصمد کی تلاوتِ پاک سے ہوا. اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا. انھوں نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھے اس خدمت کے لئے مقرر فرمایا. کہ میں اس عظیم اجتماع میں دارالعلوم دیوبند کی طرف سے سپاسنامہ پیش کروں اور ہم خدا تعالیٰ کے شکر گذار ہیں. کہ آج یہاں دنیا بھر کے علماء کرام و مشائخ عظام، امراء کرام اور غریب مسلمان سب کے سب ایک جگہ جمع ہیں. اور ان کے دل اور جسم دونوں ایک اسلامی اخوت اور مساوات کا مظاہرہ کر رہے ہیں. یہ صرف اللہ تعالیٰ کا انعام ہے. اور میں آپ تمام حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر اس اجلاس میں شرکت کر کے اس کو کامیاب و کامران کیا. دیوبند ایک قدیم ترین بستی ہے. جو تین ہزار سال قبل کی آبادی بتائی جاتی ہے. اور آج یہ مسلمانوں کا ایک عظیم علمی مرکز ہے. اس بستی میں ۳۰ رمئی ۱۸۶۶ء کو انار کے درخت کے نیچے اس مرکز علم دارالعلوم دیوبند کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا. اور ایک استاد اور ایک شاگرد نے اس انار کے درخت کے نیچے اس عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی کا افتتاح کیا. ان دونوں استاد اور شاگرد کا نام محمود تھا یعنی استاد اور شاگرد ہم نام تھے. اور اس مدرسہ کا قیام کسی فردِ

واحد کے خیال کی بناء پر پیش نہیں آیا. بلکہ اس زمانہ کے علماء کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور اشارے کے مطابق اس مدرسہ کے قیام کا انتظام فرمایا اسی لئے اس مدرسہ کو الہامی مدرسہ بھی کہا جاتا ہے. ان علماء کرام کی قیادت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمائی. اور اس مدرسہ کے قیام کا اعلیٰ مقصد جنوبی ایشیا میں اسلامی علوم اور اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کی حفاظت تھا. کیونکہ اس وقت انگریزوں کے خلاف تحریک آزادی ناکام ہو چکی تھی اور انگریزوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح مسلمانوں سے ان کے علوم چھین کر ان کی تہذیب وتمدن کو ختم کر کے انہیں نیم عیسائی بنا دیا جائے اس کے دفاع کے لئے اس وقت کے علماء کرام نے یہ طریقہ کار منتخب کیا اور ہندوستان میں دارالعلوم کے قیام کے بعد مدارس عربیہ دینیہ کا جال بچھا دیا. یہی وجہ ہے آج پاکستان و ہندوستان میں اسلامی علوم محفوظ ہیں. الحمد للہ آج اس دارالعلوم کو ایک سو سترہ سال گزر چکے ہیں اور اس کے فضلاء وعلماء کرام نے دنیا بھر میں وہ امتیازی خدمات انجام دی ہیں جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے. اسلامی علوم کو جدید زبان اور جدید حالات کے مطابق ڈھال کر اسلام کو اس وقت تک کے لئے قابل قبول بنانے کا کارنامہ بھی اسی عظیم الشان درسگاہ کے حصہ میں آیا ہے. آج اس دارالعلوم کے فضلاء دنیا بھر میں مدارس عربیہ کے ذریعے اسلامی علوم کی حفاظت کر رہے ہیں. چونکہ اس وقت مسلمانوں کو اتحاد اور ارتباط کی بہت سخت ضرورت ہے. تاکہ وہ جدید فتنوں کا مقابلہ کر سکیں. اس لئے یہ اجتماع طلب کیا گیا تاکہ دنیا بھر کے علماء کرام ومشائخ عظام اور عوام اور امراء ایک جگہ جمع ہو کر اسلامی علوم کی حفاظت کے جدید طریقِ کار پر غور کر سکیں. اللہ تعالیٰ اس اجلاس سے وہ نتائج اور ثمرات پیدا فرمائے جو عالم اسلام کے مسلمانوں کے لئے ہدایت بن سکیں.

ایک بار پھر خدا سے اس اجلاس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں. اور آپ تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گذار ہوں."

یہ تھا حضرت مہتمم صاحب کے خطبۂ استقبالیہ کا خلاصہ، مفصل خطبۂ استقبالیہ ملک بھر کے اخبارات اور رسائل میں شائع ہو چکا ہے. خصوصاً بینات کراچی. الحق اکوڑہ خٹک اور ماہنامہ الرشید ساہیوال نے من وعن حضرت کا یہ خطبہ استقبالیہ شائع کیا ہے.

حضرت مہتمم صاحب کے بعد سعودی عرب کے نمائندے نے شاہ خالد اور شہزادہ فہد کی طرف سے پیغام پڑھ کر سنایا. اور شاہ خالد کی طرف سے دس لاکھ روپے ہندی کے عطیہ کا اعلان کیا. اور سعودی نمائندے نے دار العلوم دیوبند کی خدمات اور حضرت حکیم الاسلام کی سعی وکاوش کو زبردست خراج تحسین پیش کیا.

ان کے بعد دوسرے اسلامی ملکوں کے سربراہوں کے پیغامات بھی پڑھ کر سنائے گئے. جن میں اُردن کے شاہ حسین اور پاکستان کے صدر جنرل ضیاء الحق کے پیغامات قابل ذکر ہیں. ان پیغامات میں کہا گیا کہ دار العلوم دیوبند نے جنوبی ایشیاء اور پورے عالم اسلام میں جو عظیم علمی، دینی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات انجام دی ہیں. وہ تاریخ اسلام میں سنہری حروف کے ساتھ محفوظ ہیں.

اس تین روزہ عظیم الشان صد سالہ تقریبات میں عالم اسلام کی جن نامور شخصیتوں نے خطاب فرمایا. ان میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا سعید احمد اکبر آبادی اور مولانا عبد القادر آزاد وغیرہ حضرات کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں.

یہ سہ روزہ صد سالہ تقریبات بڑے جوش وخروش سے تین روز تک جاری رہیں اور ۲۳/مارچ کو یہ صد سالہ اجلاس اختتام پذیر ہوا. یہ اس اجلاس کی مختصر رپورٹ تھی. اس کی مفصل رپورٹیں اخباروں اور رسائل میں شائع ہو چکی ہیں. جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے اور اس مضمون کو یہیں پر ختم کیا جاتا ہے.

علالت ورحلت

حضرت علامہ محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ:

"دار العلوم دیوبند کا منصبِ اہتمام کوئی معمولی چیز نہ تھی.

حضرت حکیم الاسلامؒ نے پچاس ساٹھ سال اس منصب کی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی سے نبھایا. اس دوران دارالعلوم پر نہ جانے کتنے کٹھن اور نازک دور آئے لیکن حضرت نے ان تمام جھمیلوں کو نمٹایا اور اپنی ساری زندگی دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف کر دی. سخت سے سخت مرحلوں پر بھی انہیں پرسکون ہی دیکھا.

اجلاس صد سالہ کا ہنگامہ دارالعلوم کے منتظمین کے لئے ایک کڑی آزمائش کی حیثیت رکھتا تھا. اور دیوبند جیسی مختصر جگہ میں لاکھوں افراد کے اجتماع کا انتظام انتہائی مشکل کام تھا. کوئی اور ہوتا تو اس موقع پر سراسیمگی سے نجات حاصل نہ کر سکتا. لیکن ٹھیک اجلاس کے افتتاح کے روز حضرت قاری صاحب کے پاس حاضری ہوئی تو حسب معمول انہیں متبسم اور پرسکون دیکھا. چہرے پر تھکن ضرور تھی لیکن گھبراہٹ اور پریشانی نام کو نہ تھی. مگر افسوس یہ ہے کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم میں باہمی اختلافات نے جن طوفانی ہنگاموں کی شکل اختیار کی انھوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کر دیا. دور ہونے کی وجہ سے ہمیں تمام حالات و واقعات سے واقفیت تو نہ تھی لیکن اس بات سے دل بے چین تھا کہ اس آخری عمر میں حضرت قاری صاحب پر ان ہنگاموں کی وجہ سے کیا بیت رہی ہو گی؟

اس زمانے کے حالات اس قدر پیچیدہ اور ان کے بارے میں ملنے والی اطلاعات اتنی متضاد ہیں کہ اب حق و ناحق کا فیصلہ تو شاید آخرت ہی میں ہو سکے گا. لیکن اتنی بات واضح ہے کہ حضرت قاری صاحب کے چھوٹوں نے ان کی نصف صدی سے زائد کی خدمات کا جو صلہ اس آخری عمر میں ان کو دیا ہے وہ انتہائی تکلیف دہ ہے.

حضرت قاری صاحب کی زندگی تک ایک خفیف سی امید باقی تھی کہ شاید اس بحران کا کوئی مناسب حل نکل آئے. لیکن اب ان کی وفات نے اس امید کو بھی خاکستر کر دیا. حضرت قاری صاحب کے دم سے دارالعلوم میں بزرگوں کی روایات زندہ تھیں اور اس کے مخصوص مزاج و مذاق کی جھلک باقی تھی. اب دارالعلوم کی ان روایات کا اللہ

ہی حافظ ہے.(ماہنامہ البلاغ کراچی)

بہر حال اجلاس صد سالہ کے بعد بعض خفی و جلی وجوہ و اسباب کی بناء پر دارالعلوم میں جو خلفشار کی صورت پیدا ہوئی یہ ایک تلخ کہانی ہے اور اس کا یہاں بیان کرنا مناسب نہیں ہے. اجلاس صد سالہ کے چند ماہ بعد سے حضرت کی صحت گرتی چلی گئی اور تقریباً ایک سال سے زائد تو بالکل صاحب فراش رہے. اسی دوران دارالعلوم کی یہ اختلافی صورت پیدا ہوئی اور حضرتؒ کے لئے اپنی پیرانہ سالی اور ضعف و انحطاط کی وجہ سے اس کا سلجھانا ممکن نہ رہا. آخری عمر کے ایک ڈیڑھ سال دارالعلوم کے اہتمام اور نظم و نسق سے گو آپ لاتعلق رہے. مگر آپ کا روحانی و قلبی تعلق دارالعلوم سے بدستور قائم رہا اور ہمیشہ دارالعلوم کے لئے خیر طلب اور دعا گو رہے. دارالعلوم سے قلبی تعلق کا اندازہ اس مکتوب گرامی سے لگائیے جو آپ نے علالت کے دوران ہی حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کے لئے لکھا تھا حضرت کا یہ مکتوب گرامی یہاں من و عن پیش کیا جاتا ہے جس سے حضرتؒ کے درد و کرب کا اندازہ ہو سکتا ہے.

محترم المقام مولانا محمد منظور نعمانی زید مجدکم! السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۲۸/اپریل ۱۹۸۳ء باعث شرف اور موجب تسلی ہوا. یہ میرے لئے روح کی غذا اور صحت مندی کی علامت ہے. آج کا دَور کرب کا دور ہے. .اخلاقی انتشار عالمی پیمانے پر بڑھ رہا ہے. ننانوے فی صد غلط فہمیاں چھائی ہوئی ہیں. اور ایک فی صد حقیقت پر حاوی ہیں. دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے آج کے لادینی دَور میں دین کے ہر شعبہ میں امت کی راہ نمائی اور عوام امت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے. آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ کے سامنے مسئول ہیں. یہ ہے وہ سوز جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے. میں دہلی میں پنت ہسپتال رہا. اب دیوبند ہوں. میرا کھانا پینا صرف دوا ہے. ڈاکٹر کہتے ہیں کہ کوئی مرض نہیں. اور حال یہ کہ دوسروں کے ہاتھوں

میں ہوں. نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ غم دارالعلوم کا ہے. جماعت جو ۱۱۶/ برس تک اوروں کے لئے ہدایت، تقویٰ اور توحید کی علامت تھی بکھر کر رہ گئی. یہی میری بیماری ہے. ویسے یہ عمر کا تقاضا ہے اس عالم بے چارگی میں آپ کا مکتوب گرامی ملا. جسے میں اپنے لئے اور دارالعلوم کیلئے روحانی صحت مندی کی علامت سمجھتا ہوں. آں محترم نے معافی کے الفاظ لکھے ہیں. آں محترم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی خطاوار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے. معاملہ ہم میں سے کسی کی ذات کا نہیں. نہ معافی کا بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دارالعلوم کا ہے. ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ تعالیٰ سے مانگیں. اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں ہم سب کو توفیق نصیب ہو. اور آخرت کی جواب دہی سے نجات ملے.

من و تو ہر دو خواجہ تاشانیم
بندۂ بارگاہ سلطانیم

اس دن سے جس نے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کو یہ دن دکھائے. میں نے تین الفاظ اختیار کر لئے ہیں. السکوت والصبر والغنیٰ انہی تینوں پر اب بھی قائم ہوں. زندگی کی آخری آرزو اور آخری دعا یہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی. خلوص تھا اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے، پھر بحال ہو جائے. آں محترم سے دعا کی درخواست ہے. والامر بیداللہ الکریم.

والسلام

محمد طیب غفرلہٗ ۵/۷/۱۹۸۳

بلاشبہ حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کا لکھا ہوا یہ مکتوب گرامی ان کی اصل فطرت کے عین مطابق ہے. حضرت کے اس مکتوب گرامی کے بعد حضرت کی طبیعت زیادہ ناساز اور موجب تشویش ہوگئی. اور دہلی کے ایک ہسپتال میں داخل کئے گئے. مگر

حالت سنبھلنے کے بجائے ۶؍شوال المکرم ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷؍جولائی ۱۹۸۳ء بروز اتوار ۸۸؍سال کی عمر میں حضرت عالمِ فنا سے عالمِ بقا کی طرف رحلت فرما ہوئے. انا للّٰہ وانا الیہ راجعون.

وصیت کے مطابق حضرت کی نمازِ جنازہ دارالعلوم دیوبند کے احاطے میں ادا کی گئی. اور دارالعلوم کے اکابر ومشائخ دیوبند کے قبرستان قاسمی ہی میں اپنے جدِّ امجد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پہلو میں تدفین عمل میں آئی.

آل انڈیا ریڈیو کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی. اور نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا قاری محمد سالم صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند نے پڑھائی.

رحلت کے وقت حضرت کے تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں موجود تھیں. صاحبزادوں میں مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند، متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی خادم التدریس والحدیث دارالعلوم (وقف) دیوبند اور مولانا محمد اعظم قاسمی پروفیسر اسلامک اسٹڈیز مسلم یونیورسٹی علی گڈھ جید علماء میں سے ہیں.

آپکی وفات سے عالم اسلام میں رنج والم کی لہر دوڑ گئی. اور علم وعمل کا ایک درخشاں باب بند ہوگیا ہے. اللہ تعالیٰ انکے علمی وعملی کارناموں کو شرفِ قبولیت بخشے. اور اللہ تعالیٰ انکو اعلیٰ علّیین میں جگہ عطا فرمائے. اور ہمیں اللہ تعالیٰ ان کے نقشِ قدم پر چلائے.

آمین ثم آمین

حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ

از: صاحب مظاہر حق جدید مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری

پیدائش: آپ نے جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ (مطابق جون ۱۸۹۷ء) یوم یکشنبہ کو اس دنیا میں قدم رکھا. تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہوسکی. اور اپنے ساتھ فیروزمندی وخوش بختی لائے، اس ولادت باسعادت پر پورے خاندان قاسمی اور حلقہ دارالعلوم میں خوشی کی دھوم مچ گئی. اور سبھوں کے دل اور زبان سے بے ساختہ دعائیں نکلیں، اس بچہ کے لئے بھی اور اس کی آئندہ نسل کے لئے بھی، اس لئے کہ اس بچہ کی آمد سے بہت سے دلوں کی تمنائیں بر آئیں، اس وقت بچہ کا تاریخی نام ''مظفرالدین'' تجویز ہوا. اور اصل نام محمد طیب اور حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھلاودیؒ شاگرد حضرت نانوتویؒ نے تاریخی نام ''خورشید قاسم'' رکھا. مگر بہ تخرجہ واؤ، محمد طاہر کے پیدا ہونے پر ان کا نام بھی یہی رہا مگر بتعمۂ واؤ.

تربیت کا ماحول والدین نے اپنے اس بچہ کی پرورش اور تربیت بڑے پیار ومحبت کے ساتھ کی. چونکہ پورا گھرانہ علم وفضل اور پاکیزہ اعمال واخلاق اور زہد وقناعت میں ڈوبا ہوا تھا. کتاب وسنت اور علوم دینیہ کی اشاعت وتحفظ سے شغف رکھتا تھا، اس لئے قدرتی طور پر آپ کے دل ودماغ، اور فکر وذہن کی نشو ونما اسی علمی اور دینی ماحول میں ہوئی.

بسم اللہ جونہی ہوش وحواس سنبھالا مکتب میں بٹھائے گئے. اور آپکی رسم بسم اللہ بڑے دھوم دھام سے منائی گئی، اس مجلس بسم اللہ میں دارالعلوم کے تمام موجودہ وقت کے اکابر واسلاف جمع ہوئے. جیسے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی (م ۱۳۲۲ھ) (والد محترم حضرت شیخ الہندؒ) حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب عثمانی

(م ۱۳۲۸ھ) والد محترم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانی) (م ۱۳۳۹ھ) عارف باللہ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (م ۱۳۴۷ھ) جانشین قاسم العلوم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمہم اللہ ادیب لبیب حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی (۱۳۴۸ھ) اور دوسرے اساتذہ دارالعلوم دیوبند.

ان اکابر علماء ربانیین اور اولیاء اللہ کے بابرکت مجمع میں قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند کے اس ہونہار پوتے کی بسم اللہ ہوئی. اور بسم اللہ حضرت مولانا ذوالفقار علیؒ نے کرائی، جو اس وقت موجودہ حضرات میں عمر اور علم وفضل کے اعتبار سے ممتاز تھے. اور ملک کے مشہور اور نامور عالم اور ادیب شمار ہوتے تھے.

اکابر کی دعائیں

بسم اللہ کے بعد جب ایسے حضرات نے ہاتھ اٹھا کر اس ہونہار بچہ کے لئے دعائیں کی ہونگی تو خود سوچئے کہ وہ وقت مسعود کتنا خوشگوار اور پر اثر رہا ہوگا. یقیناً اس بچہ کو آگے چل کر حافظ قاری، عالم دین، صاحب رشد وہدایت، اقبال منداور متقی وصالح ہونا ہی چاہیے تھا. اگر مستقبل میں یہ ہونہار بچہ ملک وملت کا نیر تاباں بنکر چمکا اور اپنے دادا حضرت قاسم العلوم کے علم وفن اور زہد وتقویٰ کا امین بنا تو بننا ہی چاہیے تھا.

بسم اللہ کی یہ رسم ۱۳۲۲ھ میں عمل میں آئی جب آپ کی عمر کوئی سات سال کی تھی حضرت مولانا فضل الرحمان عثمانی (م ۱۳۲۸ھ) نے جو بنفس نفیس اس مبارک مجلس میں شریک تھے. برجستہ ایک قصیدہ تہنیت پڑھا جس کا مطلع یہ تھا.

مکتب طیب کی مبارک تقریب ☆ کچھ عجب طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر

اور اس قصیدہ کا مقطع جس سے تاریخ جشن افتتاح بھی برآمد ہوتی ہے. یہ تھا:

رب یسر جو کہا اس نے تو بے روئے ابا ☆ فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تمم بالخیر

(تجرجۂ الف یعنی بے روئے ابا)

تعلیم وتربیت آپ کے والد محترم کا جذبہ یہ تھا کہ بچہ کو شروع سے ایسے حافظ کے پاس بٹھایا جائے، جو اچھا قاری بھی ہو، تاکہ ابتداء ہی سے حروف کے مخارج صحیح طور پر ادا ہوں اور قرآن کو اس کے پورے حقوق کے ساتھ پڑھا جا سکے، چنانچہ اس خدمت کے لئے حضرت حافظ محمد احمد صاحبؒ نے غالباً حکیم الامۃ حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے مولانا قاری عبدالوحید خاں صاحب الہ آبادی (م۱۳۲۶ھ) کو منتخب فرمایا اور ان کو بطور خاص ذاتی طور پر بلا کر اپنے گھر پر رکھا تا کہ وہ بچہ کی تعلیم وتربیت کا فریضہ ادا کریں. قاری صاحب کا قیام وطعام اور مشاہرہ سب اپنے ذمہ لیا.

تجوید: جب قاری صاحب موصوف تشریف لے آئے تو حضرت شیخ الہند نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ جب قاری صاحب آ ہی گئے ہیں. تو ایسا کیوں نہ کیا جائے، کہ جناب قاری صاحبؒ دارالعلوم ہی میں مدرس رکھ لیے جائیں. اور یہاں درجہ تجوید کھول دیا جائے. تو ان کا افادہ عام ہو جائیگا. اس طرح دارالعلوم میں بھی ایک کمی ہے کہ یہاں شعبۂ تجوید نہیں ہے. وہ بھی پوری ہو جائیگی اور دوسرے طلباء بھی قرآن پاک تجوید کے ساتھ پڑھنے کی مشق کرلیں گے. چنانچہ حضرت ممدوح نے اسے بخوشی منظور فرمایا. اور دارالعلوم میں شعبۂ تجوید قائم کر کے قاری صاحب موصوف دارالعلوم کے مجوّد قرار پائے اور حضرت حافظ صاحبؒ نے اپنے اسی بچہ کو اسی شعبۂ دارالعلوم دیوبند میں داخل فرمادیا. جو آپ کے والد ماجد حضرت نانوتویؒ کی دلی تمناؤں اور آرزؤں اور دعائے نیم شبی کا ثمرہ ہے. اور جس سے ساری دنیا متمتع ہو رہی ہے. اس بارے میں حضرت مولانا ممدوح طیب صاحب مدظلہٗ فرمایا کرتے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تجوید قائم ہونے کا سبب میں ہوا اور میں ہی اس شعبہ کا سب سے پہلا شاگرد ہوں.

اس طرح ابتداء سے لے کر انتہا تک آپ کی تمام تر تعلیم دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں ہوئی. دارالعلوم کی یہ کرامت ہے کہ ابتداء قیام سے لے کر اب تک تمام رسالوں کی رودادیں چھپی ہوئی اس کے محافظ خانہ میں موجود ہیں، جن میں اور چیزوں

کے ساتھ تمام طلبہؒ کے درجہ وار نام اور ان کے سالانہ امتحانات کے نتائج بھی درج ہوتے ہیں. بلکہ ہر سال طلبہ کو جو کتب انعام میں ملتی ہیں. ان کے نام بھی محفوظ ہیں.

حفظِ قرآن مجید

ان رودادوں کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ کا نام درجہ حفظ میں شروع سے درج ہے اور ہر سال کی مقدار خوانگی بھی ۱۳۲۶ھ کی روداد میں درجہ حفظ قرآن کے اندر آپ کا نام اس طرح درج ہے.

''قاری محمد طیب پسر مہتمم مدرسہ ہذا.''

اور اس کے آگے صراحت ہے.''قرآن شریف تمام''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ شعبان ۱۳۲۶ھ میں آپ نے قرآن پاک تجوید کے ساتھ حفظ کر لیا تھا اور گیارہ بارہ سال کی عمر میں آپ پورے حافظ قرآن ہو گئے تھے.

دار العلوم میں درجہ تجوید کا اجراء

حضرت اقدس مدظلہٗ نے اپنی مجلسوں میں بارہا فرمایا ہے جیسا کہ اوپر نقل کیا گیا کہ میری تعلیم سے پہلے دار العلوم میں تجوید کا درجہ نہیں تھا. اس کار خیر کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مجھ ہی کو بنایا، پھر اس شعبہ نے ترقی کی اور آج ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کم از کم ایک سال روزانہ ایک گھنٹہ تجوید میں صرف کرے اور قرآن پاک کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کی مشق کرے، بحمد اللہ اس شعبہ سے ہزاروں طلبہ نے استفادہ کیا. اور آج بھی یہ شعبہ موجود ہے. اور متعدد اساتذہ اس خدمت کے لئے مقرر ہیں. اور سینکڑوں طلبہ ہر سال اس شعبہ سے مستفید ہوتے رہتے ہیں. اور پھر وہ ملک کے مختلف گوشوں میں پھیل کر تجوید کی خدمت انجام دیتے ہیں.

خود آپ کا ہی یہ بھی بیان ہے اور دوسرے حضرات کا بھی کہ ابتداء عمر میں آپ کی آواز بہت بہتر اور بلند تھی اور اول درجہ کے خوش آواز شمار ہوتے تھے اس وقت کے اکابر اور اساتذہ بہت شوق سے آپ سے قرآن پاک کا رکوع پڑھوا کر سنا کرتے تھے. خود سرپرست مدرسہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م ۱۳۲۳ھ) جب کبھی تشریف

لاتے یا آپ گنگوہ جاتے تو حضرت آپ کو بلاتے اور قرآن پڑھوا کر سنتے تھے. اس وقت آپ کی عمر سات آٹھ برس کی ہوگی. سن کر بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے. اور صاحب سوانح ہی سے سنا کہ وہ اکثر حضرت کے سامنے اللہ نور السمٰوات والارض کا رکوع پڑھا کرتے تھے.

درجہ فارسی میں داخلہ ۱۳۲۷ھ کی روئیداد میں آپ کا نام درجہ فارسی میں ملتا ہے. اس کا مطلب یہ ہے کہ حفظ ختم کرنے کے معاً بعد آپ کا داخلہ درجہ فارسی میں ہوگیا. مگر روداد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ درجہ فارسی کے سالوں میں بھی تجوید کی کتابیں آپ قاری صاحب سے برابر پڑھتے رہے اور ان کتابوں کا امتحان بھی دیتے رہے. گویا آپ نے قرآت سبعہ اور عشرہ کی کتابیں بھی باضابطہ پڑھیں.

۱۳۲۷ھ سے لے کر ۱۳۲۹ھ تک مسلسل تین سال آپ نے درجہ فارسی میں رہ کر فارسی کتابیں پڑھیں اور شعبان ۱۳۲۹ھ میں فارسی کا نصاب ختم کرلیا. روداد میں ان تمام کتابوں کے نام بھی درج ہیں. جو آپ نے ان تین سالوں میں پڑھی ہیں. فارسی کے ابتدائی درجہ سے لے کر درجہ انتہا تک فارسی کی وہ تمام کتابیں آ گئی ہیں جو عام طور پر اس زمانہ میں پڑھائی جاتی تھیں. اور اسی کے ساتھ ریاضی، حساب، اور جومیٹری وغیرہ بھی.

۱۳۳۰ھ کی مطبوعہ روداد میں آپ کا نام درجہ عربی میں ملتا ہے. اور پہلے سال میزان منشعب اور صرف میر وغیرہ کتابیں آپ کے نام کے ساتھ لکھی ہوئی ہیں.

درجہ فارسی کے اساتذہ فارسی کی تمام کتابیں آپ نے مولانا محمد یٰسین صاحب (م۱۳۳۵ھ) سے پڑھی ہیں جو اس وقت دارالعلوم میں درجہ فارسی کے استاذ تھے. اور فارسی زبان دانی میں بڑی شہرت رکھتے تھے. مولانا موصوف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی دامت برکاتہم مفتی اعظم پاکستان کے والد بزرگوار تھے، آپ دارالعلوم میں ۱۳۰۸ھ سے لے کر

۱۳۳۵ھ تک فارسی کے استاذ رہے۔

ریاضی اور حساب وغیرہ آپ نے منشی منظور احمد صاحب برادر خورد مولانا محمد یٰسین صاحب سے پڑھی یہ بزرگ دارالعلوم میں درجہ فارسی میں حساب و ریاضی کے استاذ تھے۔ اور ۱۳۱۰ھ سے لے کر ۱۳۵۰ھ تک بحیثیت استاذ دارالعلوم سے متعلق رہے۔

زبان فارسی کی استعداد

جس طرح اللہ تعالیٰ نے حفظ و قراءت میں آپ کو اپنے دور میں ممتاز حیثیت عطا کی تھی۔ اسی طرح فارسی زباندانی میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی، کیونکہ ابتداء طالب علمی سے آپ اردو، فارسی دونوں زبانوں میں اشعار کہنے لگے تھے۔

فارسی زبان دانی کا فائدہ

یہ فارسی آپ کو اس وقت بہت کام آئی۔ جب آپ نے ۱۳۵۸ھ میں افغانستان کا سفر کیا تھا۔ اور دارالعلوم دیوبند کے ایک نمائندے کی حیثیت سے وہاں کے اہل علم اور ارباب حکومت کے مہمان ہوئے تھے۔ اس سفر کی روداد سے ظاہر ہے کہ آپ نے وہاں فارسی ہی زبان میں عام طور پر تقریریں فرمائیں۔ اور لوگوں سے اسی زبان میں گفتگو بھی کی۔

افغانستان کے زمانہ قیام میں متعدد مواقع میں مختلف موضوع پر برجستہ اہل علم کے مجمع میں تقریریں کیں۔ اور مختلف سوالات کے جوابات دیئے، جمعیۃ العلماء افغانستان کی طرف سے آپ کی خدمت میں جو سپاس نامہ پیش کیا گیا تھا۔ وہ فارسی میں تھا۔ اور آپ نے اس کا جواب بھی شستہ فارسی ہی میں دیا تھا۔ اور وہاں کے اہل علم آپ کے علم و فضل سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ اس سپاسنامہ کے ایک حصہ کا اردو ترجمہ یہاں ملاحظہ فرمایا جائے۔

> ”یہ سرزمین افغانستان کے ساتھ محض دلی محبت کا نتیجہ ہے۔ کہ ہم آج اپنے مرکز اسلامی ہی نہیں بلکہ خود اپنی اس علمی مجلس میں حضرت فخر الافاضل خادم العلم والعلماء ذات ستودہ صفات حکیم الاسلام مولانا الحاج القاری محمد طیب صاحب مہتمم و رئیس

عموی کو صدر نشین دیکھتے ہیں، حضرت مہتمم صاحب جنھوں نے علم وعرفان کے اس جہاد قاسمی میں زبردست خدمات علم انجام دی ہیں اور جو قطب زماں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہٗ بانی دارالعلوم دیوبند کے پوتے ہیں۔ عمومی طور پر مسلمانوں خصوصاً جماعت علماء کے لئے بیحد واجب الاحترام ہیں۔ اور پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں، کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اس سے پہلے ہمارے ملک میں ایسی محترم شخصیت کو کبھی نہیں بھیجا، ہم خدام، دارالعلوم دیوبند کو موصوف جیسی بلند شخصیت کو یہاں بھیجنے پر صمیم قلب سے ہدیہ امتنان وتشکر پیش کرتے ہیں اور اس کو طرفین کی خوش بختی تصور کرتے ہیں کہ ایک ایسی مرکزی شخصیت کو دارالاسلام افغانستان میں مخاطب کرنے کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔"

درجہ عربی میں داخلہ

یہ ایک ضمنی بحث فارسی دانی کے سلسلہ میں آ گئی تھی، اس کی تفصیل اپنی جگہ آئے گی۔ عرض یہ کیا جا رہا تھا۔ کہ ۱۳۲۹ھ میں آپ نے درجہ فارسی سے فراغت حاصل کر لی اور ۱۳۳۰ھ سے درجہ عربی میں داخل ہو گئے۔ اور باضابطہ علم عربی کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔

عربی کے اساتذہ

اساتذہ کے سلسلہ میں خود حضرت اقدس مہتمم صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ صغریٰ، کبریٰ مکمل اور مرقات کا ابتدائی حصہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے خود خواہش کر کے بطور خاص پڑھایا۔ اور اس کے بعد منطق کی کتابوں میں بقیہ مرقات، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، سلم العلوم اور اس کی شرح ملا حسن حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ (م۱۳۸۷ھ) کے پاس ہوئی۔ اور حمد اللہ، قاضی مبارک حضرت مولانا رسول خاں صاحبؒ کے یہاں، جو معقولات کے جید استاذ تھے۔ اور مسائل کے سمجھانے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

کافیہ حضرت شیخ الہندؒ نے خود شروع کرائی اور اس کا کچھ حصہ سبقاً سبقاً خود

پڑھایا بھی اور اس کے بعد بقیہ کافیہ اور شرح جامی حضرت مولانا نبیہ حسن صاحبؒ استاذ دارالعلوم کے یہاں ہوئی، جن کو فن نحو سے بڑی گہری مناسبت تھی.

آپ نے شرح وقایہ حضرت مولانا گل محمد خاں کے پاس پڑھی اور اس کے بعد ہدایہ اولین شرح عقائد نسفی عروض المفتاح اور میبذی استاذ الاستاذ حضرت مولانا غلام رسول صاحبؒ کی خدمت میں اور ہدایہ آخرین حضرت مولانا اعزاز علیؒ سے جو دارالعلوم کے حلقہ میں حضرت شیخ الادب سے یاد کئے جاتے ہیں.

مشکوٰۃ شریف اور مسلم شریف آپ نے اپنے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ سے پڑھی، جنھوں نے اپنے صاحبزادہ ہی کی خاطر باوجود ضعف کے اپنے پاس رکھیں اور پوری کرائیں. اور سنن ابوداؤد حضرت مولانا محمد میاں اصغر حسین صاحب دیوبندیؒ سے نسائی حضرت علامہ بلیاویؒ کے یہاں ہوئی اور ابن ماجہ حضرت مولانا غلام رسول خاں صاحب کے پاس اور بخاری شریف، ترمذی شریف محدث العصر حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ (م ۱۳۵۲ھ) نے پڑھائیں، جو اس وقت دارالعلوم کی مسند صدارت پر فائز تھے. اور جن کے علم و فضل اور وسعتِ مطالعہ اور قوت حافظہ کا عرب و عجم میں ڈنکا بج رہا تھا. جنہیں ان کے معاصر علماء متفقہ طور پر چلتا پھرتا زندہ کتب خانہ کہتے تھے. جلالین شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد اور طحاوی شریف مفتی اعظم عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ) سے پڑھی جو اپنے دور کے سب سے بڑے مفتی خدارسیدہ بزرگ اور ہزاروں اہل علم کے مرشد روحانی تھے. اور جن کی نگاہ سے مس خام کندن بن جاتا تھا.

غور کیا جائے کہ صاحب سوانح کے اساتذہ کس پایہ کے ماہرین فن تھے. اور اپنے دور کے کیسے ممتاز عالمان دین، اور مشہور صاحب درس و تدریس پھر کیا یہ حقیقت نہیں کہ شاگرد اپنے اساتذہ کے علوم کا حامل ہوتا ہے. خصوصی طور پر جب کہ شاگرد ذہین، ذکی قوی الحافظہ اور قوی النسبت ہو.

فراغت: اس طرح صاحب سوانح نے شعبان ۱۳۴۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کرلی اور حافظ وقاری کے ہونے کے ساتھ آپ عالم وفاضل بھی ہوگئے. جس سے قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتویؒ کی روح کو بے حد مسرت ہوئی ہوگی. کہ علم وفضل کا یہ سلسلہ خاندان قاسمی میں قائم رہا. بلکہ آئندہ نسلوں میں اس کے منتقل ہونے کی صورت پیدا ہوگئی. اور دوسرے علماء دیوبند بھی اس فضل وکمال سے مسرور ہوئے.

صاحب سوانح کے دوخواب

یہاں صاحب سوانح کے دوخواب بھی ذہن میں رکھنے کے لائق ہیں. خود حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ جس سال میں نے عربی شروع کی، اس سال ایک رات یہ خواب دیکھا کہ ہاپوڑ سے جو ریلوے لائن مراد آباد جاتی ہے. اس ٹرین میں تمام اکابر موجود ہیں، حضرت اقدس نانوتویؒ بھی سوار ہیں. امروہہ سے پہلے گنگا کا پل آتا ہے، ریل گاڑی اس پر آکر ٹھہر گئی، رات کا وقت ہے. میں چھوٹا بچہ تھا کھیلتے ہوئے گاڑی سے نیچے اتر گیا. میں نے دیکھا کہ گنگا کے اندر سینکڑوں دیواریں پانی میں پھیلی ہوئی ہیں، کوئی ادھر جاری ہے اور کوئی اُدھر. اور ان کے نیچے پانی بہہ رہا ہے. میں ان دیواروں پر ٹہلتے ٹہلتے دور نکل گیا. اس وقت میری عمر کوئی دس سال یا گیارہ سال کی تھی. میزان منشعب شروع ہوچکی تھیں. حضرت نانوتویؒ نے جب مجھے اپنے پاس نہیں پایا تو پوچھا طیب کہاں گیا؟ کہیں باہر تو نہیں نکل گیا. رات کا وقت ہے اور نیچے بڑا دریا ہے. اسے تلاش کرکے لاؤ بعض حضرات میری تلاش میں نکلے میرے پاس پہنچ کر کہنے لگے تم کہاں چلے آئے. حضرت خفا ہورہے ہیں. اور تم پانی میں دیواروں پر گھوم رہے ہو. میں ان کے ساتھ ریل کے ڈبہ میں آیا، دیکھا کہ پورا ڈبہ اکابر سے بھرا ہوا ہے. حضرت بھی تشریف فرما ہیں. اور آپ کے سامنے حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ (۱۳۳۰ھ) اور حضرت شیخ الہند دونوں مخصوص تلامذہ باادب بیٹھے ہوئے ہیں. مجھے حضرت کے سامنے لایا گیا تو حضرت نے فرمایا تو کہاں گیا تھا. میں نے

کہا دریا کی سیر کرنے گیا تھا. فرمایا یہ دریا کی سیر کا وقت ہے؟ پھر پوچھا جو کچھ پڑھا ہے کچھ یاد بھی ہے؟ میں نے کہا خوب یاد ہے، پھر تو حضرت نے میرا امتحان لیا. مگر میں ہر سوال کا جواب پورے طور پر نہیں دے سکا، فرمایا کیا اسی کو یاد کہتے ہیں. اس کے بعد محبت سے مجھے اپنے سینہ سے لگایا اور زور سے دبایا. اور فرمایا اچھا ''امکان نظیر'' پر تقریر کرو. میں بہت تیزی سے فرفر تقریر کرنے لگا. حضرت اس وقت اپنا ہاتھ میرے کاندھے پر رکھے ہوئے تھے، جب اس موضوع پر تقریر پوری ہو چکی تو فرمایا. اب ''امکان کذب'' پر تقریر کرو. میں نے اس عنوان پر بھی بڑی تیزی سے تقریر کی.

حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے جب یہ خواب اپنے اکابر سے بیان کیا تو انھوں نے یہی تعبیر دی کہ خواب بہت مبارک ہے اللہ تعالیٰ تم کو علم و دین عنایت فرمائیں گے. اور حضرت نانوتویؒ کی طرف سے علم کا فیضان ہوگا.

دوسرا خواب دوسرا خواب اس سال دیکھا جس سال آپ دورۂ حدیث پڑھ رہے تھے. فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دارالعلوم میں بڑی ہمہ ہمی ہے. اور ایک جشن کی صورت ہے. میں نے طلبہ سے دریافت کیا آج کیا بات ہے جس کی یہ دھوم دھام ہے اور جشن کی تیاری؟ طلبہ نے بتایا آج بخاری شریف کا ختم ہے. اور ختم کرانے حضرت نانوتویؒ تشریف لا رہے ہیں. میں بہت خوش ہوا کہ چلوں حضرت کی زیارت کرونگا. میں نے دیکھا کہ حضرت نانوتویؒ دارالحدیث کے شمالی زینے سے نیچے اتر رہے ہیں. اور نیچے کی طرف تشریف لا رہے ہیں. ایک چھوٹا سا سفید عمامہ باندھے ہوئے ہیں اور عمامہ کے اوپر ایک سفید چادر اس طرح اوڑھے ہوئے ہیں کہ چہرہ کچھ تھوڑا کھلا ہوا ہے. مگر پورا کھلا ہوا نہیں ہے. البتہ داڑھی کے بال کچھ نظر آ رہے ہیں. حضرت تیزی سے مولسری کے کنواں کی طرف آ رہے ہیں، اس موقع سے حضرت کی زیارت ہوئی.

ان دونوں خوابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کو پوتے کے عالم دین

ہونے کی بے حد مسرت ہوئی. اور ہونی چاہئے.

بعض اساتذہ کے خصوصی اثرات

صاحب سوانح حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے اپنی بعض مجلسوں میں صراحت کے ساتھ فرمایا کہ مجھے علم حدیث سے لگاؤ اور مناسبت حضرت والد محترم (مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ) کے درس سے حاصل ہوئی ان کا بیان بہت دلنشین اور مؤثر ہوتا تھا اور حدیث کی تشریحات اور اس کے معانی پر دسترس حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ (مولانا انور شاہ صاحبؒ) کے ذریعہ حصہ میں آیا، اور مسائل کی تعبیر اور تفہیم کا انداز حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ سے سیکھا. حضرت شاہ صاحبؒ کی علم حدیث پر نظر بہت گہری اور وسیع تھی، اس کے معانی پر پورا عبور رکھتے تھے اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی فصیح و بلیغ زبان عطا کی تھی. اور اپنی بات دوسروں کے ذہن نشین کر دینے پر پوری قدرت حاصل تھی.

فن سپہ گری

علم و فن میں مہارت کے ساتھ حضرت والا فن سپہ گری کا بھی ذوق رکھتے ہیں. چنانچہ فرماتے ہیں یہ فن میں نے اور سعید بھائی گنگوہیؒ نے امیر شاہ خاں صاحب خورجویؒ سے حاصل کیا. جو حضرت نانوتویؒ کے متوسلین میں سے تھے. اور نہایت متقی اور پارسا بزرگوں میں سے تھے یہ لاٹھی اور بنوٹ وغیرہ ہم لوگوں کو سکھایا کرتے تھے. اور اس سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے.

خوشنویسی اور جلد بندی

مطبع قاسمی دیوبند میں منشی محبوب علی صاحب میرٹھیؒ بہترین خوشنویس تھے. پریس حافظ صاحب کا اپنا ذاتی تھا اسی میں کام کرتے تھے. پریس کی دیکھ بھال بھی انہی سے متعلق تھی ان سے آپ نے خوش نویسی سیکھی فرماتے ہیں کہ مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ استاذ شعبۂ کتابت بھی انہی کے شاگرد ہیں. منشی محبوب علی صاحب محبوب رقم کے نام سے مشہور تھے. فرماتے ہیں کہ جلد بندی کا کام میں نے دفتری محمد علی صاحب میرٹھی سے سیکھا جو اس فن

کے ماہر تھے۔ اور جلد بندی کے سارے اوزار وآلات بھی خریدے اب بھی میرے ذاتی کتب خانہ میں بہت ساری کتابوں کی جلدیں میرے ہاتھ کی بندھی ہوئیں ہیں۔ دفتری محمد علی صاحب مرحوم دارالعلوم میں جلد بندی کے کام پر مامور تھے۔ کتب خانہ امدادیہ ان کا ہی قائم کیا ہوا ہے۔ جو ان کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔

علمی مناسبت

علمی مناسبت طالب علمی کے زمانہ سے حاصل ہے۔ تقریر وتحریر دونوں کا ذوق تھا۔ زیادہ محنت سے طبعیت گھبراتی نہیں تھی، اور علم کی ایک دُھن تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خداداد ذہانت، علمی فراست، علمی ذوق، وسعت مطالعہ اور کتب دینی سے دلچسپی شروع سے تھی۔ قوت حافظہ بھی قابل رشک عطا ہوا تھا، پھر جن اکابر اساتذہ سے جو فن حاصل کیا تھا وہ اس فن میں کامل تھے۔ اور مہارت تامہ رکھتے تھے۔ اسی کے ساتھ جو ماحول آپ کو میسر تھا وہ کم لوگوں کے حصہ میں آتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلامی مسائل وحقائق کو دلائل عقلیہ سے اس طرح عام فہم بنا کر بیان کرتے تھے کہ ہر دل ودماغ بڑی خوشی سے قبول کر لیتا اور بے حد خوشی محسوس کرتا تھا۔ جس مسئلہ پر گفتگو کرتے تھے۔ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں رہنے پاتا تھا۔ خاکسار کے علم کے مطابق اس وقت آپ کی مجلس جس قدر عالمانہ ہوتی تھی۔ اس کا دوسری جگہ کہیں نام و نشان نہیں، حضرت تھانویؒ کا رنگ نمایاں طور پر جھلکتا تھا۔ یہ مجلس ایسی ہوتی تھی کہ اسے قلم بند ہونا چاہئے تھا۔

آپ کے استاذ محترم محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت کشمیریؒ کو آپ کی تقریر بہت پسند تھی، اور اپنے زمانۂ صدارت میں وہ آپ کو مختلف مجلسوں میں اور جلسوں میں تقریر کیلئے بھیجتے رہتے تھے، بسا اوقات اپنے ہمراہ بھی لے جاتے تھے اور آپ کی تقریر پر اطمینان اور مسرت ظاہر فرماتے تھے۔

دیگر علماء سے اجازت حدیث

دارالعلوم دیوبند سے تو آپ نے فراغت حاصل کی ہی تھی، دوسرے مشاہیر علماء

وقت سے بھی آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے. مثلاً حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (م۱۳۴۶ھ) نے آپ کو بطور خود سہارنپور بلایا، اور صحاح ستہ کی اوائل کی حدیثیں پڑھوا کر سنیں اور اجازت عطا فرمائی، اور اپنے دست خاص سے خصوصی سند حدیث لکھوا کر مرحمت فرمائی. اسی طرح حضرت مولانا عبداللہ انبیٹھوی یعنی آپ کے حقیقی بڑے پھوپھا اور آپ کے والد ماجد نے بھی اپنی طرف سے خصوصی اجازت حدیث عطا فرمائی.

نسبت قاسمی خداداد متانت وسنجیدگی اور علمی ذوق کی وجہ سے اس وقت کے تمام قابل ذکر علماء اور اہل اللہ نے آپ کے لئے علم وعمل کی خصوصی دعائیں کیں. اپنی شفقت ومحبت اور خصوصی توجہات سے نوازا، حوصلہ افزائی فرمائی، اس کے نتیجہ میں جوش عمل، جدوجہد اور محنت کے جذبات ابھرے اور مطالعہ کا ذوق راسخ ہوتا چلا گیا. اور وہ آگے چل کر رنگ لایا اور دنیا مستفید ہوئی. اور انشاء اللہ بہت زمانہ تک ہوتی رہے گی.

تزکیۂ باطن اور تصفیۂ قلب

علم باطن | علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی بھی ضروری ہے، سرور کائنات ﷺ کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ سیدنا ابراہیمؑ نے دعا فرمائی تھی.

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (بقرہ ۱۵)

ترجمہ: اے ہمارے رب اس جماعت کے اندر انہیں میں سے ایک ایسے پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ کر سنایا کریں اور ان کو آسمانی کتاب کی خوش فہمی کی تعلیم دیا کریں اور ان کو پاس کردیں بلاشبہ آپ ہی غور طلب کامل الانتظام ہیں.

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے.

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْاُمِّيِّينَ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (جمعہ ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی وہ ذات ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں کی جماعت سے پیغمبر بھیجا جوان کو اللہ کی آیت پڑھکر سناتے ہیں اوران کو پاک کرتے ہیں اوران کو کتاب اور حکمت کی باتیں سکھاتے ہیں.

کتاب وحکمت کی تعلیم وتلاوت کے ساتھ آپ کے فرائض منصبی میں تزکیۂ باطن بھی داخل تھا.حدیث میں اس کو احسان سے تعبیر کیا گیا ہے، حدیث جبریل میں صراحت ہے کہ جب آپ سے دریافت کیا گیا کہ احسان کیا ہے،تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:

ان تعبد اللّٰہ کانك تراہ فان لم لن تراہ فانه براك (مشکوٰۃ)

یہ کیفیت تزکیۂ باطن کے بعد ہی پیدا ہوتی ہے.اس لئے علماء امت اور صوفیاء نے اس کی بھی ترغیب دی ہے.اوراس کے لئے مجاہدات وریاضات کا طریقہ بھی بتایا ہے. یہ سلسلہ بہت قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، کہ آدمی کسی اہل اللہ سے تعلق قائم کر کے کیفیت احسان کے حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے اور محنت اور ریاضت کر کے اسے حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے.

حضرت شیخ الہند کی مالٹا سے واپسی

صاحب سوانح حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

جب دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کر چکے اور درس وتدریس کی خدمت میں مشغول ہو چکے تو آپ کو تزکیہ قلب کا خیال پیدا ہوا، اس لئے کہ ہمارے یہاں زمانہ طالب علمی میں اس طرف انہماک کو پسند نہیں کیا جاتا ہے بلکہ اس میں لگنے سے منع کیا جاتا ہے.

اس دور میں سب سے بڑے عالم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن عثمانیؒ تھے.جو انگریزی حکومت کی مخالفت کے جرم میں ان دنوں مالٹا میں قید تھے.اوراسیری کی زندگی گذار رہے تھے، بڑی جدوجہد کے بعد ۱۳۳۹ھ کے ابتداء میں آپ کی ہندوستان واپسی ہوئی.

ساحل بمبئی پر جس وقت آپ پہنچے ہیں، ہزاروں مسلمان اور عقیدت مند وہاں موجود تھے، دارالعلوم دیوبند سے جہاں سینکڑوں علماء استقبال کے لئے بمبئی گئے تھے.

دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ خلف الرشید حضرت نانوتویؒ بھی اپنے دونوں صاحبزادوں طیب و طاہر کے ساتھ تشریف لے گئے تھے، اور استقبال کرنے والوں میں پیش پیش تھے۔

بیعت وسلوک

وہاں سے جب حضرت شیخ الہندؒ دیوبند پہنچے تو ایک دن بعد نماز عصر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہٗ نے بیعت کرنے کی درخواست کی اس پر حضرت اقدسؒ نے فرمایا:

''اس وقت اپنی جماعت میں دو ہی صاحبزادے ہیں، جن کا پوری جماعت احترام کرتی ہے۔ ایک مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (ابن حضرت نانوتوی قدس سرہٗ) اور ایک مولانا حافظ مسعود احمد صاحبؒ (ابن حضرت گنگوہیؒ) لوگوں کا مجھ پر الزام یہ ہے کہ اس نے دونوں صاحبزادوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ اگر میں نے تم دونوں بھائیوں کو بیعت کر لیا، تو لوگ کہیں گے کہ اب تو یہ قبضہ موروثی ہوگیا۔ پھر فرمایا کہ بھائی مالٹا سے میں کوئی بدل کر تھوڑا ہی آیا ہوں میں تو وہی کا وہی ہوں جو مالٹا جانے سے پہلے تھا۔ آپ نے عرض کیا حضرت ہم وہ نہیں ہیں۔ جو پہلے تھے۔ پہلے ہمیں حضرت کے بارے میں کچھ شعور نہ تھا۔ اب ہوگیا ہے۔ بہر حال یہ باتیں آپ نے مزاحی رنگ میں فرمائیں اور اس کے بعد سکوت فرمایا۔ نماز مغرب کا وقت آگیا۔ اور سب اٹھ کھڑے ہوئے یہ دونوں بھائی بھی چلے آئے۔

مگر پھر اسی دن بعد نماز مغرب ایک طالب علم کو بھیجا مولوی طیب کو دارالعلوم میں بلا کر لاؤ۔ چنانچہ حضرت کی طلب پر حاضر ہوگیا آپ کو دیکھ کر فرمایا۔ مولوی طاہر کہاں ہے؟ ان کو بھی بلا لو، چنانچہ ان کے پاس آدمی گیا اور وہ بھی آگئے۔ جب دونوں صاحبزادگانِ محترم حاضر ہوگئے تو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے عرض کیا حضرت! کیسے یاد فرمایا بھائی مرید کرنے کو، تم دونوں وضو کرلو، چونکہ یہ دونوں بھائی باوضو تھے۔ لہٰذا عرض کیا حضرت ہم دونوں باوضو ہیں۔

اب حضرت نے دونوں صاحبزادوں کو اپنے پاس بٹھایا. اور باضابطہ دونوں کو بیعت فرمایا اس کے بعد آدھ گھنٹہ تک مختلف نصیحتیں فرماتے رہے.

ان نصیحتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ:

حضرت مرشد کے نصائح

بیعت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس سے کوئی دنیاوی عزت یا دولت مل جائے گی، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نفس اور باطن کی اصلاح ہو جائے اور وہ پاکیزہ و مہذب ہو جائے، کیونکہ انسان کے نفس کے ساتھ ہزاروں روگ لگے ہوئے ہیں، جیسے تکبر، حرص، حسد، کینہ، بغض، عداوت اور عناد وغیرہ دنیاوی فسادات بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں. اور انسان کی آخرت بھی انہیں سے برباد ہوتی ہیں. بیعت کا منشا یہ ہے کہ اخلاق ذمیمہ مغلوب ہو جائیں. اور اخلاق فاضلہ غالب آ جائیں. جیسے انابت الی اللہ صبر و شکر، حیا و سخا، غیرت و حمیت انابت الی اللہ اور توکل وغیرہ اور یہ چیزیں کثرت ذکر سے پیدا ہوتی ہیں. جس قدر ذکر کیا جائیگا. اخلاق فاضلہ اسی انداز سے قوی ہونگے اور طاعت کی رغبت پیدا ہوگی. اور اسی کے ساتھ معصیت سے نفرت بڑھتی جائے گی.

اس تقریر کے بعد حضرت اقدسؒ نے صاحبزادوں کو اذکار بھی بتائے. اور یہ دونوں بھائی ان اذکار کو پابندی سے بجالاتے رہے، مگر اسکے بعد حضرت شیخ الہندؒ بہت کم دن تقریباً چھ ماہ بقید حیات رہے، کوئی چھ ماہ بعد آپکی وفات ہوگئی، جس سے پورے ہندوستان میں صف ماتم بچھ گئی.

حضرت کشمیریؒ کی طرف رُجوع

آپ کی وفات کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کے لئے سوال پیدا ہوا کہ اذکار کی تعلیم کس سے حاصل کریں؟ چنانچہ آپ نے اپنا یہ رشتہ اپنے استاذ محدث العصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ سے جوڑا، انھوں نے

باضابطہ بیعت تو نہیں فرمایا، مگر تعلیم دیتے رہے.

حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مجاز تھے. یہ سلسلہ بہت دنوں تک قائم رہا مگر جب حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل تشریف لے گئے تو آپ کی خدمت میں حاضری کی نوبت کہاں آتی یا آتی تو بہت کم.

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں:

اسی اثناء میں حضرت والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ دونوں بزرگوں کو حیدر آباد کا سفر پیش آیا. یہ سردی کا زمانہ تھا. ان بزرگوں کے ساتھ سفر میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ بھی تھے. دیوبند سے چل کر درمیان میں بھوپال ایک رات قیام رہا. حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا بیان ہے کہ:

> جس کمرہ میں ان حضرات کی چارپائی تھی، اس کی پائنتی میں میرے لئے بھی چارپائی بچھادی گئی. تہجد کا جب وقت آیا تو یہ دونوں بزرگ اور مولانا سعید الدین صاحب ممبر مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند ریاست بھوپال اٹھے اور نماز میں مشغول ہوگئے. میں اس وقت جاگ رہا تھا مگر بستر پر پڑا رہا، اٹھا نہیں، مولانا سعید الدین صاحب رامپوری جو حضرت گنگوہیؒ کے خاص لوگوں میں تھے. مجھے سوتا ہوا دیکھ کر ان حضرات سے فرمایا کہ اس کو کسی بزرگ کی طرف رجوع کرانا ضروری ہے اور اس سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ ہماری جماعت میں اس وقت حکیم الامت حضرت تھانویؒ بڑے لوگوں میں ہیں، ان سے وابستہ کرنا مناسب رہے گا.

یہ مشورہ ان بزرگوں کی سمجھ میں آگیا، جب یہ حضرات حیدر آباد کے سفر سے دیوبند واپس آئے. تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں خط لکھا کہ ہم لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ مولوی محمد طیب کو

بسلسلہ تربیت باطن آپ کے سپرد کریں. اور آپ اس کی اصلاح فرمائیں.

اس کے جواب میں حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا کہ "وہ میری اولاد ہے جب چاہے آجائے لیکن اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ اپنے بارے میں خود لکھے. آپ اس سے فرمادیں کہ وہ خود براہ راست میرے نام خط لکھے، چنانچہ ان حضرات کا ایما ہوا. تو میں نے حضرت والا کی خدمت میں ایک خط لکھا اور اس میں وابستگی کی درخواست کی، حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا. تو میری اولاد ہے کسی کی سفارش کی ضرورت نہیں ہے. جب بھی فرصت ہو. فوراً آجاؤ.

تھانہ بھون حاضری

اتنے میں رمضان المبارک کا مہینہ آگیا. میں نے دارالعلوم کی مسجد میں تراویح سنانا شروع کردی. ڈیڑھ پارہ سنا کر بیس دِنوں میں قرآن پاک ختم کیا. اور بیس رمضان کو تھانہ بھون حاضر ہوگیا اور اخیر عشرہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس گذارنے کے ارادے سے حاضر ہوگیا. حاضر ہونے کی اطلاع پہلے دے چکا تھا. جس دن میں پہنچا وہ جمعہ کا دن تھا. جمعہ کا وقت ہو چکا تھا. مسجد نمازیوں سے بھری پڑی تھی. میرے پہنچتے ہی خانقاہ کے دروازہ پر مولوی شبیر علی صاحبؒ برادرزادہ حضرت تھانویؒ میرے منتظر تھے. ان سے مصافحہ ہوا.

دیوبند سے میرے ہمراہ مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے. ہم لوگوں کے پہنچتے ہی بھائی شبیر علی نے فرمایا کہ حضرت (تھانویؒ) نے سلام فرمایا ہے. اور تین باتیں کہیں ہیں. پہلی بات یہ کہ خانقاہ کے حجرہ نمبر ۱۶ رمیں آپ کا قیام ہوگا. وہاں سامان پہنچا دیا گیا ہے، دوسری بات یہ کہ اگر کوئی تکلیف وتکلف نہ ہو تو ان دس دنوں میں ایک کلام پاک تراویح میں تین تین پارے یومیہ ہمیں سنادو، اور تیسری بات یہ ہے کہ آپ تین دن تک میرے مہمان رہیں گے. اس کے بعد آپ اپنے کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست خود کریں گے. اس تیسری بات سے قدرے گرانی کا میرے دل پر اثر ہوا کہ اتنے قریبی روابط (قرابت داری) بزرگوں سے علاقہ اور خود مجھ پر اولاد جیسی شفقت کے ہوتے

ہوئے حضرت نے یہ غیریت کی بات کیوں اختیار فرمائی؟

نماز تراویح

مگر چونکہ حاضری اصلاح کے لئے ہوئی تھی. اس لئے سب باتیں بخوشی منظور کرلیں اور حکم کے مطابق نامزد کمرہ میں قیام کیا. اس وقت تک میری آواز بہت بلند تھی اور خوش آوازوں میں شمار تھا. اس کی شہرت بھی تھی. روزانہ تراویح میں تین پارے سنانے لگا تمام مساجد سے بکثرت عوام وخاص ذوق و شوق سے خانقاہ کی مسجد میں قرآن سننے کی غرض سے آنے لگے. اور مسجد سے باہر حوض اور مدرسہ کا صحن لوگوں سے بھرا ہوا تھا.

جب تین دن پورے ہوگئے. تو (حضرت تھانویؒ) نے یاد فرمایا اور بلا کر کہا کہ میں نے میزبانی میں تین دن کی شرط لگائی تھی، وہ ایک ضابطہ اور اصول کی بات تھی. تو میری اولاد ہے. یہ کیسے ممکن ہے کہ تھانہ بھون آکر تو اپنے کھانے کا بندوبست کرے. تیرا کھانا وغیرہ میرے ساتھ ہی ہوگا. میں نے دس دن اسی شان سے قیام کیا. قرآن شریف پورا ہوگیا. اور حضرت نے تعلیم وتربیت شروع فرمادی، اور ذکر وشغل کے طریقے بتائے. اس کے بعد میرا تعلق حضرت سے مضبوط ہوتا گیا. اور آپ کی تعلیم کے مطابق عمل کرتا رہا. کئی سال کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضرت بیعت بھی فرمالیں. فرمایا ضرورت تو ہے نہیں مگر جب دل کی خواہش ہے تو بہتر ہے اور یہ کہہ کر بیعت بھی فرمالیا.

خرقۂ خلافت

حکیم الامت حضرت مرشد تھانویؒ کی تعلیم رنگ لائی. اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد آپ کا شمار حضرت والا کے ممتاز لوگوں میں ہونے لگا. خط وکتابت اور آمد ورفت کا سلسلہ برابر جاری رہا. جو کچھ ادھر سے ہدایتیں ہوتی تھیں. ان پر آپ پورا عمل فرماتے.

آپ کا ہی بیان ہے کہ ایک دن حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا ایک گرامی نامہ ملا، اس میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ:

بے ساختہ میرے دل پر یہ وارد ہوا ہے کہ میں تجھے خلافت دوں اس لئے میں تم کو

خلافت دیتا ہوں، جو کوئی بہ نیت اصلاح وتربیت آئے اسے توبہ کرادیا کرو. اور مشائخ کے معمولات تلقین کردیا کرو.

اصلاحی باتیں پوچھے بتادیا کرو. اور جو کوئی بیعت ہونا چاہے اسے بیعت کرلیا کرو. یہ تمہارے لئے بھی نافع ہوگا اور مستفدین کے لئے بھی.

بیعت وارشاد

اس اجازت نامہ کے بعد جو کوئی آپ سے بیعت ہونے کی درخواست کرتا ہے. آپ قبول فرمالیتے ہیں. اور اپنے سلسلہ میں بخوشی داخل فرمالیتے. آج ملک کا کوئی گوشہ اور حصہ ایسا نہیں ہے جہاں آپ کے متوسلین کی بڑی تعداد نہ ہو. بیعت ہونے والوں کی زیادہ تعداد جنوبی ہند میں ہے. بمبئی، مدراس، حیدرآباد، بنگلور، میسور اور گجرات کے متعدد شہروں اور قصبات میں آپ سے وابستہ ہونے والے بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں. حتیٰ کہ یہ سلسلہ غیر ممالک تک پھیلا ہوا ہے. سعودی عرب، افریقہ، پاکستان، بنگلہ دیش، انگلستان، ایسٹ افریقہ، سری لنکا، برما اور ایران میں بھی بکثرت لوگ داخل سلسلہ ہیں. اور بہت سے لوگوں کو آپ سے اجازت بیعت بھی حاصل ہے.

بہت سے وہ افراد واشخاص جن کو علماء دیوبند سے دور رکھنے کی ان کے حلقہ کے علماء نے برسہا برس سے سعی کررکھی تھی. آپ کے مواعظ حسنہ سننے کے بعد ایسے تمام افراد خاندان بھی جو دور رہنے کی وجہ سے غلط فہمیوں میں مبتلا رکھے گئے تھے. یا مبتلا تھے. آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے. اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے. اور اس طرح ان کے عقائد اور اخلاق واعمال کی آپ کے ذریعہ اصلاح ہوئی. اور وہ آج آپ کے گرویدہ اور جان نثاروں میں شمار ہوتے ہیں.

''فاتح بمبئی'' بمبئی میں

حضرت اقدس مہتمم صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب میں پہلی مرتبہ بمبئی گیا. تو میرے خلاف بدعتیوں نے قد آدم پوسٹر لگائے اور عوام کو بتایا گیا کہ نعوذ باللہ کفار دیوبند میں یہ شخص

اکفر الکفار ہے. کیونکہ دیوبند کے تمام بڑے کفار سے اسے نسبت حاصل ہے، حضرت شیخ الہندؒ کا مرید ہے، حضرت تھانویؒ کا مجاز ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا مخصوص شاگرد ہے اور حضرت قاسم العلوم نانوتویؒ کا سگا پوتا ہے اسلئے اس میں ساری کفریہ نسبتیں جمع ہیں. سُنی بھائیوں کو چاہئے کہ اس کی صورت بھی نہ دیکھیں ورنہ ایمان کے سلب ہو جانے کا خطرہ ہے.

عجیب اتفاق یہ پوسٹر ہی اس جلسہ میں جس میں آپ کی تقریر ہونے ولی تھی لوگوں کی غیر معمولی حاضری کا سبب بن گیا لوگوں نے کہا کہ دیکھنا تو چاہئے کہ آخر اتنے بڑے ''کافر'' کی صورت شکل کیسی ہوگی اور وہ کیا کیا کفریہ باتیں لوگوں کو تلقین کریگا.

اس پوسٹر میں دوسرے علماء دیوبند کو بھی سب وشتم سے جی بھر کر نوازا گیا تھا، لیکن خلاف توقع اس دن وعظ میں اتنا بڑا اجتماع ہوا کہ بمبئی کی تاریخ میں اتنا بڑا مجمع لوگ کہتے ہیں کہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا. پرانے قبرستان کے میدان میں جلسہ تھا تا حد نظر پورا میدان انسانوں سے بھرا ہوا تھا. لوگوں کا محتاط اندازہ ہے کہ تیس چالیس ہزار انسانوں کا اجتماع تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سارا بمبئی ٹوٹ پڑا ہے اس دن آپ کا وعظ تقریباً تین گھنٹے ہوا مجمع پر سکوت طاری تھا آپ اپنے دستور کے مطابق مثبت انداز میں تقریر فرما رہے تھے. آیات قرآنی اور احادیث نبوی کے حوالے سے اکابر اولیاء اللہ کے واقعات اور اپنے اسلاف واکابر کی خدمات کا تذکرہ بڑے مؤثر انداز میں بیان فرما رہے تھے.

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سامعین نے غیر معمولی اثر لیا اور پورے بمبئی میں مشہور ہو گیا کہ اگر علماء دیوبند ایسے ہوتے ہیں پھر ان سے بہتر تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان محلوں سے تقریر کی دعوتیں آنی شروع ہوگئیں جو خاص مخالفین علماء دیوبند کے محلے کہلاتے تھے اور پھر انتیس دن تک مسلسل یومیہ آپ کی تقریریں بمبئی کے مختلف محلوں میں ہوتی رہیں جن میں عوام وخواص کی بہت بڑی بھیڑ ہوتی تھی.

اسی کے پیش نظر حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند نے

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو ''فاتح بمبئی'' کا خطاب عطا فرمایا.

اس سے پہلے اہل بمبئی کو علماء دیوبند سے اس درجہ متنفر کر دیا گیا تھا کہ اگر کوئی دیوبندی عالم متبدعین کی کسی مسجد میں چلا جاتا تھا تو مسجد دھلوا کر پاک کرائی جاتی تھی. لیکن اس اجتماع کے بعد نوعیت یہ ہوئی کہ جن لوگوں نے حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کو پستول دکھا کر مرعوب کرنا چاہا تھا. وہی لوگ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان لغویات سے توبہ کی. اور اہل اللہ میں ہونے کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے.

جن لوگوں کو حضرت اقدس مدظلہٗ سے قریب رہنے کا موقع ملا ہے، یا جو آپ کی مجلسوں میں کچھ دنوں شریک ہوئے ہیں، اس کی تصدیق کریں گے. کہ آپ کے ذات گرامی موجودہ دور کے ان تمام تکلفات اور تدبیر و سیاست سے پاک ہیں. جو عام طور پر خاندانی پیروں اور پیرزادوں میں ہوتے ہیں. کہیں یہ ظاہر ہونے نہیں دیتے کہ آپ کوئی خدارسیدہ بزرگ ہیں یا عالم ربانی کے مقام پر فائز ہیں. طبیعت بالکل سادہ، گفتگو خالص علمی اور مذہبی، حقائق و واقعات مؤثر و نصیحت آمیز، آپ کی مجلسوں میں نہ کسی پر تنقید و تبصرہ ہوتا ہے. نہ غیبت اور بغض و عناد کا کوئی چرچہ، کتاب و سنت سے طبیعت مانوس ہے زبان پر کتاب اللہ کی آیات اور حدیث نبوی کے ٹکڑے چڑھے ہوئے ہیں. جو دلائل میں سناتے رہتے ہیں. شرعی احکام و مسائل کی حکمتیں بکثرت بیان ہوتی ہیں. علماء ربانیین اور اولیاء اللہ کے واقعات بالخصوص اپنے علماء دیوبند کی دینی و علمی اور اصلاحی خدمات کا تذکرہ پھر کمال یہ ہے کہ جو کچھ بیان فرماتے ہیں. بڑے ہی دلنشین انداز میں اور پورے اخلاص کے ساتھ، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان سے دل و دماغ بھی غذا پاتے ہیں. اور عقل و شعور کو بھی جلا حاصل ہوتی ہے.

مخلص اور دیندار افراد و اشخاص آپ کی طرف کھینچتے ہیں. جن کے مزاجوں میں فطری کجی ہوتی ہے. یا جن کا اندازِ فکر توڑ جوڑ رہتا ہو. یا سیاسی دیکھا گیا ہو، وہ عام طور سے آپ

کے قریب نہیں ہوتے، اس لئے کہ ایسے لوگوں کی تسکین کا آپ کے یہاں کوئی سامان نہیں ہے. آپ پر حکیم الامت تھانویؒ اور آپ کے جدامجد کا رنگ غالب ہے یہی وجہ ہے کہ آپ کے متوسلین عموماً صالح، پختہ عقیدہ کے مالک اور اپنے کام سے کام رکھتے ہیں.

آپ کے حلقہ ارادات میں علماء وحفاظ بھی ہیں اور ملازمین اور تاجر حضرات بھی کسان بھی ہیں. اور مزدور بھی، شہری بھی ہیں. اور دیہاتی بھی، بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی، مرد بھی ہیں، عورتیں بھی، امراء اور رؤسا بھی ہیں. اور غرباء وفقراء بھی، ہر طبقہ کے لوگ ہیں. مگر ان سب میں عموماً ایک بات مشترک نظر آئیگی کہ وہ کسی کے درپے آزار نہیں، پھر ان میں نہ نام ونمود کا ابھرتا غلط جذبہ ہوتا ہے. اور نہ فتنہ وفساد اور شر انگیز مزاج، ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے ہی وہ بدل جاتے ہیں. صوم وصلوٰۃ اور زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہوتے ہیں. اور ملی کاموں میں آگے بڑھ کر حصہ لینے والے، مختصر یہ کہ آپ کے مزاج کا اعتدال اور اس کی پاکیزگی بہت جلد وابستہ لوگوں میں منتقل ہونے لگتی ہے اور وہ رزقِ حلال اور صدق مقال کے عادی ہوجاتے ہیں.

حکیم الاسلام کی شادی خانہ آبادی

زندگی کے مراحل میں ایک اہم مرحلہ شادی خانہ آبادی بھی ہے. آپ کے پدر بزرگوار نے آپ کے درسیات سے فراغت کے بعد آپکی شادی کی فکر کی، اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور دوسرے رشتہ داروں کے مشورہ سے آپ کا رشتہ رامپور منیہاران ضلع سہارنپور میں طے پایا.

مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب

اس قصبہ رامپور میں مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کا خاندان ممتاز شمار ہوتا ہے. اس خاندان کے اہل علم اور اہل دل کافی شہرت رکھتے ہیں. خود مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ، حضرت محمد ضامن شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے. اور آپ کے ارشد خلفاء میں شمار ہوتے تھے. اس خاندان کے مورثِ اعلیٰ حضرت شیخ سالار بندگی تھے جن

کا رام پور میں مزار موجود ہے۔ بسلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ صحابی رسول ﷺ تک پہنچتا ہے۔ جو مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج تھے۔ اور جہاں رسول اللہ ﷺ نے اولاً قیام فرمایا تھا۔

مولانا حکیم ضیاء الدین صاحب کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ان کے حقیقی بھائی جناب حاجی علاؤالدین صاحب تھے اس خاندان کی نصل انہی سے چلی، ان کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا حافظ حکیم احمد صاحب رئیس رامپور، مولوی محمد صاحب مرحوم اور مولانا حافظ محمود صاحبؒ فاضل دیوبند و وزیر ریاست اندر گڑھ (راجپوتانہ) مولانا محمود صاحب نے یہیں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی اور آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود صاحب (م ۱۳۳۹ھ) اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا۔ اور ربط و علاقہ قوی تھا۔

مولانا محمود صاحب

مولانا محمود صاحب کی شادی مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی قدس سرہ انبیہٹہ ضلع سہارنپور کے خاندان میں حضرت شاہ صادق احمد صاحب انبیٹھوی کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ حضرت شاہ ابوالمعالی کا خاندان انبیٹھوی میں اہل علم وفضل اور اہل دل کا ممتاز خانوادہ رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث خلیفہ حضرت گنگوہیؒ اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔

انہی مولانا حافظ محمود صاحب رامپوریؒ کی صاحبزادی حنیفہ خاتون سے حضرت مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کا رشتہ طے پایا۔ جو ان کی اکبر اولاد تھی۔ یہ رشتہ اس وقت کے صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ لے کر رامپور پہنچے، چونکہ حضرت شیخ الہندؒ کا تعلق بھی وہاں سے گہرا تھا اور مولانا محمود کے بھائی حکیم احمد صاحب سے فرمایا کہ بھائی، میں اس وقت نائی کی حیثیت سے طیب کا رشتہ آپ کی بھتیجی سے لے کر آ رہا ہوں یہ رشتہ ان حضرات نے بڑی خوش دلی کے ساتھ منظور کر لیا، بلکہ دلی مسرت کا اظہار بھی کیا۔ بات طے پانے کے بعد یہ رشتہ تین چار سال لگا رہا۔

نکاح: ۱۳۳۴ھ میں جب حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کی عمر بیس سال ہوچکی تھی نکاح کی تاریخ طے پائی، اور متعینہ تاریخ میں سو، سوا سو، علماء کرام اور صلحاء عظام بصورت بارات آپ کو لے کر رام پور پہنچے.

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ (م۱۳۶۲ھ) نے آپ کا نکاح پڑھا.اور سبھی نے دعائیں کیں. بارات کے سلسلہ میں خود حکیم الاسلام مدظلہ لکھتے ہیں:

بارات کی واپسی ایک شب قیام بعد اگلے دن عصر کے بعد ہوئی، اور رات کو تقریباً گیارہ بجے دیوبند پہنچنا ہوا، سردی کا زمانہ تھا عشاء کے بعد دیوبند میں اس غیر معمولی تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ مولانا محمود صاحب نے کافی اور بہت قیمتی جہیز دیا تھا.جس کی شہرت تھی، حتیٰ کہ علاوہ ہمہ قسم سامانوں کے دلہن کے لئے نفیس پالکی اور دولہا کے لئے گھوڑا بھی جہیز میں دیا.جو سر سے پیر تک چاندی سے آراستہ تھا.اور زین مخملی تھا.جس پر زری کا کارچوب کا کام تھا.یہی نوعیت دوسرے قیمتی سامانوں کی بھی تھی.رات کا وقت کچی پکی سڑک اور درمیان میں دیہات کا سلسلہ اس لئے دیوبند میں تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ؒ شادی کے سلسلہ میں مقامی نظم کے ذمہ دار تھے.انھوں نے اس تشویس کا طلبہ سے اظہار کیا، جس پر ڈھائی تین سو طلبہ دیوبند سے رامپور کی سڑک پر روانہ ہوگئے.دیوبند سے چھ میل آگے پہنچ کر طلبہ کا مجمع بارات سے جاملا.اور بارات کے ساتھ لوٹا.طلبہ نے اپنی محبت وتعلق سے پالکی والے کہاروں کو ہٹا کر خود پالکی اپنے کندھوں پر اٹھائی اور نوبت بنوبت پالکی لے کر چلے، وہ سماں عجیب تھا.کہ مختلف وطنوں کے طلبہ بنگالی، پنجابی، آسامی، سرحدی اور گجراتی وغیرہ اپنی اپنی زبانوں میں گیت گاتے.جاتے تھے.اور پالکی اٹھائے جارہے تھے. یہ مرحومہ کی خوش قسمتی تھی کہ رشتہ سرتاج علماء شیخ الہند ؒ لے کر گئے، نکاح سرخیل علماء حضرت تھانویؒ نے پڑھا. بارات میں وقت کے تمام علماء صلحاء اور

اکابر وقت شریک ہوئے اور پالکی اٹھانے والے طلبہ علم دین تھے جو اپنے سروں پر مرحومہ کولائے اور آخر جنازہ بھی جب اٹھا تو وہ بھی انہی طلبہ اور علماء کے کندھوں پر اٹھا۔ (جذبات الم ص ۸ وص ۹)

اہلیہ کے اوصاف

اس وقت یہ شادی بڑے اہتمام سے ہوئی، اور ان علماء ربانیین کی دعاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس جوڑے کو بڑی عزت اور عظمت عطاء ہوئی، اور خواص وعوام میں قبول عام حاصل ہوا، حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ کی خدمت جلیلہ کی تفصیل آپ اس کتاب میں اپنی جگہ پڑھیں گے۔ آپ کی اہلیہ بھی ماشاء اللہ خاندان میں ممتاز حیثیت کی مالک تھیں، اس سلسلہ میں تفصیل حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ کے ہی قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی اہلیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

خود اپنی ذات سے بھی نہایت صالحہ، پابند اوقات، اور اپنے معمولات پر مستقیم تھیں۔ میں ان کے معمولات غبط کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا۔ اور بسا اوقات ذہن میں یہ تصور بندھ جاتا ہے کہ شاید یہی خاتون میرے لئے بھی نجات کا ذریعہ بن جائے، مرحومہ کو فرائض کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا۔ گھر کے کیسے ہی اہم کام میں مصروف ہوں۔ اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام سے بیگانہ وار اٹھکر اول اوقات میں نماز ادا کئے بغیر مطمئن نہ ہوتی تھیں۔ ایک ہزار دانے کی تسبیح ہمیشہ ان کے سرہانے رہا کرتی تھی، نماز عشاء کے بعد ایک ہزار بار کلمہ طیبہ اور وقت خواب ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا معمول تھا۔ جو سفر وحضر میں جاری رہتا تھا۔ نماز صبح کے بعد تلاوت قرآن کریم اور حضر میں بغیر کسی شدید اور غیر اختیاری مجبوری کے ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

حج کا بھی ایک شغف دل میں تھا۔ میری معیت میں سات بار حج وزیارت روضۂ اقدس سے مشرف ہوئیں۔ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی ثمہ المکی زید مجدہم، مہتمم دارالعلوم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے عزیز داری تھی، مکہ میں قیام انہیں کے دولت خانہ پر ہوتا تھا۔ مولانا کے گھرانے کے ہر بچے اور بڑے کو ان سے

ایک خاص انس اور علاقہ تھا. ہر سال حج کے موقع پر ادھر سے برابر یاد دہانی اور یاد دہانی کی کہ ہم سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں. اسی علاقہ خاص سے حضرت مولانا سلیم صاحب کا مقولہ تھا کہ:

جو شخص یہ ثابت کر دے کہ مکہ مکرمہ میں (مولانا) محمد طیب صاحب کا گھر نہیں ہے تو میں اسے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کے لئے تیار ہوں، بہر حال مولانا کا سارا گھرانہ ان سے حد درجہ مانوس تھا اور وہ ان سے مانوس تھیں بالخصوص عزیز محترم مولوی محمد شمیم سلمہٗ ابن حضرت مولانا محمد سلیم صاحب تو خاص طور پر ان کی خاطر داری اور مدارت میں لگے رہتے تھے. اور ان سے مرحومہ کو خاص انس تھا اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے شمیم پر ایسا ہی پیار آتا ہے جیسے سالم پر". (جذبات الم ص ۶/۷)

زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام

ان خوبیوں کیساتھ مرحومہ میں داد و دہش کی خوبی بھی بدرجہ اتم تھی، خود حضرت حکیم الاسلام لکھتے ہیں.

"حج و نماز اور اوقات کی پابندی کے ساتھ ان میں ادائے زکوٰۃ کا شغف یہ تھا کہ پائی پائی کا حساب کر کے عموماً ماہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کیا کرتی تھیں. شہر کے عزیزوں میں سے غرباء اور بالخصوص غریب بیواؤں کی فہرست ان کے سامنے رہتی تھی. (جذبات الم ص ۷)

تراویح کا اہتمام

آپ کی اہلیہ کو رمضان شریف میں تراویح کا خاص اہتمام تھا، اور یہی وجہ تھی کہ حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ آخر کے چند سال سے تراویح اپنی بیٹھک میں پڑھا کرتے تھے دالان میں پردہ ہوتا تھا. پس پردہ اہلیہ محترمہ اور گھر اور محلہ کی دوسری عورتیں ہوتی تھیں اور پردہ کے باہر جانب قبلہ بیٹھک میں مردوں کی جماعت ہوتی تھی.

جب کبھی رمضان میں حضرت والا کا قیام گھر پر نہیں ہوتا تو یہ فرض مولانا سالم صاحب استاذ دار العلوم دیوبند آپ کے صاحبزادہ انجام دیتے تھے.

اس طرح اہلیہ محترمہ اذکار و اوراد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب کی نہایت پابند تھیں. اور اسی رنگ میں اپنے پورے خاندان اور گھرانے کو رنگنے کی سعی کرتی رہتی تھیں.

ذمہ داریوں کا احساس

حضرت والا کو اہلیہ کی وجہ سے بڑا ذہنی سکون حاصل تھا، بچوں کی پرورش، تعلیم و تربیت اور دیکھ بھال سب اہلیہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی. حضرت کو اس طرح سے بالکل آزاد کر رکھا تھا. چوں کہ ذہین و ذکی تھیں. اس لئے آپ کی راحت رسانی کا پورا خیال اور لحاظ و پاس تھا. گجراتی اور ہندی زبان بھی لکھنا اور بولنا جانتی تھیں، دارالعلوم میں گجراتی اور ہندی خطوط آتے تھے تو ان کا ترجمہ آپ اکثر ان ہی سے کراتے تھے.

جذبہ راحت رسانی

آپ کے ساتھ انھوں نے ہند و بیرون ہند کے بہت سے مقامات کا سفر بھی کیا تھا. اور جہاں جاتیں عورتوں میں رہ کر ان کو دین کی باتیں بتاتی تھیں. اور ان کی اصلاح کرتی تھیں. حضرت اقدس مدظلہ نے لکھا ہے کہ:

''ان کے ساتھ میری رفاقت ساٹھ سال رہی ہے، اس پوری مدت میں اہلیہ ہونے کے رشتہ سے ان سے اتنا متاثر نہیں تھا. جتنا کہ ان کی ذاتی صلاحیت و استقامت اور جذبۂ راحت رسانی واطاعت وغیرہ سے متاثر رہا. خدمت و اطاعت میں مزاج شناسی اور نفسیات کی رعایت کا انہیں خاص ملکہ تھا. بات سن کر فوراً اس کی تہہ میں پہنچ جانا اور اصولی جواب ان کا خاص رنگ تھا. یہی ذہانت تھی کہ عمر کا ایک بڑا حصہ راجپوتانہ میں گذارنے کے سبب گجراتی زبان اور ہندی لکھنے پڑھنے کا خاص ملکہ پیدا کر لیا تھا. اکثر دارالعلوم کے ہندی اور گجراتی زبانوں کے خطوط انہیں سے پڑھواتا اور ترجمہ کراتا تھا. گجرات کے سفروں بڑودہ، سورت راندیر اور بمبئی وغیرہ میں وہ گجراتی عورتوں کی باتیں بے تکلف سمجھ کر ان سے گجراتی میں بات چیت کر لیتی تھیں. اسی طباعی کا اثر تھا کہ حجاز کے متعدد سفروں میں معمولی عربی سمجھنے اور ٹوٹی

پھوٹی بول لینے میں انہیں تکلف نہیں ہوتا تھا. حجاز میں اکثر عرب اور مصری عورتوں سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں گھنٹوں بات چیت کرتی رہتی تھیں.'' (جذبات الم ص ۱۰)

حضرت کی اہلیہ شعر بھی کہہ لیا کرتی تھیں، اور ان کے اشعار رواں ہوتے تھے، ان کے کچھ اشعار بھی چھپ گئے ہیں، غیر ممالک کے سفر میں بھی حضرت کے ساتھ جانا ہوا، اور اچھے اثرات چھوڑ کر آئیں اس رفیقۂ حیات نے یوم عاشورہ ۱۰ رمحرم ۱۳۹۴ھ کو داغِ مفارقت دی.

الحمد للہ اس رفیقۂ حیات سے آپ کو کئی اولاد ہوئیں، زندہ اولاد میں تین صاحبزادے (۱) مولانا محمد سالم صاحب استاذ دار العلوم دیوبند (۲) مولانا محمد اسلم صاحب رمزی ناظم شعبۂ برقیات دار العلوم دیوبند (۳) محمد اعظم صاحب استاذ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، اور تین صاحبزادیاں پھر بحمد اللہ ان اولاد کی اولاد کا سلسلہ بھی ہے.

حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ لکھتے ہیں اولاد کی طرف سے بھی حق تعالیٰ نے انہیں خوش نصیب بنایا تھا. انھوں نے اپنی تین پشتیں اپنی زندگی میں پروان چڑھتے دیکھیں، بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں، نواسے، نواسیاں اور ان کی اولادیں ملا کر مجموعی تعداد ۱۵ رتک پہنچ گئی ہے۔ اور بعد میں بھی اضافہ ہوا. انھوں نے خوشیوں اور مسرتوں کی فضائیں دیکھیں خود اپنی ساری اولاد کی شادی بیاہ اور کافی حد تک اولاد کی اولاد کی تقریبات وغیرہ سے اپنی زندگی میں ہی فراغت پالی تھی اور یہ کم خوش نصیبی نہیں کہ ان کے انتقال تک ان کی اولاد اور اولاد در اولاد کا عدد ماشاء اللہ ۵۱ رتک پہنچا ہوا تھا جن میں سے سات اولاد اللہ کو پیاری ہوئی. اور اب بحمد للہ ۴۶ رموجود ہیں. کثر ہم اللہ تعالیٰ وابقاہم. (جذبات الم ص ۱۸ و ۱۹)

فرائض درس وتدریس

آپ نے ابتداء سے انتہا تک دار العلوم میں تعلیم پائی، اور طالب علمی کی پوری زندگی یہیں گذری، اس لئے آپ کا علمی شغف، کتابی استعداد، ذہن وفکر کی سلامتی، مزاج کا اعتدال، طبعی شرافت اور متانت وسنجیدگی سبھوں پر عیاں تھی. اسلئے فراغت کے بعد آپ کو درس

وتدریس پر لگا دیا گیا. جس سے علمی رسوخ ذمہ داریوں کا احساس اور طلبہ عزیز سے مناسبت پیدا ہوتی ہے.

درس وتدریس کی اہمیت

کہا جاتا ہے کہ طالب علمی کا دور اسباب کی فراہمی کا دور ہوتا ہے، اور اصل تعلیم مدرسی کے زمانے سے شروع ہوتی ہے، اور جب تک تازہ فارغ شدہ پڑھنے پڑھانے پر نہیں لگتے ان کی علمی استعداد خام رہتی ہے. پختگی نہیں آتی، اس لئے کہ اس سے پہلے کا مطالعہ کچھ زیادہ ذمہ دارانہ نہیں ہوتا کیونکہ اس پر دارو گیر کرنیوالا نہیں ہوتا. آدمی خود پڑھتا اور سمجھتا ہے. اس لئے اس پر علم کا جیسا دباؤ چاہئے نہیں پڑتا. اور نہ اس کو اپنے مطالعہ کا صحیح اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے کیا پڑھا اور کیا سمجھا وہ صحیح بھی تھا یا نہیں؟

اس کے برعکس جب معلّم بن کر آدمی مطالعہ کرتا ہے تو اس وقت اس کا یہ مطالعہ ذمہ دارانہ ہوتا ہے. اسلئے کہ اس وقت اس کو خود سمجھنا نہیں ہوتا کہ خاموشی کے ساتھ کتاب دیکھی اور اس کا مفہوم اس کے ذہن کے خزانے میں بطور امانت جمع ہو گیا. بلکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ جو میں نے سمجھا ہے اسے زبان سے بلند آواز کے ساتھ دوسرے پڑھنے والوں تک پہنچانا ہے. جو خود تیار ہو کر آئے ہیں آخر ان میں ہر استعداد کے طلبہ ہوتے ہیں. جہاں بے فکرے اور بے رغبت ہیں. وہیں ذہین وذکی اور محنتی بھی ہوتے ہیں. پھر اس کا بھی یقین ہوتا ہے کہ جو بات ان میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آئے گی وہ دریافت بھی کرے گا. اس کی تشفی کرنی ہے. مختصر یہ کہ خود سمجھ کر دوسروں کو سمجھانا ہے اور ان کے ذہن نشین کرنا ہے.

درس وتدریس پر محنت

حضرت اقدس مدظلہٗ نے درس وتدریس پر کافی محنت کی، اور سچ پوچھئے تو آپ کا طبعی رجحان پڑھنا پڑھانا ہی تھا، چنانچہ اپنی مجلسوں میں اب تک فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اکابر نے زبردستی اہتمام پر بٹھایا ورنہ اب بھی اس سے مجھے مناسبت طبعی نہیں ہے.

نوجوانی کا دور تھا اور جوش وخروش کا عالم طبیعت میں جولانی تھی. اور اُمنگ

"ولولہ" جیسا کہ عام طور پر نئے نوجوان مدرس میں قدرتی طور پر ہوتا ہے. آپ کے والد محترم زندہ بقید حیات تھے اور اس وقت کے بڑے تجربہ کار عالم اور استاذ، اس لئے آپ کو اس شعبہ میں تدریجی طور پر کتابیں دی گئیں یعنی پہلے ابتدائی کتابوں کے اسباق سپرد کئے گئے. تا کہ صرف نحو کی استعداد پختہ سے پختہ تر ہو جائے. اور آگے اونچی کتابیں آسانی کے ساتھ آپ پڑھا سکیں، چنانچہ پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی لکھتے ہیں.

"جوانی سے لے کر اب تک میں نے خوب دیکھا ہے، تعلیم سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ دار العلوم میں ابتدائی کتابیں پڑھانے لگے تھے. میں نے ان سے ہدایۃ النحو اور قدوری پڑھی تھی" (انوار القاسمی ص ۲۳۲ ج ۱)

درس و تدریس میں ترقی

پھر ہر سال اسباق میں ترقی ہوتی گئی. اور ہر علم و فن کی کتابیں آپ نے پڑھائیں. صرف، نحو، فقہ حدیث، تفسیر کلام معانی آپ کی محنت اور تدریس سے جہاں منتظمین مطمئن اور خوش تھے وہیں پڑھنے والے طلبہ بھی کیوں کہ آپ کا انداز بیان دلنشیں تھا. اپنے اندر جذب و کشش رکھتا تھا.

اسکے بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس شعبہ میں بڑا دخل خداداد ذہانت، علم و فراست علمی شغف کتابی مناسبت اور ذوق و وسعت مطالعہ کو حاصل ہے. اور بحمد للہ آپ کے حصہ میں یہ تمام خوبیاں قدرتی طور پر آئی ہیں قوت حافظہ بھی قابلِ رشک پایا تھا. پھر آپ نے جن اساتذہ سے تعلیم پائی تھی. وہ اس وقت اپنے فن کے ماہر استاذ تھے. اور ساتھ ہی زہد و تقویٰ کے پیکر اس لئے تلامذہ میں اس کے اثرات نمایاں طور پر ہوتے ہیں.

جس زمانے میں آپ نے تعلیم پائی تھی. وہ آج سے بالکل مختلف تھا. ہندوستان میں جس طرح کے لائق و فائق اور ذی علم اور صاحب فضل و کمال اس زمانہ میں پیدا ہوئے. شاید اسکے بعد اس کی کوئی مثال نہیں ملتی آج کے طلبہ واقعہ یہ ہے کہ اس دور کا صحیح تصور بھی نہیں کر سکتے. کہ اس زمانہ کے طلبہ کس قدر ذی استعداد اور محنتی ہوتے تھے. اور

آپ تو ماشاء اللہ خاندان قاسمی کے چشم و چراغ تھے جن کی تعلیم و تربیت پر محنت کی گئی تھی. اور خود آپ کو اپنے خاندانی علوم و معارف سے دلچسپی تھی.

حضرت شاہ صاحب کا تعلیمی دور

محدث عصر حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ کے جو تلامذہ آج بھی موجود ہیں گہری نظر ڈالئے تو ایسا معلوم ہوگا کہ وہ سب اپنے اپنے حلقہ اثر میں امتیازی علمی حیثیت کے مالک ہیں اور علم و فن سے گہرا شغف رکھتے ہیں، بلکہ حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ سے گفتگو کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے استاذ کے مقابلہ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے. اور ان میں اپنے علم پر اعتماد کی شان نمایاں ہے.

آپ کو یہی نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ سے شرف تلمذ حاصل ہے. بلکہ حضرت شاہ صاحبؒ کی آپ پر خصوصی توجہ تھی اس لئے علم و فن میں آپ کا با کمال ہونا ہرگز حیرت انگیز نہیں.

نودرہ کی برکت

آپ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ کسی کتاب کا کوئی مقام مطالعہ میں حل نہیں ہوتا تھا تو اس کے لئے بڑی کدو کاوش پہلے خود کرتا تھا، پھر کسی استاذ کی طرف رجوع کرتا تھا. خود آپ نے اپنی ایک مجلس سے فرمایا:

> جب میں فارغ ہوگیا تو ابتدائی کتابوں کے اسباق میرے سپرد کئے گئے میں نے اپنے لئے نودرہ کی درمیانی درسگاہ پسند کی بعض حضرات نے کہا کہ اس کے دونوں طرف درس گاہیں ہیں. ان میں شور و شغب زیادہ رہتا ہے. نودرہ کی پشت پر پہلے تو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں اور جہاں اب تحتانی دارالحدیث ہے. اس جگہ بہت بڑا تالاب تھا. بعض مرتبہ بارش کے زمانہ میں تالاب بھر جاتا تو پانی درسگاہ میں بھی آجاتا تھا. اس لئے یہ درس گاہ مناسب نہیں تھی. مگر پھر بھی میں نے اسی درس گاہ کو پسند کیا جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس درسگاہ کے بارے میں، میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا مکاشفہ سنے ہوئے تھا کہ

میں اس درسگاہ سے عرش تک نور کا ایک سلسلہ زنجیر کی مانند دیکھتا ہوں. اس لئے اس میں حل مسائل کی برکت راسخ ہے.

چنانچہ بارہا ایسا ہوا کہ مطالعہ سے ایک بات حل نہیں ہوئی اور سمجھ میں نہیں آئی. حضرت شاہ صاحبؒ یا دوسرے استاذوں کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ بات کر دی مگر مسئلہ میں انشراح نہیں ہوا لیکن اس درس گاہ میں پہنچ کر خود بخود چند منٹوں میں سارا مسئلہ حل ہو گیا.

''ایک دفعہ ایسا ہوا کہ کسی کتاب میں کوئی سخت مقام آ گیا نہ خود سے حل ہوا اور نہ ہی اساتذہ کی تقریر سے انشراح ہوا. ارادہ ہوا کہ طلبہ سے کہہ دونگا. اسکے حل کے لئے ہم نے بہت کوشش کی مگر حل نہیں ہو سکا. بات میری سمجھ میں پوری طرح نہیں آئی. تم لوگ کسی استاذ سے حل کرا لینا. مگر جب پڑھانے کا وقت آیا تو اس مشکل مقام کے لئے ایسی تقریر خود بخود ذہن میں آئی کہ مسئلہ بالکل واضح اور صاف ہو گیا. اور طلبہ بھی منشرح ہو گئے. میں نے اسے نو درہ ہی کی برکت محسوس کی.

فرائض درس و تدریس حسبۃً للہ انجام دیتے تھے. اس کا کوئی معاوضہ قبول نہیں کرتے تھے. ۱۳۲۷ھ سے ۱۳۴۳ھ تک درس و تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے. اور پوری محنت اور رغبت کے ساتھ جس میں کبھی کسی کوتاہی کو پسند نہیں فرمایا. بلکہ اہتمام میں آپ کو لینے پر بزرگوں نے ایک وجہ یہ بھی پیش کی تھی جیسا کہ خود ممدوح ہی کا بیان ہے کہ اسے قبول کرو معاوضہ اگر جاری ہوا تو انتظامی خدمات کا ہوگا. تعلیم کا سلسلہ جیسے اب تک حسبۃً للہ یا بلا معاوضہ جاری ہے. آئندہ بھی حسبۃً للہ جاری رہے گا. اور جیسے حضرت نانوتویؒ نے عمر بھر کبھی تعلیم پر معاوضہ نہیں لیا. یہی نوعیت تمہاری بھی رہے گی.

زینتِ مسندِ اہتمام

دوران درس و تدریس میں آپ کی مزید صلاحیت اکابر و اساتذہ کے سامنے آئی. اس لئے ان کی دلی خواہش ہوئی کہ بتدریج آپ کو دارالعلوم کی مسند قیادت پر فائز کیا جائے. تا کہ آئندہ اس درس گاہ کا علمی رنگ اور دینی ماحول برقرار رہ سکے، اور دارالعلوم جس نہج خاص پر گامزن

ہے. اس میں کوئی تبدیلی نہ آنے پائے.

شاید یہ بھی خیال ہو کہ بانی دارالعلوم حضرت قاسم العلوم سے آپ کو نسبت خاص حاصل ہے اور تجربہ نے ثابت کیا تھا کہ دارالعلوم کی ترقی اس خاندان سے وابستہ ہے. جو شخصیت سامنے ہے وہ بھی اپنی گوناگوں صلاحیت کی وجہ سے ہر طرح موزوں ومناسب ہے، وسیع حوصلہ، مرنجاں مرنج طبعیت، دارالعلوم سے دلی وابستگی، علم وعمل میں بڑی حد تک ممتاز، سبھوں کے ساتھ یکساں برتاؤ، کبرونخوت سے پاک، تواضع و خاکساری کا پیکر، تحریر وتقریر دونوں سے طبعی مناسبت، درس وتدریس سے شغف، بہت ساری خوبیوں سے مرصع اور بہت سارے اوصاف وکمالات کا حامل.

مسند اہتمام پر

چنانچہ ۱۳۴۳ھ میں اس وقت کے اکابر اور اساتذہ کی رائے طے پائی کہ آپ کو مسند اہتمام پر بٹھایا جائے. اور اس کی صورت یہ تجویز ہوئی کہ پہلے نیابت اہتمام پر لایا جائے اور کام کا موقع دیا جائے تاکہ ان کی انتظامی صلاحیت ابھر کر سامنے آئے. ادھر یہ طے ہو رہا تھا اُدھر آپ کا یہ حال تھا کہ ان ذمہ داریوں کے سر آنے کا وہم بھی نہیں تھا. پھر طبیعت درس وتدریس سے کافی مانوس ہو چکی تھی. اور اس سے مناسبت بھی پیدا ہو چکی تھی. اس لئے رات دن اپنے انہی مشاغل میں منہمک تھے اور اسی لائن کی ترقی کیلئے بدل وجان کوشاں تھے جب یہ بات آپ کے سامنے آئی تو آپ نے بڑے ادب سے اس خدمت سے معذرت پیش کر دی. اور اس عہدہ کے قبول کرنے سے انکار کر دیا.

اس عہدہ پر فائز کرنے کی وجہ

اس زمانہ میں اندرون دارالعلوم کوئی ہنگامہ بھی جاری تھا. اس کی وجہ سے بھی کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے آنے سے یہ ہنگامہ فرو ہو جائے گا. خود آپ کا بیان ہے:

''۱۳۴۳ھ کا واقعہ ہے کہ اہتمام میرے سپرد کیا جا رہا تھا. اور میں قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا. میں عرض کرتا تھا کہ میری طبیعت طالب علمانہ ہے. یہ انتظامی

جھگڑے مجھ سے برداشت نہیں ہونگے مگر بزرگوں نے کہا کہ یہ فتنہ اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک تم کو اہتمام پر نہ لیا جائے، میں نے زبانی طور پر ان سے بہت معذرت کی، مگر وہ نہیں مانے. جب مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور مولانا سعید الدین نے میرے والد بزرگوار کے روبرو مجھ سے یہ بات کہی تو میں نے حضرت والد صاحب مرحوم کو حیدرآباد کی نصیحت یاد دلائی کہ آپ نے خود مجھ سے فرمایا تھا کہ دارالعلوم کے اہتمام کے جھگڑے ہم نے چالیس سال برداشت کئے مگر تم اس سے بچنا اور اپنی جدّی میراث سنبھالنا اور وہ علم ہے. ان انتظامی جھگڑوں میں نہ پڑنا. یہ وصیت یاد دلا کر عرض کیا کہ جب خود آپ کی یہ نصیحت تھی اب پھر آپ کے سامنے مجھے ان جھگڑوں میں پڑنے کے لئے کیوں کہا جارہا ہے اور آپ اس کی تائید کیسے فرمارہے ہیں. میری یہ باتیں سن کر حضرت والد صاحب نے فرمایا میری نصیحت اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی. مگر اس وقت صورتِ حال مجبور کن پیدا ہوگئی ہے. اور تمام بزرگوں کا فیصلہ یہی ہے. اس وقت ان کی بات مان لو، آگے تم کو ہر وقت اختیار ہے. اس اختیار والی شرط کے پیش نظر میں نے دباؤ میں آکر مجبوراً اس وقت بزرگوں کا یہ فیصلہ مان لیا.''

اہتمام سے عدم مناسبت

مگر چونکہ آپ کو اہتمام کے کاموں سے طبعی مناسبت نہیں تھی. اس لئے تقرر کے باوجود کوئی دلچسپی نہیں لی بلکہ برائے نام یہ خدمت انجام دیتے رہے اور اسکی صورت بقول خود یہ تھی کہ:

''اہتمام سے مناسبت تھی نہیں اس لئے ہر تیسرے چوتھے دن مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے سامنے رجسٹر پیش کردیتا. سال بھر اس طرح معاملہ چلتا رہا، لیکن جب جب موقع ملتا تھا اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرتا رہتا تھا. اور یہ کہ مجھے اس خدمت سے معاف فرمادیا جائے، مگر میری درخواست قبول نہیں کی گئی. اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دفعہ سب کام چھوڑ کر میں تھانہ بھون بھاگ گیا. اور یہ لکھ دیا کہ آپ کا یہ کام ہم سے

نہیں ہو سکے گا. کسی اور کے سپرد کر دیا جائے. میرے اس طریقہ سے سارے بڑے بہت پریشان ہوئے حضرت مدنیؒ (حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ) مولانا ابراہیم صاحب بلیاویؒ مولانا اعزاز علیؒ (شیخ الادب) اور مولانا عبدالسمیع صاحبؒ یہ چاروں حضرات تھانہ بھون پہنچے اور حضرت اقدس تھانویؒ سے فرمایا. حضرت آپ کے یہاں ہمارا ایک چور آیا ہے. اور آپ نے اسے پناہ دے رکھی ہے. حضرت تھانویؒ کو اس واقعہ کی کوئی خبر نہیں تھی. فرمایا! کیسا چور؟ کیا مطلب؟ ان حضرات نے میرا نام لے کر عرض کیا یہ تھانہ بھون آگئے ہیں اور وہاں یہ تحریر لکھ کر دے آئے ہیں. کہ مجھے یہ جھگڑے برداشت نہ ہونگے، کسی دوسرے کے سپرد کیا جائے، فرمایا جائے، ہم لوگ مدرسہ کس کے سپرد کریں. حضرت تھانویؒ نے فرمایا مجھے اس کی کچھ خبر نہیں. پھر مجھے طلب فرمایا اور مخاطب کر کے کہا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی کہ سارا کام چھوڑ کر یہاں آگئے، میں نے عرض کیا، حضرت یہ کام ہمارے بس کا نہیں ہے، یہ گاڑی مجھ سے نہیں چل سکے گی. ان آنے والے حضرات نے فرمایا ضرور چلے گی. کیسے نہیں چلے گی. میں نے عرض کیا کہ مجھ سے یہ کام نہیں چل سکتا ہے. وہ حضرات بار بار فرماتے رہے. میں انکار کرتا رہا. ان حضرات نے کہا جیسے ہو گا تم کو زبردستی لے کر جائیں گے. نتیجہ یہ ہوا کہ یہ حضرات مجھے وہاں سے لے کر آئے مگر میرا عجب حال تھا اور سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا کہ کیا کیا جائے. میں اہتمام چاہتا نہیں اور یہ حضرات مانتے نہیں.

عدمِ مناسبت کا سبب

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا مدظلہٗ نے اہتمام سے بچنے کی بڑی جد وجہد کی. اور جو کچھ بس میں تھا وہ سب کیا، مگر بزرگوں کے آگے مجبور ہو جاتے تھے. اور واقعہ ہے کہ جب کوئی کام طبیعت کے خلاف ہوتا ہے تو آدمی بڑی ہی کشمکش میں اور ذہنی انتشار میں مبتلا ہو جاتا ہے. اور اس وقت اور بھی جب اوپر سے دباؤ پڑ رہا ہو، دارالعلوم ہو یا کوئی دوسرا تعلیمی

ادارہ اس کے اہتمام کا کام علمی مزاج سے قطعاً میل نہیں کھاتا. علمی مزاج یکسوئی چاہتا ہے اور سبھوں سے کنارہ کشی، اور اہتمام کا تعلق چونکہ مدرسین، طلبہ اور منتظمین سبھوں سے ہوتا ہے اس لئے یہاں یکسوئی کا سوال پیدا نہیں ہوتا. ہر دن ایک نیا جھگڑا سامنے آتا ہے. اور اسے چکانا پڑتا ہے اور پھر علماء کرام کا جھگڑا تو عجیب طرح کا ہوتا ہے. عموماً اوپر کی سطح ساکن ہوتی ہے مگر اس کی تہہ میں طوفانی موجیں ٹھاٹھیں مارتی ہوتی ہیں، کھل کر کوئی بات نہیں ہوتی، کیوں کہ ادب واحترام اور علم وفضل کا تقاضہ سنجیدگی ومتانت کو چاہتا ہے چنانچہ ظاہر یہی کیا جاتا ہے، اور علمی غرور ونخوت اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیتا. اس لئے وہ نیچے نیچے ڈبکنی کشتی کے فرائض انجام دینے پر شاید مجبور ہوتا ہے.

آپ کا طبعی مزاج

حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کا جو آج بھی مزاج ہے. واقعہ ہے اس سے کار اہتمام موجودہ سیاسی دور میں قطعاً میل نہیں رکھتا۔ جس کی اور ہر سال کی مجلس میں کبھی غیر بات سننے میں نہیں آئی، جہاں خرافات ولغویات کیلئے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہوتی. جو کسی کی دل آزاری کو لمحہ بھر کے لئے پسند نہیں کرتا ہو جس کے سوچنے اور کرنے کی لائن خالص تعمیری ہو، جو ہر شخص کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو اور جس نے کسی سے ٹوٹ کر کبھی گفتگو نہ کی ہو. وہ ایسے انتظامی معاملات جن سے ایسے ہزاروں افراد منسلک ہوں جو مختلف ممالک اور مختلف آب وہوا کے پروردہ ہوں کیسے برداشت کرنے پر آسانی سے آمادہ ہوسکتا ہے. چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اب بھی کبھی کبھی اپنی مجلسوں میں فرماتے ہیں کہ ان جھگڑوں سے اب بھی مجھے کوئی طبعی مناسبت پیدا نہیں ہوئی. بزرگوں نے یہ امانت سپرد کی تھی. اسے ڈھو رہا ہوں.

باوجود ناگواری اہتمام پر رہنے کی وجہ

حضرت موصوف فرماتے ہیں کہ بہت دنوں تک اہتمام کے معاملے میں ذہنی کش مکش میں مبتلا رہے پھر ایک دو خواب کے بعد تھوڑا سا اطمینان ہوا.

خود فرماتے ہیں:

"پھر ایک ڈیڑھ سال کے بعد ہم نے ایک خواب دیکھا اور خواب یہ تھا کہ میں اور یہ سارے بزرگ مدینہ منورہ میں حاضر ہیں اور ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ہیں، ان میں حضرت مدنیؒ بھی ہیں اور مولانا عبدالسمیعؒ وغیرہ دوسرے سارے بزرگ بھی، مولانا مدنیؒ نے چائے منگوائی اس پر میں نے عرض کیا ہم لوگ زیارت کے لئے آئے ہیں. اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ پہلے زیارت سے فارغ ہوجائیں. پھر چائے پیتے رہیں گے. چنانچہ سب حضرات ہوٹل سے اٹھ گئے. اور حرم نبوی شریف پہنچے میں نے دیکھا کہ نیچے حرم شریف ہے اور اس کے اوپر دارالعلوم دیوبند مدرسہ ہے، اس منظر سے مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ دارالعلوم تو ہندوستان میں ہے اور اسے ہم یہاں حرم نبوی کے اوپر دیکھ رہے ہیں. میں دارالعلوم میں زمانہ طالب علمی میں صدر دروازے کے اوپر جس کمرہ کے اندر رہا کرتا تھا. میں نے سوچا جب پورا دارالعلوم ہے تو اس میں میرا وہ حجرہ بھی ہوگا. اور دفتر اہتمام بھی ہوگا. چنانچہ میں پہلے اپنے کمرہ میں گیا. پھر اہتمام میں حاضر ہوا. دیکھا وہاں ہمارے سارے بزرگ موجود ہیں حضرت مدنیؒ کے بڑے بھائی مولانا سید احمد بھی موجود ہیں. اور پلاؤ کا ایک دیگچہ بھی تیار رکھا ہوا. ہے. وہ مجھ سے کہنے لگے میں بہت دیر سے تمہارا انتظار کررہا ہوں. کھانا کھالو ورنہ ٹھنڈا ہو جائے گا. پلاؤ نکل کر سامنے بھی آگئی. سب حضرات کھانے پر بیٹھ گئے. یہاں پھر میں نے سبھوں سے عرض کیا حضرت ہمارا مقصد زیارت ہے، نہ کہ یہ کھانا میری رائے تو یہ ہے کہ ہم لوگ پہلے زیارت سے فارغ ہوجائیں پھر اطمینان سے کھانا کھائیں. یہ سن کر سب حضرات نے فرمایا یہ ٹھیک کہتا ہے کھانا چھوڑ دو چلو پہلے زیارت کرلیں. پھر کھانا کھالیں گے. وہاں سے اٹھ کر ہم سب نیچے حرم شریف میں آگئے. میں نے دیکھا کہ حرم شریف اس قدر چوڑا ہے کہ اس میں ہزاروں ستون

ہیں اور اخیر میں بالکل اندھیرا ہوگیا ہے. وہاں کوئی روشنی نہیں ہے اور نہ کوئی چیز نظر آتی ہے، اور ہم لوگ حرم میں داخل ہو گئے اور جس طرح ہم لوگ بڑھتے جا رہے تھے اندھیرا ابھی بڑھتا جا رہا ہے. میں نے دیکھا کہ اندھیرے کی وجہ سے کچھ لوگ واپس ہو گئے اخیر میں میں تنہا رہ گیا. میں نے کہا جو کچھ ہو میں ہر حال میں زیارت سے فارغ ہو کر ہی جاؤں گا. پھر ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھا. کافی دور پہنچنے کے بعد ادھر سے کچھ روشنی محسوس ہوئی. میں نے روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ بارہ دری سی بنی ہے. ہر طرف تین تین دروازے ہیں. اور ان کے درمیان میں ایک چارپائی بچھی ہوئی ہے. اس پر سرور کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں. اور سر سے پیر تک سفید چادر تنی ہے، اس وقت میری یہ کیفیت ہے کہ مجھ پر گریہ وزاری طاری ہے اور اس کی وجہ سے آنکھیں تر ہیں. ہیبت کی وجہ سے میرے پیر حرکت نہیں کرتے مگر اندر سے جذبہ یہ ہے کہ جو بھی ہو کسی طرح اندر پہنچ جاؤں. آنکھوں میں آنسو، پیر آگے بڑھتے نہیں. مگر پھر بھی آہستہ آہستہ چل رہا ہوں یہاں تک روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو گیا. اور میرے گھٹنے اس چارپائی سے لگ گئے. جس پر آپ آرام فرما ہیں. آپ نے اپنا دست مبارک باہر نکالا. میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اسے مضبوط تھام لیا اور اسی حالت میں میری آنکھ کھل گئی. مگر دیکھا میرے ہاتھ اسی طرح تھے جس طرح میں نے آپ کا ہاتھ مضبوط تھام رکھا تھا. اس خواب کے بعد جو طبیعت میں گرانی تھی. وہ جاتی رہی اور میں نے سمجھا یہ خدمت میرے سپرد منجانب اللہ ہے. لہٰذا اس سے معاوضہ مناسب نہیں ہے. کہیں اس کا مجھ پر کوئی وبال نہ پڑ جائے. گو اس کام سے کراہت تھی. مگر استعفاء دینا میں نے ترک کر دیا.

ایک اور خواب اسی پریشانی کے عالم میں آپ نے دوسرا خواب دیکھا، اس میں یہ دیکھا کہ اہتمام کے اوپر جو کمرہ ہے اور جس میں آپ

اس زمانہ میں یکسوئی کے ساتھ اہتمام کے کام انجام دیا کرتے تھے. وہ جنت میں آ گیا ہے یا وہ جنت میں ہی ایک کمرہ ہے، جس وقت اس کمرہ میں پہنچتے ہیں کوئی ہاتف کہہ رہا ہے. سَلَامٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خَالِدِیْنَ.

مگر اس کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی ہے، کہ وہ کون ہے، پھر آپ کی آنکھ کھل گئی. فرماتے ہیں کہ اس خواب سے بھی مجھے تسکین ہوئی اور بار بار استعفاء دینے کا جو خیال دل میں آتا ہے. اسے میں نے نکال دیا.

مختصر یہ کہ ان دنوں خوابوں کی وجہ سے آپ کو اہتمام کے سلسلہ میں جو وحشت تھی وہ جاتی رہی. اور مفوضہ خدمات بہ رضا و رغبت انجام دینے لگے. اور بحمد للہ اب تک اس خدمت میں منہمک ہیں.

عہدہ قائم مقام پر تقرر

۱۳۴۳ھ میں دارالعلوم کے اندر جو شورش برپا ہوئی تھی اس زمانہ میں آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند بیمار تھے. چنانچہ مجلس شوریٰ نے یکم ربیع الاوّل ۱۳۴۳ھ سے آپ کا تقرر قائم مقام مہتمم کے عہدہ پر باضابطہ کر دیا. مگر جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا آپ نے یہ فریضہ پوری دلچسپی سے انجام نہیں دیا لیکن چونکہ ہو گئے ذمہ دار اس لئے اس سے مفر بھی نہیں تھا. ۱۳۴۴ھ میں دارالعلوم میں کوئی خلفشار پیدا ہوا. آپ کے والد بزرگوار جو اس وقت مہتمم تھے بیمار تھے. اس لئے اس ہنگامہ کے سال آپ کو تدبیر و جانفشانی اور تندہی کا ثبوت دینا پڑا. اس سال کی روداد میں آپ کی خدمت سے متعلق ان الفاظ میں اظہار خیال کیا گیا ہے.

> اس شورش کے وقت بعض مرتبہ اچھے اچھے مدبروں سے بھی لغزشیں ہو جاتی ہیں. یا عجلت میں وہ کچھ کر گذرتے ہیں، جو نہ کرنا چاہئے. بسا اوقات بحالت غضب نامناسب امور سرزد ہو جاتے ہیں. مگر بحمد للہ ان کے تدبر اور علم نے ثابت کر دیا کہ خصائل علمیہ کے ساتھ ہی ساتھ آپ میں تدبر اور علم بھی ہے. انھوں نے طلبہ کی ان

حرکات کی جو حد سے متجاوز ہو چکی ہیں مطلقا نہ ان سے کسی قسم کی مزاحمت کی تقریروں میں ان پر تعریفیں بھی کی گئیں. بعض مرتبہ تصریح کی نوبت بھی آئی مگر انھوں نے کوئی ایسا موقع نہ آنے دیا کہ جسکی بناء پر یہ کہا جا سکے کہ اگر مولوی صاحب موصوف سکوت کرتے تو شورش ترقی پذیر نہ ہوتی. انھوں نے اس وقت نہایت سکون اور صبر کے ساتھ گذارا. انہیں کی تقلید میں دیگر کارکنان دارالعلوم نے بھی طلبہ سے مقاومت نہ کی. (روداد دارالعلوم ص ۱۶، ۱۳۴۴ھ)

مخالفت کے باوجود کام

حضرت والا (مولانا محمد طیب مدظلہٗ) اس عہدۂ قائم مقامی پر جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ تک کام کرتے رہے. یہ دور جیسا کہ معلوم ہو چکا بڑا ہی ناگوار اور پرشور تھا، اور ایک بڑی جماعت دارالعلوم کے اندر آپ کی سخت مخالف تھی، مگر آپ نے چونکہ خدمت کا بزرگوں کے کہنے پر ارادہ کرلیا تھا. اس لئے بڑی خوش اسلوبی اور صبر وضبط سے انجام دیتے رہے.

جن لوگوں نے آپ کو قریب سے دیکھا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاص وللّٰہیت کی وافر دولت سے نوازا ہے. موجودہ سیاسی مزاج کی کوئی معمولی سی پرچھائی بھی آپ پر پڑنے نہیں پائی ہے. اندر سے معصوم، صاف باطن اور پاک نفس واقع ہوئے حلم وتواضع کی دولت سے بھی بھرپور حصہ عطا ہوا ہے. مروت وشرافت طبعی ہے. ہر چھوٹے بڑے کا لحاظ و پاس آپ کو ورثہ میں ملا ہے. ان اوصاف وخصائل نے آپ کو بہت بلند کر دیا اور سچ پوچھئے تو یہی اوصاف وکمالات ہیں. جن کے آگے مخالفین اور بد باطنوں کی کبھی نہیں چلی اور نہ انشاء اللہ کبھی چلے گی. ورنہ آپکے ساتھ اس وقت جو معاملہ ہوا. اور آج تک جس طرح ایک سیاسی جماعت درپئے آزار ہے. آپ کو کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہئے تھی. اور شاید مجبور ہو کر کبھی کبھی ایسا ارادہ بھی کرنا پڑا ہو. مگر عملاً برابر لگے رہے پہلے آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ؒ کا انتقال ہوا جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے. ان کے بعد عہدۂ اہتمام پر حضرت مولانا حبیب

الرحمٰن عثمانی فائز کئے گئے. جو پہلے سے عہدہ نیابت پر فائز چلے آ رہے تھے. مگر مولانا عثمانیؒ کی زندگی نے بھی وفا نہ کی. اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد رجب ۱۳۴۸ھ میں حضرت مولانا کا انتقال ہوگیا. اس وقت دارالعلوم دونوں پرانے خادموں سے محروم ہو چکا تھا. جن کا تدبر ہمارے حلقہ میں مشہور تھا، اور جو بہت سارے اساتذہ کے استاذ کی حیثیت رکھتے تھے.

عہدۂ اہتمام پر فائز

یہ وقت دارالعلوم کے لئے بڑا ہی نازک اور صبر آزما وقت تھا اور خواص وعوام پر ان دونوں بزرگوں کے دفعۃً اٹھ جانے سے بڑا ہی ناگوار اثر تھا، اور اس فکر میں مبتلا ہو رہے تھے کہ اس کشتی کا پشتیبان کون بنے گا. حکیم الامت حضرت تھانویؒ بقید حیات تھے. اور دارالعلوم کے سرپرست تھے. اور بے پناہ اثرات کے مالک تھے پورے برصغیر کے علماء ومشائخ اور ارباب فضل وکمال آپ سے وابستہ تھے. ان حادثات سے حضرت تھانویؒ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہے. اور سب سے زیادہ آپ کو دارالعلوم کی فکر تھی. آپ نے حالات کا جائزہ لے کر ۶ رر رجب ۱۳۴۸ھ کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں مفارقت اختیار کرنے والوں کے متعلق آپ کے ذاتی تاثرات تھے. اسی اشتہار میں آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا.

''مصالح مدرسہ پر نظر کر کے حتی الامکان یہ تجویز ہے کہ ارکان شوریٰ کا جلسہ منعقد کر کے نسبت تقرر مہتمم مستقل و دیگر ضروریات وقتیہ کا فیصلہ کیا جائے. جب تک جلسہ میں معاملات مصالح مدرسہ پر نظر کر کے مناسب معلوم ہوا کہ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب جو اس وقت تک نائب مہتمم ہیں فوری طور پر عارضی مہتمم مقرر کر دیا جائے، پھر جلسہ (شوریٰ) جو کچھ باقاعدہ طے کرے، اس کا دوبارہ اعلان کر دیا جائے. بمزید احتیاط اس کی بھی ضرورت محسوس ہوئی کہ انعقاد جلسہ اور مسئلہ اہتمام کے طے ہونے تک قائم مقام مہتمم کی امداد وتقویت کے لئے حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا اور حضرت میاں سید اصغر حسین

صاحب مدرس مدرسہ اور مولانا مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیمات
مدرسہ کو انکا مشیر مقرر کیا جائے۔ کہ معمولی کاموں کے علاوہ جو امر اہم پیش آجائے،
ان تینوں حضرات سے مشورہ کر کے عمل کریں اگر اتفاقاً باہم اختلاف ہو تو
سرپرست ایک شق کو ترجیح دے سکے گا۔ (اشرف علی ۶ رجب ۱۳۴۸ھ)

والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کی اخیر زندگی میں عہدوں کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت حافظ صاحبؒ مہتمم تھے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ نائب مہتمم اور حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ قائم مقام مہتمم، جب مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کا انتقال ہو گیا، تو آپ کی جگہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ مہتمم بنائے گئے۔ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مولانا عثمانیؒ کی جگہ نائب مہتمم ہو گئے تھے اور جب مولانا عثمانیؒ کا انتقال ہو گیا اور اہتمام کا عہدہ خالی رہ گیا تو مذکورہ بالا اعلان کے ذریعہ سرپرست دارالعلوم دیوبند حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ نیابت اہتمام سے قائم مقام مہتمم بنائے گئے۔ اور اس طرح دارالعلوم کی ذمہ داری آپ کے سر آگئی۔ سرپرست دارالعلوم کے مطابق آپ نے ساری ذمہ داری سنبھالی اور پوری تندہی سے یہ فرائض انجام دینے لگے۔ ماشاء اللہ اس وقت جوان تھے۔ کام کرنے کا جذبہ تھا۔ اور حالات کا دباؤ بھی تھا کہ آپ پوری بیدار دماغی اور دوراندیشی سے اپنے فرائض انجام دیں۔

❁❁❁

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

(از: مولانا محمد اسلام قاسمی/استاد ادب دارالعلوم (وقف) دیوبند

ولادت: جون ۱۸۹۷ء   وفات: ۱۷/جولائی ۱۹۸۳ء

ہندوستان میں مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کا اہم مرکز دیوبند کی وہ اپنی درسگاہ ہے جسے عالم اسلام میں ایشیاء کی سب سے بڑی دینی یونیورسٹی ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے جانا جاتا رہا ہے. اس اسلامی و خالص دینی تعلیم گاہ کو گذشتہ نصف صدی میں نہ صرف برصغیر ہندو پاک بلکہ دنیا کے گوشے گوشے میں متعارف کرانے والے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تھے.

حضرتؒ کی ولادت باسعادت اس خاندان میں ہوئی جس نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی اور اس گلستان علم کو اپنے خلوص، محنت اور کوششوں سے سیراب کیا تھا، ۱۳۱۵ھ مطابق جون ۱۸۹۷ء میں بانی دارالعلوم کے صاحبزادے حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ کے گھر پیدا ہوئے بزرگوں نے دعائیں دیں، اساتذۂ وقت نے تعلیم و تربیت سے نوازا، سات سال کی عمر میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے، دو سال کی قلیل مدت میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور ساتھ ہی قرأت و تجوید میں مہارت حاصل کی. پھر فارسی کا نصاب پورا کیا. اور اعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم کے شعبۂ عربی میں داخل ہوئے، خداوند تعالیٰ نے آپ کو فراست، قوت حفظ اور جدو جہد کا جذبہ عطا

کیا تھا. اور اساتذہ واکابر دین نے خاندان قاسمی سے تعلق کی بنیاد پر اپنی خصوصی توجہات سے نوازا. شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن، مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی اور والد محترم حافظ محمد احمد علیہم الرحمۃ کی خصوصی نگہداشت اور رہنمائی میں تعلیم وتربیت پائی. علامۃ العصر محدث اعظم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ سے خصوصی طور پر تلمذ اختیار کیا، ان سے حدیث کی کتابیں بھی پڑھیں اور اپنے زمانہ کے اس ''حافظ عسقلانی'' کے علوم سے مکمل استفادہ کیا.

سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد آپ کو دارالعلوم ہی میں تدریس کے منصب پر فائز کیا گیا.

خداداد ذکاوت وفراست خاندانی وجاہت ونسبت اور ان کی اپنی صلاحیتوں کی وجہ سے علمی حلقوں میں مقبولیت حاصل ہوئی. حضرت علامہ کشمیریؒ نے اس جوہر کی تراش خراش اور نکھار کے لئے اپنے اسفار میں بھی ساتھ رکھا، خصوصی اور عوامی مجلسوں میں تقریریں کرائیں.

۱۳۴۳ھ میں آپ کو دارالعلوم کا نائب مہتمم مقرر کیا گیا، چنانچہ وہ منتظم اعلیٰ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے ساتھ اہتمام کی ذمہ داریوں اور انتظامی امور کے جائزے میں حصہ لیتے رہے ۱۳۴۸ھ میں اکابر وشیوخ نے دارالعلوم کے بڑے انتظامی اور قائدانہ منصب اہتمام پر آپکو فائز کیا، اور تاحیات وہ دارالعلوم کے مہتمم رہے.

اس دوران آپ نے دارالعلوم دیوبند کی خدمات اجاگر کرنے اور ایک عظیم دینی درسگاہ کی حیثیت سے متعارف کرانے کے لئے مختلف ممالک کے سفر کئے، ہندوپاک و بنگلہ دیش میں تو مستقل اسفار ہوتے اس کے علاوہ افغانستان، برما، سعودی عرب، کویت، عرب امارات، قطر یورپ کے مختلف ممالک اور امریکہ کے علاوہ افریقہ کے بہت سے ممالک کا دورہ کیا ان تبلیغی اور دعوتی دوروں میں دارالعلوم کو شہرت حاصل ہوتی رہی. ہندوستان میں واقع اس دینی واسلامی علوم وفنون کا اشاعت کے عظیم مرکز کا تعارف ہوتا

رہا حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور اہتمام ہی میں دارالعلوم کو عالمگیر شہرت حاصل ہوئی. پھر ایک وقت وہ آیا. جب ۱۹۸۰ء میں دیوبند کی سرزمین پر عہد آفریں اور تاریخ ساز اجتماع منعقد ہوا، دارالعلوم کے اس اجلاس صد سالہ میں اسلامی ممالک کے نمائندوں نے دارالعلوم کی مرکزیت اور مسلمانوں کے دلوں میں اس کی مقبولیت اور عظمت کا اندازہ لگایا. عمائدین، علماء اور دانشوروں کے طبقے نے دارالعلوم دیوبند اور اس کے منتظم و مہتمم حکیم الاسلام حضرت قاری طیبؒ کی خدمات و کارناموں کا برملا اعتراف بھی کیا.

''مسلم پرسنل لاء'' کی حفاظت اور اس سے دفاع کا موقعہ آیا ۱۹۷۲ء میں بمبئی میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا، اس کی صدارت کے لئے موزوں ترین اور تمام مسلمانوں کے لئے معتمد شخصیت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ کی تھی، اخیر عمر تک بالاتفاق اس متحدہ بورڈ کے صدر رہے. اور مسلمانوں کے لئے اپنی خدمات پیش کیں.

یہ جامع کمالات، پیکر علم و حلم ہستی نہ صرف دارالعلوم کے اہتمام و تولیت سے ہی وابستہ ہو کر رہی بلکہ اپنے خداداد علوم و معارف کو عام کرنے تبلیغ دین اور ردّ باطل میں ہندو پاک کے ہر ہر گوشہ میں پہونچی، ملت کو اپنے بلیغانہ مواعظ اور حکمت ریز خطابات سے مستفید کیا. ان کی خطابت کو ملک گیر شہرت حاصل تھی. ان کی تقریر کسی خاص طبقہ کے لئے نہیں تھی، عوام الناس، اہل علم اور جدید تعلیم یافتہ افراد یکساں طور پر ان کی تقریر سننے کے مشتاق ہوتے. کسی بھی موضوع پر وہ تین گھنٹے تک خطاب کرنا، کتاب و سنت کے استدلال اور علوم و معارف سے لبریز کر دینا ان کا خاصہ تھا. ان کی نجی مجلسوں میں بھی علوم کے خزانے ملتے، جب دیوبند میں قیام ہوتا تو بعد عصر ان کی قیام گاہ پر مجلس ہوتی جس میں حاضرین مختلف سوالات کرتے اور آپ وہی علم و حکمت بیان کرتے جو حجۃ الاسلام بانئ دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے ان کو حاصل ہوئے تھے، وہ صحیح معنوں میں ان یگانۂ روزگار ہستیوں کے علمی وارث تھے، اور ان کے علوم کو عام بھی کرتے تھے.

مولانا اشرف علی تھانویؒ کے خلیفۂ اجل تھے، ان کی صحبت سے حاصل فیض اور تربیت کو اصلاح باطن کے لئے آپ نے رشد وہدایت کا طریقہ بھی جاری کیا، ان کی بیعت کا سلسلہ ملک بیرون ملک پھیلا ہوا ہے.

اپنی مشغولیات اور اسفار کے باوجود انھوں نے حکمت ریز کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، مختلف موضوعات پر تحریر کردہ ان کی کتابوں اور مقالات کی تعداد سو سے متجاوز ہے. اور تمام کتابیں اہل علم اور دینی حلقوں میں بیحد مقبول بھی ہیں، ان کی تصنیفات میں بھی قاسمی، انوری اور تھانوی علوم ومعارف کی اجتماعیت نظر آتی ہے. دیوبند میں قیام کے وقت دارالعلوم کے انتظامی امور کے علاوہ ان کا زیادہ تر وقت تالیف وتصنیف میں ہی گزرتا اور بحالت سفر ٹرین میں بھی اور اپنی اقامت گاہ میں نا تمام مضامین اور مسودوں کی تکمیل کرتے.

خداوند قدوس نے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو علم وعمل، شریعت وتصوف، تقریر وتحریر ہر چیز میں ایسا بلند مقام عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر علماء کی صف میں ملنا مشکل ہے. علماء میں معتمد اور ثقہ شخصیت اور عام مسلمانوں میں بھی مقبول وہ اپنی فطری ذکاوت، علمی برتری اور اخلاقی بلندی کے ساتھ ساتھ شخصی عظمت کے پیکر تھے، وہ دیوبند کے فاضل، عالم دین معلم ومربی، مقرر خطیب، ادیب ومصنف، مدبر و منتظم اور مرشد ومصلح کی صورت میں ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے. ۶ رشوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ رجولائی ۱۹۸۳ء کو وفات ہوئی، جنازہ میں ملک کے مختلف گوشوں اور بیرون ہند سے بھی شریک ہونے والوں کی اتنی بڑی تعداد تھی، جو کسی کی رحلت پر دیوبند میں نہیں دیکھی گئی، دیوبند کے مزار قاسمی میں تدفین ہوئی.

❀❀❀

آہ! جامع شریعت وطریقت حضرت طیب نماند

از: حکیم خلیل احمد مرادآبادی

حضرت قاری صاحبؒ وصال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ الرحمہ واسعۃ ۔ موصوف نے اپنے والد ماجد مرجع علماء عصر خلیفہ حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ اور فخر الہند رئیس العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ عم حقیقی حضرت مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کے مرکب اہتمام اور ناطق کتب خانہ بحر العلوم حجۃ المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے دور میں علم کی تحصیل کی اور بعد فراغت بزمانہ مدرس ابتدائی حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بیعت فرمائی اور پھر بیعت جلد خلافت سے مشرف ہوئے احقر نے بھی ہر دو اکابر مذکورہ کے دور میں تحصیل علم کی اور بعد فراغت حضرت تھانویؒ سے فقط بیعت کا شرف حاصل ہوا، حضرت کا وصال ۸۸/ سال کی عمر میں ہوا۔ اور اب احقر ۸۳/ کے سن میں ہے اس اعتبار سے احقر کو حضرت قاری صاحبؒ کی جزوی عصریت حاصل ہے مگر یہ عصریت تماثلی نہیں تھی بلکہ مانند کلاہ وکفش تھی چہ نسبت کفش راہ بکلاہ راس، کفش زیر پا ہے اور کلاہ بالائے سر ہے اسی عصریت کے ماتحت حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کے تین دور پیش کرتا ہوں (۱) آپ کا ابتدائی علمی وتبلیغی زمانہ جس کو ہلالی دور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور درمیانی زمانہ ترقیات کو قمری دور سے ذکر کیا ہے اور بوڑھاپے کا دور جو مدار کے علیا کا حامل ہے اس کو بدری دور سے تحریر کیا ہے۔

ہلالی دور بعد فراغت علم آپ کا شغل یہ تھا کہ اکثر طلبہ کے حجروں میں تشریف لے جاتے تھے اور کبھی طلبہ کی دعوت پر بھی جاتے تھے مجلس گرم ہوتی

تھی چائے پانی بھی ہو رہا ہے اور اللہ کا یہ پیارا بندہ لعل وگوہر کی افشانی کر رہا ہے نہ دنیوی باتوں کا ذکر ہے اور نہ سیاسیات حاضرہ پر تبصرہ ہے ذکر ہے تو فقط اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کا رخ کبھی اولیاء کبار کی طرف ہے تو کبھی دارالعلوم کے اکابر مرحومین کی طرف احقر بھی ان مجالس میں وقتاً فوقتاً حاضری دیتا تھا، یقین کیجئے ان بیانات سے سامعین کے قلوب متاثر ہوتے تھے اور خشیہ رقت خضوع عیاں ہوتا تھا اللہ اللہ یہ عمر نو جوانی اور یہ بیان آسمانی ایک مرتبہ احقر نے اپنے مربی استاذؒ جو قاری صاحبؒ کے بھی استاذ اور مشفق بزرگ تھے ان سے عرض کیا ابا میاں بھائی طیب صاحب جب بولتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پھول برسا رہے ہیں میرا یہ جملہ حضرت نے قاری صاحب کے والد ماجد حضرت مہتمم صاحبؒ کے سامنے دہرایا شام کو فرمایا حافظ صاحب یعنی مہتمم صاحب تیرا جملہ سن کر مسرور اور بہت خوش ہوئے کیوں خوش نہ ہوں ہر باپ اپنے بیٹے کی تعریفات حسنہ سن کر خوش ہوتا ہے یہ رشتہ ہی ایسا ہے بیٹا باپ سے جس قدر عالی مرتبہ وترقی درجات پر عروج کرتا ہے باپ اسی قدر خوش ومسرور ہوتا ہے اور دعا گو ہوتا ہے اللھم زد فزد اس وقت قاری صاحبؒ جید حافظ قرآن مستند قاری اور فارغ التحصیل عالم تھے۔

اب تک ناظرین نے قاری صاحبؒ کے بیان واثر کو ملاحظہ فرمایا اب کتب بینی کا حال بھی ملاحظہ فرمایئے:

دارالعلوم کے صدر دروازہ کے سامنے متصل سڑک ایک چھوٹا پھاٹک تھا اور اس پر ایک عارضی کمرہ تھا اس میں قاری صاحب رہائش فرماتے تھے اور یہی دارالمطالعہ تھا اسی کمرہ میں احقر بھی قاری صاحبؒ کے ساتھ رہتا تھا، اس میں ایک بڑی الماری تھی جو کتب تفسیر واحادیث ومکتوبات حضرت مجدد صاحب قدس سرہ اور تصانیف خاندانی ولی اللہی اور تصانیف حضرت مولانا نانوتویؒ ومواعظ وتصانیف حضرت مولانا تھانویؒ وغیرہ وغیرہ تھی۔

قاری صاحب ان کتب کا عمیق مطالعہ فرماتے ہوئے محو ہو جاتے تھے تکان اور غلبہ نیند پر آرام فرمانے بستر پر تشریف لے جاتے تھے احقر کی چارپائی بھی ان کے قریب تھی ایک مرتبہ ایسا ہوا بندہ نے فلسفہ کی کتاب صدرا میں دلیل ثنی بالکتر یر کا سبق پڑھا جو بہت مشکل تھا دن بھر دماغ اسی کی رٹ میں مصروف رہا درمیانی شب تھی خواب میں باآواز بلند مسئلہ تکریہ کی تقریر شروع کردی قاری صاحب غفلت کی نیند سے بیدار ہوکر فرمانے لگے کیا آج ہی آپ نرے پہل سپہی ہو جائیں گے تمہارے پل سپہ نے میری نیند خراب کردی ملاحظہ فرمائیے کہ واقعہ غصہ ہونے کا تھا مگر اللہ کا یہ صابر نیک بندہ مزاج کیساتھ متنبہ کر کے محوخواب ہوگیا اس عمر شباب میں غصہ پر داشت کرلیں گے کیسی طاقت تھی ماشاء اللہ۔

ہلالی دور احقر نے بہت دیکھا ہے حکایات کثیرہ میں اختصار ملحوظ ہے لہٰذا اس دور کو ختم کرتا ہوں قمری دور کو بھی اختصار کے ساتھ تحریر کرتا ہوں۔

قمری دور آپ ہلالی دور کے آخر میں دارالعلوم کے مدرس ہو چکے تھے درس کا ابتدائی زمانہ تھا درسی تقریر غیر مبہم صاف واضح ہوتی تھی طلبہ میں مقبولیت تھی اسی زمانہ میں نائب مہتمم ہو چکے تھے۔ قمری دور کا آغاز حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی وفات کے بعد ہوتا ہے اکابر ارکان شوریٰ نے بالاتفاق قاری صاحب کو مہتمم مقرر فرمایا اہتمام کا احترام کرتے ہوئے سلسلہ درس وتدریس بھی پوری انہماک سے جاری رہا تصنیف وتالیف سے بھی طبعی رغبت تھی بکثرت تصانیف منصۂ شہود پر آئیں تقریباً ۵۵ رسال پہلے آپ نے اپنی مشہور تصنیف التشبہ فی الاسلام اساتذہ واکابر کی خدمت میں بغرض تقریظ پیش کی سب نے پسندیدگی میں کے ساتھ مدح تحریر فرمائی اور قاری صاحب کو جوان صالح عالم باعمل تحریر فرمایا حضرت تھانویؒ نے تحریر فرمایا میں نے اس کتاب کا شروع سے آخر تک مطالعہ مکمل طور پر کیا مسئلہ تشبہ پر ایسی جامع ومدلل کتاب میری نظر سے نہیں گذری دعائیہ کلمات تحریر فرماتے ہوئے

آخر میں الیہ یصعد الکلم الطیب تحریر فرمایا، سبحان اللہ ایسے ایسے بزرگ جو خود بھی صاحب تصانیف کثیرہ ہیں مدح فرمائیں تو اس کی عظمت کا کیا ٹھکانا۔

غیر منقسم ملک کے تمام صوبوں میں شہر شہر قریہ قریہ دورے فرمائے اور مواعظ حسنہ سے مسلمین کو مستفیض فرمایا اب آپ کی شہرت ملک کے اطراف و اکناف میں پھیل گئی اور مقبولیت عامہ حاصل ہوگئی اخلاق حسنہ انکساری تواضع غیظ و غضب پر عقل سلیم کو غالب کر کے ضبط و تحمل کرنا اکابر کا احترام اصاغر پر شفقت یہ تمام صفات بطور طبعیۃ ثانیہ ہے ان حسنات میں سے مقبولیت اور شہرت پر مزید چار چاند لگے، دارالعلوم کی عظمت و مقبولیت میں تیزی سے اضافہ ہوا آپ افغانستان تشریف لے گئے ہندوکش کی چوٹیوں اور پہاڑیوں پر بسنے والے افغانیوں کو اردو اور فارسی میں مواعظ حسنہ سے نوازا شاہ افغانستان اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ تک رسائی ہوئی سلطان آپ کی ملاقات اور بیانات سے بہت خوش و محظوظ ہوئے اور کثیر وافر رقم دارالعلوم کو عطا فرمائی قاری صاحبؒ نے ان کی یادگار میں باب الظاہر تعمیر کرایا جو دارالعلوم کا ممتاز پھاٹک ہے۔

بدری دور

اس دور میں متعدد حج کئے اور ممالک اسلامیہ کے دورے کئے آپ کے منہ سے برسنے والے پھولوں کی مہک دنیا کے دور دراز ممالک تک پہنچی اور یہ سلسلہ بدری دور کی تکمیل تک جاری رہا مشرق بعید میں برما کا دورہ کیا تو کبھی دور دراز یوروپ اور کبھی افریقہ کے صحرا کو عبور کر کے آبادی میں رونق افروز ہوتے ہیں اور دین اسلام سے روشناسی اور مسلمانوں کو تعلیمات اسلامیہ سے مستفیض فرماتے ہیں امریکہ میں بھی متعدد بار تشریف لے گئے اور وہاں کے مسلمان بھی آپ پر شیدا و فریفتہ رہے یہ کیوں نہ ہوتا؟ صرف اس لیے آپ کی تقریروں میں خلوص تھا نور عرفانی تھا بے پناہ اثر تھا متاثرین آپ پر پروانوں کی طرح شیدا ہوتے تھے اور اپنے قلوب کو نور ایمانی سے منور کر کے عمل پیرا ہوتے تھے۔ اللہ اللہ کیسے عظیم المرتبت لاثانی تھے ماہ کامل یعنی بدر اپنے روشن چہرہ سے دنیا کے گوشہ گوشہ کو منور کرتا ہے اور ہمارا ممدوح

سرزمین دیوبند سے طلوع ہوکر دنیا کے ہر حصہ کو نورایمانی اور تعلیمات اسلامی سے روشناس کراتا ہے سبحان اللہ ماشاء اللہ۔ اب آپ دارالعلوم دیوبند کی ترقیات کو بھی ملاحظہ فرمایئے جدامجد ہندوستان کے مشہور عالم ربانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی نے دیوبند میں اسلامی درسگاہ کی بنیاد رکھی اور پروان چڑھایا خود درس دیا اجلہ مشائخ علماء شاگرد رشید ہوئے اور انھوں نے مدرسہ عربی کا پہلا صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ جو ہندوستان کے ممتاز ترین اور حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے خلیفہ صاحب کرامات بزرگ تھے اور خاندان ولی اللہی کے روشن چراغ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیوبندیؒ یہ بھی صاحب کرامات بزرگ تھے ان کو پہلا مہتمم مقرر فرمایا خود بانی بھی تھے اور سرپرست بھی تھے۔ یہ تھے دارالعلوم کے بنیادی علماء ربانی عارف رحمانی۔ حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کے چار سلسلہ بعد قاری صاحب کے والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ خلیفہ حضرت حاجی صاحبؒ محدث و مدرس ذی شان کو حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہیؒ نے مہتمم مقرر فرمایا تعلیمات وتعمیرات میں زبردست ترقیاں ہوئیں آپ کے اہتمام کی زبردست خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے ہر شعبہ پر تعلیم کو اعلیٰ وارفع کیا علوم عقلیہ ونقلیہ کے ماہرین کو مدرس رکھا یہی وجہ تھی کتب علیاء کے مدرسین درس میں امام فن تسلیم کئے جاتے تھے۔ صدر المدرسین بحر العلوم حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ اس دور کے واحد محدث و محقق تسلیم کئے جاتے تھے دیگر مدارس کے اساتذہ کاملین ایک سال کی رخصت لے کر شاہ صاحب کے درس میں سماعت فرماکر واپس ہوتے تھے انھیں کے زمانہ اہتمام میں مدرسہ عربی کے بجائے دارالعلوم دیوبند کے نام سے مشہور ہوا اور ہندوستان کا واحد مرکزی ادارہ علمیہ ودینیہ ہوا، اور آپ کا چہل سالہ دور اہتمام نہایت شاندار مرجع علماء وصلحاء ہوئی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کے وصال کے بعد دارالعلوم میں ترقیات کا

طیب دور شروع ہوتا ہے۔

آپ نے دارالعلوم کا اہتمام وانصرام کا چارج لیتے ہی جملہ شعبہ جات پر اولاً قابو پایا اور یہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے مجھے اعزازی قمیص پہنائی ہے اور باپ دادا کے لگائے ہوئے چمن کو عالمی گلزار بنانا ہے خدا میری مدد فرمائے بفضلہٖ وکرمہ ایستادہ ہوگئے اور دارالعلوم میں معجزنما ترقیات ہونے لگیں مشرق سے مغرب تک دورے کئے بلاشرکت غیرے کروڑہا روپیہ فراہم کیا اور دارالعلوم کی عمارات وسیع ترین رقبہ میں نہایت شاندار قابل دید منصۂ شہود پر نمودار ہوئیں۔ تعلیمات میں مدرسین کی تعداد میں بکثرت اضافہ طلبہ کی تعداد میں بھی زبردست اضافہ ہوا کتب خانہ لاثانی کتب خانہ ہوا الغرض ہر شعبہ میں نہ صرف ترقی بلکہ غیر معمولی اضافہ ہوا اور بجٹ بھی آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ تاریخی اجلاس صد سالہ سے نہ صرف تعارف بلکہ دارالعلوم کی عظمت وقار اور مرکزیت کی ساکھ قائم کردی خدا کا شکر ہے کہ آپ کے خواب کی تعبیر پوری ہوئی اور دارالعلوم عالمی گلزار ہوگیا۔

غور فرمایئے ایسا شخص جو علم وتقویٰ اور صفات حسنہ میں یکتائے روزگار اور بدر کامل کی طرح منور وروشن ہو اور ہر شخص کی زبان پر یہ ورد ہو لاثانی ہستی تھے اس جگہ کا پر ہونا نظر نہیں آتا، اس موقع پر اگر میں متنبی کا یہ شعر نقل کردوں تو بیجا نہ ہوگا۔ متنبی نے اپنے ممدوح کی حمد میں یہ شعر کہا ہے اور میں اسی کے شعر کو اپنے ممدوح کی شان میں تحریر کرتا ہوں وھو ھٰذا۔

مضت الدھور وما اتین بمثلہ ❁ ولقد اتی فعجزن عن نظرائہ

خلق نظراء میں قادر مطلق کی قدرت کاملہ لاتقف عند حد ہے یہ عقیدہ ہے ایسے بدری صفت عالم کو چاند بدبودار ہے کہا گیا چاند ہرگز بدبودار نہیں ہے یہ تعفن انفی فقط اس وجہ سے ہے کہ نجاست آلود انگشت کو ناک پر رکھ کر چاند دیکھا گیا اگر اس انگشت کو پاک صاف کرکے دیکھتے تو چاند بدبودار نظر نہیں آتا تصور کسی کا ہے اپنا یا چاند کا۔ ونیز

اسی دور میں ایسے ایسے ناگفتہ بہ واقعات منظر عام پر آئے جو انتہائی افسوس ناک ہیں مصائب وشدائد کا مقابل ہونا کوئی نئی بات نہیں ہے یہ سنت انبیاء ہے سنت صحابہ ہے، سنت ابرار واخیار ہے ایں ہم گذشت۔

قاری صاحب مراتب علیا مزید بلند ترین وبیش بہا ذخیرہ آخرت ہوئے اور حضرت موصوف اپنی محترمہ دادی اور دادا کی آغوش میں پہنچ کر دائمی نیند سو گئے اللہ مغفرت فرمائے اور ظل رحمانی وابرار واخیار منعم علیم کی معیت نصیب فرمائے۔آمین۔

طاب اللہ وسقی اللہ ثراہ وجعل الجنة مثواہ۔

کارہائے نمایاں

فکر دار العلوم کی اشاعت وحفاظت میں

حضرت حکیم الاسلام کا حصہ

حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی
استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ایسی کسی شخصیت پر قلم اٹھانا، نسبتاً آسان ہوتا ہے جو بس ایک دو خوبیوں کی مالک یا چند صفات میں ہی امتیاز رکھتی ہو لیکن ایسے افراد میں سے کسی پر کچھ لکھنا جو عبقری صفت اور گوناگوں خصوصیات کے حامل ہوں، اور جن کے محاسن بیشمار ہوں اور جو صفات حمیدہ کا مجموعہ ہوں ان پر لکھنا کاتب کیلئے ایک طرح کا امتحان ہوتا ہے کیوں کہ تمام خصوصیات کا بیان اور شخصیت کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنا۔ بالخصوص کسی مقالہ میں ممکن نہیں ہوتا اور پھر یہ فیصلہ کرنا کہ ان اوصاف میں سے کسے موضوع بنایا جائے اور کسے چھوڑا جائے حیران وسرگشتہ کرنے کا موجب ہو جاتا ہے۔

ایسے جامع صفات اور مجموعۂ کمالات افراد میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ذات گرامی بھی تھی، کہ گلستان قاسمی کے اس گل سر سبد وصد رنگ کے کس رنگ کو چنے اور کس سے صرف نظر کرے اور اس کے سامنے یہ شاعرانہ تخیل ؎

دامن نگہہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچیں زتنگی داماں گلہ دارد!!

حقیقت بن کر کھڑا ہو گیا، کیوں کہ گل حسن کی، بسیاری، پر تنگیٔ داماں کا گلہ، کسی اور جگہ استعارہ و کنایہ یا مبالغہ ہو تو ہو، مگر حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کی ذات میں تو واقعتاً، گلہائے گوناگوں، اس طرح پیوست ہو گئے تھے کہ ان کا شمار مشکل، مزید برآں

یہ کہ آں ممدوح کی شخصیت کا ہر پہلو کرشمہ دامن می کشد کہ جا اینجا است کا سچا نمونہ ہونے کی وجہ سے لکھنے والے کا دامن پکڑتا ہے کہ مجھے نہ چھوڑو. اس بنا پر خیال ہوتا ہے کہ اچھا ہوتا اگر برادر موصوف ''تذکرہ طیب'' کے ہر تذکرہ نگار کے لئے ،حیات طیب، کا ایک گوشہ، بطور موضوع. مقرر کر دیتے کہ اس طور پر محاسن، کے اس گلدستہ کا. ایک درجہ میں سراپا، ان کے سامنے بھی آ جاتا جنہیں اب صرف مرحوم کی، موئے قلم کے ذریعہ کھنچی، تصویر ہی دیکھنے کو مل سکے گی.

سب کہاں کچھ لالۂ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہونگی جو پنہاں ہوگئیں

لیکن جب ایسا نہیں کیا گیا تو راقم نے مرحوم کی زندگی کا وہ پہلو پیش کرنا طے کیا، جس پر خیال ہے کسی اور نے (خلاف مصلحت جان کر) قلم اٹھایا ہوگا. حالانکہ آج بلکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی، اس پہلو کا سامنے لانا، کم سے کم راقم کی نظر میں. جتنا زیادہ مناسب بلکہ ضروری ہے اتنا کسی اور پہلو کا نہیں ہے. اسی وجہ سے راقم نے آں محترم کی زندگی کا یہی اہم پہلو (بلکہ کہنا چاہئے اہم کارنامہ) یعنی فکر دارالعلوم کی اشاعت و حفاظت میں حکیم الاسلام کا حصہ پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے. (و بیدا اللّٰہ التوفیق)

اس عنوان و موضوع کا قدرتی تقاضہ ہے کہ پہلے ''دارالعلوم کا فکر'' (جو مجموعہ ہے ایک خاصی مسلک مشرب اور منہج) کا معلوم ہو، اس کے بعد ہی حفاظت و بقاء، نیز اشاعت وصیانت کا تذکرہ برمحل، اور قابل اعتناء ہوگا.

یہاں یہ حقیقت ظاہر کئے بغیر نہیں گذرا جا سکتا کہ فکر دارالعلوم کا یکجا تفصیلی اور جامع تعارف، تحریری شکل میں آج ہمیں اسی کی زبان وقلم سے معلوم ہو سکتا ہے جس کی ساری زندگی اسی فکر کی ترجمانی کرتے بلکہ اس کی فکر میں گھلتے گذری. یعنی وہی شخصیت جو آج کے تذکرہ کا موضوع ہے. (رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کاملہ)

اسی تحریری فکر کا درجۂ اعتبار بڑھانے کے لئے تنہا یہ بات کافی ہونی چاہئے کہ

''مسلک دارالعلوم'' کے عنوان سے یہ دستاویز اس زمانہ میں ہی منظر عام پر آ چکی تھی جب کہ ''دارالعلوم'' کے ارباب بست وکشاد، میں اکثریت ایسے حضرات کی تھی جو مسلک دارالعلوم (یا فکرِ دارالعلوم[1]) میں دستور کے حوالہ سے لکھا ہے، دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت تمام ارکان و متعلقین دارالعلوم کا فرض ہوگا کسی ملازم یا طالب علم کو بھی اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی ایسی انجمن یا ادارے یا جلسے میں شرکت کرے جس کی شرکت دارالعلوم کے مسلک یا مفاد کے لئے ضرر رساں ہو. دستور کی اس بنیادی دفعہ کو سامنے رکھ کر تمام منتسبین دارالعلوم. بالخصوص اس کے ارکان، اور ملازمین کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ واقعۃً کیا وہ اس دفعہ پر عمل پیراں ہیں) سے نہ صرف پورے طور پر آگاہ تھے بلکہ تنہا اسی کو اپنی دنیا و آخرت سنوارنے کا ذریعہ سمجھتے تھے. ان میں اس وقت ایسے تو بہت کم تھے جو اس فکر سے ناواقف یا نامانوس ہوں یا اس پر پورا انشراح نہ ہونے کی وجہ سے. فلاح ذات وقوم کے لئے. دوسری راہوں اور فکروں کی تلاش وتجربات میں مشغولیت کو. یا اس فکر سے متوحش ہونے کی بنا پر اس کی مخالفت کو حق و دیانت کا تقاضہ سمجھتے رہے ہوں. اور ایسا تو شاید ایک بھی نہ تھا یا اس کی جرأت نہیں کر سکتا تھا. جو کہ محض دنیاوی مصالح کی خاطر حق سے چشم پوشی یا حق دشمنی پر کمربستہ ہو جانے میں بھی تامل نہ کرے.

دارالعلوم کا مسلک

حاصل کلام یہ کہ ذیل میں ''مسلک دارالعلوم'' کا جو تفصیلی تعارف کرایا جا رہا ہے وہ تنہا کسی ایک ذات کی جودۃ طبع یا ترادشِ قلم نہیں ہے. بلکہ اس پر اپنے زمانہ کے مسلم ''دیوبندیوں'' کی مہر تصدیق خواہ وہ سکوتی ہی ہو. ثبت ہے. اس کے بعد ''مسلک دارالعلوم'' نامی رسالہ کے مصنف کے الفاظ میں اس کا تعارف سنئے. علمی حیثیت سے یہ ولی اللّٰہی جماعت، مسلکاً اہل سنت و

[1] جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا ''فکر دارالعلوم'' تین چیزوں (مسلک، مشرب، منہج) سے عبارت ہے تفصیل آگے آ رہی ہے مگر زیادہ تر مشہور اور زبان زد لفظ، مسلک دارالعلوم ہو گیا ہے (اس کی حیثیت وہی ہے جسے علمی زبان میں ''تسمیۃ الکل باسم الجزء الاہم'' کہتے ہیں) دستور اساسی کی رو سے بھی دارالعلوم کے ہر متعلق بالخصوص تمام ارکان کے لئے اس کی پیروی کی حفاظت ضروری تھی جیسا کہ تاریخ دارالعلوم (ص ۲۳۴ ج:۱)

الجماعۃ ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت اجماع وقیاس پر قائم ہے. (ایک دوسری جگہ مصنف نے خود ہی ایسی بلیغ تشریح کی ہے کہ پڑھ کر بے ساختہ جزاہ اللہ نکلا، فرماتے ہیں. پہلی دوحجتیں تشریعی ہیں، جس سے شریعت بنتی ہے. اور آخری دوحجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے. (ص ۲۴۴ ج (۱) ایضا) اس کے نزدیک تمام مسائل میں اولین درجہ نقل وروایت کو اور آثار سلف کو حاصل ہے اس کے یہاں کتاب وسنت کی مرادات محض قوت مطالعہ سے نہیں بلکہ اقوال سلف اور ان کے متوارث مذاق کی حدود میں رہ کر، نیز اساتذہ اور شیوخ کی صحبت وملازمت اور تعلیم وتربیت ہی سے متعین ہوسکتی ہیں. (ص ۴۲۴) اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک. جو رسمیات، رواجی طریقوں، اور نمائشی حال وقال سے مبرا اور بری ہے. تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے. (ص ۴۲۵) مزید فرماتے ہیں. دارالعلوم نے اپنے جامع مسلک میں حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، کلام، تصوف (یعنی احسانی صفت جس کا اصطلاحی نام تصوف ہے) حقیقت اور معرفت یعنی جملہ دینی علوم اور مقامات کے مختلف الالوان پھولوں کا ایک گلدستہ ایسے جامع انداز میں پیش کیا کہ تمام مسلکی طبقات کے ایک نقطہ پر جمع ہونے کی صورت پیدا ہوگئی. (تاریخ ص ۲۸، ج ۱)

دارالعلوم کا دستور اساسی میں (ص ۶ پر) دارالعلوم کے مسلک ومشرب، کی مختصر تشریح اس طرح کی گئی ہے. دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل سنت والجماعت، حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں (حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ) کے مشرب کے موافق ہوگا. (تاریخ ص ۴۳۱، ج ۱)

مشرب: اس سے پہلے اور بھی اوپر کی سطروں میں دستور کے حوالہ سے دارالعلوم کے مسلک کے ساتھ مشرب، کا لفظ بھی آیا ہے. یہاں اس کی بھی وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے.

مشرب سے مراد جیسا کہ دستور کی عبارت میں گذرا ان دونوں (حضرت

نانوتویؒ وحضرت گنگوہیؒ) کا خاص زاہدانہ متوکلانہ، متصوفانہ، یعنی احسانی، رنگ ہے جیسے صاحب ''مسلک دارالعلوم'' نے دوسری جگہ ''مشرباً صوفی'' سے تعبیر کیا ہے، ایک موقعہ پر اس کی تفصیل یہ کی ہے...... سلاسل علمیہ اور سلاسل فقہیہ کے ساتھ. سلاسل صوفیہ و احسانی نسبت، کو بھی جمع کر دیا ہے ایک کے مرجع الامر شاہ ولی اللہؒ تھے اور دوسرے کے حضرت جھنجھانویؒ خلیفۂ مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ) کے خلیفۂ اعظم حاجی امداد اللہ تھے...... (جس کی وجہ سے) سند حدیث کے ساتھ سند خلافت باطنی...... نقشبندیت کی لائن سے مجددی (یعنی) پیروئ سنت اور سید احمد شہیدؒ کے (جذبۂ) اعلاء کلمۃ اللہ کی روح بھی راسخ رہی...... اس (مشرب) میں ہر (دینی) فتنہ کی مدافعت بھی داخل ہے، خواہ وہ (فتنہ) نقل و روایت کی راہ سے آیا ہو، یا بے لگام عقلیت (نیچریت) کی راہ سے (اس فتنہ نے) خواہ شرک و بدعت کا روپ دھارا ہو، یا الحاد و بے دینی اور آزاد خیالی کا...... (ان سب باتوں کے ساتھ دارالعلوم کا مشن) تمام مسلک حقہ (بالخصوص ہندوستان کے) واہل مسالک کو باہم جوڑنا[1] ہے.

اوپر کی تفصیلات سے یہ حقیقت بھی آشکارا ہو جاتی ہے کہ ''دیوبندیت'' کوئی نیا، مذہب، یا فرقہ نہیں ہے بلکہ وہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ایک جامع مرقع ہے، چنانچہ شاعر مشرق ڈاکٹر سید محمد اقبال مرحوم کہ جن کی دینی حمیت اور وسعیت نظر نیز محبت رسولؐ معلوم و معروف ہے. سے جب کسی شخص نے اس بارے میں سوال کیا تو فرمایا (دیوبندیت) نہ مذہب ہے نہ فرقہ. بلکہ ہر معقول دیندار کا نام دیوبندی ہے.

---

[1] ماخوذ از تاریخ دارالعلوم ص ۳۵/۳۶، ۳۷، ج ۱. مرتبہ سید محبوب رضوی مرحوم، یہ تاریخ اگرچہ ۱۳۹۷ھ میں مجلس شوریٰ کے ایماء سے دارالعلوم نے شائع کی مگر اس میں دارالعلوم کے مسلک و مشرب وغیرہ کی تفصیلات، حضرت مولانا قاری صاحبؒ کے ایک بہت پہلے شائع ہوئے رسالہ ''مسلک دارالعلوم'' نامی سے لی گئی ہیں. راقم سطور نے مذکورہ بالا تمام عبارتیں اسی سے نقل کی ہیں اور ''تاریخ'' سے مراد یہی ہے. جس کی صفحات کے حوالہ اوپر گذرے ہیں. آئندہ بھی ''تاریخ'' کے حوالہ سے اسی کے صفحات مراد ہوں گے واضح رہے کہ عبارت میں کہیں کہیں معمولی لفظی تغیر ضرورۃً کر دیا گیا ہے. اور بریکٹ کے اندر تشریحی یا ربط کی غرضی سے کئے گئے اضافے بھی راقم کے ہیں.

اس اجمال کی تفصیل، یا یوں کہہ لیجئے کہ حقیقی دیوبندی کی پہچان. حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ جس میں علمی وقار، استغناء فروتنی......ایثار وزہد (صفات میں جمع ہوتی ہیں لیکن) کبر ونخوت (نہیں ہوتی) اور نہ ذلت (کہ عزت نفس پامال کرلیں) جہاں یہ علم واخلاص کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے بلند ہو جاتے ہیں وہیں تواضع کی وجہ سے عوام میں ملے بھی رہتے ہیں......مجاہدہ مراقبہ کی وجہ سے خلوت پسند ہونے کے ساتھ مجاہدانہ وغازیانہ......نیز قومی خدمات کے جذبات سے سرشار بھی ہوتے ہیں. (ان کے نزدیک) محدث ہونے کی معنی فقیہ سے لڑنا، یا فقیہ ہونے کے معنی محدث بیزار ہونے، یا صوفی ہونے کا مطلب متکلم دشمنی، یا علم کلام میں مہارت کا تقاضہ تصوف بیزاری نہیں. بنابریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل وکمال (کیا محدثین متکلمین، کیا فقہاء وصوفیہ کیا اصولین ومنطقین اور کیا امراء وخلفاء) ان کے یہاں سب واجب الاحترام ہیں لیکن ان تمام شعبوں میں سب سے زیادہ اہمیت اس جماعت کے نزدیک تعلیم علوم نبوت کو حاصل ہے. (تاریخ ص ۸،۴۲۵، باختصار)

دارالعلوم کے مسلک ومشرب کی قابل لحاظ حد تک تفصیلات بیان میں آجانے کے بعد مناسب ہوگا کہ ادارہ کے مقدس بانیؒ نے. اس کے چلانے کے غرض سے جو اصول مقرر فرمائے. اور تحریر کر دیئے تھے ان کا بھی مختصراً تذکرہ آجائے اس کو یہاں منہج کا نام دیا ہے.

حضرت نانوتویؒ کے مقرر کردہ ان اصول ہشتگانہ سے اب شاید ہی کوئی. وابستگانِ دارالعلوم میں سے ناواقف ہوگا جو موصوف نے بطور اصول موضوعہ یا دستور العمل کے مقرر فرمائے تھے. غالباً اسی لئے ان کے زبانی اظہار وبیان پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ تحریری شکل میں منضبط فرما کر گویا انہیں. رجسٹرڈ کر دیا تھا. عبارت کا طرز صاف بتا رہا ہے کہ ان کے اصول کے اندر دارالعلوم کے چلانے کا دائمی طریقِ کار بیان کیا گیا ہے. ورنہ ان سے انحراف ہونے کی شکل میں، زوال کی پیشین گوئی نہ ہوتی (حالیہ واقعات

نے تو عملی طور پر، ان کے دائمی بلکہ الہامی ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا) یہاں ان تمام اصول کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اس لئے بس چند کے بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے. جن چند اصولوں کے ملحوظ نہ رکھنے پر اس میں جو پیشین گوئی کی گئی ہے وہ پوری ہوتی صاف نظر آ رہی ہے اس قبیل کا ایک اصول یہ ہے.

مشیران مدرسہ (نہ کہ حاکمانِ مدرسہ) کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے، اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد ہل جائے گی.

غور کیا جائے کیا حالیہ فتنہ میں رونما ہونے والے. افسوسناک بلکہ شرمناک واقعات کی ایک بڑی اہم وجہ یہی نہیں ہوئی کہ بعض مشیران مدرسہ (نہ کہ حاکمانِ) نے اپنی بات کی پچ کی اور اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہوا؟

ان اصول ہشتگانہ میں ایک یہ ہے.

یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں، اور مثل علمائے روزگار کے خود بیں اور دوسروں کے درپئے توہین نہ ہوں. خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر مدرسہ کی خیر نہیں.

کیا یہ مقام حیرت بلکہ عبرت نہیں! کہ حالیہ ہنگامہ کے دوران بعض مدرسین خود بینی اور خودسری کی آخری حد تک پہنچ کر کیا دوسروں. بلکہ خود مہتمم تک کے درپئے توہین بلکہ درپے آزار نہیں ہو گئے تھے؟ تو پھر ایسی صورت میں کیا مدرسہ کے خیر کی امید کی جا سکتی ہے؟

ہم یہاں ان اصول میں سے صرف ایک کے پیش کرنے کی اور اجازت چاہیں گے جو یہ ہے.

اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ انشاء

اللہ بشرط توجہ الی اللہ. اسی طرح چلتا رہے گا. اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر، یا کارخانۂ تجارت، یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے. کہ یہ خوف درجا، جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے، ہاتھ سے جاتا رہے گا. اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا.

جیسا کہ اوپر مسلک دارالعلوم کے بیان کے دوران گذرا، ان اصولِ ہشتگانہ سمیت، مسلکِ دارالعلوم کی پیروی اور حفاظت. دستور اساسی کی رو سے تمام ارکان و متعلقین دارالعلوم پر فرض قرار دی گئی ہے. تو کیا واقعۃً، ارکان دارالعلوم اور اس کے متعلقین نے یہ فرض ادا کیا؟ سب کو بالخصوص، ارکان، کو (کہ انھوں نے سب سے زیادہ دستور کا ذکر کیا ہے. اپنا بھی محاسبہ کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ خود ان پر ہے. (فکر دارالعلوم کا بیان ہوجانے کے بعد آیئے) دیکھیں کہ اس ذاتِ گرامی نے دستور و مسلک دارالعلوم (مع اصول ثمانیہ) کی رعایت وحفاظت کس درجہ کی؟ کہ جس پر دستور کی خلاف ورزی کا بہت زوردار آواز میں. الزام لگایا گیا؟

مرحوم کے فکر دارالعلوم کی اشاعت وحفاظت میں حصہ کے جائزہ سے پہلے یہ بھی ضروری معلوم ہورہا ہے کہ دیکھا جائے کہ خود موصوف اس فکر سے کتنے ہم آہنگ تھے. اور کس درجہ اس کے مثالی نمونہ بننے کے لائق؟ کہ اس کے بغیر سچ پوچھئے تو نہ ترجمانی کا حق حاصل ہوتا ہے اور نہ بے عمل کی. بات میں تاثیر ہوتی. اور نہ ہوسکتی ہے کیوں کہ لم تقولون مالا تفعلون. کبر مقتا عند اللہ......الخ کا تقاضا ہے. کہ ایسی صورت میں خداوند تعالیٰ کی. رضا کے بجائے شدید ناراضگی حصہ میں آئے تو پھر کامیابی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

اس فکر کے پہلے جزو (مسلک) میں سب سے اہم مقام (اس لئے سب سے زیادہ توجہ کا مستحق بھی) علوم نبوت کا اور ان کی تعلیم وتعلم کا بتایا گیا ہے چنانچہ اس بارے میں موافق ومخالف. سب ہی متفق ہیں کہ مرحوم کا علمی مقام بہت بلند تھا. واقعہ یہ

ہے کہ علم کے بعض شعبوں میں، ملک کے خواہ دوسرے علماء امتیاز رکھتے ہوں لیکن مجموعی طور پر، مطالعہ کے تنوع، وسعت اور عمق میں موصوف کا پایہ. اگر سب سے بلند نہیں تو، کم سے کم یہ کہ بہت بلند تھا. اور مشکل علمی مضامین. بالخصوص نصوص متعارضہ اور سلف کے اقوال مختلفہ میں تطبیق دے کر اور ان کی مراد متعین کر کے. واضح عام فہم دل نشین اور شیریں انداز سے پیش کرنے کے کمال میں اب کوئی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے بعد. ان کا ثانی نہ تھا.

موصوف کے تبحر علمی اور وسعت نظر کی چھاپ. عوام ہی نہیں، علماء تک پر. کس درجہ کی تھی؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے شاید یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ آج نہیں بلکہ پچیس، تیس سال قبل بھی، جب کہ آج کل کا جیسا قحط الرجال بھی نہ تھا. اہل علم تک یہ کہتے. سنے گئے کہ ہندوستان کے سارے علماء کا مجموعی. علم ایک طرف اور تنہا مولانا قاری صاحبؒ کا علم ایک طرف. ظاہر ہے کہ کم سے کم اس وقت یہ قول مبالغہ سے خالی نہ تھا. لیکن اس سے بہرحال اتنا تو ثابت ہی ہوتا ہے کہ اہل علم کے نزدیک بھی. ممدوح علمی طور پر فرد مایہ نہ تھے بلکہ ممتاز ترین علماء کی صف میں شامل سمجھے جاتے تھے.

موصوف کے ذوق علمی، کے تمام دوسرے مذاقوں پر. غالب ہونے کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دار العلوم کے اہتمام جیسے اعلیٰ اعزاز و اکرام. بلکہ ایک درجہ میں راحت و احترام کے منصب پر فائز ہونے اور تعلیمی شعبہ سے منتقل ہونے کے لئے موصوف طبعاً تیار نہ تھے مگر اس، فکر، کے ہی ایک تقاضہ. اکابر کے حکم کی تعمیل اور ان کا احترام. سے بادلِ ناخواستہ، مہتمم بننا گوارا کیا (اس کی دلچسپ تفصیل تاریخ ص ۲۸۰، ج ۱ر میں ملاحظہ کیجئے)

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تقریباً دس بارہ سال قبل مجلس شوریٰ کے بہت سے ممتاز اور بااثر ارکان نے حضرت مہتمم صاحب سے ان کے خلف الرشید کو نائب مہتمم بنانے کے لئے جب اجازت چاہی تو موصوف نے اجازت دینے سے انکار کرتے ہوئے

فرمایا کہ: خاندانِ قاسمی کا امتیاز علم ہے، نظم نہیں[1]۔

یہ واقعہ حالیہ حادثات کے موجب کے طور پر جس واقعہ کو بہت نمایا کیا جاتا ہے اس پر روشنی ڈالنے کے لئے بھی. اہل نظر کے واسطے کافی ہے کہ اگر واقعۂ موصوف نے حالیہ زمانہ میں ایسی خواہش کا اظہار کیا تھا، تو وہ کسی اور جذبہ سے نہیں بلکہ دارالعلوم ہی کی خیر خواہی کے تقاضا سے کیا ہوگا (کہ ان کی مثال اس بارے میں خود راہنمائی کرتی ہے اور پھر یہ کہ موصوف کی پوری زندگی دارالعلوم کی سچی خیر خواہی کے جذبات پر شاہد عدل ہے. (مگران پر الزام لگانے والوں کی زندگی کا تو شاید بہت محدود عرصہ بھی اس کی شہادت میں پیش کرنا بہت مشکل ہوگا)

موصوف کے علمی مقام پر سب سے بڑھ کر شہادات، وہ بیانات بھی ہیں جوان کے حادثۂ وفات پر زبانی یا تحریری. تمام قابلِ ذکر علماء اور دوسرے طبقات کے آئے. ان میں موافق ومخالف سب ہی نے دوسری خوبیوں کے ساتھ علمی بلندی کا بھی اعتراف و اظہار کیا ہے (سوائے ایک بزرگ کے، کہ انہیں صرف مرحوم کا علمی امتیاز تجوید وقرأۃ ہی میں نظر آیا) بلکہ ایک بہت قابل احترام بزرگ جو نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنی نسبت کے لحاظ سے بھی تمام اہل حق کے نزدیک واجب الاحترام سمجھے جاتے ہیں. نے تو یہ تک فرمایا (اور پھر شائع بھی کرایا) عجزت النساء ان یلدن مثل طیب[2] (اب طیب کا ثانی پیدا کرنے میں عورتیں عاجز ہیں.) اس سے بھی زیادہ قوی تر دلیل موصوف کے ذوقِ علمی کی یہ ہے کہ اہتمام کے متنوع اور تھکا دینے والے بے پناہ مشاغل نیز دیگر

---

[1] یہ واقعہ راقم سطور نے براہ راست ایک نہایت ثقہ اور نامور عالم دین وقاسمی فاضل سے سنا ہے. اگر زندہ افراد کے ناموں کے اس مضمون میں اظہار سے مصلحۃً احتراز کرنے کا التزام نہ کرلیا ہوتا تو ضرور ان کا نام ظاہر کردیا جاتا. یقین ہے کہ ہر واقف شخص انہیں صادق القول اور ذمہ دارانہ اظہار خیال ہی کی صفت سے متصف سمجھتا ہے. ویسے بھی یہ واقعہ عام طور پر معلوم ومعروف ہے.

[2] خدا کی قدرت وحکمت ہے کہ یہ تحریر، جس میں حضرت مہتمم صاحب کے بارے میں عجزت النساء کہا گیا ہے الفرقان لکھنؤ ص ۱۴، ۱۹۸۳ء ہی میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی. اسے مرحوم کی کرامت کے علاوہ اور کیا نام دیا جائے.

میدانوں میں سرگرم عمل رہنے کے باوجود، ساری عمر موصوف نے علم ومطالعہ سے اپنا رشتہ قائم رکھا، اسی تعلق کا یہ اثر تھا کہ فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ جیسے جلیل القدر محدث کی وفات کے بعد اور اس کے علاوہ بھی دیگر مواقع پر دارالعلوم جیسی ممتاز درسگاہ میں صحیح بخاری جیسی ادق اور اعلیٰ کتاب کا، دورۂ حدیث جیسی اہم جماعت کے طلبہ کو (جس میں ایک خاصی تعداد ماہر اساتذہ تک کی شامل ہوا کرتی تھی، اور پھر بعض طلبہ بھی ایسے جید الاستعداد، کثیر المطالعہ اور وسیع النظر ہوتے تھے کہ ہندوستان کے بہت سے مدارس کے اعلیٰ مدرسین اور ''شیخ الحدیث'' کی مسندیں سنبھالنے والے بھی ان کی برابری بمشکل کر سکتے تھے) نہایت کامیابی کے ساتھ درس دیا.

فکر دارالعلوم کے علمی تقاضہ کے علاوہ دیگر اوصاف و تقاضے مثلاً نصاب فی الدین، دینی حمیت اسلاف کی عظمت، فرق باطلہ کا حکیمانہ رد تحمل، حقیقی تصوف (تزکیۂ و احسان) مناسبت، تواضع، استغناء وغیرہ، اوصاف تو موصوف میں اس طرح جمع ہو گئے تھے کہ ان کا کٹر سے کٹر دشمن بھی انکار کرنے کی جراءت. آخرت میں جوابدہی کا خطرہ مول لئے بغیر نہیں کر سکتا ہے. اس وجہ سے ان کے مذکورہ اوصاف میں. کچھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں. البتہ صرف تین (تواضع، تصوف اور فرقِ باطلہ کا حکیمانہ) کے بارے میں اتنا کہے بغیر آگے بڑھنا مشکل ہو رہا ہے کہ کم سے کم ادھر ۳۰ر۴۰ سال کے اندر، ان کے جیسے پایہ کے کسی شخص کے یہاں، ان کی جیسی تواضع کا تجربہ ومشاہدہ. کسی کو مشکل ہی سے نصیب ہوا ہوگا. کہ وہ اپنے چھوٹے ہی سے نہیں. چھوٹوں کے چھوٹے سے بھی اس طرح پیش آتے تھے کہ برابر والے بھی کم ہی پیش آتے ہیں. غرضیکہ ان کی جیسی. کم سے کم راقم سطور کو تو اور کہیں تواضع نظر نہیں آئی. (حالانکہ سیکڑوں، چھوٹے بڑے. علماء سے ملنا جلنا ہوا ہے)

اسی طبعی تواضع کا یہ اثر تھا کہ ان کے ایک، معاصر نے جو عمر میں بھی ان سے کم ہیں. جب ان سے معافی طلب کی تو ان کی متواضعانہ طبیعت پر سخت بار ہوا اور اس کا

اظہار ایسے الفاظ میں کیا جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، موصوف نے انہیں جواب دیا. آں محترم سے زیادہ کون جانتا ہے کہ میں نے اپنے چھوٹوں کو بھی کبھی خطاوار نہیں سمجھا کہ ان کی زبان پر معافی کی بات آئے.

تزکیۂ واحسان کی صفت میں امتیاز کی سند کے لئے یہی کافی ہے کہ موصوف، اپنی جماعت اور اپنے وقت کے سب سے متقی عالم حضرت شیخ الہندؒ کے دست گرفتہ، اور اپنے عصر کے سب سے بڑے مصلح اور بے مثال مربی حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز تھے.

فرق باطلہ کی حکیمانہ تردید میں مرحوم کے حکیمانہ اسلوب کی شہادت کے لئے، برصغیر کے مشہور مسلم صحافی اور مبصر. ماہر القادری صاحب مرحوم. کا وہ تبصرہ کافی ہے، جس میں ماہر صاحب نے اپنے پشتینی مسلک، کٹر بریلوی سے ہٹ کر، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہی کی تقریر دلپزیر کے اثر سے، صحیح العقیدہ بن جانے کی تفصیل اور دیگر بہت سی مفید باتیں. اپنے شہرۂ آفاق ماہنامہ ''فاران'' کراچی میں تحریر فرمائی تھیں (جو بعد میں کتابی شکل کے اندر بھی شائع اور مقبول ہوا) اس وصف کی سب سے نمایاں مثال، اور جیتی جاگتی تصویر بمبئی شہر ہے کہ جہاں موصوف کے حکیمانہ خطابات ہی کے ذریعہ. ابتداءً. فضا بدلی اس کے بعد ہی اہل حق کو وہاں پاؤں ٹکانے بلکہ اپنی بات کہنے اور باطمینان سنانے کے لئے زمین مل سکی (ورنہ اس سے پہلی ایسی جرأت، گستاخی، کے زمرہ میں آتی اور سخت سزا کا مستوجب بنا دیتی تھی) یہی وجہ ہے کہ اہل حق میں جہاں تک اندازہ ہے سب سے زیادہ باشعور لوگ ان ہی کے دست گرفتہ پائے جاتے ہیں.

اس کے علاوہ بھی آں محترمؒ نے ''فکر دار العلوم'' کی اشاعت وحفاظت کے لئے کیا کیا قدم اٹھائے؟ آئندہ سطروں میں ان میں سے کچھ کا ذکر کیا جا رہا ہے (بلکہ کچھ......ہی کا کیا جاسکتا ہے. سب کا ذکر تو کسی مقالہ کا نہیں کتاب کا موضوع ہے اوپر کی

سطروں سے نیز دوسرے واقعات سے۔

یہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا کہ یہ فکر، موصوف کے جسم وروح میں اس طرح پیوستہ ہوکر رچ بس گئی تھی کہ ان کی ذات ہی "مجسم فکر قاسمی" اور "سراپا دارالعلوم" بن گئی تھی۔ ان کی وفات پر متعدد اہل علم اور اصحاب فکر و دانش نے جو یہ لکھا ہے کہ "انھوں نے اپنی ذات کو دارالعلوم میں اس طرح گم کر دیا تھا کہ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر ممکن نہ رہا تھا (مفہوم) اس میں نہ غلط بیانی ہے نہ مبالغہ۔ بلکہ حقیقت کی صحیح صحیح ترجمانی ہے کیوں کہ وہ جس جگہ گئے۔ اور دنیا کا کون سا اہم حصہ ہے جہاں وہ نہیں گئے؟ کیا امریکہ و یورپ، کیا افریقہ و ایشیاء، کیا عرب اور کیا عجم، جہاں وہ گئے فکر دارالعلوم کے ساتھ پہنچے بلکہ ان کی تنہا ذات گرامی کی بدولت، مدرسۂ دیوبند مدرسہ "دارالعلوم" پھر عظیم جامع بنا۔ اور شہروں سے لیکر قصبات و دیہات دارالعلوم کی صدا ان کی ہم آواز بن کر اس طرح پہنچی کہ وہاں کے حساس دلوں کی دھڑکن اور ان کی اپنی آواز بن گئی۔ اور ان کی آواز کی طرح ذات بھی دارالعلوم میں اس طور پر سما گئی تھی کہ ان کی ذاتی شہرت، دارالعلوم کی شہرت، اور ان کا اپنا نفع ونقصان، دارالعلوم کا نفع نقصان بن گیا۔ اسی لئے ان کے لئے "مہتمم صاحبؒ" کا لفظ وصف نہیں ان کا ذاتی نام بن گیا۔

اور ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں، بلکہ اس کے خلاف ہوتا تو حیرت ہوتی کیوں کہ موصوف کی تو آنکھیں ہی اس فکر کے آغوش میں کھلیں اور اسی فکر کے اعلیٰ ترین نمونوں "اور مثالی پیکروں" کے سایہ میں وہ پروان چڑھے تھے۔

سچ تو یہ ہے کہ حکیم الاسلامؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے وہ حکیمانہ الفاظ مہتمم صاحب کی ذات میں، جسم وقالب بن کر نظر آنے لگتے ہیں، جو شاہ صاحب نے مشہور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الائمة من قریش" کی تشریح کرتے ہوئے زیب قرطاس کئے ہیں فرمایا ہے۔

ان یجعل الخلفاء من بعدہٖ اہل بلدہٖ وعشیرتہٖ الّذین نشوع

واعلیٰ تلك العادات والسنن وليس التكحل كا الكحل ويكون الحمية الدينية فيهم مقرونة با لحمية النسبية ويكون غلو امرهم وبناهة شانهم علواً لامر صاحب الملة. (حجة الله البالغة: ص:۱۱۹،ج:۱)

ترجمہ: جانشینوں کو ان ہی کے خاندان اور ان ہی کے شہر کا ہونا چاہئے کیونکہ اسی ماحول میں چلنے اور بڑھنے کی وجہ سے ان لوگوں کے اندر (مطلوبہ) عادات اور طریقے رگ وریشہ میں سرایت کر جاتے ہیں (اس کے بعد بہت بلیغ تمثیل کے ذریعہ فرق واضح کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے) جس کی آنکھ قدرتی اور پیدائشی طور پر سرگیں ہو اس کا وہ شخص مقابلہ کہاں کر سکتا ہے کہ جس نے صرف سرمہ لگالیا ہو اور یہ بات بھی ہے کہ (اسی خاندان کے جانشین کی) حمیت دینی اور حمیت نسبی دونوں ہم آہنگ ہو جاتی ہیں اور (اسی لئے) اس کی ذاتی بڑائی بھی دین کی بڑائی سے مربوط ہو جاتی ہے.

اشارۂ نبویؐ اور اسی سے پیدا شدہ حکمت ولی اللّٰہی کا ہی غالباً یہ پرتو تھا کہ دارالعلوم کی فکر کے حقیقی نمونہ اور اس کے سچے خیر خواہ اور اکابرؒ نے اصرار کے ساتھ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو منصب اہتمام پر فائز کیا تھا. چنانچہ جو تجویز بابت تقرری منظور ہوئی اس میں یہ بھی صراحت تھی کہ مولانا موصوف نوجوان صالح صاحب علم اور عالی خاندان اور دارالعلوم کے ساتھ آبائی نسلاً بعد نسل سچی ودلی ہمدردی رکھتے ہیں. (تاریخ ص ۲۷۹، ج ۱)

اور یہی وہ واحد ترجیحی سبب تھا جس کی بنا پر حضرت الاستاذ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ العزیز اس وقت بے چین ہو گئے تھے جب حکیم الاسلام بعض مصالح کی وجہ سے (جواب راز نہیں رہے ہیں) ایک نئے وجود میں آنے والے مسلم ملک چلے گئے تھے. حضرت شیخ الاسلامؒ نے جب تک مہتمم صاحب کو واپس بلا کر مسند اہتمام پر جلوہ افروز نہیں دیکھ لیا اس وقت تک آں مخدومؒ کا خواب و خور گویا حرام ہو گیا تھا. (نور الله مرقدهما وطاب ثراهما)

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا بھی شاید بے محل نہ ہوگا کہ "تحویل قبلہ"[1] کی حالیہ مہم کے دوران جن لوگوں نے اپنے ذاتی غور وفکر کے نتیجہ میں تبدیلی کو ضروری سمجھا اور اسی لئے اپنا پورا زور سنانِ قلم یا لسانِ دہن استعمال کر کے صرف کیا ان میں یا تو متحمل[2] اس لئے اس پر بھی تعجب نہ ہونا چاہئے کہ اس شورش کے درمیان (حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دادا) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے بانیٔ دار العلوم دیوبند ہونے کی حیثیت کو چیلنج کیا گیا بلکہ ان کی مقدس ذات (نیز ان کے بلند مرتبہ صاحبزادہ، حافظ محمد احمد صاحبؒ) پر تنقیص کی حد

[1] راقم سطور نے دار العلوم سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے ہٹائے جانے کی مہم کو تحویل قبلہ، کا نام طنزاً نہیں دیا ہے بلکہ واقعہ یہی ہے. اور جو لوگ بصیرت رکھتے ہیں وہ پہلے ہی سمجھ رہے تھے، بلکہ کہہ رہے تھے کہ ان کا ہٹنا سمت (رخ) بدلنے کا سبب بن جائے گا. چنانچہ بعد میں بہت سے لوگ بھی یہی کہتے سنے گئے جو پہلے یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے (اور تبدیلی کی مہم میں حصہ بھی لے رہے تھے) اگرچہ جزوی تبدیلی سمت کے آثار پہلے ہی سے رونما ہونے لگے تھے مگر بہر حال ایک قطب نما موجود تھا. جس کی موجودگی سے رخ ٹھیک کر لینے کا امکان ضرور تھا.

[2] شاید اسی حکمت سے فقہاء (جو در اصل امت کے حکماء تھے) نے خیر القرون کے بعد نئے ہونے والے غیر عرب مسلمانوں کو قدیم الاسلام مسلمانوں کا اس وقت تک کفو نہیں مانا ہے جب تک کی ان کی ایک دو پشت اسلام پر نہ گذر جائے. (در مختار مع شامی ص ۳۱۹، ج ۳) میں ہے "فعلم بلغه...... غير كفؤ لمن ابوه مسلم" دار العلوم کا معیاری دور جس میں کم وبیش ہر فاضل، فرق مراتب کے باوجود معیاری اور فکر دار العلوم کا مکمل نمونہ ہوتا تھا. حضرت شیخ الہندؒ کے براہ راست تلامذہ پر ختم ہو گیا اگرچہ اس کے بعد بھی بحمد اللہ تعالیٰ کثیر تعداد میں معیاری فضلاء پیدا ہوئے، مثلاً مفتی محمد شفیع، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد ادریس کاندھلوی، اور مولانا بدر عالم میرٹھی وغیرہم رحمہم اللہ لیکن پھر کوئی کلیہ، بنانا مشکل ہے. بلکہ خدا کے فضل سے آج بھی معیاری فضلاء خاصے موجود ہیں، لیکن زندہ لوگوں کے ناموں کے ذکر سے احتراز کیا جانا ہی قرین مصلحت ہے. (فان الحي لاتؤمن عليه الفتنه) چنانچہ اس عدم مامونیت کا مشاہدہ وتجربہ حالیہ فتنۂ دیوبند کے زمانہ میں اچھی طرح ہوا کہ گویا. (اصبح الرجل مؤمنا ويمسي كافراً...... الخ کا ایک ہلکا سا پرتو تھا جو برابر رونما ہو رہا تھا) اور اسی فتنہ نے مدرع الحلیم حیران جیسے معجزانہ کلام کی صداقت کی بھی ایک جھلک دکھا دیتی تھی. (اللهم احفظنا من الشرور والفتن ماظهرمنها وباطن) تھے یا ایسے تھے جنہیں اس کل سے مناسب ہی نہ تھی یا ان کے نزدیک اس سے زیادہ دوسرے مصالح عزیز تھے. اور بعض تو ایسے بھی تو جو اس سے آشنا ہی نہ تھے بلکہ بالکل بے گانہ تھے.

تک پہنچنے والی تنقیدوں میں بھی ذرا تامل یا باک نہیں ہوا، مزید برآں کہ بانیٔ دارالعلوم کے مقرر کردہ اصول ہشتگانہ کو آج کے دور کے لئے نہ صرف ناکافی بتایا گیا بلکہ ان کا مذاق تک اڑایا گیا. (فالی اللہ المشتکیٰ)

یہاں مہتمم صاحب کے فکر دارالعلوم کی حفاظت کے لئے اہتمام کا پتہ دینے والے ایک خاص واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہو رہا ہے لیکن واقعہ سننے سے پہلے اصول ہشتگانہ میں سے وہ اصل ذہن میں تازہ کر لیجئے جس کے اندر کارخانہ تجارت، جیسی مستقل آمدنی کی سبیل، کو امدادِ غیبی موقوف ہونے کا سبب قرار دیتے ہوئے اس...... سے منع کیا گیا ہے.

اجلاس صدسالہ کے موقعہ پر دارالعلوم کی ہمہ گیر خدمات (اور مہتمم صاحبؒ کے ذریعہ ہونے والے عمومی طور پر اس کے تعارف اور) خدا داد مقبولیت کی وجہ سے سارے عالم، بالخصوص ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے آکر جمع ہونے والے انسانوں کا سمندر کہ جس کی نظیر میدان عرفات[1] کے علاوہ اور کہیں نہیں دیکھی جاتی بلکہ نہیں دیکھی جاسکتی. جب دیوبند میں ٹھاٹھیں مارنے لگا، تو قدرتی بات تھی کہ دارالعلوم کے چندہ میں غیر معمولی رقم جمع ہوئی، اس جمع شدہ رقم کے بارے میں "بعض اہل الرائے" نے تجویز کیا کہ اسے یونٹ ٹرسٹ میں جمع کر دیا جائے (جن کو وہ سمجھتے تھے کہ تجارتی ادارہ ہے اور وہاں جمع شدہ رقم پر تجارتی نفع بھی ملتا ہے جو سود کے شائبہ سے پاک ہوتا ہے) لیکن حضرت مہتمم صاحبؒ نے اس تجویز کی مخالفت کی اور (فقہی حیثیت سے قطع نظر کرتے ہوئے) فرمایا کہ دارالعلوم کا موضوع تجارت نہیں، تعلیم ہے، اس لئے بھی وہاں رقم جمع کرنا مناسب نہیں واقعہ نقل کرتے ہوئے راوی آبدیدہ سے ہو کر کہنے لگے بھلا اب ان نزاکتوں کو کون ملحوظ رکھے گا؟ (اس واقعہ کے راوی بھی وہی ثقہ قاسمی فاضل ہیں جن کے

[1] یہ بات متعدد عرب مہمانوں نیز ہندوستان کے ایک ایسے ممتاز عالم نے بھی وہاں جلسۂ عام میں کہی جن سے زیادہ دنیا دیکھنے کا تجربہ کسی اور عالم کو نہیں ہوگا.

حوالہ سے اوپر بھی ایک واقعہ ذکر ہو چکا ہے) یہ واقعہ جو ہر طرح دار العلوم اور اس کے مسلک کے محافظ مہتمم کے شایان شان تھا لیکن ان کے کرم فرماؤں کی نظر کیا بن گیا؟ اسے جاننے کے لئے دل پر جبر کر کے. یہ چند سطریں آپ بھی پڑھ لیجئے. اس وقت بھی بعض ارکان کو یہ اندیشہ تھا کہ مہتمم صاحبؒ کے بعض متعلقین اس تجویز کو اپنے غلط ارادوں کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر چلنے نہیں دینگے اور مہتمم صاحبؒ کو اس کے لئے استعمال کریں گے. افسوس یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور نہ صرف یہ کہ اس تجویز کی تکمیل نہیں کی گئی بلکہ اس عدمِ تعمیل کو مقدس شرعی لباس پہنایا گیا[1] اس موقعہ پر امام شافعیؒ کا یہ مشہور شعر نقل کرنا بھی شاید بے محل نہ ہوگا ؎

عین الرضا عین کل عیب کلیلة

کما انّ عین السخط تبدی المسا ویا

اہل نظر کے لئے تنہا یہ مثال آئندہ کے دار العلوم کا رخ اور قبلہ دریافت کرنے کے لئے کافی ہے!

اس لئے یہ سوال قدرتی ہے کہ مہتمم صاحبؒ کے بعد دار العلوم کی ظاہری شان و شوکت باقی رہنے بلکہ بڑھ جانے کے باوجود کیا اس کی معنویت بھی اس درجہ پر قائم رہ سکے گی؟ یہ بات اللہ عالم، الغیب والسرائر کے علاوہ اور کون جانتا یا جان سکتا ہے؟

یہی وہ سوال ہے کہ جو خیر خواہوں کو فکر مند بنائے رکھتا ہے. اگرچہ کارساز حقیقی نے جس طرح اس کے بانیوں اور اولین معماروں کے اخلاص کی برکت سے اب تک نازک سے نازک تر مواقع پر اس کی حفاظت فرمائی ہے اسی کے فضل و کرم سے امید ہے کہ آئندہ بھی حفاظت فرمائے گا مگر ڈر اس بات سے لگتا ہے کہ حالیہ فتنہ کے درمیان

---

[1] حالانکہ لطف یہ ہے کہ پہلے جو ادارے یا ان کے منتظمین یونٹ ٹرسٹ کو تجارتی کمپنی سمجھ رہے تھے ان میں سے بھی کچھ اب اس کے تجارتی ادارہ ہونے میں شک کرنے لگے ہیں اور وہاں جمع شدہ رقم پر ملنے والے نفع کو ربٰو نہیں رہا قرار دینے لگے ہیں اور غلط فہمی کی بنیاد پر پہلے جو رقم وہاں جمع کر چکے تھے اسے واپس نکالنے کی فکر کر رہے ہیں.

دوسری کوتاہیوں کے علاوہ خداوند تعالیٰ کی ایک بہت عظیم نعمت کی بڑی ناقدری ہوئی[1] اور کفران نعمت ہوا ہے۔

اوپر دارالعلوم کے مسلک ومشرب کے تذکرہ میں ذکر آیا کہ اس کے مقاصد میں ہر دینی فتنہ کی مدافعت بھی شامل ہے، اس بارے میں مہتمم صاحبؒ کے بس ایک روشن، بلکہ عالم آشکارا، کارنامے کا تذکرہ کافی ہوگا. ہندوستان میں جب مسلمانوں کے عائلی قوانین نکاح، طلاق، میراث وغیرہ، جنھیں ''مسلم پرسنل لا'' کہا جاتا ہے. کے خلاف کچھ نام نہاد مسلمانوں اور روشن خیال سیاستدانوں کی طرف سے حکومت کی ایماء پر زبردست مہم چلائی گئی اور اس کا پورا خطرہ پیدا ہوگیا کہ شریعت اسلامیہ کے جن چند قوانین پر عمل کرانے کا مسلمانوں کو. ہندوستانی دستور کی رو سے حق باقی رہ گیا ہے بس وہ بھی اب چھینا جانے والا ہے اور پارلیمنٹری جمہوریت. جو دراصل اکثریت کا نام ہے. کی لاٹھی سے اس کے کچلنے کی تیاریاں آخری مراحل پر ہیں تو سب سے پہلے اسی دارالعلوم کے جس کے قیام اور وجود کا اصل باعث ہی دین وشریعت کی حفاظت وبقاء ہے. کے سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بے چین ہوگئے اور پھر بہت سی حکیمانہ تدابیر اختیار کیں جس کا ثمرہ بالآخر تمام ہندی مسلمانوں کے واحد متفقہ پلیٹ فارم ''آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ'' کی شکل میں برآمد ہوا اور ایسے مختلف

---

[1] اور کس درجہ کی ناقدری ہوئی؟ اس کا اندازہ کرنے کے لئے دل پر پتھر رکھ کر یہ بھی سن لیجئے کہ جس زمانہ میں مہتمم صاحب کے خلاف الزام تراشی کی مہم زوروں پر چل رہی تھی اور اس کے ذریعہ غلط فہمیاں پھیلانے میں فی الجملہ کامیابی کے آثار نظر آنے لگے تھے. اس زمانہ میں الزام تراشوں کے گروہ کے چھوٹی سطح کے لوگ برملا کہتے سنے گئے کہ ہم نے ایسا کر دیا ہے کہ اب حکیم الاسلام کی حیثیت سے تو ان کا انتقال ہوگا نہیں. (مطلب یہ تھا کہ غلط فہمیوں کے پھیل جانے کے بعد ان کی موت پر آنسو بہانے کے بجائے خوشیاں منائی جائیں گی) لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ سارے عالم اسلام نے کس طرح ان کی جدائی پر خون کے آنسو بہائے (شاید اتنے پہلے نہ بہائے جاتے) بلکہ وہ لوگ بھی رونے پر مجبور ہوئے جنھوں نے زندگی میں انہیں ان کا دل دکھا کر رلایا تھا اور جنازہ میں اتنا ہجوم ہوا کہ چشم فلک نے دیوبند میں کسی کے جنازہ کے ساتھ نہ دیکھا تھا حالانکہ وہاں ایک سے ایک بڑھ کر آسمان علم وتقویٰ کے آفتاب وماہتاب آسودۂ خواب ہیں.

افکار ونظریات رکھنے والے افراد پر مشتمل بورڈ کی صدارت کے لئے موصوف سے زیادہ موزوں تر اور کوئی شخصیت. پورے ہندوستان میں نہ مل سکی، چنانچہ وہی از روز اوّل تا آخر حیات. اس کے صدر رہے. (مرحوم کی اس خصوصیت کا خاص طور پر ذکر، ان کی وفات پر دیئے جانے والے بیان میں ہندوستان کے ایک عظیم مفکر نے کیا ہے)

آخر میں مرحوم کا وہ آخری مطبوعہ خط پیش کیا جا رہا ہے، جس کے حرف حرف سے سوزِ دروں دارالعلوم اور اسکے مسلک و جماعت کی حفاظت کے لئے بیقراری اور اس کی زبوں حالی پر دل فگاری ٹپک رہی ہے. معلوم ہوتا ہے کہ وہ خط روشنائی سے نہیں خونِ جگر سے لکھا گیا ہے.

ان باتوں کے ساتھ خط سے مرحوم پر لگائے جانے والے الزامات ضعفِ دماغی سے لے کر قوت فیصلہ سے محرومی اور دوسروں کے زیر اثر ہونے تک کی حقیقت بھی. اہلِ نظر پر آشکارا ہو جاتی ہے[1] اور سچ تو یہ ہے کہ اس مکتوب کا شائع ہو جانا ہی موصوف کی کرامت اور ان کی اخلاص کی روشن دلیل ہے. لیجئے تاریخی خط کے اہم حصے آخر میں ملاحظہ کر کے آج پھر اس پیکر اخلاص و مجسمۂ اخلاق کی یاد تازہ کر لیجئے.

دارالعلوم دیوبند صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ اللہ کی امانت ہے، آج کے لادینی دور میں دین کے ہر شعبہ میں امت کی راہنمائی اور عوام امت کی خدمت اس کا نصب العین رہا ہے، آج اس کا کیا حال ہے؟ اور ہم اللہ کے سامنے مسئول ہیں. یہ ہے وہ سوز

[1] عجیب بات ہے کہ جس زمانہ میں حضرت مہتمم صاحبؒ پر کبرسنی کی وجہ سے ضعف دماغی کا الزام زور وشور سے لگایا جارہا تھا اس زمانہ میں بھی موصوف کی جتنی تحریریں تقریریں بھی جو سامنے آئیں وہ سب کی سب ان کی حاضر دماغی، بلکہ عالی دماغی نیز حسبِ معمول. عالی ظرفی، توازن، متانت اور شرافت کا شاہکار تھیں. لیکن دوسری جانب کے، صغر سنوں کی لکھی گئی یا کہی جانے والی سب چیزیں بھی کیا ایسی ہی تھیں؟ اس کا فیصلہ کوئی بھی منصف مزاج. دونوں کو سامنے رکھ کر آج جب کہ فضا ساکن ہو چکی ہے بہتر طریقہ پر کر سکتا ہے کچھ یہی حال ان پر دوسرے لگائے گئے الزامات، غبن، خیانت وغیرہ کا بھی ہے جس کا ایک قرینہ یہ ہے کہ ان کے کرم فرما، ایڑی چوٹی کا زور لگا کر تھک گئے مگر دو سال قبضہ پر گذرنے کے بعد بھی ایک بھی ثابت نہ کر سکے.

جس سے میرا جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے...... نہ اپنی ذات کا غم ہے نہ اپنے عزیزوں کا بلکہ غم دارالعلوم کا ہے، جماعت جو ایک سو سولہ برس تک اوروں کے لئے ہدایت، تقویٰ، اور توحید کی علامت تھی. بکھر کر رہ گئی ہے. یہی میری بیماری ہے...... اس عالم بے چارگی اور بیماری میں آپ کا مکتوب گرامی ملا (واضح رہے کہ اس خط کے مخاطب ایک ایسے بزرگ ہیں جن کے اختلافات موصوف سے اس وقت آخری نقطہ تک پہنچ کر اذیت ناک بن گئے تھے) جسے میں اپنے لئے اور دارالعلوم کے لئے روحانی صحتمندی کی علامت سمجھتا ہوں...... معاملہ ہم میں سے کسی ذات کا نہیں...... بلکہ ہمارے اسلاف کی یادگار دارالعلوم کا ہے...... ہم سب اپنی خطاؤں کی معافی اللہ سے مانگیں اور کچھ مانگیں تو دعا مانگیں ہم سب کو توفیق نصیب ہو اور آخرت کی جوابدہی سے نجات ملے...... زندگی کی آخری آرزو اور آخری دعا یہ ہے کہ دارالعلوم کا پہلا رنگ جس میں روحانیت تھی، خلوص تھا اور سب ایک تھے اور فیصلے ایک رائے سے ہوتے تھے پھر بحال ہو جائے۔

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اللّٰہم اغفرلہ وارحمہ واکرم نزلہ وسبّع علیہ مشابیب رحمتک وادخلہ الجنۃ الفردوس.

❁❁❁

حضرت حکیم الاسلام کا دورِ اہتمام

حضرت مولانا سید عبدالرؤف صاحب عالی
پیشکار وقف دارالعلوم دیوبند

بعض شخصیتیں اتنی جامع صفات ہوتی ہیں کہ ان کے کارناموں اور کارگذاریوں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ زندگی کا کونسا پہلو ایسا ہے کہ جو اس شخصیت کیلئے وجہ امتیاز ہے اور جس کی چھاپ زندگی پر زیادہ سے زیادہ ہے. کہیں کہیں تو ایسا ہوتا ہے کہ مختلف جہات میں جو کارنامے وجود پذیر ہوتے ہیں وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف اور ممتاز ہوتے ہیں اس لئے ان کی نشاندہی بآسانی کی جاسکتی ہے اور ان کی حدود کی تعیین بھی ممکن ہوتی ہے لیکن بعض افراد ایسی گوناگوں صفات کے حامل اور اتنی مختلف النوع صلاحیتوں سے بہرہ یاب ہوتے ہیں جن کو ایک دوسرے سے الگ کرنا آسان نہیں ہوتا.

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی شخصیت بھی ان ناقابل فراموش افراد میں شامل ہے جو اپنی ذات سے ایک انجمن ہوتے ہیں اور جن کے فکر و عمل کے دائرے زندگی کے ہر گوشے تک پھیلے ہوئے محسوس ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ خود ان کی ذات معاشرتی اور جماعتی زندگی سے ایسی مربوط ہوتی ہے کہ جب کبھی ان کی ذاتی زندگی پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ان کی خدمات کا جائزہ لیا جاتا ہے تو وہ ایک لحاظ سے وقت کی تاریخ کا بھی ایک جائزہ ہوتا ہے وہ ایک فرد ہی کی تاریخ نہیں ہوتی بلکہ اس وقت کے معاشرہ اور جماعت کی تاریخ کا بھی بہت کچھ عکس اس میں آجاتا ہے.

اس وقت حکیم الاسلام کی شخصیت کے صرف ایک ہی پہلو پر نظر ڈالنا مقصود ہے جو یوں تو ایک خاص دائرہ کار سے متعلق ہے لیکن حقیقت میں وہ اس جامع الصفات

شخصیت کے اس گوشۂ خدمت کا تعارف ہے جس نے انہیں اپنی نسبتوں کے زیر سایہ وہ مرکزی، ملی، ملکی اور عالمی حیثیت بخشی جس کی بناء پر وہ دیوبندیت کے واحد ترجمان اور علم دین کے عظیم پاسبان بن گئے.

اس وقت ہم منصبِ اہتمام کی بات کر رہے ہیں، یہ وہ منصب ہے جو دارالعلوم دیوبند کے آغاز کے ساتھ متعارف ہوا اور جو اپنی اصطلاحی حیثیت میں اس سے قبل معروف نہ تھا اہتمام اور مہتمم کے الفاظ اسی وقت سے مدارس کی تاریخ کا جزو لاینفک بن گئے جس کی اولیت کا شرف بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کو حاصل ہے.

دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۸۶۷ء مطابق ۱۲۸۳ھ میں ہوا، اس کے قیام کے بعد مدرسہ کے تعارف اور چندہ کی اپیل پر مشتمل جو اشتہار مدرسہ کی جانب سے پہلی بار شائع ہوا، اس میں اس وقت کے بزرگوں حاجی عابد حسین صاحبؒ، حضرت مولانا نانوتویؒ، مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ، اور مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ جیسے متعدد بزرگوں کے نام کے ساتھ

"مہتممان مدرسۂ عربی دیوبند"

کی نسبت ظاہر کی گئی تھی ایسے اہل دل صاحب نسبت اور باعظمت بزرگوں سے اہتمام کی تاریخ وابستہ رہی ہے، پھر یہ منصب ان ہی حضرات کی سرپرستی اور نگرانی میں بتدریج ایک فرد میں مرکوز ہوتا چلا گیا. اولاً حاجی عابد حسین صاحب پھر مولانا رفیع الدین، منشی فضل حق صاحب، مولانا حافظ احمد صاحب جیسے پاکباز مہتممین سے منتقل ہوتا ہوا حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تک پہنچا اس کی تجویز سرپرستان مدرسہ میں سے مولانا عماد الدین شیرکوٹی نے رکھی تھی جس کی تائید مولانا عبد الحق پر قاضوی نے کی اور اس کی تصویب حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے فرمائی.

منصبِ اہتمام پر فائز ہونے والے یہ حضرات اہتمام دارالعلوم کو اپنی فراست ایمانی، حسنِ تدبیر، حکمتِ عملی اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ چلاتے رہے، یہ بلاشبہ اکابر دیوبند کی صف اول سے تعلق رکھتے تھے. ان میں سے بعض کی قوتِ علمی بڑھی ہوئی تھی

اور بعض کی صلاحیت عمل کو فوقیت حاصل تھی اور بعض علم و عمل کے اس مقام پر فائز تھے کہ ان کا علم عمل سے اور عمل علم سے بازی لے جاتا دکھائی دیتا ہے.

حلقۂ دیوبند کی فخر روزگار اور اساطین علم و فضل شخصیتوں کا ذکر ایک مستقل موضوع گفتگو ہے، یہاں صرف اہتمام دارالعلوم کے تعلق سے ایک ایسی شخصیت کا تذکرہ پیش نظر ہے، جس کا دورِ اہتمام اپنی نوعیت، اپنے اثرات، اپنی اہمیت، اپنی مدت اور اپنی تاریخ کے لحاظ سے دارالعلوم کے سابقہ دورِ اہتمام سے بہت نمایاں اور منفرد ہے اس دور کی تاریخ دارالعلوم کی نصف صدی سے زیادہ طویل عرصہ پر حاوی ہے. دوسرے لفظوں میں دارالعلوم کی نصف تاریخ منصب اہتمام پر فائز ہونے والی متعدد شخصیتوں سے متعلق ہے اور نصف آخر کی تاریخ حکیم الاسلامؒ کی خدمات جلیلہ پر مشتمل ہے.

اس مختصر سے مضمون میں اہتمام کی پوری تاریخ کا جائزہ لینے کی گنجائش نہیں ہے. ورنہ اپنے موضوع کے لحاظ سے یہ اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی مستقل تاریخ مرتب کی جائے اور کوئی حقیقت آگاہ مستقیم المزاج اور حق پسند اہل قلم اس موضوع پر داد تحقیق دے اس کی ضرورت خاص طور پر یوں بھی محسوس ہوتی ہے کہ ادھر کچھ عرصہ سے ماضی قریب و حال کے عہد اہتمام کو نشانہ بنایا جاتا رہا ہے اور ایک مخصوص زاویے سے اس پر کچھ اس انداز میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی جاتی رہی کہ دیکھنے والے ان ہی رنگین روشنیوں کے پردے میں اس کا مطالعہ کرسکیں اور ان کا حاصل مطالعہ اسی تنگ دائرہ میں محدود ہو جس کو بعض اہل قلم حقائق کے برخلاف دیکھنا اور دکھانا چاہتے ہیں.

اس میں کوئی شک نہیں کہ اہتمام دارالعلوم کا منصب اپنے آغاز ہی سے بہت سی نزاکتوں کا حامل رہا ہے اور اس کی تاریخ میں متعدد اتار چڑھاؤ آتے رہے دیوبندیت اپنے ظاہری وجود میں ایک مدرسہ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی مگر حقیقتاً وہ ایک فکر اور مسلک ہے جس کی اشاعت و بقاء کے لئے کسی لائحہ عمل اور نقشۂ کار کی تشکیل لازمی تھی لیکن اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ دیوبند کسی نئے مسلک اور نئے فکر کا عنوان ہے اس کو

سیدھے سادے لفظوں میں ہم یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ دیوبندیت برصغیر کی ہزار سالہ اسلامی تاریخ میں پھیلے ہوئے علم و عمل، شریعت و طریقت، تذکیر و تبلیغ اور اصلاح و دعوت کے ان مختلف حلقوں کو قرآن و سنت اور جمہور امت کے دائرے میں مربوط اور شیرازہ بند کرنے کا نام ہے. جو اپنے اپنے وقت میں حالات کے تقاضوں اور ماحول کی رعایت سے الگ الگ اور جداگانہ انداز میں خدمت دین و ملت میں مصروف رہے پھر انقلاباتِ زمانہ اور اختلاف احوال نے انہیں ایک دوسرے سے بعید کر دیا تھا تاہم جن کے بارے میں یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اخلاص و یقین اور دردمندی ملت کے جذبات سے خالی تھے.

اس ذیل میں دیوبندیت کا بنیادی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے مختلف الجہات خدمات کو کتاب و سنت کی معین کردہ حدود اور اہل علم و تحقیق اکابر کے نقوش عمل کی روشنی میں منضبط اور متوازن بنا کر پیش کیا، یہی وہ عظیم خدمت ہے جس نے دیوبند کو وہ مقام امتیاز و قبول عام عطا کیا جس کا اعتراف برصغیر سے لیکر وسطِ ایشیاء اور مشرق و مغرب تک تمام اسلامی ملکوں نے کیا ہے.

دیوبندیت جس سرچشمہ سے پھوٹی اور یہ فیض جس شکل میں ظاہر ہوا، اسی کا عنوان آغاز کار میں مدرسۂ عربی دیوبند تھا اور آج دارالعلوم دیوبند کے نام سے معرف و متعارف ہے.

دیوبند کے ابتدائی ۶۰ رسال مسلک دیوبند کے تعارف و تشکیل میں صرف ہوئے. یہی وہ دور ہے جس میں دیوبند نے وہ یگانۂ روزگار اہل علم وارباب فضل اصحاب رشد اور رجال کار پیدا کئے جن سے ہند و پاک کی گذشتہ ایک صدی کی تاریخ ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی برصغیر کے مسلمانوں کی زندگی پر ۱۸۵۷ء کے بعد سے دیوبند نے جو اثر ڈالا اور اس کو دین کا جو متوازن فکر اور معتدل مزاج بخشا وہ ایک طرف مدارس کے اس طویل سلسلہ کی شکل میں نظر آرہا ہے جو اس سرزمین کے قریہ قریہ تک پھیلا ہوا ہے.

دوسری طرف وہ جماعت تبلیغ کی اس عالم گیر دعوت واصلاح کی صورت میں دنیا کے سامنے ہے جو ہندوستان سے لے کر عالم اسلام اور یورپ وامریکہ تک بسنے والے عامۃ المسلمین کے دلوں تک دستک دے رہی ہے. پھر ملت کی معاشرتی اصلاح اور تطہیر عقائد کا ملک گیر کام جماعت دیوبند کے ہاتھوں انجام پایا اس کے ساتھ استقلال وطن کی ہر تحریک میں اور حصول آزادی کے ہر محاذ پر علماء دیوبند کی صف اول کے زعماء پیش پیش رہے. گویا زندگی کے ہر گوشے میں دیوبند کے فیض یافتہ نمایاں رہے. انھوں نے عزلت نشینی اور یکسوئی پر خدمت وجد وجہد کو ترجیح دی اور ملک وملت کی ہر ضرورت میں کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا.

دیوبند کے آخری ۶۰ رسال اس کی تعمیر وترقی اور استحکام وکمال کے ایام ہیں اور یہی دور وہ دور ہے جس کو ہم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا دورِ اہتمام کہہ سکتے ہیں.

ابتداءً میں آپ کو انتظامی امور سے طبعاً کوئی دلچسپی نہ تھی ذہن درس وتدریس اور تقریر وتحریر کی طرف مائل تھا. لیکن اکابر وقت کے اصرار پر اپنے ذاتی رجحان کے برخلاف اس منصب کو قبول کرنا پڑا مجلس شوریٰ نے اس سلسلہ میں جو تجویز منظور کی اس کے یہ الفاظ بنیادی اہمیت رکھتے ہیں.

''مولانا موصوف نوجوان، صالح، صاحب علم، عالی خاندان اور دارالعلوم کے ساتھ آبائی نسلاً بعد نسل سچی اور دلی ہمدردی رکھتے ہیں'' (تاریخ دارالعلوم ص ۲۷۹)

چنانچہ ۱۳۴۱ھ میں آپ کو نیابت اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی گئی اور ۱۳۴۸ھ کے وسط تک یہ منصب آپ کے پاس رہا. ۱۳۴۷ھ میں والد ماجد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کا وصال ہوگیا. پھر ۱۳۴۸ھ میں مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحب رحلت فرماگئے. جو حقیقتاً نظم دارالعلوم کے روح رواں تھے اس وقت یہ منصب اہتمام اکابر وقت نے حکیم الاسلامؒ کو تفویض کیا اس طرح گویا ۱۳۴۸ھ سے ۱۴۰۳ھ تک

تقریباً ۵۵ رسال منصب اہتمام اور ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۷ھ تک تقریباً سات سال آپ نیابت اہتمام پر فائز رہے یعنی دارالعلوم کی زمام کار اور نظم و انصرام ۶۲ رسال تک آپ سے وابستہ رہا یہ وہ دور تھا جسے ملک وملت اور خود دارالعلوم کے لئے انقلابات وحوادث کا دور کہا جا سکتا ہے. لیکن خطرات اور ہنگاموں کی اسی آغوش میں دارالعلوم نے برصغیر کے مسلمانوں کے تعلیمی، دینی اور ملی مرکز ثقل کی حیثیت اختیار کرلی، جس کے نتیجہ میں اسے عالمی پیمانے پر تعارف و مقبولیت کا وہ مقام حاصل ہوا، جس میں کم از کم دنیائے عرب سے باہر کا کوئی اسلامی ادارہ اس کا شریک وسہیم نہیں ہوسکا.

حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کے وہ پہلے مہتمم اور ترجمان تھے جنھوں نے دارالعلوم کے لئے بیرونی اسفار کئے افغانستان اور مشرق وسطیٰ کے علاوہ افریقہ، برما، یورپ اور امریکہ کے آپ نے متعدد دعوتی اور تبلیغی دورے کئے آپ کے دل پذیر مواعظ اور مقبول عام تقاریر کی بدولت جہاں آپ کا حلقۂ ارادت وسیع سے وسیع تر ہوا وہیں دنیائے اسلام میں دارالعلوم کی پذیرائی اور عظمت نے اس کو ایک ممتاز اور منفرد مقام بخشا.

حکیم الاسلامؒ ہی کے دور میں دارالعلوم کی ظاہری اور باطنی علمی اور روحانی ترقیات انتہائی بلندیوں تک جا پہنچیں. دارالعلوم کی شہرت اس کے دائرۂ عمل اور فیض عام میں غیر معمولی وسعت وگہرائی پیدائی ہوئی اس کے علاوہ جماعت دیوبند نے وہ عبقری افراد پیدا کئے جو نابغۂ روزگار کہے جا سکتے ہیں. اس کے بے مثال اساتذہ صاحب نسبت وارشاد مشائخ اور باکمال ارباب فن کے اجتماع نے دارالعلوم کو دینی علوم کی کہکشاں بنادیا علم نبوی کی یہی وہ فصل بہار تھی. جس نے ۱۹۸۰ء میں اجلاس صد سالہ کی شکل میں ملت کی نگاہوں کو تروتازگی بخشی اور اسلام کے ابر رحمت سے سینچے ہوئے اس چمن کے پھل ملت کے سامنے رکھ دیئے.

حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور اہتمام کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے اگر نظر ڈالی جائے تو اس کو ہم اس ترتیب سے شروع کر سکتے ہیں کہ اولاً دارالعلوم کے آمد وصرف کو

لیا جائے تو بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ سے پہلے دارالعلومؒ کا مالیہ کتنا تھا.اور آپ نے اس کو کہاں پہنچایا.

حکیم الاسلامؒ سے پہلے دارالعلوم کا سالانہ آمد وصرف:

۱۳۴۸ھ سے پہلے جو حضرت حکیم الاسلام کے اہتمام کا پہلا سال ہے دارالعلوم کی سالانہ آمدنی ۵۰۲۶۵/روپے تھی.اور صرفہ ۴۷۸۸۴/روپے تھا.حکیم الاسلام کے عہد میں بتدریج آمد وصرف میں اضافہ ہوتا رہا جب کہ حضرت کے عہد میں آخری بجٹ ۵۰/لاکھ روپے کے قریب جا پہنچا جو گویا اس ۵۵/سال میں دوسو فیصد کے قریب اضافہ تھا اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ہے کہ دارالعلوم کی دوسری اہم شخصیات کے اثرات بھی دارالعلوم کی شہرت اور اس کے مالیہ میں کسی حد تک اضافہ کا باعث بنے لیکن بنیادی طور پر حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات ہی وہ واحد شخصیت تھی جس کی بدولت دارالعلوم کے مالیہ میں گرانقدر اعانتیں اور اس کے تعمیری وترقی کے واسطے بڑی بڑی رقوم فراہم ہوئیں اس میں ایک بڑی اعانت تعمیری مد میں وہ ہے جو حکیم اسلامؒ کے سفر افغانستان کے دوران حاصل ہوئی اور جواب ظاہر شاہ والی افغانستان کی نسبت سے باب الظاہر کی شکل میں دارالعلوم کی عمارت کا قابل دید حصہ ہے.

دارالعلوم اپنے دائرہ کار کی وسعت کے لحاظ سے مختلف شعبہ جات پر مشتمل ہے جب کہ ابتداء میں چند گنے چنے شعبے تھے مگر حضرت حکیم الاسلامؒ کے عہد میں شعبہ جات کی تعداد ۲۰/سے بھی متجاوز ہوگئی اور جو شعبے پہلے سے قائم تھے ان کا دائرہ عمل بھی کئی گنا بڑھ گیا.

طب کی تعلیم یہ اگرچہ پہلے سے دارالعلوم کے نصاب کا ایک ضمیمہ تھی مگر اس کی باضابطہ اور مستقل نصابی تعلیم حکیم الاسلام کے دور میں شروع ہوئی، حتیٰ کہ جامعہ طبیہ کے نام سے دارالعلوم کا ایک مستقل ذیلی ادارہ وجود میں آیا، جس کے فیضیافتہ فضلا اور اطبا ملک کے طول وعرض میں مصروف خدمت ہیں، حضرتؒ

کی توجہ سے اور آپ ہی کے دور میں اس کی ایک مستقل دلکش جداگانہ عمارت تیار ہوئی جو عظمت ہسپتال کے نام سے معروف ہے۔

تجوید اس کا آغاز اگرچہ استاذ القراء حضرت مولانا عبدالوحید صاحب الٰہ آبادی کے زمانہ سے ہو چکا تھا اور حکیم الاسلام ان کے اولین تلامذہ میں سے تھے، مگر ۱۳۵۱ھ سے تجوید کی مشق فضلائے دارالعلوم کی سند کے لئے لازم قرار دی گئی. پھر بتدریج شعبۂ تجوید وسیع تر ہو گیا. حضرتؒ کے عہد میں اس شعبہ کے آخری مقبول وممتاز صدر القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم تھے.

دارالافتاء اس کا قیام عملی طور پر ۱۲۹۲ھ میں ہو چکا تھا لیکن باقاعدہ ایک شعبے کی حیثیت ۱۳۱۰ھ میں اس نے اختیار کی اور دارالعلوم کی ابتدائی عمارتوں میں مفتیان کرام یہ خدمت انجام دیتے رہے، البتہ اس کی مستقل عمارت حکیم الاسلامؒ کے دور میں تیار ہوئی ۱۳۸۶ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، یوں تو فتاویٰ دارالعلوم کے مجموعہ کی اشاعت اس کے عظیم المرتبت مفتیان کرام کے عہد میں ابتداءً ہو چکی تھی جس کی ترتیب ہندو پاک کے مسلمہ مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے فرمائی لیکن پھر حضرت حکیم الاسلام کے ایماء پر دارالعلوم کے اولین اور عظیم القدر مفتیان کرام کے ہزار ہا فتاویٰ کی ترتیب وانتخاب کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی اور گویا دارالعلوم کے ایک صدی کے فتاویٰ کو مرتب اور مبوب کر کے شائع کیا گیا جس کو حواشی اور حوالہ سے مزین کرنے کی خدمت معروف اہل قلم مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی نے انجام دی جس کی اب تک ایک درجن سے زائد جلدیں شائع ہو چکی ہیں.

کتب خانہ پہلے کتب خانہ ایک بڑے ہال اور دو ایک ملحقہ کمروں پر مشتمل تھا، حضرت حکیم الاسلامؒ کے عہد میں دو بڑے ہال کمرے تالیفات علماء دیوبند کے لئے ایک مستقل ہال اور مزید کمرے تعمیر کئے گئے اس طرح کتب خانہ دارالعلوم کی عظیم و پرشکوہ عمارت وجود میں آئی کتبخانہ میں موجودہ ذخیرۂ مخطوطات کا کچھ

اجمالی تعارف مؤلف تاریخ دارالعلوم اولاً سید محبوب رضوی مرحوم کے قلم سے سامنے آیا بعد میں راقم السطور نے کچھ خدمت اس ذیل میں انجام دی اور آخر میں مولانا ظفیر الدین صاحب مفتاحی نے اس پر قدرے تفصیلی کام کیا جو شائع ہو چکا ہے۔

رسائل و جرائد دارالعلوم کے احوال و کارگذاریوں کے تعارف کے لئے پہلے سے کوئی شعبہ قائم نہ تھا تاہم مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کی سرپرستی میں ۱۳۱۳ھ میں رسالہ القاسم اور پھر ماہنامہ الرشید جاری کیا گیا جو ۱۳۴۱ھ تک جاری رہا جن میں دارالعلوم کے ممتاز اہل قلم، فضلاء اساتذہ کے علمی اور تبلیغی مضامین شائع ہوتے تھے۔ پھر ۱۳۶۰ھ میں حکیم الاسلام کی زیر سرپرستی رسالہ دارالعلوم جاری کیا گیا، جس میں علمی دعوتی اور اصلاحی مضامین کے علاوہ کوائف دارالعلوم کا بھی ایک مستقل عنوان قائم کیا گیا بعد میں عربی ماہنامہ دعوۃ الحق کے نام سے اور پھر پندرہ روزہ اخبار الداعی جاری ہوا جس سے دارالعلوم کا ممالک عربیہ کے علمی اور صحافتی حلقوں میں تعارف مقصود تھا۔

شعبۂ تبلیغ اصلاح و دعوت کا کام اگرچہ ہر فاضل دیوبند کے مقاصد حیات میں شروع سے شامل رہا مگر ۱۳۵۲ھ سے دارالعلوم میں اسے باقاعدہ شعبے کی حیثیت دی گئی، جس کے تحت مبلغین و مقرر حضرات ملک کے طول و عرض میں اس فریضہ کو مسلسل انجام دینے لگے۔

شعبۂ تنظیم و ترقی مدارس کے معمول کے مطابق دارالعلوم کے لئے تحصیل چندہ کا کام تو پہلے سے ہوتا رہا مگر اس کے لئے ایک مستقل شعبہ کی تشکیل حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کے عہد میں کی گئی، چنانچہ سفراء کی تعداد حضرتؒ کے دور میں ہی دو درجن کے قریب ہو چکی تھی، پھر اس شعبہ کے تحت طلباء دارالعلوم کے لئے گیہوں کی فراہمی کا کام غلہ اسکیم کے نام سے شروع کیا گیا، جس میں دارالعلوم کے ممتاز اکابر کی بھرپور تائید حاصل ہوئی اور غلہ اسکیم کا یہ سلسلہ دارالعلوم کے لئے بڑا اسود

مند اور معاون ثابت ہوا.

شعبۂ دار الصنائع یہ شعبہ بھی حکیم الاسلامؒ کے دورِ اہتمام میں قائم ہوا. جس میں بائنڈنگ، ٹیلرنگ، چرم دوزی، بیگ اور ہولڈال کی تیاری اور ٹریننگ کا کام بڑے پیمانے پر شروع کیا گیا جس سے طلباء کی ایک بڑی تعداد نے فائدہ اٹھایا.

شعبۂ خوشخطی یہ فن اپنی جگہ جو اہمیت رکھتا ہے وہ ظاہر ہے مگر مدارس میں عام طور پر اس کی اہمیت محسوس نہیں کی جاتی حضرت حکیم الاسلامؒ نے اس شعبہ کی اہمیت کو محسوس کیا اور آپ کی توجہ و تجویز کے تحت شعبۂ خوشخطی ملک کے نامور اور مسلّمہ خطاط مولانا اشتیاق احمد صاحبؒ کی سرپرستی میں قائم کیا گیا اور آج اس شعبہ کے فیضیافتہ فضلائے دار العلوم ملک کے انگنت جرائد و رسائل میں برسرِ معاش ہیں.

شعبۂ تعمیرات دار العلوم کی موجودہ تعمیرات نودرہ اور احاطۂ مولسری بالکل ابتدائی تعمیریں ہیں باقی عمارتوں میں مسجد دار العلوم کتب خانہ کا قدیم حصہ، تحتانی، دار الحدیث، درجۂ فارسی، احاطۂ دفتر اہتمام اور احاطۂ باغ نامکمل حالت میں تھیں، جن کی تکمیل حکیم الاسلامؒ کے دور میں ہوئی ان کے علاوہ دارِ جدید، دار الحدیث فوقانی، دار التفسیر، دار الافتاء، احاطۂ مطبخ، افریقی منزل قدیم و جدید، جامع طبیہ مہمان خانہ، دار المدرسین، دار العلوم پریس اور رواق خالد کا ابتدائی حصہ اور دار العلوم کی تاریخ کا نقطۂ آغاز مسجد چھتہ کی تزئین و تجدید یہ سب عمارتیں حکیم الاسلامؒ ہی کے زمانے میں تیار ہوئیں، دار العلوم کی موجودہ شاندار عمارات کا تقریباً دو تہائی حصہ ہمیشہ حکیم الاسلام کے تعمیری عہد کی یاد دلاتا رہے گا.

مطبخ ابتداءً دینی مدارس میں پڑھنے والے طلباء کے لئے یکجائی طور پر کھانا تیار ہونے اور تقسیم کرنے کا نظم قائم نہیں تھا بلکہ مقامی طور پر ہمدردان و بہی خواہان مدارس میں سے باوسعت اور اہل ثروت حضرات کے یہاں ایک ایک دو، دو

طلبہ کے کھانے کا نظم ہوتا تھا اور طلبہ صبح و شام مقررہ مکانات سے جا کر اپنے کھانے حاصل کر لیتے تھے. چنانچہ دارالعلوم کی بالکل ابتدائی رودادوں میں دیوبند کے ان حضرات کا مستقل نام شائع ہوتا رہتا تھا، جو اپنے یہاں سے طلبہ کو کھانے دیتے تھے، بعد میں ۱۳۲۸ھ طلبہ کی کثرت اور اجتماع کی وجہ سے مطبخ کا مستقل شعبہ قائم ہوا، پھر بتدریج طلبہ کی زیادتی کی بناء پر اس شعبہ میں وسعت ہوتی چلی گئی اور پھر پڑھنے والے طلبہ کی کثیر تعداد مطبخ ہی کے ذریعہ دونوں وقت کے کھانے سے بہرہ اندوز ہونے لگی، جبکہ امدادی اور مستحق طلبہ کے ساتھ ساتھ کچھ ذی حیثیت اور مستطیع لڑکے مطبخ سے قیمتاً کھانا حاصل کرتے. حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور میں مطبخ سے کھانا لینے والے طلباء کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ پہنچ چکی تھی، جس کے کھانے کا معیار اوسط درجہ کا ہوتا ایک وقت گوشت اور ایک وقت مختلف دالیں اور کبھی کبھی چاول طلبہ کو دیئے جاتے یہ کام بڑی خوش اسلوبی اور نظم کے ساتھ جاری رہا.

شعبۂ اوقاف

دارالعلوم کا آغاز ہی وقف زمینوں سے ہوا، اگرچہ تعلیمی سلسلہ مسجد چھتہ میں شروع ہوا تھا، مگر دارالعلوم کی عمارتوں کی تعمیر عمومی طور پر موقوفہ زمینوں پر ہوئی، پھر بتدریج دارالعلوم کے لئے مقامی طور پر اور ملک کے مختلف حصوں میں اہل خیر حضرات نے جائیدادیں بڑی تعداد میں وقف کیں، جس میں صحرائی اور سکنائی دونوں طرح کی جائیدادیں شامل ہیں، موقوفہ جائیدادوں کی آمدنی سے نفع اندوز ہونے کے لئے شعبۂ اوقاف کا قیام عمل میں آیا، جو مکانات کے کرائے بھی وصول کرتا اور زرعی زمینوں کی پیداوار سے بھی دارالعلوم کا جو مفاد واجب الوصول ہوتا اس کو بھی حاصل کرتا. اس شعبہ نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے عہد میں بڑی حیثیت اختیار کر لی اور اس کے نظم کو شعبہ محاسبی سے الگ کر کے ایک مستقل دفتر کے ماتحت کر دیا گیا. اس ذیل میں اس بات کی نشاندہی تاریخ کا بھی تقاضہ ہے اور دیانت واخلاق کا بھی کہ جس شعبہ کی بنیاد پر دارالعلوم کی عمارتیں آج کھڑی نظر آتی ہیں، اپنی کچھ قانونی

مجبوریوں اور ذہنی ژولیدگیوں کی بناء پر حکیم الاسلامؒ کے مدّ مقابل آنے والے بظاہر خداترس اور مدعیان زہد وتقویٰ اکابر وقت نے وقف کی اس بنیاد ہی کو ختم کردیا جس پر گویا دارالعلوم کی یہ پرشکوہ عمارت قائم ہے، برملا برسر عام اور روبروئے عدالت و اشگاف لفظوں میں یہ کہہ کر تاریخ دارالعلوم کو جھٹلا دیا گیا کہ دارالعلوم کی کوئی جائیداد وقف نہیں ہے اور نہ وقف سے اس کا کوئی تعلق ہے۔

بہر حال یہ حقیقت بطور ایک جملہ معترضہ درمیان میں آگئی جو واجب الاظہار تھی.

وائے گر پسِ امروز بود فردائے.

شعبۂ برقیات

دارالعلوم چونکہ رفتہ رفتہ ایک بڑے رقبہ اور وسیع وعریض عمارات کی شکل اختیار کرتا گیا اس لئے اس کے تحت دارالاقامہ، درسگاہوں شعبہ جات، دفاتر اور ضروریات کا دائرہ بھی پھیلتا چلا گیا اس ضمن میں صفائی حفظان صحت، آب رسانی، روشنی اور برقی پنکھوں کی تنصیب اور ان جملہ امور کی دیکھ بھال ایک اہم ذمہ داری تھی، اس شعبہ کا بھی مستقل قیام حضرت حکیم الاسلامؒ کے دور میں ہوا اور بتدریج اس شعبہ کی اہمیت اور ضرورت بڑھتی چلی گئی۔

شعبۂ نشر واشاعت

رسائل و جرائد کے علاوہ دارالعلوم کی علمی، تبلیغی اور اصلاحی خدمات کے تعارف کے لئے کچھ ہلکے پھلکے اور مختصر عوامی لٹریچر کی ضرورت محسوس کی گئی جس کے ذیل میں دیگر اکابر مدرسہ کے مشوروں اور تجویز کے تحت ابتداءً وقف کی ان مختلف تحریکات کے رُد میں جو علماء حق کے نزدیک مسلک جمہور سے مختلف اور اہل حق کی مشرب سے ہٹی ہوئی محسوس کی گئیں دارالعلوم کے اہل قلم اساتذہ اور اہل علم سے متعدد کتابچے اور پمفلٹ مرتب کرائے گئے، جنہیں شعبۂ نشر واشاعت نے شائع کیا اور ان کو عوام تک پہنچانے کی وقت کے ذرائع ابلاغ کے مطابق کوششیں کی گئیں لیکن اس وقتی اور ہنگامی خدمت کے علاوہ اس شعبہ نے بڑا کارنامہ سوانح قاسمی اور تاریخ دارالعلوم کی اشاعت کا انجام دیا پھر تیسری

اہم ترین خدمت فتاویٰ دارالعلوم کی اشاعت ہے ان کے علاوہ بھی درسیات کی متعدد کتابیں شائع کی گئیں جو نصاب دارالعلوم میں شامل ہیں۔

دارالاقامہ طلبہ کی اقامت گاہوں کے ساتھ ساتھ ان کے نظم و انصرام اور ان کی نگرانی کا مسئلہ بھی اہم ہے دارالعلوم میں ابتداءً طلباء کے قیام کی جو ممکنہ سہولتیں میسّر تھیں ان کی دیکھ بھال دفتر اہتمام ہی براہ راست کرتا تھا لیکن جوں جوں طلباء کی کثرت اور قیام گاہوں کی تعمیر ہوتی چلی گئی اس کی نگرانی اور نظم کے لئے بھی ایک مستقل دفتر کی ضرورت محسوس کی گئی آخرکار حضرت حکیم الاسلامؒ ہی کے عہد میں یہ بھی ایک باقاعدہ شعبہ کی شکل اختیار کر گیا اس میں سال بسال یا کچھ مزید وقفہ سے انتظامی صلاحیت اور تربیتی ذہن رکھنے والے مؤقر اساتذہ میں سے کچھ افراد کا انتخاب کیا جاتا اور انھیں دارالاقامہ کی یہ ذمہ داری سپرد کی جاتی۔

دفتری امور کے لئے ایک مستقل محرر کا تقرر کیا جاتا رہا اس شعبہ کے تحت حضرات اساتذہ مختلف احاطوں میں طلباء کی رہائش کا مناسب نظم کرتے اور طلباء کی نگرانی اور پرداخت کے فرائض انجام دیتے گاہ بگاہ مقررہ قیامگاہوں پر طلباء کی حاضری بھی لی جاتی اوقات نماز میں طلباء کی غیر حاضری کا نوٹس لیا جاتا بلاضرورت اور بلاجواز غیر تدریسی مصروفیات اور شہری ہنگاموں اور میلوں ٹھیلوں کی دلچسپی یا وقت گذاری پر سخت تنبیہ اور تادیبی کارروائی کی جاتی، اس طرح شعبۂ دارالاقامہ اپنی نوعیت میں یوں تو ایک معمولی سا شعبہ تصور کیا جاتا مگر عملاً وہ طلباء کی تربیت اور نگرانی کے سلسلہ میں دفتر اہتمام کا زبردست عملی معاون ثابت ہوا، اور اس کی رپورٹوں پر طلباء کے داخلے اور اخراج کی کارروائی بھی ہوتی رہی۔

دارالعلوم کے اقامت پذیر کثیر طلباء کی وجہ سے دارالاقامہ کی ذمہ داری برابر بڑھتی چلی گئی اور اس میں بالعموم درجۂ علیا کے اساتذہ کی خدمات حاصل کی جاتی رہیں۔

طلبۂ دارالعلوم دارالعلوم اپنے دورِ آغاز ہی سے شہرت پذیری کے جس مقام پر پہنچ گیا تھا اس کے ابتدائی سالوں ہی میں ہندوستان کے دور دراز علاقوں کے طلباء نیز افغانستان اور سمرقند و بخارہ تک کے طالب علم یہاں آنے لگے طلباء کی تعداد سال بسال بڑھتی چلی گئی حتیٰ کہ حکیم الاسلامؒ کے دور میں یہ تعداد دو ہزار تک جا پہنچی اگر تقسیم ہند کا حادثہ نہ پیش آتا تو بعد کے ۳۰/۳۵ سالوں میں یہ تعداد یقیناً دوگنی ہو جاتی جب کہ تقسیم ہند کے بعد اور بنگلہ دیش بننے کے بعد ان دونوں علاقوں میں علماء دیوبند نے بڑے بڑے مدارس قائم کئے جو حقیقتاً دارالعلوم ہی کی شاخیں کہلانے کے مستحق ہیں.

عملۂ دارالعلوم آپ کے عہد میں کارکنانِ دارالعلوم کی تعداد میں بھی بتدریج اضافہ ہوا، مدرسین و ملازمین کی تعداد ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں ۲۷۵ر کے قریب ہو چکی تھی، غرض دارالعلوم کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو وہ نظری ہو یا علمی، عملی ہو یا تعمیری، ایسا نہیں جس میں آپ کے دور میں کوئی اضافہ نہ ہوا ہو، اور کمیت و کیفیت کے اعتبار سے اس کی ترقی محسوس و مشاہد نہ ہوتا ہم طلباء کی اتنی بڑی تعداد، اساتذہ و کارکنان کے اتنے بڑے عملہ کے ساتھ حکیم الاسلامؒ کا تعلق اور برتاؤ شفقت و مروّت نرم خوئی اور خوش خلقی پر مبنی ہوتا، انتظامی امور اور دفتری احکامات کے لب ولہجہ میں بھی اس کی رعایت ملحوظ رہتی اور حضرتؒ کی ذات اور نسبت قاسمی کے احترام کے پیش نظر عظیم المرتبت اساتذہ اور وقت کے جلیل القدر اکابر بھی آپ کی پیشوائی میں چلنے اور آپ کی رائے کو بسر و چشم قبول کرنے میں کوئی تامل نہ کرتے. اور آپ کے حلم و بردباری، اعتدال پسندی اور میانہ روی ہی کے نتیجہ میں دارالعلوم تقسیم سے قبل کے سیاسی ہنگاموں میں اپنی حیثیت کو برقرار رکھ سکا.

اس آخری دور کو چھوڑ کر دارالعلوم کے انتظامی معاملات میں دخیل رہنے والی بڑی بڑی شخصیتیں آپ کو منصب اہتمام پر باقی رکھنے کے لئے مجبور رہیں، جب کہ

سیاسی اختلاف اور ذہنی بعد نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے بارے میں انھیں طرح طرح کی غلط فہمیوں اور غلط اندیشیوں میں مبتلا بھی کیا اور اس کے نتیجہ میں کچھ نچلی سطح کے لوگوں نے آپ کے خلاف کچھ منصوبے بھی تیار کئے مگر آپ کی مضبوط قوت ارادی اور مستقل مزاج شخصیت کے سامنے بڑے بڑے طوفان بگولوں کی طرح اٹھے اور آپ کے حلم وشفقت اور حسنِ تدبیر کی بدولت گرد کی طرح بیٹھ گئے۔

اجلاس صد سالہ

دارالعلوم دیوبند نے یوں تو اپنی عمر کے سوسال پورے کرنے سے پہلے جلسۂ دستار بندی کے عنوان سے متعدد بار اپنے فضلاء کو جمع کیا اور اکابر وقت اور اساتذۂ کبار کے ہاتھوں انھیں دستار فضیلت تقسیم کی اس ضمن میں سب سے پہلا اجتماع قیام دارالعلوم کے تقریباً ۷ رسال گذرنے کے بعد ۱۲۹۰ھ میں جامع مسجد دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں حضرت نانوتویؒ کے نامور شاگرد (شیخ الہندؒ) مولانا محمود الحسن اور ان کے ساتھ دیگر چار ممتاز فضلاء کی دستار بندی کی گئی، جو یقیناً دارالعلوم کے قابل فخر اولین طالب علم تھے، اور جنھوں نے اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر دارالعلوم کے فیض کو عام کیا اور اس کی شہرت کو دوام بخشا۔

اس کے بعد ۱۲۹۲ھ ۱۲۹۸ھ ۱۳۱۰ھ ۱۳۲۴ھ ۱۳۲۸ھ میں یہ اجلاس منعقد ہوئے۔ ۱۳۲۸ھ کا جلسۂ دستار بندی دارالعلوم کے دور اول کا عظیم الشان اجلاس تھا۔ جس میں اس وقت کے اعتبار سے دیوبند کی مختصر سی بستی میں باہر سے آنے والے افراد کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی۔ جس میں دور ونزدیک سے آنے والے علماء ورؤسا اعلیٰ عہدیدار دیہات کے کاشتکار اور معمولی مزدور تک جس جذبہ اور عقیدت کے ساتھ شریک ہوئے اس کا تصور آج پچاس سال گذرنے کے بعد بہ مشکل کیا جا سکتا ہے۔

وقت کے اکابر اور صلحاء کے اجتماع نے اس جلسہ کی فضاء کو جتنا پرتاثیر اور ایمان افروز بنادیا تھا اس کیفیت کا تذکرہ جلسہ میں شریک ہونے والے لوگ برسوں تک کرتے رہے۔

اس اجلاس کے بعد ملک میں قومی اور سیاسی حالات اور استقلال وطن کی عمومی

جد و جہد میں عام طور پر سب کی توجہات کو دوسرے مسائل و معاملات سے بڑے حد تک یکسو رہنے پر مجبور کر دیا تھا.

چنانچہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک اور آزادئ وطن کے بعد اکابر دارالعلوم نے جلسۂ دستار بندی کی ضرورت محسوس کی جب کہ اس سے قبل ہونے والے جلسۂ دستار بندی کو چالیس سال سے زائد کا عرصہ گذر چکا تھا، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ صدرالمدرسین نے اس ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور اس کی ابتدائی تیاریاں شروع کر دی گئیں تاہم مختلف وجوہ و اسباب کی بناء پر وہ اپنی رفتار سے آگے نہ بڑھ سکے اسی اثنا میں مولانا مدنیؒ کا سانحۂ وفات پیش آ گیا اور اس جلسہ کی تیاری کا کام مزید مؤخر ہوتا گیا بالآخر دارالعلوم کے ممبران شوریٰ نے مختلف مجالس میں ساتویں اجلاس دستار بندی کے سلسلہ میں کافی بحث و تمحیص اور گفتگو کے بعد اجلاس کے انعقاد کی تجویز پاس کی اور اجلاس صد سالہ کے عنوان سے اس کو منعقد کرنے کی بات طے کی گئی ایک مدت جدید کے بعد یہ اجلاس ہو رہا تھا. دارالعلوم کے ممتاز اکابر دنیا سے رخصت ہو چکے تھے. بزرگانِ وقت میں سے حضرت تھانویؒ، جیسا کوئی مرجع خاص و عوام اور منبع رشد و ہدایت موجود نہ تھا اگرچہ علمی اعتبار سے اور ملی سطح پر معروف و ممتاز حضرات کا ایک طبقہ ضرور موجود تھا، جس کی ہمنوائی اور تائید و تصویب دارالعلوم کو میسّر تھی، اور وقت کے لحاظ سے جن کے مخلصانہ اور گرانقدر مشورے دارالعلوم کے مسائل اور معاملات میں مفید و معاون ثابت ہوتے رہے، لیکن جماعت دیوبند کی سربراہی کی حیثیت سے کوئی ایسی جامع شخصیت کمیاب تھی، جو مختلف جہات، مصالح اور اعتبارات سے جماعت دیوبند کی ترجمان اور اس قافلۂ ولی اللہی اور کاروانِ قاسمی کا سرخیل قرار دی جا سکتی ہو، صرف حکیم الاسلامؒ کی ذات گرامی ہی ایک شخصیت ایسی تھی جو اس منصب کی مستحق کہی جا سکتی تھی، اور جس کی عزت و تکریم اور احترام و وقار اور تعظیم و اعتبار کا پیمانہ ہندوستان گیر نہیں بلکہ عالمگیر تھا

اور جو اپنی حسبی اور کسبی صلاحیتوں اور فضیلتوں کے ساتھ نسبی اعتبار سے بھی اس گلشن قاسمی کے ایسے پاسبان کہے جاسکتے تھے. جو ظاہری اور باطنی لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کے اس اجلاس صد سالہ کو اس کے شایان شان منعقد کرا سکے.

غرض یہ اجلاس بڑی تیاریوں اور بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد ہوا، جس کے لئے ابتدائی تیاریاں خانوادۂ قاسمی سے منسلک ایک فرد فرید اور معروف شخصیت مولانا حامد الانصاری غازی مرحوم کی سربراہی میں شروع ہوئیں اور جب مراحل کار کا دائرہ وسیع ہوا، اور اجلاس کی عملی تیاریاں سامنے آئیں، تب اگلے مہتم بالشان مراحل کی تکمیل کے سلسلہ میں حکیم الاسلامؒ کے صاحبزادے اور خلف اصغر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی استاذ حدیث وتفسیر دارالعلوم وقف دیوبند نے یہ ذمہ داریاں سنبھالیں اور ان کی ہوشمندی، حسنِ تدبیر سوجھ بوجھ اور مستعدی پر اعتماد کرتے ہوئے ذمہ دارانِ دارالعلوم نے انعقاد اجلاس کے جملہ امور ان ہی کے سپرد کردیئے اور کارکنان کی ایک ٹیم ان کے ساتھ مصروف کار رہی.

اس ضمن میں اساتذہ دارالعلوم نے بھی جان توڑ محنت کر کے اجلاس کے مصارف کے لئے ملک کے طول وعرض کے دورے کئے اور بڑی کامیابی کے ساتھ لوٹے اور اسی کے ساتھ ساتھ ادارے کے جملہ چھوٹے بڑے کارکن اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں جٹ گئے اور مفوضہ فرائض کی تکمیل جی جان سے کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اس کو اپنا مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دیا بالآخر حضرت حکیم الاسلامؒ کی سربراہی اور اکابر دارالعلوم کی زیر سرپرستی ادارے کے جملہ وابستگان کی محنت کا ثمرہ سامنے آیا اور اجلاس صد سالہ جس کرّ وفر، جس عظمت وشان کے ساتھ منعقد ہوا وہ تاریخ دارالعلوم کا ممتاز ومنفرد باب ہے.

اس اجلاس صد سالہ میں ہند وبیرون ہند سے ملت اسلامیہ کی نامور اور معروف شخصیتیں شریک ہوئیں. اور انھوں نے اس اجلاس میں دارالعلوم کی خدمات کو سنہرے

لفظوں میں خراج تحسین پیش کیا۔ ۳۰/۳۵/۴۰ لاکھ کے اس مجمع نے یہ ثابت کردیا کہ دارالعلوم دیوبند ملت اسلامیہ ہند کا واحد دینی، علمی اور ملی مرکز ہے، جو برصغیر کے تین مختلف جغرافیائی خطوں کے مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن ہے اور مستقبل میں ان کی امیدوں کا سرچشمہ بھی اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا نفسیاتی سہارا بھی، کیونکہ ہندوستان کی سرزمین آج کے جمہوری دور میں اکثریت کے عزائم و مقاصد ارادوں اور خواہشات کی بناء پر یہاں کی عظیم مسلم اقلیت کے واسطے ایک زبردست آزمائش گاہ بن چکی تھی۔

اس اجلاس نے ایک طرف کئی ہزار فضلائے دارالعلوم کو دستار فضیلت عطاء کی اور دوسری طرف یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ دارالعلوم کا یہ عروج و کمال جہاں دارالعلوم قائم کرنے والے اکابر کی دعاؤں کا ثمرہ ہے، وہیں حکیم الاسلامؒ کی ان ساٹھ سالہ تابناک خدمات کا حسن اعتراف بھی، جنھوں نے صحیح معنی میں مدرسہ عربیہ دیوبند کو ''دارالعلوم دیوبند'' کی حیثیت میں تبدیل کر کے اس قاسمی پودے کو شجر پر بہار بنا دیا۔ جس کے فیض سے سارا عالم سیراب ہو رہا ہے۔

اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم کا یہ عروج و کمال قانون فطرت کے تحت ایک دوسرے رخ سے بھی سامنے آیا کہ اس اجلاس کی عظمت و کامیابی اور مقبولیت و اثرانگیزی نے جہاں اس ایک گروہ کی نگاہوں میں کھٹک پیدا کر دی، جو دارالعلوم جیسے عظیم ملی ادارے کو اپنی سیاسی بازی کا دیر سے حدف بنانے کے لئے منتظر بیٹھا تھا تو دوسری طرف اسی نے ملک کے صاحب اقتدار طبقہ کی آنکھوں میں بھی چکا چوند پیدا کردی اور شاید اسے یہ وہم ستانے لگا کہ جس طرح ایک نحیف و نزار مٹھی بھر ہڈیاں رکھنے والی شخصیت کی آواز پر پورے ملک کے مسلمانوں نے لبیک کہا اور تقریباً ہر برّ اعظم سے اس اجلاس میں آنے والے وفود نے بھی تاثر دیا کہ یہ آواز نہ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کو بلکہ پورے برصغیر میں بسنے والی ملت اسلامیہ کو حتیٰ کہ عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں بسنے والے مسلمانوں کو بھی ایک چھوٹی سی بستی میں اس

طرح جمع کر سکتی ہے اور یہ اجتماع آئندہ کسی وقت شاید کچھ مفروضات کی بنا پر اس کے نزدیک تشویشناک بن سکتا ہے، حالانکہ یہ خالص مذہبی اور دینی تعلق سے آنے والوں کا اجتماع تھا اور اس طرح کا خیال یا نزاکت احساس کا نتیجہ ہوسکتا ہے یا شدید بدگمانی کا.

ان مختلف اسباب کی وجہ سے اجلاس صد سالہ ہی کے دوران ایسے گٹھ جوڑ وجود میں لائے گئے جو دارالعلوم کو اپنی ڈگر سے ہٹانے، اس کی مسلمہ حیثیت کو مجروح کرنے، اس کی مرکزیت میں رخنہ ڈالنے اور اس کے استحکام وترقی کی راہیں بند کرنے میں معاون بن سکیں. اس طرح کی سازشیں اس ہوشیاری اور اس پرفریب انداز سے کی گئیں کہ دارالعلوم کے نظم وانصرام سے متعلق اہم افراد کو ذہنی اور فکری اعتبار سے بڑی حد تک متاثر اور مفلوج کر دیا گیا اور ایسی ایسی شخصیتیں جن کے نام اور کام کو گونا گوں اسباب کی بنا پر معتبر تصور کیے جاتے تھے اور جن کی شخصیتوں کو صاحبِ اعتبار خیال کیا جا رہا تھا وہ بھی بڑی حد تک اس فریب دہی کا شکار ہوگئیں اور اپنی سادہ لوحی یا اپنے حاشیہ نشینوں کی وسوسہ اندازیوں کی بدولت حقائق کی تہہ تک پہنچنے کی بجائے پیدا کردہ غلط فہمیوں بدگمانیوں اور تلبیس میں مبتلا ہوگئیں نیز اخباری اور صحافتی پروپیگنڈے سے اچھے اچھے افراد غلط اندیشوں اور بدگمانیوں میں گھر گئے حتیٰ کہ نزاع وشقاق کی وہ جنگ برپا ہوئی جس کی وجہ سے دیوبند کا پورا طبقہ ایسے اندھے فتنہ سے دوچار ہوگیا جس میں گویا احادیث میں پیش آمدہ پیشین گوئیوں کے مطابق طعن وتشنیع، یادہ گوئی، الزام تراشی کے تیر اس طرح چلائے گئے کہ بعض اوقات یہ تمیز کرنا مشکل ہوگیا کہ تیر چلانے والا حقیقتاً کون ہے اور جس نشانہ پر تیر چلایا گیا ہے وہ کون ہے؟

المناک بات یہ ہے کہ جدال واختلاف کی راہ پر چلنے والے اتنے بڑے ملی ادارے کے اندر طبعی طور پر کچھ جزوی اور انفرادی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کے نقصانات کا پروپیگنڈہ کرنے میں اتنے شدّ ومد سے مصروف ہوئے کہ اس سامنے کی حقیقت کو نظر انداز کر دیا گیا کہ یہ شخصی، وقتی اور جزوی کمزوریاں اگر ہیں تو ان کے

تدارک اور تلافی کی صورتیں منصب اہتمام کو مطعون کرنے اور ملزم قرار دینے سے پیدا نہیں ہوسکتیں، بلکہ ان کا دوسرا منفی نتیجہ جو برآمد ہوسکتا تھا اور جوان کے سامنے بھی آ گیا اور دنیا نے بھی اسے دیکھ لیا ان معترضین ومخالفین کے طرز عمل سے ان کی مزعومہ خرابیاں یا مفروضہ کوتاہیاں اگر کچھ دور بھی ہوئیں تو اس کی وہ قیمت ادا کرنی پڑی جس کو چکانے کے لئے جماعت دیوبند کی ایک سوسالہ ساکھ دیکر بھی پیچھا نہیں چھٹا اور دیوبند کو اپنے اس مقام اور ساکھ کو حاصل کرنے میں شاید اگلی ایک صدی صرف ہوجائے۔

اسی صورت حال کے نتیجہ میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے دیوبند کی قدیم روایات کی برقراری اور اکابر دیوبند کے مسلک کے تحفظ اور دارالعلوم کی خالص دینی تعلیم کے بقاء کی خاطر سابقہ قاسمی اور رشیدی نسبتوں کے ساتھ دارالعلوم کے نظم تعلیم کو جامع مسجد دیوبند میں قدیم اساتذہ کے تعاون کے ساتھ منتقل فرمایا اور دارالعلوم کی ۱۰۰ ارسالہ روایات کو اور اس کے مسلک کو جب عدالتی بیانات سے مجروح ومفلوج کردینے کی پالیسی ان متصرفین دارالعلوم کی طرف سے سامنے آئی تو حکیم الاسلامؒ نے دارالعلوم کی اصل مقاصد کے تحفظ کی خاطر دارالعلوم کے ساتھ لفظ ''وقف'' کا اضافہ فرمایا کیونکہ ان علامتی بیانات میں صراحتاً دارالعلوم اور اس کی کسی جائداد کے وقف ہونے کا انکار کیا گیا تھا اور دارالعلوم کو ایک خالص دینی تعلیمی ادارہ تسلیم کرنے کی بجائے اسے برملا ایک عمومی تعلیمی ادارہ قرار دیا گیا، جس میں کسی مخصوص مذہبی تعلیم کا لازماً انکار تھا، لہٰذا ان تینوں باتوں نے وابستگان دارالعلوم کو نہ صرف حیرت میں ڈال دیا بلکہ اس طرح کے بیانات پر دستخط کرنے والی شخصیات کے بارے میں بہت سے لوگ ششدر رہ گئے اور انھیں زعمائے دین کے بارے میں اپنے تصوراتِ عقیدت واحترام پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہونے لگی، جو بلاشبہ ایک تکلیف دہ اور کربناک صورتِ حال تھی اگر وقف دارالعلوم کے عنوان سے حکیم الاسلامؒ کے زیرِ سیادت دارالعلوم کے یہ بقیۃ السلف اکابر کے قائم کردہ اس نصاب تعلیم اور نظام کار کو نہ سنبھالتے تو شاید یہ المیہ اور بھی گہرا اور شدید ہوجاتا۔ اور دارالعلوم کی حقیقی

تاریخ پر وہ دبیز اور سیاہ پردہ پڑ جاتا جس کو ہٹانے کے لئے بڑے دل گردہ کی ضرورت تھی، جب کہ کچھ وقت گذرنے کے بعد کسی بندۂ خدا کا اس جرأت و ہمت کے ساتھ کھڑا ہو جانا، آسان نہ تھا جس سے مستقبل میں آنے والوں پر حقائق منکشف ہو سکتے اور وہ تاریخ کے پس پردہ اپنا کھیل کھیلنے والے چہروں کو بے نقاب کر سکتا. یہ ہمت و جرأت حکیم الاسلامؒ نے دکھائی اور ان کی نیم جاں اور خستہ جگر رفقاء کی حوصلہ مندی اور استقامت کا نتیجہ ہے کہ آج وقف دارالعلوم کے ہاتھ میں قاسمی پرچم ہے. اس کی پیشانی رشیدی نسبت سے تابناک ہے. ہند و بیرون ہند اس کا وقار اور علمی و دینی اداروں میں اس کی ساکھ اور اس کے فضلا کا اعتبار ہے.

حضرت حکیم الاسلام کی خطابت اور عوام و خواص میں مقبولیت نے دارالعلوم کی شہرت میں بے پناہ اضافہ کیا. نیز موصوف کو ملت کے ہر طبقے کا جو بھر پور اعتماد حاصل تھا وہ مسلم پرسنل لا بورڈ کی تشکیل کے موقع پر بمبئی کے تاریخی اجلاس کے اس فیصلے سے ظاہر ہے جب مختلف مکاتب فکر کے نمایندوں نے بالاتفاق حضرت والا کو بورڈ کی مستقل صدارت تفویض کی اور جس پر آپ تاحیات فائز رہے.

اگر چہ دیوبند کی دوسری ملک گیر معروف شخصیات بھی اپنے بھاری بھرکم وجود کے اعتبار سے دارالعلوم کے لئے مایۂ افتخار اور سرمایۂ اعتبار تھیں اور ان کی نسبت سے بھی دارالعلوم کے حلقۂ اثر میں ناقابل انکار اضافہ ہوا، مگر حکیم الاسلام کو قدرت نے جو اوصاف وخصوصیات ودیعت کی تھیں ان کا بحیثیت مجموعی تقابلی جائزہ لیا جائے تو تنہا ان کی شخصی خدمات دوسرے بہت سے حضرات کی خدمات کے مقابلہ میں زیادہ وزنی اور ہمہ گیر معلوم ہوں گی. ان کی تقریروں ان کے دوروں اور تحریروں سے دارالعلوم کی شہرت وعظمت اثر انگیزی اور مقبولیت میں زبردست اضافہ ہوا. ان کے عہد میں دارالعلوم کو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوئی. ان کے اسفار نے دارالعلوم کو مسلمانوں کے ہر طبقے میں اس درجہ متعارف کرادیا کہ دیوبند اور حکیم الاسلام ایک ہی تصویر کے دو

رخ قرار دیئے جانے لگے. جب کہ اس حقیقت کو بھی تاریخی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس دور میں دارالعلوم سے وابستہ مسلمہ شخصیات نے جس یک جہتی اور یکسوئی کے ساتھ دارالعلوم کی خدمات انجام دیں اور ان کی ذات سے دارالعلوم کو علمی دینی اصلاحی اور سیاسی لحاظ سے جو مفاد حاصل ہوا، وہ حکیم الاسلام کی خدمات کے دوش بدوش اپنا ایک وزن رکھتا ہے. اور دارالعلوم کی تاریخ ان عظیم شخصیات کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی، تاہم بحیثیت مجموعی دارالعلوم کو ایک شخصیت نے جتنا کچھ دیا اور اسے بنایا اور سنوارا اس خوش بختی میں حکیم الاسلام کے عہد میں کوئی ہم عصر شخصیت شریک سہیم نظر نہیں آتی.

مسلکِ دیوبند

دارالعلوم دیوبند اپنے آغاز وجود سے ایک تعلیمی ادارہ کی شکل میں اور بعد میں اصلاحی تحریک کے طور پر متعارف ہوا، پھر ملت کے بعض حلقوں نے دیوبند کو میلاد، قوالی اور فاتحہ وغیرہ جیسی عوامی رسوم کو بدعت قرار دینے کی وجہ سے متشدد اور سخت گیر قرار دیا تاہم دیوبند جس فکر و مسلک کا صحیح معنی میں علم بردار اور جس ولی اللٰہی ذہن کے تحت وجود پذیر ہوا تھا اس کے خدوخال صحیح طور پر اور جامع انداز میں پہلی بار حکیم الاسلام کے قلم سے سامنے آئے.

° دیوبند اپنے فکر، اپنے نظریات اپنے اہداف و مقاصد اور اپنے حدود کار اپنے مزاج اپنے انفرادی اجتماعی شعور کی روشنی میں کیا ہے، اس کی اتنی تفصیل اور وضاحت دیوبند کے کسی نمائندے اور ترجمان کے قلم سے پہلی بار مدلل اور مرتب طور پر پیش کی گئی. یہ اگرچہ ابتداءً بطور مسودہ کے اہل علم کے سامنے رکھی گئی منشاء یہ تھا کہ حلقۂ دیوبند کے صاحب نظر اور ارباب تحقیق کی نگاہ سے یہ مسودہ گذر جائے پھر ان کے مشوروں کے بعد جو اصلاح و ترمیم قابل قبول ہو اس کو سامنے رکھ کر اس کو شائع کیا جائے، مگر وقت کے تمام ہی ممتاز علماء دیوبند کی نظر سے گذرنے کے بعد اصل مسودہ میں کوئی خاص اور بنیادی ترمیم سامنے نہیں آسکی اور اس دوران اصل مسودہ کو پاکستان میں بطور ایک تالیف کے شائع کر دیا گیا گویا فکر دیوبند کی توضیح و تنقیح کا کام بھی آپ ہی کی عہد

ساز شخصیت کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا گویا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند کی نسبت کے لحاظ سے فکرِ قاسمی کی تشریح و تعبیر بھی آپ ہی کا حق تھا.

مسلک دیوبند پر اتنا جامع مواد حکیم الاسلامؒ سے قبل کسی اور کے قلم سے اتنے مرتب انداز میں سامنے نہیں آیا تھا بلاشبہ اس موضوع پر حکیم الاسلامؒ کی یہ تالیف جماعت دیوبند کی ''الملل والنحل'' اور ''شرح واقف'' کا درجہ رکھتی ہے جو حقیقتاً مسودے سے مبیّضہ کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی اشاعت پذیر ہوگئی اور اس مسودے پر جو وقت کے ممتاز علماء دیوبند کے پاس بھیجا گیا تھا، اہل علم و ارباب تحقیق نے گہری نظر ڈالنے کے باوجود بنیادی طور پر کسی حذف و اضافہ کی گنجائش نہ پائی حتیٰ کہ اب تک جب کہ اس تالیف کو دو عشرے گذر چکے ہیں، مسلکِ دیوبند کی تشریح و توضیح میں عام طور پر اسی کو پیش کیا جاتا ہے.

یوں تو مسلک دیوبند کے بنیادی خطوط مشرب قاسمی و رشیدی کے عنوان سے ایک صدی سے دنیا کے سامنے ہیں تاہم وقت کے تقاضے اور نئے ذہن و فکر کی تشفی و تسکین کے لئے حکیم الاسلامؒ کا جدت طراز ذہن نکتہ آفریں قلم اور شیریں بیانی کے امتزاج نے اس ضرورت کو جس حسن و خوبی سے پورا کیا وہ آپ ہی کا حصہ تھا، اورا گر اس موضوع پر یہ جامع و مانع تحریر وجود پذیر نہ ہوتی تو یہ خلا بظاہر باقی رہ جاتا اور اس کے پُر ہونے کی دیوبند کے موجودہ حلقوں اور اس کے آنے والے فرزندوں سے پورا ہونے کی توقع نہیں تھی. اگر چہ حلقۂ دیوبند کے بعض اہل نظر حضرات کی رائے ہے کہ اجلاس صد سالہ کی تیاریاں اور اس کے بعد پیش آمدہ ہنگامی حالات مانع نہ ہوتے تو یقیناً خود حکیم الاسلامؒ اپنے قلم سے ''مسلک دیوبند'' کے بعض پہلوؤں پر مزید روشنی ڈالتے اور اس کے خدوخال میں کچھ اضافہ فرماتے.

۶۰ رسالہ اہتمام کا آخری دور

آپ کے دور میں ملکی اور سیاسی قومی اور ملی، داخلی و خارجی سطح پر جتنے تغیرات و

حوادث پیش آئے ان کی نوعیت سابقہ دور اہتمام میں پیش آمدہ حوادث سے بہت کچھ مختلف تھی، ایسے سخت اور تلخ حالات کو انگیز کرنا، ان سے پورے وقار کے ساتھ عہدہ برآ ہونا، متضاد و متزاحم افراد اور قوتوں کے درمیان متوازن طور پر دارالعلوم کے حقیقی دینی مقاصد اور تعلیمی نہج کو برقرار رکھنا پھر دارالعلوم سے وابستہ اہم اور بااثر مگر مخالف و معارض شخصیات کے احترام کی رعایت کے ساتھ دارالعلوم کی داخلی پالیسی کو اپنی ڈگر سے نہ ہٹنے دینا، یہ اتنا آسان کام نہ تھا، جو حضرت حکیم الاسلامؒ نے کر دکھایا اور آج جب اس طے کردہ راہ کے نقوش پر ہم چھ سات دہائیوں کے فاصلہ سے نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ واقعتاً یہ کام جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا آپ کا دور اہتمام جن طوفانوں سے گذرا ان سے دارالعلوم کی کشتی کو سلامتی کے ساتھ نکال لے جانا دارالعلوم کی ایک بے مثال تاریخی خدمت ہے، مبالغہ نہ ہوگا اگر ہم یہ کہیں کہ اس دور میں حکیم الاسلام جیسا مہتمم دارالعلوم دیوبند کو میّسر نہ ہوتا تو دیوبند کو وہ مقام عظمت و اعتراف ہرگز نصیب نہ ہوتا، جس کی چکا چوند اجلاس صد سالہ میں دنیا نے دیکھی گو آپ کی زندگی کا آخری حصہ جس عروج و کمال سے ہمکنار ہوا وہ ہی اس عہد کا اختتام بھی ثابت ہوا.

اس تابناک عہد اہتمام کو سبوتاژ کرنے میں ایک زبردست عامل ہم عصری کا فتنہ بھی تھا، جس نے اجلاس صد سالہ کی عدیم المثال کامیابی کے بعد سر ابھارا، یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہمعصری کی چشمکوں سے جو بظاہر بے ضرر اور معمولی معلوم ہوتی ہے، تاریخ کے بعض ایسے خوفناک حوادث نے جنم لیا ہے، جن کے نتائج اور نقصانات دشمنوں کی یلغار سے بھی زیادہ خوفناک اور تباہ کن ثابت ہوئے دیوبند کے اس المیہ میں جہاں اپنوں کی لاپرواہی اور سادہ لوحیوں کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے اور دشمنوں کی سازشوں اور طالبانِ اقتدار کی گہری چالوں کو اس المیے کا اصل سبب سمجھتے ہیں. وہیں اس کے پیچھے فتنۂ ہم عصری کے مرض میں مبتلا ان افراد کی خفیہ تدبیروں کا بھی بڑا حصہ ہے، جنھوں نے اپنے جذبات رشک و حسد کی تسکین کے لئے زبان و قلم اور فکر و

ذہن کے ہر ہتھیار کو استعمال کیا اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر بات بات پر خدا اور آخرت کا نام لیتے رہے. اور بڑی...... چابکدستی کے ساتھ عوام وخواص کے ذہن کو متاثر کرنے کی بھر پور کوشش میں کوئی کسر نہ چھوڑی.

حکیم الاسلامؒ عمر بھر اپنی شفقتوں کی بدولت بہت سے لوگوں کے لئے قبلہ نما بنے رہے. آخری دور میں وہی لوگ ''تحویل قبلہ'' کے قائل ہو گئے اور انھوں نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے حسنِ ظن، اعتماد، مروّت، سادگی اور حلم وتواضع کو ایک کمزوری سمجھ کر ان کی ذات، ان کے دورِ اہتمام حتیٰ کہ عملۂ اہتمام کو بھی متہم کرنے میں قرطاس وقلم کے حیرت انگیز کرتب دکھائے نیز اتنے بڑے اور قدیم تعلیمی اور ملی ادارے میں پیش آمدہ دفتری فروگذاشتوں اور معمولی کوتاہیوں کو قلمی خوردبینوں کے ذریعہ سے بڑے سے بڑا کر دکھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی خداترسی، اور خوف آخرت کے وعظ اس طرح سنائے کہ ان کی اس خطرناک مہم کے نتیجہ میں تاریخ اہتمام کی بساط ہی نہیں الٹی بلکہ وہ سارے مہرے بھی بکھر گئے جن سے یہ بساط جمی تھی. ؎

اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رُخ زیبا لیکر.

اہل بصیرت غور کریں گے تو اس المناک حادثہ کے اصل اسباب ان اصول ہشتگانہ سے انحراف میں پالیں گے جو حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ نے گویا الہامی طور پر دار العلوم کی اساس کے لئے اور اس کی بقا وتحفظ کی خاطر تحریر فرمائے تھے ان میں سے ایک ہی اصول اس بات کے لئے کافی ہے جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ:

> ''مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اسلوبی ہو، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئیگی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد ہل جائیگی. (اساسی اصول ہشتگانہ) مرتبہ: حضرت نانوتویؒ

مارچ ۱۹۸۳ء میں کیا یہ الہامی پیشین گوئی دنیا نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لی؟

قاری صاحب کے دور میں رفتارِ ترقی

مناظر اسلام مولانا سید طاہر حسین صاحب گیاوی

قاری صاحب اور منصب اہتمام

۱۳۳۹ھ کے اواخر میں مجلس شوریٰ نے نائب مہتمم دوم کا عہدہ تجویز کیا.
اس کے لئے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نامزد کئے گئے، اس وقت صدر مہتمم حافظ محمد احمد صاحب اور نائب مہتمم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی تھے، ان دونوں بزرگوں کو اپنی پیرانہ سالی کے باعث کسی مناسب جوان عمر مہتمم کا تعاون درکار تھا، جس کی وجہ سے مجلس شوریٰ نے قاری محمد طیب صاحبؒ کو تجویز کیا چونکہ یہ کام قاری صاحبؒ کے علمی اور تدریسی ذوق کے مناسب نہ تھا اس لئے آپ نے تدریسی خدمات میں لگنا چاہا، اور ذمہ داری سے علیحدہ ہوگئے مگر بزرگوں کی فہمائش اور تقاضہ سے مجبور ہونا پڑا اور نیابت اہتمام کو قبول کر کے اس کی ذمہ داریوں میں مصروف ہوگئے، مجلس شوریٰ کی مذکورہ بالا تجویز کی رو سے قاری صاحبؒ ۱۳۴۱ھ تا اوائل ۱۳۴۸ھ اس عہدہ پر فائز رہے. (تاریخ دارالعلوم ص ۲۸۰، ج ۱)

اسی درمیان مہتمم دارالعلوم حافظ محمد احمد صاحب کا انتقال ۱۳۴۷ھ ۳ / رجمادی الاوّل کو ہوگیا اور اس کے ٹھیک چودہ ماہ کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب بھی ۴ / رجب ۱۳۴۸ھ کو رحلت فرما گئے رحمہا اللہ رحمہ واسعۃ، علامہ شبیر احمد عثمانی جو ۱۳۴۶ھ میں دارالعلوم سے ڈابھیل چلے گئے تھے تو مولانا تھانوی اور دوسرے اکابر کے ارشاد پر ۱۳۵۴ھ میں دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ تک صدر مہتمم کے عہدہ پر فائز رہے اگرچہ اس دوران علامہ عثمانی کا تعلق جامعہ ڈابھیل سے بھی قائم رہا، بلکہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں علامہ عثمانی کا قیام زیادہ رہتا تھا، جس کی وجہ سے دارالعلوم کے

معاملات کی انجام دہی میں دشواریاں پیش آتی تھیں اس کے پیش نظر قاری صاحب کی طرف مہتمم کے جملہ اختیارات منتقل کرنے پڑے اور ۱۳۶۲ھ میں علامہ عثمانی مستعفی ہوگئے اس کے بعد سے ۱۴۰۱ھ تک باظابطہ منصب اہتمام قاری صاحبؒ کی ذات خاص کے ساتھ وابستہ رہا. اس طرح نیابت اہتمام کا زمانہ الگ کر دینے کے بعد بھی قاری صاحبؒ ۵۳ سال کی طویل مدت تک دارالعلوم دیوبند کے باقاعدہ مہتمم رہے اس نصف صدی کے طویل زمانۂ اہتمام میں نیابت اہتمام کے سال بھی شمار کر لئے جائیں تو پھر قاری صاحب کے اہتمام کی مدت تقریباً ساٹھ سال ہو جاتی ہے، اس لئے دارالعلوم کی عمر کی نصف سے زائد مدت کی تاریخ قاری صاحب کے اہتمام سے وابستہ ہے، جس کا انکار تاریخ دارالعلوم کے نصف حصہ کے انکار کے مترادف ہوگا، قاری صاحبؒ کے اہتمام کا زمانہ دارالعلوم کے سب سے زیادہ دراز اور طویل المیعاد اہتمام کا زمانہ ہونے کے ساتھ ہی ساتھ دارالعلوم کی ہمہ جہتی ترقی شہرت اور عروج کا زمانہ بھی ہے اس لئے دارالعلوم کی تاریخ قاری صاحبؒ کی خدمات کو کسی طرح فراموش نہیں کر سکتی.

قاری صاحب کا اہتمام اور دارالعلوم کا دستوری مسلک:

دارالعلوم دیوبند ایک مرکزی دینی درسگاہ ہونے کی حیثیت سے صرف تقلیدی اور جامد نظریات کا حامل ادارہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک مستقل مکتب فکر ہے. روز اوّل سے اس کے فضلاء میں ایک قسم کا مجتہدانہ ذہن اور ایک خاص فکر پایا جاتا ہے، فقہی لحاظ سے حنفی ہونے کے باوجود اکابر علمائے دیوبند کا مشرب ولی اللٰہی قاسمی اور رشیدی تھا، اور دارالعلوم کے تمام فضلاء کے اندر عملاً ان نسبتوں کے آثار و خصائص پورے طور سے موجود تھے، لیکن دارالعلوم کے آئین کے اندر اس کی کوئی قانونی حیثیت تھی اور نہ ہی اس کی تنقیح و توضیح ہو پائی تھی اور نہ عام طور سے فضلاء اپنی تحریروں میں اپنے نام کے ساتھ اس کا اظہار ہی کیا کرتے تھے، قاری صاحب کے دورِ اہتمام کا بڑا کارنامہ یہ بھی

ہے کہ اس میں دارالعلوم کا آہنی مسلک ومشرب منقح ہو کر تفصیل وتشریح کے حدود میں داخل ہوا، اور عموماً تمام فضلاء نے اپنی اس نسبت خاصہ کا لفظ قاسمی سے اظہار کرنا شروع کیا. قاری صاحب کے دورِ اہتمام کے پہلے اس درجہ مسلک دارالعلوم کی تنقیح وتوضیح یا اس کا واضح طریقہ سے اظہار فضلائے دارالعلوم کے اندر خاص لفظ قاسمی کے ذریعہ اس کثرت کے ساتھ تحریروں میں نہیں ملتا ہے، چنانچہ پہلی مرتبہ شعبان ۱۳۶۸ھ میں دستور اساسی دارالعلوم دیوبند جس کے مطابق آج تک دارالعلوم کا سارا نظام چلتا ہے اس میں ان الفاظ میں مسلک کی منظوری دی گئی ہے.

دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل سنت والجماعت حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہما کے مشرب کے موافق ہوگا. دستور اساسی دارالعلوم دیوبند ۶ دفعہ ۴

دارالعلوم کا یہ مسلک اس درجہ ضروری قرار پایا کہ ارکان شوریٰ سے لیکر ادنی ملازم اور طالب علم تک کے لئے اس کی حفاظت و پابندی ضروری قرار دے دی گئی، چنانچہ دستور اساسی میں اس امر کو ان الفاظ میں واضح کر دیا گیا ہے.

دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت تمام ارکان و متعلقین دارالعلوم کا فرض ہوگا کسی ملازم دارالعلوم یا طالب علم کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ کسی ایسی انجمن یا ادارے یا جلسے میں شرکت کرے جس کی شرکت دارالعلوم کے مسلک یا مفاد کیلئے ضرر رساں ہو، دستور اساسی دارالعلوم ۶ دفعہ ۴

دارالعلوم کے اسی آہنی و دستوری مسلک کی تعیین وتنقیح کا سرا بھی قاری صاحب اور ان کے دورِ اہتمام کے سر ہے اس لئے کہ ان کے پہلے یا ان کے ہم عصر بزرگوں میں سے کسی کی تحریر میں بالاستقلال اس کی تشریح وتنقیح پر اتنا مواد یا اتنی توجہ نہیں پائی جاتی، جتنا کہ قاری صاحب کی تحریروں میں مسلک دارالعلوم کو منقح اور واضح کیا گیا ہے. قاری صاحبؒ کے الفاظ میں اسی مسلک کے سات بنیادی اصول ہیں، جن سے یہ مسلک

مرکب ہے.(۱)علم شریعت (۲) پیرویٔ طریقت (۳) اتباع سنت (۴) فقہی حنفیت (۵) کلامی ماتریدیت (۶) دفاع زیغ وضلالت (۷) ذوق قاسمیت ورشیدیت.

مسلک دارالعلوم کے ان سات اجزاء ترکیبی کی تشریح وتوضیح قاری صاحب کی مختلف تحریروں میں دیکھی جاسکتی ہے.

قاری صاحب کا اہتمام اور دارالعلوم کی تعمیری ترقی:

اس وقت دارالعلوم کی جو عمارتیں موجود ہیں ان کی دو قسمیں ہیں ایک وہ عمارتیں ہیں، جن کی تعمیر خود دارالعلوم نے کی ہے اور دوسری وہ عمارتیں ہیں جو کسی صاحب خیر کی طرف سے تعمیر شدہ حالات میں وقف کی گئی ہیں، دارالعلوم کی صرف وہ عمارتیں جو عام مسلمانوں کے تعاون سے خود دارالعلوم نے تیار کی ہیں، اگر چہ یہ سب کی سب ایک ہی احاطہ میں واقع نہیں ہیں، لیکن ان کا مجموعہ رقبہ ۹۲/ بانوے ہزار مربع فٹ سے بھی بہت زیادہ نکلتا ہے ان عمارتوں کی اجمالی فہرست یہ ہے.

(۱) نودرہ (۲) دارالطلبہ قدیم (۳) مسجد دارالعلوم (۴) کتب خانہ (۵) دارالحدیث تحتانی (۶) فارسی خانہ (۷) دارجدید احاطہ مولسری (۸) احاطہ دفتر اہتمام (۹) احاطہ باغ (۱۰) دارالتفسیر (۱۱) دارالحدیث فوقانی (۱۲) دارالافتاء (۱۳) احاطہ مطبخ (۱۴) مہمان خانہ (۱۵) دارالاساتذہ (۱۶) باب الظاہر (۱۷) جامعہ طبیہ (۱۸) افریقی منزل قدیم (۱۹) افریقی منزل جدید (۲۰) عقب دارالعلوم (۲۱) عقب دارالتربیۃ (۲۲) دارالشفا دارالعلوم پریس (۲۳) رواق خالد.

اسی طرح بالا فہرست میں سے قاری صاحب کے اہتمام سے پہلے صرف پہلی دو عمارتیں موجود صورت میں مکمل تھیں، اس فہرست کی اول الذکر چھ عمارتیں قاری صاحب کے اہتمام سے پہلے وجود میں آچکی تھیں، اگر چہ بیشتر عمارتیں ناقص وناتمام تھیں، جیسا کہ مختصر تفصیل کے ذریعہ اس کی وضاحت کی جائیگی ان عمارتوں کے علاوہ باقی تمام عمارتیں قاری صاحب کے دور اہتمام کی یادگار ہیں، اگر دارالعلوم کی کل تعمیر کو

ایک روپیہ فرض کر کے تقسیم کیا جائے تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ چودہ آنے سے بھی کچھ زائد تعمیر قاری صاحب کے دورِ اہتمام کا حصہ قرار پائے گی.

قاری صاحب کے اہتمام سے قبل کی جو تعمیریں ہیں ان کی مختصر تفصیل یہ ہے.

(۱) نودرہ. یہ دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت ہے جس کی بنیاد ۲ر ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے دست مبارک سے ڈالی گئی اور جس کی بنیاد میں ایک ایک اینٹ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہیؒ، حاجی عابد حسین اور میاں جی منے شاہ نے بھی اپنے اپنے ہاتھوں سے رکھی تھی لیکن اس کی تعمیر کا سلسلہ ۱۲۹۳ھ سے شروع کیا گیا، اس لئے مادۂ تاریخ اشرف عمارات ۱۲۹۳ھ نکلتا ہے نودرہ کے ساتھ اس حاطہ میں دارالعلوم کا تاریخی کنواں بھی اسی وقت تیار کیا گیا تھا، یہ مولانا رفیع الدین صاحبؒ کے اہتمام کا زمانہ تھا، نودرہ کی عمارت طول ۲۶ر گز اور عرض ۱۲ر گز ہے اس کی مدت تعمیر آٹھ سال اور خرچ ۲۳۰۰۰ر ہے (تاریخ دارالعلوم ص ۱۸۵، ج۱)

نودرہ کی صرف ایک منزل جو اس وقت تیار کی گئی تھی اس کے اندر ۳۶×۳۵ مربع فٹ کے تین ہال ہیں. ان کے سامنے ایک طویل دالان بھی ہے یہی وہ عمارت ہے جس کی بنیاد کا نقشہ ایک مشہور خواب کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے اسی نودرہ کی بالائی منزل پر دارالحدیث فوقانی ہے جس کی بنیاد اگرچہ ۱۳۲۹ھ میں ڈال دی گئی تھی، لیکن بعد میں رائے بدل جانے کے سبب پہلے تحتانی دارالعلوم کی تعمیر شروع کی گئی اور اس کی تکمیل کے بعد فوقانی دارالحدیث قاری صاحب کے زیر اہتمام ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۳ء میں تیار کیا گیا، جو ۶۸×۳۵ مربع فٹ کا ایک وسیع ہال ہے، دارالطلبہ قدیم اسی نودرہ کے بالمقابل جانب مشرق میں دارالاہتمام یا دارالمشورہ ہے اور اس کے دونوں جانب اسی طرح نودرہ کے شمال وجنوب میں طلبہ کے رہائشی کمرہ اور درسگاہ ہیں جو احاطہ مولسری یا دارالطلبہ قدیم کے نام سے معروف ہیں. یہ کمرے دارالاہتمام سمیت ۱۳۱۵ھ تا ۱۳۱۸ھ میں بارہ ہزار روپیئے کی لاگت سے تیار ہوئی ہیں. تاریخ

دارالعلوم ص ۲۰۶، ج ۱) اس تعمیر کے وقت حافظ محمد احمد صاحب کے اہتمام کا زمانہ تھا، اس کا مادۂ تاریخ جائے عجیب وغریب ۱۳۱۵ھ ہے.

مسجد دار العلوم دار العلوم کی تین مسجدیں ہیں، ایک مسجد چھتہ کے نام سے معروف ہے دوسری دارالعلوم کی مسجد ہے، تیسری ریلوے اسٹیشن کی مسجد ہے، مسجد چھتہ وہی قدیم مسجد ہے جس کے صحن میں انار کے درخت کے نیچے سے تاریخ دارالعلوم کی پہلی صبح نمودار ہوئی، یہ مسجد اگرچہ زمانہ قدیم کی تعمیر ہے، لیکن اس کی تجدید وتوسیع اور اس کے حجرہ قاسم وغیرہ کی نئی تعمیر بھی قاری صاحب کے زیر اہتمام ۱۳۸۹ھ میں ہوئی ہے، البتہ دارالعلوم کی مسجد قاری صاحب کے اہتمام سے قبل تعمیر ہوئی ہے، ۴؍ربیع الاول ۱۳۲۷ھ ۱۹۰۹ء کو اس مسجد کی تعمیر کے لئے جوراندیر کے حاجی غلام محمد اعظم نے انیس ہزار روپئے دیئے تھے، اس سے سنگ بنیاد رکھا گیا، اس کی تکمیل ۱۳۲۸ھ میں ہوگئی جیسا کہ شیخ الہند کے بنائے ہوئے مصرعۃ تاریخ. در مدرسہ خانقاہ دیدیم. سے ظاہر ہے لیکن اس مسجد کی بالائی منزل صحن کی توسیع اور اس کے احاطہ میں شمال وجنوب کے کمرے اور شرقی جانب میں دارالافتاء وغیرہ تمام عمارتیں قاری صاحب کے ہی اہتمام میں تعمیر ہوئی ہیں، ریلوے اسٹیشن کے قریب دارالعلوم کے واردین وصادرین اور عام مسافر مسلمانوں کی سہولت کے لئے ۱۳۳۳ھ میں ایک مسجد اور اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بعض دکانوں کی تعمیر ہوئی. اس تعمیر پر اس وقت پانچ ہزار روپے خرچ ہوئے تھے. اس وقت میں اس مسجد کا معاملہ کس طرح انجام پاتا ہے، مجھے نہیں معلوم لیکن ابتداء میں یہ مسجد بھی دارالعلوم ہی کے زیر انتظام تھی اور اس کی تعمیر دارالعلوم ہی نے کرائی تھی. (تاریخ دارالعلوم ص ۲۴۱، ج ۱)

کتب خانہ کی عمارت موجودہ کتب خانہ کی عمارت سے پہلے یہ کام نودرہ کے بعض جنوبی کمروں سے لیا جاتا رہا ہے، لیکن ضرورت ایک مستقل عمارت کی متقاضی تھی اس کام کے لئے ابتداءً نواب یوسف علی خاں

صاحب رئیس مینڈھو نے سات ہزار روپے عنایت کئے اس کے بعد میرٹھ کے بعض اہل خیر نے بھی تعاون کیا. اور ۲ر صفر ۱۳۲۴ھ کو اس کا سنگ بنیاد رکھ دیا گیا اور ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۷ء میں اس کی تعمیر ہوئی شروع میں یوسفی کتب خانہ کے نام سے اس کی شہرت تھی اس وقت صرف ایک بڑا ہال اور ایک کمرہ تعمیر ہوا تھا، اس کے بعد ۱۸ر کمروں اور دو بڑے ہال کا اضافہ ۱۳۸۶ھ اور ۱۳۹۶ھ میں ہوا ہے. احاطہ کتب خانہ کی مذکورہ بالا دو منزلہ عمارت کے علاوہ جملہ تعمیر قاری صاحب کے زیر اہتمام عالم وجود میں آئی ہیں.

دارالحدیث تحتانی

۲۰ر ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کو دارالعلوم کے طلبہ نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی بنیادیں کھودیں، اور حضرت شیخ الہند مولانا خلیل احمد انبہٹوی حضرت عبدالرحیم صاحب رائے پوری حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بنیاد رکھی اور تمام شرکائے اجلاس نے بھی دو دو اینٹیں رکھیں. (تاریخ دارالعلوم ص ۲۶، ۲۷، ج۱) دارالحدیث کے ہال کا طول ۶۸ر فٹ ہے اور عرض ۳۵ر فٹ ہے اس کے گرد و پیش ۱۳ر درسگاہیں ہیں، سنگ بنیاد کے بعد ہی سے تعمیر کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، ملک کے ہر گوشہ سے اہل خیر حضرات اپنا اپنا تعاون پیش کر رہے تھے کہ اسی سلسلہ میں نواب سلیم اللہ خاں رئیس ڈھاکہ نے دارالعلوم سے ایک وفد کے لئے دعوت نامہ کے ذریعہ درخواست کی دارالعلوم سے علامہ کشمیری علامہ عثمانی اور حضرت چاند پوری پر مشتمل ایک وفد ۱۳۳۳ھ میں ڈھاکہ نواب صاحب کے پاس پہنچا نواب صاحب نے ایک اجلاس منعقد کیا اور لوگوں کو اس کام کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اپنے خاندان کی طرف سے تیرہ ہزار کی رقم پیش کی اور مزید رقم آئندہ بالاقساط بھیجنے کا وعدہ کیا، لیکن قاری صاحب نے جس وقت اہتمام کی ذمہ داریوں کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا. یہ عمارت بھی نامکمل تھی اس لئے کہ ۱۳۳۸ھ ۲ر رمضان المبارک کو شیخ الہند مالٹا سے رہا ہو کر دیوبند آئے تو سب سے پہلے اسی دارالحدیث کے ہال میں تشریف لائے تھے، اس وقت تک دارالحدیث کے چھت کی تعمیر نہیں ہو سکی تھی،

جیسا کہ تاریخ دارالعلوم کے درج ذیل بیان سے واضح ہے۔

اسٹیشن سے حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اولاً مدرسہ میں تشریف لائے دارالحدیث کے سب سے بڑے اور غیر مسقف کمرہ میں تخت پر تشریف فرما ہوئے۔

(تاریخ دارالعلوم ص۲۵۴، ج۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالحدیث کے تعمیر کا مرحلہ پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکا تھا، چنانچہ دارالحدیث کی تعمیر قاری صاحب کے اہتمام کے اندر ۱۳۴۹ھ میں ہمہ وجوہ مکمل ہوگئی۔

دارِ جدید دارالعلوم کو جو خداداد مقبولیت ابتداء سے حاصل تھی اس کی وجہ سے طلبہ کا مرجوعہ دن بدن حیرت انگیز طریقہ پر بڑھتا جا رہا تھا، اور ان کی کثرت اصول ہشتگانہ کی روشنی میں مطلوب بھی تھی، لیکن دارالاقامہ کی موجودہ وسعت اس کے لئے ناکافی تھی، اس ضرورت کے پیش نظر دارِ جدید کا سنگ بنیاد ۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء میں رکھ دیا گیا، قاری صاحب کے اہتمام سے قبل صرف پانچ کمرے شمال مغرب میں اس کے تعمیر ہو سکے تھے اور مزید باون کمروں کی تجویز تھی، قاری صاحب نے ۱۳۵۶ھ میں حاجی مریث صاحب وغیرہ کی محنت سے ایک عشرہ رمضان کے اندر مدراس سے ۴۷؍ہزار روپئے اس کام کے لئے فراہم کئے جس کے ذریعہ تعمیر مکمل ہوئی، اس کے بعد ۱۳۵۷ھ میں قاری صاحب نے افغانستان کا سفر کیا، وہاں پچاس ہزار افغانی روپیہ کا شاہی عطیہ دارالعلوم کو ملا جس کے ذریعہ مجلس شوریٰ کی تجویز کے مطابق ۱۳۵۹ھ میں باب الظاہر کی تعمیر ہوئی اسی تعلق سے ۱۳۷۷ھ میں دارالعلوم کی دعوت پر افغانستان سے ظاہر شاہ تشریف لائے۔

اسی طرح دارِ جدید کی تعمیر میں پیش رفت ہوتی رہی، یہاں تک کہ ۱۳۴۶ھ ۱۹۴۵ء میں یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا. دارِ جدید میں ۱۰۹؍کمرے ہیں، ہر کمرہ تقریباً ۱۸؍۱۹؍فٹ ہے اور تمام کمروں کے سامنے اونچی اونچی محرابوں کا دالان بھی ہے دارِ جدید کا کل رقبہ ۵۰۰×۳۶۱ مربع فٹ ہے اس کے بعد قاری صاحب کے اہتمام کے آخری سالوں میں

دارالاقامہ کی بالائی منزل پر بھی اتنے ہی کمرے تیار ہو گئے تمام تعمیروں پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالنے کی نہ اس مختصر مضمون میں گنجائش ہے اور نہ ہی اس کی چنداں ضرورت ہے اس لئے کہ مذکورالصدر عمارتوں کی تعمیر میں بوضاحت بالا جو کام قاری صاحب کے دورِ اہتمام میں ہوا ہے، اس سے باقی تعمیرات کا اندازہ لگانا کچھ مشکل کام نہیں ہے، بالخصوص اس صورت میں کہ دارالعلوم کی باقی تمام تعمیریں از اوّل تا آخر قاری صاحب کے ہی اہتمام میں تیار ہوئی ہیں، جن میں دارالتفسیر مہمان خانہ دارالاساتذہ اور جامعہ طبیہ کی عمارتیں خاص طور سے قابل ذکر ہیں، اس جگہ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ بعض جزوی تعمیر مثلاً جنریٹر کی عمارت اور جشن صد سالہ یا دوسرے مواقع پر جو وقتاً فوقتاً تجدید و مرمت کا کام ہوا ہے وہ فہرست مذکورہ بالا میں داخل نہیں ہے۔

دارالعلوم کی مالی ترقی

کسی ادارہ کی مالیات کا اندازہ لگانے کے لئے اس کی تعمیری ترقیوں کی تفصیلات بہت کافی ہیں اس لئے تعمیری ترقی کے بعد یہ بتانے کی کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ دارالعلوم نے مالی لحاظ سے قاری صاحب کے اہتمام میں کیا ترقی کی ہے دارالعلوم کے سالانہ آمد و خرچ کا جو گوشوارہ تاریخ دارالعلوم میں دیا گیا ہے۔ اس کی روشنی میں قاری صاحب کے اہتمام سے قبل ۱۳۴۸ھ میں آمد ۵۰۲۶۲/ ہے اور خرچ ۴۷۸۸۴/ ہے اس آمدنی میں قاری صاحب کے دور اہتمام میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا، حتیٰ کہ ۱۳۸۰ھ میں ۵۹۷۱۲/ روپئے گوشوارے کے اندر آمد دکھائی گئی ہے، لیکن دارالعلوم کی مالی ترقی میں قاری صاحب کے اہتمام کے آخری دس سالوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا، جس کا اندازہ اس بات سے بآسانی لگ جاتا ہے کہ ۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم کا بجٹ ۳۰/ لاکھ کے قریب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ دفتر اجلاس صد سالہ کی طرف سے شائع کردہ رسالہ دارالعلوم کے ۱۱۷/ سال کے درج ذیل بیان سے واضح ہے۔

اس وقت دارالعلوم کا مالی بجٹ تقریباً ۳۰/ لاکھ ہے جو مسلمانوں کے عام

چندوں سے پورا ہوتا ہے. کم وبیش ڈھائی سو مدرسین و ملازمین ہیں، جن کی مجموعی تنخواہ ماہانہ ۸۰ر ہزار روپئے ہے. دو ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں، ان میں سے ایک ہزار کی کفالت دارالعلوم کے ذمہ ہے، جس میں دونوں وقت کھانا سال میں چار جوڑے کپڑے ایک جوڑا جوتا اور دس روپیہ ماہانہ نقد وظیفہ جو روشنی اور کپڑوں کی دھلائی کیلئے ہوتا ہے. ہر ایک طالب علم کو دیا جاتا ہے. (دارالعلوم کے ۱۱۷ر سال ص ۵۸/۵۹)

بہرصورت قاری صاحب کے دورِ اہتمام کے اخیر سالوں میں آمد تقریباً ایک کروڑ روپئے سے زیادہ ہوگئی تھی، جس سے قاری صاحب کے اہتمام کی غیر معمولی مالی ترقی اظہر من الشمس ہوجاتی ہے. مالی مشکلات چوں کہ دارالعلوم کے سامنے نہ تھی، اس لئے اس کے شعبہ جات اور دیگر ضروریات میں بھی بے شمار اضافہ ہوتا گیا.

قاری صاحب کے اہتمام کی عام ترقیاں

۱۳۶۶ھ میں پراویڈنٹ فنڈ کا ضابطہ بنا کر نافذ کیا گیا. جس کی وجہ سے مستقل ملازمین کے لئے یہ سہولت پیدا ہوئی کہ معذوری کی عمر میں داخل ہوجانے کے بعد ضروریات کے لئے ایک اچھی رقم ہاتھ آجاتی ہے. مستقل ملازم کی تنخواہ سے ۶ر فی صد وضع کر کے منجانب مدرسہ اتنی ہی رقم ملا کر ہر ماہ یہ رقم محفوظ کردی جاتی ہے. جو سبکدوشی کے وقت دی جاتی ہے. نیز کسی ہنگامی اور اہم ضرورت کے وقت قرض بھی دیا جاتا ہے. نیز طویل المیعاد اور مزمن امراض یا عمر درازی کے باعث سبکدوش ہونے والے ملازمین کے لئے پینشن بھی تجویز کی گئی. مدرسہ کے لئے غلہ کی فراہمی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ۱۳۷۱ھ میں پہلی مرتبہ غلہ اسکیم کے جلسہ کی بنیاد ڈالی گئی، جس میں تین ہزار من غلہ آیا، اس سلسلہ کے جاری ہوجانے سے دارالعلوم کا غذائی مسئلہ بڑی حد تک حل ہوا. قاری صاحب کے دورِ اہتمام میں دارالعلوم کی شہرت بھی بے پناہ ہوئی ہے. اگر چہ دارالعلوم کو یوں تو روز اول سے ہی مقبولیت اور شہرت کا غیر معمولی درجہ قدرت کی طرف سے مل چکا تھا. جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم کے

اندر کابل، ایران، بلخ، بخارا، چین، روس، شام اور حجاز تک کے طالبان علم وعرفان موجود تھے. لیکن قاری صاحب دارالعلوم کے پہلے مہتمم تھے. جن کو اپنے زور خطابت اور نکات انگیز پر اثر اور سنجیدہ بیان کی وجہ سے عوام وخواص کے دونوں حلقوں میں یکساں مقبولیت حاصل تھی. ان کا یہ فن ملک و بیرون ملک کے اسفار کا سبب بنا. جس سے حلقۂ دارالعلوم وسیع سے وسیع تر اور ہمدردان دارالعلوم کی تعداد میں اضافہ ہوا.

مہتمم دارالعلوم کی حیثیت سے تنہا ان کی ذات نے دارالعلوم کے حلقہ تعارف و تعاون میں صور اسرافیل کا کام کیا، چنانچہ درج ذیل ممالک میں سب سے زیادہ دارالعلوم کا تعارف انھیں کے اسفار سے ہوا.

افغانستان، ایران، مصر، افریقہ، انگلینڈ، امریکہ، جرمنی، برما، حبش، فرانس، رنگون ممالک عربیہ وغیرہ اس سلسلہ میں اس حقیقت کا اعتراف بھی کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ دارالعلوم کی شہرت وعزت کے اندر حضرت شیخ الہند حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاریؒ، کی سیاسی سرگرمیوں کا بھی بڑا دخل ہے. اسی طرح علامہ کشمیری علامہ عثمانی اور حضرت نانوتویؒ محدث گنگوہی اور مولانا مدنی علامہ بلیاوی، مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ جیسی عبقری شخصیتوں کے درس اور ان کی تصنیفات کا بھی خاصہ حصہ رہا ہے. اسی طرح دارالعلوم کی شہرت کو عروج تک پہونچانے میں حضرت نانوتویؒ، حضرت چاندپوری، مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری، مولانا نعمانی وغیرہم کے ان مناظروں اور کامیاب مساعی کو بھی دخل ہے. جو ملک کے اندر وقتاً فوقتاً فرق باطلہ کے خلاف سامنے آتی رہی ہیں. لیکن فضلاء اور اکابر کی سرگرمیوں اور مختلف الانواع خدمات کے ساتھ ہی ساتھ قاری صاحب کی اعلیٰ درجہ کی انتظامی خطابی تحریری اور اخلاقی صلاحیتیں بھی دارالعلوم کی قابل رشک ترقی وشہرت کا ذریعہ بنی ہیں. جس کا اعتراف نہ کرنا ایک حقیقت کا انکار ہے.

❁❁❁

حکیم الاسلام اور دارالعلوم دیوبند

از: مولانا قمر عثمانی صاحب/استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

اگر پھول سے خوشبو کو، چاند سے چاندنی کو اور شہد سے شیرینی کو جدا نہیں کیا جاسکتا تو دارالعلوم کو حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے جدا نہیں کیا جاسکتا، دارالعلوم کا نام آتا تو حضرت مہتمم صاحبؒ کا تصور ضروری اور مہتمم صاحبؒ کا نام آئے تو دارالعلوم کا خیال آنا لازمی تھا. تاریخی تسلسل اور جسم و جاں کے تعلق نے دونوں کو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم بنا دیا تھا. دارالعلوم کو ایک مدرسہ اور ادارہ کہہ لیجئے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک مکتب فکر، ایک مسلک حقہ، ایک مرکز دین، ایک چشمۂ خیر، ایک منبع رُشد، ایک عنوان ہدایت، ایک شمع علم ویقین کا درجہ رکھتا ہے. بہت سے جلیل القدر اور باعظمت بزرگوں نے اس کی عظمت وشوکت میں چار چاند لگائے ہیں، اپنے اخلاص باعمل اور اپنے ایمان و یقین اپنی للّٰہیت و خدا ترسی، اپنے رسوخ فی العلم اور اپنی عبقری صلاحیتوں سے اس کو عروج و ارتقاء، مقبولیت ومحبوبیت کی راہوں پر ڈالا ہے. اس کے بانیوں میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت میاں جی منّے شاہ صاحب، حضرت حاجی عابد حسین صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ جیسے ارباب کمال اور اتقیائے روزگار بزرگ شامل تھے، اس کے شیوخ واکابر میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب، حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب، حضرت مدنی، حضرت میاں صاحبؒ جیسے فخر روزگار اور اساطین علم وفضل نے دارالعلوم کو زمین سے آسمان اور ذرّے سے آفتاب بنایا. ان میں سے ہر ایک بزرگ اپنی جگہ علم وفضل کی ایک دنیا اپنی ذات میں لئے

ہوئے تھا. جس سے ایک عالم مستفید ہوتا تھا.

دارالعلوم کی بناء سے لیکر اب تک اس کے جتنے مہتمم ہوئے ان پر نظر ڈالئے تو وہ بھی ایک سے ایک باخدا، صاحب علم وفضل، عارف باللہ باتدبیر اور صاحب حکمت ہوئے. حضرت حاجی صاحب، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب، مولانا فضل حق صاحب، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ان میں سے جہاں اور جس پر نظر ڈالئے ''کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است'' والا مضمون نظر آتا ہے.

یہ تسلیم کر لینے میں کوئی تأمل نہیں ہونا چاہئے کہ حضرت حکیم الاسلام کے دور میں دارالعلوم نے ظاہری اور روحانی اعتبار سے جتنی ترقی کی وہ اپنی مثال آپ ہے.

برصغیر ہند و پاک کی حدود سے نکل کر عرب وعجم بلکہ اقصائے عالم تک دارالعلوم کا آوازہ پہنچا، اس کی شہرت نے زمین وآسمان کی پنہائیوں کو چھولیا، اسکی وسعت وعظمت نے پوری دنیا کو متاثر کیا. اس کی حیثیت کو عوام وخواص نے مانا، اس نے اعتماد واستناد کا مقام بلند حاصل کیا. اس کے دائرہ عمل میں غیر معمولی وسعت اور پھیلاؤ پیدا ہوا. یہ سب کچھ مذکورہ بزرگوں کی دعاؤں اور حضرت مہتمم صاحب کی حکیمانہ ادارت اور حکمتِ عملی اور آپکی پرکشش اور بافیض شخصیت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مرتبۂ خاص سے نوازا ہے.

چھپن برس کے قریب آپکے اہتمام کا دور ہے، اس طویل ترین دور میں شعبہ جات کے اعتبار سے، دائرہ کار کے اعتبار سے، تعلیمی ترقی کے اعتبار سے، مالی استحکام کے اعتبار سے، دارالعلوم نے ترقی اور عروج کی جو منزلیں طے کی ہیں، ان کو بلاشبہ حضرت مہتمم صاحب کے حسنات میں شمار کیا جائے گا. سلف کی دعائیں اور خدمات اور اس وقت حضرت مہتمم صاحب کی ادارت، ان ہی دو چیزوں نے دارالعلوم کو بین الاقوامی پوزیشن عطا کی. اس کے کام اور نام میں گیرائی اور پھیلاؤ پیدا کیا. اس طویل دَور میں جب بھی کوئی نازک موڑ آیا اور نہ جانے ایسے بڑے ادارے میں کتنے آئے ہوں گے، حضرت مہتمم صاحب کی حکمت عملی آپ کے تدبر اور متوازن فکر وشعور نے بڑی خوبصورتی سے

اس کو انگیز کیا ہے، بڑے سے بڑے پریشان کن اور اضطراب انگیز وقت میں بھی پوری متانت و حلم اور حسن تدبیر سے کام لینا حضرت مہتمم صاحب کی خوبی تھی، اجلاسِ صد سالہ کے موقع پر کام کی زیادتی وسعت اور ہمہ گیری اور اتنے بڑے کام کے لئے وسائل کی فراہمی وغیرہ کے مسائل بڑے تشویش انگیز اور بظاہر ناقابل حل محسوس ہوتے تھے، سرمائے کی فراہمی سے لیکر مہمانوں کے قیام وطعام تک کے معاملات ایک مسئلہ بنے ہوئے تھے. مگر اللہ کے فضل وکرم، بزرگوں کی توجہات اور حضرت مہتمم صاحب کی بزرگانہ سرپرستی نے تمام مسائل اس طرح حل کئے کہ تمام کام نہایت خیر وخوبی، نہایت اطمینان وسکون، نہایت شان وشوکت کے ساتھ انجام پذیر ہوئے. کام کرنے والوں نے کام کیا. بیشک ان کی محنتیں لائق تعریف واعتراف ہیں. مگر ان محنتوں کو جو حوصلہ ملا وہ بلاشبہ حضرت مہتمم صاحب کی ذاتِ گرامی تھی. بالکل اس طرح جس طرح فوجی لڑتا ہے، اپنی قوت سے مگر ملتا ہے، اپنے کمانڈر سے، اگر وہ نہ ہو تو فوجی میدان ہار دیتا ہے. حضرت مہتمم صاحب کی ذاتِ عالی پر پورے عالم اسلام، پورے برصغیر ہند و پاک اور پوری علمی برادری کو جو اعتماد تھا. آپ کے مقام ومنصب کا جو احترام دلوں میں تھا. اگر ایسی باوقار، بلند و بالا، بھرپور اور پُرشکوہ اور معتمد شخصیت نہ ہوتی تو نہیں کہا جا سکتا کہ مشکلات وموانع اجلاس کے راستے میں کیا کیا رکاوٹیں ڈالتے اور اس کی کیا شکل بنتی. بیس پچیس لاکھ کے مجمع میں تھوڑی بہت بدنظمی ہو جانی تو قدرتی بات ہے، مگر مجموعی طور پر اجلاس کو پوری دنیا نے کامیاب ہی قرار دیا ہے اور اس کامیابی کو تاریخ نے بجا طور پر حضرت مہتمم صاحبؒ کی بزرگانہ سرپرستی اور رہنمائی کا نتیجہ قرار دیا ہے. آج دیوبند سے امریکہ کے طویل فاصلوں تک اور افریقہ اور یورپ اور ایشیاء کے دور دراز ملکوں تک دارالعلوم کو اگر جاننے والے ملتے ہیں تو یہ حضرت مہتمم صاحب کے طویل ومسلسل علمی اور تبلیغی دوروں اور اسفار ہی کا نتیجہ ہے. حضرت مہتمم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے جہاں اور بہت سی خوبیاں عطا فرمائی تھیں، وہاں شیرینئ گفتار اور پرکشش اندازِ خطابت سے بھی نوازا تھا.

❁❁❁

حضرت حکیم الاسلام اور ان کی روشن خدمات

(از: مولانا محمد اسلام صاحب/استاذ حدیث وادب دارالعلوم وقف دیوبند

آج سے چھ سال قبل ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ومتولی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا انتقال ہوا، اس عرصہ میں حضرتؒ کی شخصیت اور ان کی دینی، دعوتی، انتظامی، تصنیفی اور تبلیغی خدمات پر جو کچھ بھی لکھا گیا ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ دارالعلوم کو ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی بنانے میں مرکزی کردار حضرت کا ہی رہا ہے، اس کے علاوہ انھوں نے دین وملت کے لئے جو مخلصانہ خدمات انجام دیں، وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی تاریخ کا زریں باب ہے، بعد از مرگ کارناموں کا اعتراف اور خراج عقیدت ایک عام سی روایت ہے، کسی شخصیت کی زندگی میں اس کی خدمات اور ان کی حیثیت پر زیادہ نہیں لکھا جاتا، مگر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی زندگی میں ہی ان کی، خدمات کو برملا تسلیم کر کے خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے اور اجتماعی طور پر ان کے خلوص وجدوجہد حسن انتظام وجذبۂ دعوت وتبلیغ کو سراہا گیا۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام ہندوستانی مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی ابتداء ہے، جب مسلمانوں کا اقتدار ختم ہوا، اور ان کی تہذیب ختم ہونے لگی اور باضابطہ اسلامی عقائد و شعائر کو مٹانے کی اعلانیہ سازش رچائی گئی علماء کو قید وبند کی صعوبتوں میں مبتلا کیا جانے لگا یا ملک بدر کئے جانے کا حکم صادر ہوا، اس وقت دینی تعلیمات کے تحفظ اور مسلمانوں کے ایمان وعقائد کی بقاء کے لئے چند بزرگوں نے دیوبند میں ایک اسلامی عربی مدرسہ کی بنیاد رکھی جو روایتی تعلیم گاہوں سے جداگانہ روش اور اصولوں کا حامل تھا، جو کسی حکومت یا شخصیت کی مالی سرپرستی سے آزاد اور صرف مسلمانوں کے تعاون پر منحصر رہا،

بانیٔ دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اسی لئے ایک اصول ہشتگانہ مقرر فرمایا، وہی اصول اس ادارہ کی بنیاد ہے، عوامی تعاون سے قائم ہونے والا یہ پہلا دینی ادارہ تھا، جو وقف علی اللہ اور کسی بھی حکومتی یا شخصی تسلط سے آزاد تھا.

پھر جہاں ایک طرف اس مدرسہ کے ذمہ داروں کے لئے تعلیمی وتربیتی نظم جاری رکھتے ہوئے عام مسلمانوں سے تعاون حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنی تھی، وہیں استعماری حکومت کے دست برد سے اس ادارہ کو محفوظ رکھنے کی اہم ذمہ داری بھی عائد ہوتی تھی. اور دوسری طرف برصغیر کے مسلمانوں کی توجہ بھی دارالعلوم کو حاصل رہی. حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ سے لیکر حضرت حکیم الاسلام کے اہتمام وانتظام کے زمانہ میں دارالعلوم طبعی رفتار سے ترقی کرتا رہا، لیکن پچاس سال گذرنے تک اس ادارہ کی وہ حیثیت نمایاں نہ ہوسکی، جو اس کے بانیان نے متعین کی تھی، یہ صرف ایک مدرسہ نہیں بلکہ ایک مکتبِ فکر، تحریک اور اسلامی قلعہ تھا، جو طلبہ کی تعلیم وتربیت سے سوا خدمات کا متقاضی تھا.

اکابر دیوبند کے اخلاص وعمل، خلوص نیت اور مسلسل جدّ وجہد کو خداوند قدوس نے شرف قبولیت سے نوازا اور اس ادارہ کی عالمی حیثیت عطا کرنے کے لئے اپنے مخلص ترین برگزیدہ بندے حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو مہتمم کی صورت میں ایک عبقری شخصیت میں اجاگر کیا.

اور پھر قادر مطلق نے دُنیا کو باور کرادیا کہ کسی کے خلوص، محنت، جدوجہد ایثار اور ایمان ویقین کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے. وہی عربی مدرسہ دینی تعلیم گاہوں میں مرکزی حیثیت کا حامل ہوگیا، اور اسلامی قلعہ کی صورت اختیار کرگیا. بے شک خدا کی قدرت اور اس کی رحمت کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ تھا، کہ حضرت حکیم الاسلام کے ذریعہ غیر اسلامی ملک میں یہ عظیم تر اسلامی ادارہ دینی تعلیمات کے ذریعہ دنیا کو منور کرنے لگا.

اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب

صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے اخلاص عمل، مخلصانہ جدوجہد اور دارالعلوم کے فنائیت کے جذبہ کا ثمرہ تھا، جنھوں نے اپنی زندگی اس ادارہ کے لئے وقف کردی، شہروں اور گاؤں کا سفر کرتے رہے، ملکوں ملکوں گھومتے رہے، تبلیغ دین کا اہم فریضہ بھی انجام دیتے رہے اور دارالعلوم کے لئے لوگوں کی توجہات حاصل کرتے رہے. اس ادارہ کا تعارف بھی کرایا اور اسلامی تنظیموں، دینی اداروں سے رابطے بھی قائم کئے، حضرت مہتمم صاحب کو خدا نے علمی بصیرت سے بھی نوازا تھا اور افہام وتفہیم کا امتیازی مادہ وملکہ عطا فرمایا تھا، اپنے مواعظ وخطبات سے مسلمانوں کو قرآن وحدیث کے علوم ومعارف سے آگاہ کرتے اور مجالس میں دارالعلوم اور اس کے اکابرین کا خصوصی تذکرہ فرماتے، اس طرح ملک وبیرون ملک ہر گوشے اور ہر خطہ میں پہنچ کر دین اور دارالعلوم کے مقاصد کی تبلیغ وترویج کرتے.

دارالعلوم دیوبند کے ذمہ دار کارکنان میں آپ کی پہلی شخصیت ہے، جنھوں نے بیرونی ممالک کے سفر کئے برصغیر ہندو پاک، بنگلہ دیش کے علاوہ ایشیاء کے دیگر ممالک اور امریکہ وافریقہ اور یورپ کے مختلف مقامات کے سفر کئے اور دارالعلوم کی ترقی و بہبود کے لئے زیادہ سے زیادہ سامان بہم پہونچایا، چنانچہ ان کے زمانہ میں دارالعلوم نے جو ترقی کی وہ محتاج بیان نہیں، تعلیمی، تعمیری اور دیگر شعبہ جات میں اضافے ہوتے گئے، اور اس اسلامی ادارہ کو عالمگیر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوتی گئی، وہ دارالعلوم کو ایسی حیثیت میں لے آئے کہ اب زیادہ محنت کی ضرورت تھی نہ لوگوں کو متوجہ کرنے کی مسلمانان عالم ازخود اس کے تعاون کے لئے کوشاں رہنے لگے، حضرت حکیم الاسلام کی دارالعلوم کے لئے ان خدمات کا اجتماعی اعتراف ۱۹۸۰ء میں منعقد ہوئے اجلاس صدسالہ میں کیا گیا، جب مشاہیر علما و عالم اور رہنمایان ملت نے دارالعلوم کو خراج تحسین پیش کیا اور حضرت کے کارناموں کا اعتراف کیا، اجلاس صدسالہ کے دوران ہی کچھ سیاسی اور اقتدار پسند عناصر نے دارالعلوم کو ہتھیانے کے منصوبے بنائے اور

اپنے ہتھکنڈوں سے بہت سے سادہ لوح بزرگوں اور متعدد شخصیتوں کو مغالطہ دیکر حضرت حکیم الاسلامؒ کی ذات کو مجروح کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی.

وہ اپنے اس مذموم مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ دارالعلوم کی عمارتوں کا غاصبانہ قبضہ کرلیا. اس فتنہ کے دوران کچھ ناعاقبت اندیش اور ایمانی بصیرت سے خالی افراد نے حضرتؒ کو بدنام کرنے کی سازش بھی کی مگر اس مردمجاہد اور خداترس بزرگ نے اف تک نہ کی، چنانچہ ان کی رحلت کے بعد دنیا بھر میں حضرت حکیم الاسلام کے کارناموں کو سراہا گیا اور ان کے اخلاص وعمل کو عدیم المثال کارنامہ قرار دیا، حضرت نے دارالعلوم دیوبند پر غاصبانہ قبضے کے بعد بھی اس ادارہ کے بالمقابل کسی اور دارالعلوم کے قیام کو مناسب نہ سمجھا. جب تک کہ دارالعلوم کی بنیادی روایات کو پامال نہ کردیا گیا.

اور جب اس کے اصول وروایات اور وقف ہونے سے مخالفین نے انکار کردیا تب حضرتؒ نے روایات اکابر دارالعلوم اور اصول کی بقاء کے لئے وقف دارالعلوم دیوبند کا آغاز فرمایا. اور آپ نے خود اس کے لئے مسلمانوں سے اپیل کی، اب بحمد اللہ یہ ادارہ وقف دارالعلوم نیک نامی اور شہرت کی منزلیں طے کر رہا ہے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنے دو علمی جانشین چھوڑے. بڑے صاحب زادے حضرت مولانا محمد سالم قاسمی وقف دارالعلوم دیوبند کے اہتمام وتولیت کی اہم ذمہ داری نبھانے کے ساتھ اپنے والد کی طرح ملک وبیرون ملک دینی اور تبلیغی دوروں پر تشریف لے جاتے ہیں اور مولانا محمد اسلم قاسمی وقف دارالعلوم میں تدریس کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں میں اپنی ایمانی تقریروں سے تبلیغ دین کو جاری رکھے ہوئے ہیں. جو حضرت حکیم الاسلامؒ کا امتیازی وصف رہا ہے.

❀❀❀

دارالعلوم دیوبند کا مہتمم کیسا ہو؟

حضرت مولانا قاری المقری ابوالحسن صاحب اعظمی مدظلہ
صدر القراء دارالعلوم دیوبند

ہم نے جب سے ہوش سنبھالا اس وقت سے مدارس کی دیکھ بھال اوران کے نظم وانتظام سے متعلق حضرات کے لیے گوش آشنا لفظ ''ناظم'' تھا۔ لفظ اہتمام کا معنی پیش آمدہ امور کی انجام دہی کے لیے ارادہ اور فکر کرنا —— مدرسہ کے ناظم کی جگہ ''مہتمم'' کے بھاری بھرکم لفظ سے ۱۹۵۲ء کے قریب آشنائی ہوئی جب مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑھ کے جلسہ سالانہ کے اشتہار میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا اسم گرامی نظر نواز ہوا۔

اللہ اللہ اسم با مسمی ذات ایسی کب آئی ہوگی؟ جسم وجسامت ہو یا صوت وصورت، لب ولہجہ ہو یا حرکات وسکنات، نام کی پاکیزگی اور طہارت ہر وصف کا جز واعظم۔

لفظِ اہتمام، کوئی معمولی لفظ نہیں ہے کہ کسی بھی مکتب اور مدرسہ کے ساتھ اسے چسپاں کردیا جائے، اس کے لیے تو کوئی جامعہ اور کوئی عظیم ادارہ ضروری ہے۔ کسی ابتدائی مدرسہ اور معمولی تعلیم گاہ کے ناظم کو ''مہتمم'' کا لفظ دے دینا خود اس لفظ کی تخفیف ہے۔

کسی مرکزی ادارہ کے مہتمم کے لیے کچھ ضروری اوصاف ہوتے ہیں، اگر مہتمم ان اوصاف سے متصف نہ ہوگا تو ادارہ کی عظمت اور مرکزیت کو خاک میں ملائے گا، اور لفظ مہتمم کی عزت کو بھی داغ لگائے گا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اختصار کے ساتھ چند ضروری اوصاف کی جانب

اشارہ کردیا جائے۔

۱: مہتمم کے لیے صرف عالم اور کسی درسگاہ کا فاضل ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ نہایت جیدالاستعداد اور بھرپور ہمہ جہتی صلاحیتوں کا حامل ہونا ضروری ہے، ایسا کہ میزان سے بخاری تک تمام علوم کی جامع تدریسی صلاحیت رکھتا ہو، تاکہ بوقت ضرورت اگر کسی بھی جماعت کا استاذ غیر حاضر ہوتو مہتمم اس کی کتاب باسلوب احسن پڑھا سکے، اور استاذ کی غیر حاضری سے تعلیم متاثر نہ ہو، نظم واہتمام کی یہ بھی ایک اہم ضرورت ہے۔خوب واضح رہے کہ مدرسہ دراصل نام ہے تعلیم وتعلّم اور تدریس وتدرس کا، تدریسی نظام میں اختلال کے بعد کیا باقی رہ جاتا ہے۔

۲: اگر طلبہ میں کوئی غلط رَدیا ناز یبا رجحان پیدا ہورہا ہوتو مہتمم اپنے مؤثر خطاب عالمانہ اور حکیمانہ اندازِ بیان کے ذریعے اس غلط رُخ سے انھیں پھیر سکے۔

۳: ایسی عمدہ فہم وفراست کا مالک ہو کہ بوقتِ ضرورت اساتذہ اور تعلیمی وتدریسی عملہ کو افہام وتفہیم کے ذریعے انتشار وافتراق سے روک کر انھیں باہم متحد رکھ سکے، اپنی اس بدرجۂ اتم صلاحیت کے ذریعہ مدرسہ میں اتفاق واتحاد کی فضا قائم رکھ سکے، ایسی پرسکون فضا تعلیم وتدریس کے لیے ازبس ضروری ہے۔

۴: واردین وصادرین جو مدرسہ کی زیارت کے لیے باہر سے آتے جاتے ہوں ان کے سامنے مدرسہ کا ایسا جامع اور دلکش تعارف پیش کر سکے جس سے خارجی دنیا سے ربط وارتباط مضبوط رہے۔

۵: وعظ ونصیحت اور تقریر وخطابت کی بھرپور صلاحیت وقابلیت رکھتا ہو تاکہ وقتاً فوقتاً باہر سے آنے والی دعوت کو قبول کر کے اسفار کر سکے اور اپنے اس وصف کے ذریعہ مدرسہ کا کاز اور حلقۂ تعارف وسیع تر ہو سکے۔

۶: مہتمم کے لیے وصفِ مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کی صلاحیت کا حامل ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ بوقتِ ضرورت اس رُخ سے بھی مدرسہ کا تعارف قوم وملت کے

سامنے پیش کر سکے اور اس سے ملت کو فائدہ بھی پہنچے۔

۷: مہتمم کے لیے وصفِ تدبر سے موصوف ہونا ضروری ہے، تاکہ پیش آمدہ مسائل کا جذبات سے بالاتر ہو کر صحیح رُخ سے جائزہ لے سکے اور مدبرانہ فیصلہ کر سکے۔

۸: مہتمم کے اندر وصف رافت اور مروّت بھی بے حد ضروری ہے، تاکہ تدبر اور تفکر کیساتھ کئے گئے حاکمانہ فیصلے حکیمانہ انداز میں نافذ کئے جاسکیں۔ جو ظلم وزیادتی سے پاک ہوں۔

۹: مہتمم کو وصفِ جرأت سے موصوف ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اپنے مدبرانہ فیصلہ، بے لاگ اور اور بے خوب ہوکر نافذ کر سکے، جرأت نہ ہوگی تو بہتر سے بہتر فیصلے۔ فقدانِ ہمت کے باعث ٹھنڈے بستے میں پڑے رہ جائیں گے۔

۱۰: دورِ حاضر میں ''سیاست'' جس چیز کا نام ہے وہ بے حد گندی چیز ہے، مدرسہ کے مہتمم کے لیے تمام تر سوجھ بوجھ اور علم وفضل کے ساتھ ——— دورِ حاضر کی بدنام زمانہ سیاست کی گندگی سے خود کو پاک وصاف اور اس سے دور رکھنا بے حد ضروری ہے، ورنہ تحزّب اور گروہ بندی (جو سیاست کا مزاج ہے) سے مدرسہ کو محفوظ نہ رکھ سکے گا۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ مدرسہ اور تعلیم گاہ کا ماحول کامل طور پر یکسوئی کا طالب ہوتا ہے جب کہ سیاسی زندگی یکسر شورش اور ہلچل کا نام ہے۔ ''علمی زندگی کی جمعیتیں اور سیاسی زندگی کی شورشیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں، پنبہ وآتش میں آشتی محال ہے''۔

علمی زندگی اور عالمانہ ماحول میں سیاست کی آمیزش ——— گویا متاعِ علم وفکر کو برقِ خرمن سوز کے حوالہ کرنا ہے۔ علمی مزاج کے حامل بابائے سیاست مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے مذکورہ بالا الفاظ میں خود اپنا ماتم کیا ہے۔

۱۱: ایک دینی مدرسہ اور مرکزی ادارہ کے منصب اہتمام پر فائز شخص کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ نسبتِ احسانی کا حامل ہو۔ یعنی ایک عرصہ دراز تک کسی شیخ باطن کی صحبت میں رہ کر رذائل کے ازالے پر سخت محنت کے ذریعے اپنے باطن کو مزکی اور خصائل حمیدہ سے مجلّٰی کیے ہوئے ہو، خوب واضح رہے کہ مدارس کے اس نظام اور ساری تعلیم

وتعلم کا مقصد ہی حقیقتاً تربیت کے ذریعے تزکیہ اور نسبت احسانی کا حصول ہے، یہ نہیں تو کچھ نہیں، سارا نظامِ تعلیم محض لغو اور بیکار ہے۔

اوپر قدرے اختصار کے ساتھ منصبِ اہتمام کی اہمیت کے پیش نظر گیارہ اوصاف ذکر کیے گئے اب ہم ذیل میں ان گیارہ اوصاف کے حوالے سے حضرت حکیم الاسلامؒ کی شخصیت کی طرف مختصر اشارات کی کوشش کریں گے۔

جن مدارس کو خاص طور پر مرکزی اداروں کو ایسے اوصاف کی حامل شخصیات دستیاب ہوں گی، حقیقتاً وہی ادارے ترقی کر سکیں گے اور خاطر خواہ بہتر نتائج کے حامل ہوں گے۔

ہم جب ان اوصاف کو دیکھتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ کس طرح یہ ساری چیزیں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کے مزاج وطبیعت اور سرشت وجبلت میں داخل اور رچی بسی تھیں۔

دارالعلوم دیوبند جسے الہامی مدرسہ کہا جاتا ہے، خاص طور پر ملتِ ہندیہ پر اللہ رب العزت کا فضل وانعام ہے۔ اس مرکزی ادارہ کے انتظام وانصرام کے لیے ایسی ہی ہمہ صفت موصوف شخصیات میسر رہیں۔

حکیم الاسلام حضرت مہتمم صاحبؒ صحیح معنی میں نمونۂ اسلاف اور یادگار اکابر تھے، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے علوم نقلیہ وعقلیہ کے حقیقی جامع اور وارث اور حکمتِ قاسمی کے کامل امین تھے۔

۱ علمی جامعیت

چناں چہ آپ نے علمی جامعیت میں کمال کے ساتھ درس وتدریس سے رابطہ رکھتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے تدریس او: "حجۃ اللہ البالغہ" کے کراماتی درس کو جاری رکھا، اور یہ وہ خصوصی کتاب تھی جس میں آپ کے حکیمانہ ذوق کے اسرار اور جواہر خوب خوب نمایاں ہوئے۔ اور پڑھنے والوں کو بیک درس ایسے ایسے یواقیت اور لآلی ہاتھ آجاتے جن کا میسر آنا مدتوں

کی محنتوں کے بعد بھی مشکل ہوتا۔ ابتداء سے انتہاء تک ساری ہی کتابوں کی تدریس کا سلسلہ رہا، دارالعلوم میں ''حجۃ اللہ البالغہ'' کا درس تو بہت ہی مشہور اور مقبول تھا۔

۱۳۹۷ھ کے درمیان سال میں جب شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندیؒ کا وصال ہوا تو فوری طور پر بخاری شریف جلد اوّل اور ترمذی شریف جلد اوّل کا درس حضرت مہتمم صاحبؒ نے شروع کرادیا سلسلۂ درس کی برکات کو موقوف ہونے سے بچالیا۔ اور جب تک متبادل انتظام نہ ہوا آپ نے ان دونوں اہم ترین کتابوں کا درس دیا۔ آپ کے درس حدیث کے نکات اور علمی حقائق اور معارف اس وقت ایک کتاب کی شکل میں طبع بھی کردیے گئے تھے۔

۲ مؤثر اور حکیمانہ انداز آپکے طویل ترین دورِ اہتمام میں دارالعلوم متعدد بار بڑی ہلچل اور شورش سے گذرا مگر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صفات وصلاحیتوں سے نہایت ہی مدبرانہ اور حکیمانہ انداز پر ان سب ناپسندیدہ حالات کو بطریق احسن نمٹایا۔ اور دارالعلوم کو زبردست بھونچالوں سے باہر نکالا۔ (دارالعلوم کی تفصیلی تاریخ اس کی گواہی دے گی)

۳ فہم وفراست آپکی فہم وفراست سے دارالعلوم کے مختلف اور متنوع عقدۂ لاینحل بڑی خیر وخوبی سے حل ہوئے۔ اور باوجود مختلف طبائع اور مزاج کے اساتذہ اور کارکنان میں ایک ایسا اتحاد اور ایسی باہمی یکانگت کا نظارہ دیکھنے میں آیا اب جنکے دیکھنے کو نگاہیں ترستی ہیں۔

۴ دل کش اندازِ بیان وتعارف حضرت مہتمم کے دورِ مسعود میں اہل علم وفضل واردین وصادرین کا جو سلسلہ نظر آتا ہے اور آپ کے دلکش تعارف کی بدولت ادارہ کی علمی حلقہ میں جو وسعت نظر آتی ہے وہ بس آپ کے دور کی خصوصیت ہوکر رہ گئی۔

۱۳۵۵ھ میں جامعہ ازہر مصر کے مخصوص اساتذہ پر مشتمل وفد کی حاضری ہو، اور

امیر وفد شیخ ابراہیم الجبالی کا آپ کے اہتمام میں دارالعلوم کی علمی حیثیت اور کوائف پر مسلسل اظہار تعجب ہو، یا ۱۳۵۸ھ میں سلطان ابن سعود کی حکومت کی جانب سے مطبوعہ اہم کتابوں کا گراں قدر ہدیہ ہو، یا اسی سال حضرت مہتمم صاحبؒ کے یادگار سفر افغانستان کی برکات بشکل ''باب الظاہر'' ہو۔ یا ۱۳۷۱ھ میں ایک مصری فاضل شیخ محمد ارشاد بن عبدالمطلب کی دارالعلوم میں تشریف آوری اور زیارت دارالعلوم کو اپنے لیے باعث فخر شمار کرنا ہو۔ یا ۱۳۷۳ھ میں شاہ سعود کا وارد ہند ہو کر دارالعلوم دیوبند کے ساتھ اظہار عقیدت ومحبت کرتے ہوئے پچیس ہزار روپے کا عطیہ ہو، یا اسی سال انورالسادات مرحوم صدر متحدہ عرب جمہوریہ مصر کا دارالعلوم میں ورود اور حضرت مہتمم صاحبؒ کی شیریں زبانی سے دارالعلوم کے تعارف پر متاثر ہو کر صمیم قلب سے مبارک باد ہو، یا ۱۳۷۷ھ میں محمد ظاہر شاہ افغانستان کا دارالعلوم میں ورود مسعود ہو، یا ۱۳۸۲ھ میں جلیل القدر شامی عالم اور مشہور محقق، استاذ ''جامعہ حلب'' شام۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی آمد اور دارالعلوم کے بارے میں عظیم تاثرات ہوں، یا ۱۳۹۳ھ میں سعودی عرب سے آئے ہوئے دو وفود کا خراج تحسین ہو، یا ۱۳۹۵ھ میں شیخ الازہر عبدالحلیم محمود کی تشریف آوری اور دارالعلوم دیوبند کے عظیم کارناموں اور ہمہ جہتی خدمات کی مدحت سرائی ہو، یا ۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم کے ''عالمی اجلاس صدسالہ میں عالمی پیمانہ پر حضرت حکیم الاسلامؒ کا اس انداز پر دارالعلوم دیوبند کو متعارف کرانے کا عالمی اعتراف وتصدیق کا بین الاقوامی مظاہرہ، اور جن کے ایک اعلان پر عالم اسلام کے گوشے گوشے سے پچاس لاکھ سے زائد افراد کا بے مثال مجمع، اور اس میں نہ صرف برصغیر بلکہ دنیائے اسلام کے اساطین وارکین سلطنت، علماء، مشاہیر اور عامۃ الناس کا دارالعلوم دیوبند کے وقار وجلال اور اس کی عظمت وسطوت اور عروج وکمالؒ کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ'' ہو۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب آپ کے اسی حکیمانہ اور پرتاثیر اندازِ تعارف کے عظیم الشان، بے مثال اور تاریخی نتائج ہیں۔

۵ وعظ ونصیحت اور تقریر وخطابت

حضرت حکیم الاسلامؒ کی حیات کے اہم ترین عناصر میں نہایت پرکشش پہلو یہ بھی ہے کہ آپ ایک بے مثال واعظ اور خطیب تھے، حقیقت یہ ہے کہ وعظ وتقریر میں علماء اور واعظین کی صف میں آپ کا کوئی مثیل اور ثانی نہ تھا، آپ بلاشبہ امتیازی مقام کے حامل تھے۔ اس میں آپ کو ایسا ملکۂ راسخہ حاصل تھا جسے موہبت الٰہی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

دورانِ تقریر ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک چشمہ رواں ہے، اور ایک ایسا آبشار ہے جو اوپر سے نیچے نہایت یکسانیت اور سکون کے ساتھ اپنے جلو میں علوم ومعارف اور اسرار وحکم کو لیے بہہ رہا ہے۔

۶ تصنیف وتالیف

مضمون نگاری اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ آپ نے زمانۂ طالب علمی سے ہی شروع کردیا تھا، اور یہ مبارک سلسلہ وفات کے قریب تک دراز رہا، آپ کی تصانیف علمی، دینی، تاریخی ادبی، معاشرتی اور تمدنی موضوعات پر ہیں جو سو کے قریب ہیں۔

اس رُخ سے آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ موضوع خواہ کیسا ہی خشک ہو علمی وقار عالمانہ انداز، اسرار وحکم اور عارفانہ نکتوں سے خالی نہیں رہ سکتا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے منصبِ اہتمام پر فائز رہتے ہوئے، آپ ملک اور ملک سے باہر دور دراز کے دعوتی اور تبلیغی اسفار بھی کرتے، آپ کے اسفار کا دائرہ ایشیا سے گذر کر امریکہ، افریقہ اور یوروپ کے ممالک تک وسیع تھا۔ دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا عالمی پیمانہ پر اتنا عظیم الشان تعارف آپ ہی کے دورِ مسعود میں ہوا۔

۷ تدبر اور مدبرانہ فیصلہ

دارالعلوم دیوبند ایک بین الاقوامی ادارہ ہے، آئے دن یہاں مختلف النوع مسائل کا

انبار رہتا ہے جن سے مہتمم کو براہِ راست سروکار رہتا ہے اگر مہتمم تدبر وتفکر کے وصف سے خالی رہے گا تو کبھی مسائل کا صحیح تجزیہ اور اس پر مناسب فیصلہ نہیں کر سکے گا۔

حضرت مہتمم صاحبؒ نے مسائل پر کھل کر تجزیہ اور ان پر واضح رائے ومشورہ کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی بنائی تھی، پیش آمدہ مسائل، تعلیمی وانتظامی ہوں، یا داخلی اور خارجی ہوں سب پر کھلے طور سے مشورہ فرماتے تھے۔

یہاں اختصاراً دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

ایک بار درجۂ علیا کے اساتذہ کی مجلس بلائی، مسئلہ یہ تھا کہ دارالعلوم میں ایک قدیم دور کی خراب پڑی ہوئی کار تھی، اور روز بروز زنگ آلود ہوکر مسخ ہوتی جارہی تھی، حضرت مہتمم صاحبؒ نے اس کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا، ایک بڑے استاذ کی زبان سے یہ نکلا کہ ''حضرت میری حقیر رائے تو یہ ہے کہ یہ اکابر کے زمانے کی یادگار ہے، اسے یونہی (بطورِ تبرک) رہنے دیا جائے''۔

بس پھر کیا تھا یکے بعد دیگرے سارے ہی حضرات نے اسی کو دہرایا اور تائید کردی، حضرت مہتمم صاحبؒ اپنے خاص انداز میں بیٹھے ہوئے خاموشی کے ساتھ سنتے رہے۔ آخر میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانویؒ (م ۱۹۹۵ء)، آپ اسی سال درجۂ علیا پر فائز ہوئے تھے اور شاید مجلس میں یہ آپ کی پہلی شرکت تھی) سے استفسار فرمایا، مولانا موصوف نے اوّلاً نہایت تیکھے تیور کے ساتھ عرض کیا۔

''جی ہاں! حضرت بالکل بلکہ میری رائے تو یہ بھی ہے کہ اس کار کو ایک موٹے سے رسے سے باندھ کر دارالتفسیر پر لٹکا دیا جائے اور اس پر موٹے حروف میں لکھ دیا جائے ''یادگارِ اکابر'' پھر پہلو بدل کر عرض کیا — ''حضرت! اکابر کی یادگار تو یہ دارالعلوم ہے اس کی تعلیمی وتربیتی پہلو کی جانب زیادہ سے زیادہ توجہ درکار ہے، میری مؤدبانہ گذارش ہے کہ اگر کل اسے یہاں سے ہٹانا ہو تو آج ہی اسے کباڑی کے پاس پہنچا دیا جائے شاید کچھ پیسے مل جائیں''۔

یہ سن کر مجلس پر سناٹا طاری ہوگیا، مگر حضرت مہتمم صاحبؒ کے چہرے پر ایک مسرت آمیز کیفیت نظر آئی اور فرمایا:

''مولانا وحید الزماں صاحب جو فرما رہے ہیں اسے نوٹ کرلیا جائے'' اور اسی کے مطابق فیصلہ صادر فرمادیا، حضرت مہتمم صاحبؒ کا یہ فیصلہ بلاشبہ ساری مجلس کے علی الرغم تنہا فردِ واحد کی رائے پر ہوا، مگر چوں کہ صائب تھا اس لیے بغیر کسی توقف کے نافذ فرمادیا۔

ایک مثال انھیں صاحب سے متعلق —— ۱۴۰۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کے عالمی اجلاس صدسالہ کے موقع پر مدرسہ کی تعمیراتی اصلاح کے لیے تمام اراکین کے مشوروں کے علی الرغم مولانا کیرانوی مرحوم کو، پورے اختیارات کے ساتھ تعمیرات کا نگراں مقرر کردینا اور قدم قدم پر رکاوٹوں کے دوران مولانا کی مکمل حمایت وتائید —— جسے دنیا نے دیکھا —— یہ سب اسی تدبر اور مدبرانہ فیصلوں کے نتائج تھے۔

۸ مروّت ورافت کا مجسمہ

حضرت حکیم الاسلامؒ شرافت اور مروّت کا مجسمہ تھے، اس سلسلے میں آپ کی حیات کے متعدد واقعات میں سے صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت مہتمم صاحبؒ کے دفتر اہتمام میں تشریف لانے کا ایک مخصوص راستہ تھا، مسجد دارالعلوم سے ہوکر ذیلی راستے سے دفتر اہتمام میں تشریف لاتے تھے، ایک روز مسجد کا دربان اسٹول پر بیٹھا، پاؤں اس طرح پھیلائے ہوئے کہ راستہ بالکل بند —— حضرت مہتمم صاحبؒ اپنے وقت پر مکان سے تشریف لائے اور راستہ بند دیکھ کر بغیر کوئی آہٹ پیدا کئے راستہ بدل کر دفتر اہتمام آگئے، حضرت کو اس کا کوئی بھی خیال نہ آیا۔ لیکن ذمہ دار اور نگراں کو معلوم ہوگیا اور پھر اس غفلت کی دربان کو سزا ملی، دربان معافی کی ایک درخواست کے ساتھ حضرت مہتمم صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوگیا —— پھر حضرت نے کیا کیا؟ ملاحظہ فرمائیے:

حضرت اس کی درخواست پر کچھ اس طرح ارقام فرماتے ہیں:

"مدرسہ کے یہ کارکن یقیناً شب بیدار ہوں گے، اسی شب بیداری کی وجہ سے اس وقت اتفاقاً ان کی آنکھ لگ گئی ہوگی اس لیے درگذر کیا جانا چاہیے" (ہٰکذا)

اور پھر حضرت کی اس مروّت کے نتیجے میں وہ دربان بحال ہو گیا۔

﴿۹﴾ جرأت اور قوتِ فیصلہ

کہا جاتا ہے کہ حضرت مہتمم صاحبؒ میں جرأت کی کمی تھی، راقم الحروف کے نزدیک یہ آپ پر ایک اتہام ہے اگر جرأت اس کا نام ہے کہ بے موقع اور اپنے بڑے اور بزرگ کے فرق مراتب اور ان کا پاس ولحاظ کئے بغیر بلند آواز سے زبان سے اُول فول نکال دیا جائے، تو اس معنی میں یقیناً آپ جری نہیں تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی بے جا جرأت بلکہ ایسی گستاخی اور بے ادبی سے آپ کو اللہ رب العزت نے محفوظ رکھا تھا۔

یہاں جرأت اپنے حقیقی معنی میں تھی یعنی کسی کا حق سلب کئے اور معمولی طور پر بھی کسی کے ساتھ زیادتی کئے بغیر قوت وہمت اور سلیقہ کے ساتھ حق دار کو اس کا حق پہنچانا —— حضرت مہتمم صاحبؒ کی اس معنی میں جرأت مندی کی صرف ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں آج سے پچیس چھبیس سال پہلے اساتذہ اور کارکنان کی تنخواہیں بے حد قلیل تھیں اور گرانی روز افزوں —— اساتذہ وکارکنان کی درخواست پر آپ کا دردمند دل متوجہ ہوا، آپ نے ان سب درخواست دہندگان کی درخواست پر کس قدر مناسب انداز میں ایک نہایت ضروری اور صحیح فیصلہ صادر کرتے ہوئے سب کی تنخواہیں دوچند کردیں اور سلیقہ ملاحظہ فرمایئے۔

ارقام فرماتے ہیں: "بامید منظوری شوریٰ ——"

حضرت حکیم الاسلامؒ شب وروز دارالعلوم کے تمام اُمور سے نمٹتے تھے، سب کچھ آپ ہی کو دیکھنا ہوتا تھا ادارہ کی نشیب وفراز اور اس کی دقتوں، نزاکتوں اور ضرورتوں کو آپ کے سوا کون سمجھ سکتا تھا —— اس وقت کے بعض اراکین شوریٰ نے اعتراض

کرنے کی جرأت کی تو حضرت نے یہ ارشاد فرما کر ٹھنڈا کر دیا۔

''میں نے اس میں یہ بھی تو لکھا ہے ''بامید منظوری شوریٰ'' آپ کو ناپسند ہو تو اسے رد کر دیں، مگر بہر حال اس زمانے کے سارے ہی حضرات اراکین حضرت حکیم الاسلامؒ کے مقام و مرتبہ اور آپ کے عظیم الشان اور بے مثال کارناموں کو بچشم خود دیکھنے والے تھے، بالآخر منظور کر لیا۔

کوئی ''ضابطہ اور قانون'' کی دہائی دے سکتا ہے، بے شک مدارس اور اداروں کے لیے ضابطے اور قوانین ہوتے ہیں اور ان کی پابندی اور بجا آوری بھی ضروری ہوتی ہے، مگر خوب سمجھ لینا چاہیے کہ ضابطہ سے بالاتر نہ سہی مگر حالات اور زمانہ کے تقاضے کے پیش نظر کبھی کبھی رابطہ بھی ایک لابدی شے بن جاتی ہے، البتہ وہ موقع اور محل کے مطابق ہو حضرت حکیم الاسلامؒ سے زیادہ موقع و محل اور وقت کا تقاضا اور ضرورت کو کون سمجھنے والا ہو سکتا تھا، ایسے طویل ترین اور عظیم ترین تجربات کس کی حیات کا سرنامہ تھے —؟

یہ تو صرف ایک مثال تھی، ایسی جرأت مندانہ اور مدبرانہ تجاویز اور فیصلے نہ جانے کتنے تھے۔

۱۰ دورِ حاضر کی سیاست سے پاک

جیسا کہ آغاز میں عرض کیا گیا، دورِ حاضر کی بدنام سیاست، محض ایک شورش اور ہلچل کا نام ہے دورِ حاضر کی سیاست کے بارے میں ہوئے ''صاحبانِ فکر و نظر'' کے سیاسی فکر اور فیصلے سے دنیائے علم و فضل کو کیسے کیسے زخم ملے ہیں، ان زخموں کی ٹیس سے ایک دنیا کراہ رہی ہے۔

حضرت حکیم الاسلامؒ حضرت حکیم الامتؒ کی بزمِ خیر و برکت کے ایک درخشندہ ستارے تھے، حضرت حکیم الامتؒ ہی کی طرح، آپ نے بھی علم و فضل کی پرسکون اور سیدھی راہ کو سیاست کی پرشور اور پرپیچ وادیوں کے ساتھ خلط ملط نہ ہونے دیا۔

دارالعلوم دیوبند کوئی علاقائی، کوئی صوبہ جاتی اور کوئی یک ملکی مدرسہ نہیں ہے اور یہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کی تعلیم گاہ بھی نہیں ہے بلکہ یہ عالم اسلام کا بین الاقوامی ادارہ ہے ـــــ اس کی بین الاقوامیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس ادارے کا سربراہ اور مہتمم موجودہ دور کی گھٹیا اور گھناؤنی سیاست کی تنگنائیوں سے بالاتر ہو، ایسے عالمی ادارے کا مہتمم کوئی ایسا ہی عظیم شخص ہو جو مذکورہ بالا اوصاف میں منفرد مقام رکھتے ہوئے ملتِ مسلمہ میں ہمہ جہت ہو اور ہمہ گیر مقبولیت کا حامل ہو، بلاشبہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے اپنے اسلاف کی طرح خود کو کسی سیاست کا اسیر نہ رکھتے ہوئے دارالعلوم کو اسی شانِ عظمت اور تاریخی کردار کے ساتھ ساٹھ سال کے طویل اور تاریخی عرصہ تک ہمہ جہتی ترقیات کی روشن شاہراہوں پر قائم رکھا، جس کا واضح اعتراف واقرار آپ کے مخالفین نے بھی کیا۔

دارالعلوم کی بے پناہ مقبولیت اور محبوبیت اور اس کی عالمگیریت کا محور اگر حکیم الاسلامؒ کا کمالِ علمی، اوصافِ ظاہری وباطنی، زہد وتقویٰ، دیانت وامانت، فہم وفراست میں منفرد مقام کا مالک ہونا تھا ـــــ تو ٹھیک اسی طرح آپ کا دارالعلوم دیوبند کو ہر طرح کی سیاستوں سے بچا کر اس کو ہمہ جہت اور ہمہ گیر بنانا بھی تھا۔

۱۱ نسبت احسانی کے حامل اس عنوان کے تحت ہمیں پہلے آپ کی تعلیم وتربیت کی ابتدا اور آغاز پر ایک نظر ڈالنی ہوگی ولادت ۱۳۱۵ھ کے ٹھیک آٹھویں سال ۱۳۲۳ھ میں آپ کو تعلیم وتربیت کے لیے مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کی آغوش میں دیدیا گیا، اس وقت کے اکابر وشیوخ کی موجودگی میں ''مکتب نشینی'' کی مبارک تقریب عمل میں آئی حضرت شیخ الہند علیہ الرحمہ، شیخ طریقت مفتی اعظم مولانا عزیز الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی علیہ الرحمہ، اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب علیہ الرحمہ جیسے اہل اللہ نے آپ کی بسم اللہ کرائی۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ نے اس مبارک مجلس کی تاریخ درج ذیل قطعہ سے نکالی:

ابتدائی مکتبِ طیب کی مبارک تقریب ❁ کہ نئے طرح کا جلسہ تھا نئی طرح کی سیر
رَبِّ یَسِّرْ جو کہا تو بیروئے ابا ❁ فضل تاریخ میں بول اٹھا کہ تَمِّمْ بِالْخَیر
۱۳۲۳ھ

دیکھا آپ نے آغاز کا جب عالم یہ ہے انجام کا عالم کیا ہوگا، اللہ، اللہ۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ تقویٰ، للّٰہیت، خدا ترسی، اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت محض کتابوں کی ورق گردانی الفاظ ونقوش، ان کے معانی ومفاہیم کے علم، زبان دانی، زبان وبیان میں مہارت وکمال اور ادبیت وبلاغت کے ذوق سے حاصل نہیں ہوتی ہے یہ تو ایک بالکل الگ ہی قسم کی مایہ اور متاع ہے، یہ جوہر تو صرف اہل اللہ کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے مولانا روم فرماتے ہیں:

قال را بگذار مردِ حال شو ❁ پیش مردِ کاملے پامال شو

خود قرآن عزیز نے اہل اللہ اور اہل تقویٰ کی معیت اور صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (توبہ:۱۱۹)

چناں چہ اسی متاع گراں بہا، نسبتِ احسانی کے حصول اور اس سے مرصّع ومجلی ہونے کے لیے، اوّلاً آپ کا سلسلہ بیعت بسم اللہ کے صرف سترہ سال بعد ۱۳۳۹ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ سے قائم ہوا، ابھی آپ راہ طریقت کے اعلیٰ منازل طے کر رہے تھے کہ حضرت شیخ الہندؒ کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد اپنے زمانے کے سب سے بڑے شیخ قطب العالم حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی طرف رجوع کیا اور آپ کی نگرانی میں راہِ معرفت وحقیقت کے اعلیٰ مدارج طے کئے، اور ۱۳۵۰ھ میں حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو اپنا مجاز قرار دے کر خلافت کے خلعتِ فاخرہ سے مشرف فرمایا۔

مخلوق خدا کی ظاہری وباطنی اصلاح کے حصول کے لیے اہل اللہ کے تین معروف طریقے ہیں یعنی قلم، دعوت وتبلیغ کے لیے تقریر ووعظ اور تصوف کی راہ —— لیکن

اگر اللہ رب العزت کسی شخص واحد میں یہ تینوں ملکات ودیعت فرمادیں تو اس کی جامعیت اور اکملیت مسلم ہو جاتی ہے۔

بلا مبالغہ اور بلاشبہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اسی وصف جامعیت و اکملیت سے متصف اور مزین تھے۔

اسی کو عمدہ انداز میں حضرت مولانا اصغر حسین میاں صاحب محدث دیوبندیؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

''بانیٔ دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ اور اکابر جماعتِ اہل حق کی تمام معنوی اور روحانی نسبتوں اور تمام علمی امتیازات وخصوصیات کو حق تعالیٰ شانہ نے ماشاء اللہ مولانا محمد طیبؒ کی ذاتِ ستودہ صفات میں جمع فرمادیا ہے''۔

ولیس علی اللہ بمستنکر ۞ ان یجمع العالَم فی واحدِ

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍo اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرo

دارالعلوم دیوبند جیسے عالمی اور بین الاقوامی ادارہ کے منصبِ اہتمام کے لیے جیسے ہمہ صفت موصوف اور جامع کمالات شخصیت کی ضرورت تھی —— حضرت حکیم الاسلامؒ ایسے ہی جامع کمالات تھے۔

اس عظیم ادارہ کے اس اہم منصب کی بلاشبہ آپ زینت تھے، یوں تو ؎

ہر بوالہوس نے حُسن پرستی شعار کی!

لیکن حقیقت یہ ہے ''مہتمم دارالعلوم دیوبند'' کہلانے کی مستحق صرف آپ کی ذاتِ بابرکات تھی۔

فرحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ ومغفرۃ کاملۃ

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی خاتم النبیین!

۞۞۞

حکیم الاسلام اور مسلم پرسنل لاء

حضرت مولانا غلام نبی صاحب/ استاذ دار العلوم وقف دیوبند

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ہندوستان میں ''مسلم پرسنل لاء'' کے تحفظ کے علمبردار جملہ مکاتب فکر کے علماء وزعماء کو مشترکہ ملی پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے محرک ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے مؤسس وبانی اور بورڈ کے قیام سے لے کر زندگی کے آخری لمحات تک متفق علیہ صدر رہے۔ عہد صدارت میں آپ کی زرّیں خدمات اور کارنامے بعد میں آنے والے صدور اور قائدین کے لیے چراغ راہ اور اسلامیانِ ہند کی ملی واسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں آئندہ اوراق میں ہم ان احوال وظروف کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں کہ جن میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا قیام عمل میں آیا۔ آخر میں حضرت حکیم الاسلامؒ کا وہ تاریخی اور کلیدی خطبہ ملاحظہ فرمائیے جو حضرت حکیم الاسلامؒ نے ممبئی کنونشن میں ''خطبہ صدارت'' کے طور پر پیش فرمایا تھا اس میں شک نہیں کہ آپ کے بعد ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے منصبِ صدارت پر فائز ہونے والی شخصیات اپنے عہد کی مایہ ناز وفخر روزگار ہستیاں تھیں مگر حضرت حکیم الاسلامؒ جن گوناگوں خصوصیات اور علمی کمالات کے پیکر تھے ان کو دیکھتے ہوئے کہنا پڑتا ہے ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

یعنی حکیم الاسلامؒ ان کہکشان علم میں شہاب ثاقب اور کاروانِ ملت میں میر کارواں کی حیثیت رکھتے ہیں کیوں کہ ان میں وہ تمام اوصاف بدرجۂ اتم بالفعل موجود تھے جو میر کارواں کے لیے رختِ سفر کی حیثیت رکھتے ہیں ؎

نگاہِ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز ❁ یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

یکساں سول کوڈ، کے نفاذ کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء، میں تبدیلی کی بدترین کوششوں کے نتیجہ میں ملت اسلامیہ جن کربناک حالات سے دوچار ہورہی تھی ان میں حکیم الاسلامؒ کا دارالعلوم دیوبند کے پلیٹ فارم سے جملہ مکاتب فکر کے علماء وعمائدین کو جمع کر کے ایک متحدہ ملی محاذ کی تشکیل دینا ان کی بلند نگاہی کی ایک زندہ مثال ہے، درحقیقت انھوں نے بہت پہلے ہی محسوس کرلیا تھا کہ یکساں سول کوڈ، کے نفاذ کے ذریعہ حکومت شریعتِ اسلامیہ کے خلاف ریشہ دوانیوں کا دروازہ کھول رہی ہے اگر اس وقت ''مسلم پرسنل لاء'' کی شکل میں ان خطرات کا سدِ باب نہ کیا جاتا تو آج فرقہ پرست طاقتیں اور مسلم دشمن عناصر نہ جانے کیا کرتے؟ بالخصوص موجودہ حالات میں جب کہ مسلمانوں پر دہشت گردی اور ملک دشمنی جیسے گھناونے اور بدترین الزامات لگائے جارہے ہیں اسلامیانِ ہند کے لیے پہلے سے زیادہ مشکلات پیدا ہوتیں۔

اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند پر ایک سیاسی گروپ نے شب خون مار کر جس طرح سے ایک ساٹھ سالہ آئینی مہتمم کو دارالعلوم سے بے دخل اوران کے حامی گروپ کو ذلیل وخوار کر کے باہر نکال پھینکا، دارالعلوم کی تاریخ کا ایک المناک باب اور اس سیاسی گروپ کے قائد اعظم کے سیاہ کارناموں میں لکھا جانے والا ایک دلدوز واقعہ ہے، یہ ساٹھ سالہ مہتمم، اگر حکیم الاسلام کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ایک قیامت برپا ہو جاتی، مگر وہ حکیم الاسلامؒ تھے، ان کی سخن دلنواز نے مخالفین کی سخت ترین گستاخیوں اور زیادتیوں کی بھی تاویل کی اور سخن دلنواز، کے اس تمغۂ زریں کی چمک دمک کو ماند نہیں پڑنے دیا۔

حضرت حکیم الاسلامؒ کی زندگی کے اس خونچکاں حادثہ نے دارالعلوم سے ادنیٰ تعلق رکھنے والوں کی بھی کمر توڑ دی، پھر قاسمی خانوادہ کی مکمل تین پیڑھیوں کی جلیل القدر خدمات اور حکیم الاسلام کی پوری زندگی اسی دارالعلوم کی تعمیر وترقی اور نشو ونما کے لیے وقف تھی۔ دارالعلوم ان کا درد بھی تھا اور درماں بھی۔ داارلعلوم حکیم الاسلام سے عبارت اور حکیم الاسلام دارالعلوم سے۔ مگر کسے معلوم تھا کہ ؂

تقدیر نے اس واسطے چنوائے تھے تنکے ❁ بن جائے نشیمن تو کوئی آگ لگا دے

دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ان کٹھن حالات میں ان کے صبر کا پیانہ چھلکنے کے بجائے سمندروں کی وسعت اختیار کرتا چلا گیا، عظمت کے نئے نئے جزیرے اور عزیمت کے نئے نئے شوالک ان کی شخصیت میں نمودار ہوئے۔ حق یہ ہے کہ یہ سب کچھ انہی کا حصہ تھا۔ ورنہ ''جاں پرسوز'' کے معنی آخر کیا ہوئے؟

یہ چند باتیں بطور جملۂ معترضہ —— اب یہاں سے اصل مقصود کی طرف عود کرتے ہیں یعنی حکیم الاسلام اور مسلم پرسنل لاء'' ——

انگریزی اقتدار کے سقوط کے بعد پہلی بار اس ملک میں مذہبی اکائیوں کے شخصی قوانین کو ختم کرنے کے ارادوں کا اظہار دستور ہند کے راہنما اصولوں کی دفعہ ۴۴ کے ان الفاظ میں کیا گیا۔

''ریاست اس امر کے لیے لازماً کوشاں رہے گی کہ مملکت ہند کے تمام شہریوں میں یکساں سول کوڈ نافذ ہو''۔

دستور سازی کے دوران ۱۹۴۸ء تا ۱۹۵۰ء مسلم اور بعض غیر مسلم ممبران دستور یہ نے اس دفعہ کا نوٹس لیا جن میں جناب محمد اسماعیل صاحب مرحوم سابق صدر مسلم لیگ مولانا حسرت موہانی مرحوم، جناب نذیر الدین احمد جناب محبوب علی بیگ کے علاوہ ایم منشی اور ڈاکٹر امبیڈکر قابل ذکر ہیں۔

ان حضرات نے چند حقیقتوں کو واضح کیا:

۱- یہ دفعہ بنیادی حقوق کی ان دفعات سے جن میں ضمیر اور مذہب کی آزادی کی ضمانت دی گئی ہے متصادم ہے۔

۲- اس دفعہ کے ذریعہ شخصی قوانین کے خاتمہ کا دروازہ کھولا گیا ہے۔

۳- یہ دفعہ مذہب کو شخصی قوانین سے بے دخل کرنا چاہتی ہے۔

اس بحث کے بعد مسلم ممبران نے خاص طور پر یہ مطالبہ کیا کہ کم از کم مسلمانوں کو

اس دفعہ سے آزاد رکھا جائے لیکن مسلم ممبران کی آواز کو نظر انداز کر دیا گیا۔ البتہ کچھ زبانی ضمانات دیئے گئے جنھیں بعد میں بھلا دیا گیا اس طرح دفعہ ۴۴ میں کوئی تبدیلی نہیں کی گئی مجالس قانون ساز سے باہر مسلم اداروں اور زعماء کی آواز کو بھی ہمیشہ معمولی حیثیت دی گئی اور ان کی آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوئیں، چناں چہ دفعہ ۴۴ پر عمل کرانے کی کوشش حکومت کی طرف سے جاری رہی ۲۳ر نومبر ۱۹۶۲ء میں مہاراشٹرا اسمبلی کے ایک مسلم ممبر مسٹر حسن علی ہمدانی کے ذریعہ ایک سے زائد شادی پر پابندی کے عنوان سے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کو ایک باقاعدہ بل کی شکل میں پیش کیا گیا، اور اس طرح مسلم پرسنل لاء پر براہ راست کھلا حملہ کیا گیا، اور وہ ارادے کھل کر سامنے آگئے جو دفعہ ۴۴ میں پوشیدہ چلے آرہے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ مرکزی حکومت کے وزیر قانون نے مسلم پرسنل لاء میں ''اصلاحات'' کی خاطر کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا اور حکومتِ ہند سے تعلق رکھنے والے ذمہ دار افراد نے بھی کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ مسلم پرسنل لاء کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا جس کا شدید ردعمل مسلمانوں کی تمام جماعتوں، اداروں، تحریکوں اور افراد پر ہوا، علماء مفکرین، قائدین اور ماہرین قانون کے علاوہ عوام وخواص ہر گروہ اور ہر طبقہ نے حکمراں جماعت کے ارادوں کو بھانپ کر ''اصلاح'' کے نام سے مسلم پرسنل لاء کے خاتمہ کے منصوبوں کی مذمت کی ہر قسم کی ترمیم واصلاح کو مداخلت فی الدین قرار دیا اور مسلم پرسنل لاء کی جگہ یکساں سول کوڈ یا اس کے مماثل قانون کے نفاذ کو مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول قرار دیا۔

لیکن مسلمانوں کا یہ ملک گیر احتجاج بھی صدا بصحرا ثابت ہوا، ۱۹۶۴ء کو مہاراشٹر اسمبلی کے بعض ممبران جن میں ایک مسلم خاتون بھی شامل تھیں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی آواز وقفہ وقفہ سے اٹھاتے رہے ایک خاص وفد نے بھی وزیر اعلیٰ سے مل کر ایک سے زائد شادی پر پابندی لگانے کے سلسلے میں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا مطالبہ ۷ر جولائی ۱۹۷۲ء کو مہاراشٹرا اسمبلی میں ایک غیر مسلم مسٹر کے ایس ڈھونڈگے نے

مسلمانوں میں ایک سے زائد شادی پر پابندی کی آڑ میں مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا بل پیش کیا۔ ایک سے زائد شادی کو بار بار شاید اس لیے عنوان بنایا گیا کہ اس سے مسلم خواتین کی تائید حاصل ہو سکے گی، اور انھیں اسلام کے عطا کردہ دیگر حقوق اور تحفظات سے بے خبر رکھ کر کوئی اقدام کیا جاسکے گا اس موقع پر مسٹر ڈھونڈ گے نے یہ استدلال کیا تھا۔

''یہ ایک قومی مسئلہ ہے۔ یہ ایک مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور انسانی مسئلہ بھی ہے اس بل کا مقصد کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا نہیں ہے لیکن قوم کے مفاد کو مذہبی کتابوں کے مفاد سے بہر حال بلند ہونا چاہیے لہٰذا قومی مفاد کی حفاظت اور قومی پالیسی میں یکسانیت، پیدا کرنے کے لیے ایک سے زائد شادی پر پابندی کا قانون مسلمان بھائیوں پر بھی اسی طرح نافذ ہونا چاہیے جس طرح دوسروں پر نافذ کیا گیا ہے اگر ایسا نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ چند سالوں بعد ہندوستان کو پاکستان میں ضم کرنے کا مطالبہ کھڑا ہو جائے گا''۔ (لوک راجیہ یکم اگست ۱۹۷۲ء)

مسٹر ڈھونڈ گے کے اس بیان کی تائید میں چند مزید ممبران کھڑے ہوئے جن میں ایک مسلم ممبر شامل تھے جو خیر سے مہاراشٹر کے وزیر قانون بھی تھے، یعنی شری عبدالرحمٰن انتولے انھوں نے تو کمال ہی کر دیا انھوں نے جو نکتہ بیان فرمایا وہ یہ تھا کہ:

''مسلمانوں کی اکثریت مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی خواہشمند ہے صرف پانچ فیصد افراد ایسے ہیں جو تبدیلی نہیں چاہتے لہٰذا حکومت ان پانچ فیصد کو نظر انداز کر کے تبدیلی کو نافذ کرے'' (لوک راجیہ یکم اگست ۱۹۷۲ء)

اس طرح ایک بار پھر مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا مسئلہ کھڑا ہوا، اور طرح طرح کے مفروضے من گھڑت اور مضحکہ خیز دلائل کی آڑ لے کر شریعت اسلامی کو نشانہ بنایا گیا۔

ملّی ردِ عمل

مسلمانوں کی ہر جماعت، تنظیم، گروہ اور ادارے نے نہایت پر زور الفاظ میں بار بار یہ اعلان کرنا شروع کیا کہ:

۱۔ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی دین اسلام میں مداخلت ہے۔

۲- یکساں سول کوڈ یا اس کے مماثل کوئی قانون مسلمانوں کے لیے ناقابل برداشت ہے۔
۳- مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کو ایک منظم منصوبہ بنا کر کام کرنا چاہیے۔
● جماعت اسلامی ہند نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کو اپنے چار سالہ میقاتی پروگرام کا جز بنایا۔ ملک گیر پیمانے پر اجتماعات کئے اپنی قراردادوں میں سخت احتجاج کیا۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد پر مشتمل سمپوزیم منعقد کئے نیز ایسے سمپوزیم بھی منعقد کئے جن میں مسلم اور غیر مسلم پارٹیوں کے نمائندوں نے شرکت کی۔ غیر مسلم ذمہ داروں سے ملاقات کی جن میں آر ایس ایس کے گرو گولوالکر بھی شامل ہیں، اور حکومت کے ذمہ داروں تک اپنے احساسات پہنچائے۔

اپریل ۱۹۶۳ء کو جماعت کی مجلس شوریٰ نے مسلم پرسنل لاء کے خلاف سرگرمیوں کی روک تھام کے سلسلہ میں ایک باقاعدہ قرارداد پاس کی جس میں کہا گیا کہ:

۱- مسلمانوں کا پرسنل لاء ان کے دین وشریعت کا اہم جزو ہے اس لیے اس میں مداخلت کرنا غلط نتائج کا موجب ہوگا۔

۲- بعض مسلمان ملکوں میں مسلم پرسنل لاء میں جو اصلاحات تجویز کی گئی ہیں وہ ہرگز اس قابل نہیں ہیں کہ انھیں بطورِ مثال سامنے رکھا جائے۔

مہاراشٹر اسمبلی میں تعدد ازدواج پر پابندی کے بل کا نوٹس لیتے ہوئے کہا گیا کہ:

۳- تعدد ازدواج کی جو اجازت قرآن نے دی ہے اس پر قانونی پابندیاں عائد کرنا صریحاً مداخلت فی الدین ہے خواہ اس کا ارتکاب سیکولر اسٹیٹ کرے یا مسلم اسٹیٹ اور خواہ اس کی تحریک کسی مسلم کی طرف سے ہو یا غیر مسلم کی طرف سے مجلس کی نظر میں اس کا خطرناک پہلو یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا دروازہ کھل گیا تو پوری شریعت اس کی زد میں آجائے گی اور مغرب زدہ طبقہ کو اپنی من مانی کرنے کا بھرپور موقع مل جائے گا۔

ان قباحتوں کے پیش نظر مجلس مطالبہ کرتی ہے کہ مہاراشٹر میں پیش شدہ بل کو واپس لیا جائے اور جو کمیٹی بنائی گئی ہے وہ اس بل کو رد کردے مجلس شوریٰ مہاراشٹر کی

اسمبلی کے ممبران دینی جماعتوں اور مسلمانوں کے سربراہوں سے خاص طور سے اپیل کرتی ہے کہ مداخلت فی الدین کی اس کوشش کے خلاف مؤثر آواز اٹھائیں۔ (شائع شدہ ''زندگی'' جون: ۱۹۶۳ء)۔

جماعت اسلامی حلقہ مہاراشٹر نے بھی اس کا سخت نوٹس لیا اور حلقہ کی مجلس شوریٰ منعقدہ ۳۰/۳۱/جولائی ۱۹۶۶ء نے اس مضمون کی قرارداد پاس کی۔

- مسلم پرسنل لاء شریعت اسلامیہ کا ایک اہم جز ہے اس لیے اس میں کوئی ایسی تبدیلی جو شریعت کے منشاء کے خلاف ہو، اسلام کے سراسر منافی ہوگی اور مسلمان اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔
- مسلم پرسنل لاء میں حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت نہ ہونی چاہیے ورنہ یہ مداخلت فی الدین ہوگی۔
- مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا مطالبہ نہ علماء دین نے کیا ہے اور نہ اس کی پشت پر مسلمانوں کی رائے عامہ ہے بلکہ جس قسم کی تبدیلیوں کا مطالبہ کیا جارہا ہے مسلمانوں کا ہر طبقہ اس کا شدید مخالف ہے۔
- دستور ہند میں مشترکہ کوڈ کی دفعہ رہنما اصولوں کے طور پر رکھی گئی ہے جب کہ مذہبی آزادی کی دفعہ بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ اس لیے مشترکہ سول کوڈ کا کوئی ایسا مطلب لینا جو بنیادی حق کو ساقط کردے صحیح نہیں ہوسکتا مجلس شوریٰ نے ۱۹/مئی ۱۹۷۲ء کو اپنی ایک قرارداد میں اسی مضمون کا پھر اعادہ کیا۔

جماعت اسلامی حلقہ مہاراشٹر کے اجلاس شوری منعقدہ ۲۷/۲۸/اگست ۱۹۷۲ء نے اپنی ایک قرارداد میں سخت احتجاج کرتے ہوئے کہا کہ:

> ''حکومت مہاراشٹر نے ایک سے زائد بیویوں پر پابندی کا قانون مسلمانوں پر بھی نافذ کرنے کی جو سفارش مرکزی حکومت کو کی ہے اسکی یہ اجلاس پرزور مذمت کرتا ہے مہاراشٹر کے مختلف مقامات پر بڑے بڑے اجتماعات منعقد کرکے

مسلمانوں نے پرسنل لاء کو برقرار رکھنے کا مطالبہ کیا تھا اس عوامی مطالبہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کرنے کے بجائے حکومت مہاراشٹر نے اپنے نظریات مسلمانوں پر تھوپنے کی کوشش کی۔ یہ اجلاس مرکزی حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حکومت مہاراشٹر کی سفارش کو مسترد کردے کیوں کہ مہاراشٹر کے مسلم عوام اس کے خلاف ہیں''۔ ۱۴/اکتوبر کو بھی اسی مضمون کی قرارداد پاس کی۔

● جمعیۃ اہل حدیث ہند کی مرکزی مجلس شوریٰ منعقدہ: ۱۰/۱۱/ستمبر ۱۹۷۲ء بمقام دہلی نے مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں حکومت کے رویہ کی مذمت کرتے ہوئے اپنی ایک قرار داد میں کہا کہ:

''مسلم پرسنل لاء میں ہم گورنمنٹ کی مداخلت کی بھرپور مخالفت کرتے ہیں کیوں کہ یہ کھلے طور پر مداخلت فی الدین ہے جو دستور میں دیئے گئے حقوق کی صریحاً خلاف ورزی ہے اور اس سلسلہ میں جماعت ملت کی ہر جدوجہد میں پورے طور پر شریک رہے گی۔

اسی قرارداد میں آگے چل کر ''لے پالک'' کے مسئلہ پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے اس لیے کہ حکومت ہند لے پالک کے سلسلے میں ایک ایسا ایکٹ (CHILD ADOPTION ACT - 1972) پاس بھی کردیا ہے جس میں لے پالک (متبنی) کو صلبی اولاد کی طرح ورثہ دینے کے ہندو قانون کو تمام ہندوستانیوں کے لیے بھی جائز کردیا گیا ہے اور اس طرح بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء پر ایک خاموش ضرب لگائی گئی ہے —— جمعیۃ اہل حدیث کی مجلس شوریٰ نے کہا کہ:

''مسلم پرسنل لاء ہی کے ضمن میں متبنی (لے پالک) کی وراثت کا مسئلہ بھی آتا ہے متبنی کی وراثت کے سلسلہ جو بل پارلیمنٹ میں آنے والا ہے اس کی بابت حکومت سے ہم پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا اطلاق مسلمانوں پر ہرگز نہ کیا جائے کیوں کہ یہ علانیہ طور پر مداخلت فی الدین ہے'' (واضح ہوکر ان سب

مطالبات کونظر انداز کر کے لے پالک کا قانون نافذ کر دیا گیا)

اسی طرح ہندوستان بھر میں جمعیۃ اہل حدیث ہند کی شاخوں نے وقتاً فوقتاً ''مسلم پرسنل لاء'' میں تبدیلی کے خلاف شدید احتجاج کیا ہے جمعیۃ اہل حدیث حلقہ اٹوا ضلع بستی کا ۲؍مئی ۱۹۷۲ء کو اٹوا بازار میں ایک نمائندہ اجلاس منعقد ہوا جس میں مسلم عوام کو مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی کوششوں سے آگاہ کیا گیا۔ اور ایک تجویز پاس کی گئی جس میں کہا گیا کہ:

''اسلامی قوانین قرآن کریم کی آیات اور احادیث شریفہ پر مبنی ہیں جن میں کسی فرد یا جماعت کو تبدیلی کا حق ہرگز حاصل نہیں ہے۔ ہم سیکولر گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ دستور ہند کے آرٹیکل ۲۵؍ کا لحاظ کرتے ہوئے ان مطالبات کو مسلمانوں کا مطالبہ تصور نہ کرے اور اسلامی شریعت میں تبدیلی کے لیے کسی کے بیانات کو بہانہ نہ بنائے ———— خدانخواستہ اگر ہمارے پرسنل لاء میں تبدیلی کا کوئی ارادہ ہو تو گورنمنٹ اس سے باز رہے ورنہ ہم مسلمانانِ ہند آئینی حدود میں رہ کر ہر قسم کی جدوجہد کرنے کے لیے تیار ہیں ہم مسلم پرسنل لاء کے سلسلے میں کوئی تبدیلی گوارا نہیں کریں گے خواہ اس سلسلہ میں ہمیں کتنی ہی قربانیاں پیش کرنی پڑیں''۔ (پندرروزہ ''ترجمان'' دہلی مورخہ ۱۵؍جون ۱۹۷۲ء)

- مرکز مطالعہ اسلام دربھنگہ کے زیر اہتمام ۷؍مئی کو دار العلوم احمدیہ سلفیہ کے احاطہ میں ایک عظیم الشان نمائندہ جلسہ عام ہوا اور اسی مضمون کی ایک تجویز پاس کی گئی اور مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے مسائل حل کرنے کے لیے دار الافتاء و دار القضاء قائم کریں۔

''جمعیۃ اہل حدیث بمبئی کے چوتھے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹/۲۰/۲۱؍مئی بمقام بمبئی میں بھی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کے خلاف احتجاج کیا گیا۔ اور اسلامی قوانین کی خوبیوں پر مبنی ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں کہا گیا:

اسلامی قوانین تمام تر اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ہیں جو انسانی فطرت کے عین

مطابق ہیں اور بشری تقاضوں کو پورا کرتے ہیں یہ قوانین ابدی اور دائمی ہیں جو اصول وظروف کی تبدیلی کے باوجود اپنی جگہ یکساں مفید اور قابل عمل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تحریف، ترمیم یا کمی زیادتی کی تمام انسانی کوششیں ہمیشہ ناکام رہیں گی کیوں کہ اسلام ہی وہ تنہا دین ہے جو اپنی ابتداء سے آج تک اپنی حقیقی حالت میں موجود ہے اور رہتی دنیا تک اسی حالت میں موجود رہے گا''۔

● امارت ملت اسلامیہ آندھرا پردیش کے زیر اہتمام آندھرا پردیش کی تمام بڑی بڑی تنظیموں، اداروں اور آل انڈیا شیعہ سنی جماعتوں اور تحریکوں کا ایک نمائندہ اجتماع امیر ملت مولانا مفتی محمد عبدالحمید صاحب شیخ الجامعہ نظامیہ کی صدارت میں ۳؍ستمبر ۷۲ء کو مکہ مسجد حیدرآباد میں منعقد ہوا۔ حاضرین اجتماع کی تعداد پچیس ہزار تھی اس جلسہ میں جو قرارداد منظور ہوئی اس میں کہا گیا کہ:

● مسلم پرسنل لاء میں ترمیم وتبدیلی کے عنوان سے (اس کو ختم کرنے کے لیے) وقفہ وقفہ سے مختلف گوشوں سے مذہبی وسماجی انداز میں ہموار کرتے ہوئے مسلمانوں کی غیرت ملی اور حمیت مذہبی کی آزمائش کی جارہی ہے اور اس کے مدنظر مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجتماع حکومت ہند پر امور ذیل کو واضح کر دینا ناگزیر سمجھتا ہے۔

(ا) قوموں کے ملی وجود وانفرادیت کا دارومدار ان کے مذہب، زبان، تہذیب اور روایات پر ہوتا ہے جس میں مسلم پرسنل لاء بھی داخل ہے۔

(ب) ہندوستان ہمیشہ سے مختلف قوموں اور تہذیبوں کا گہوارہ رہا ہے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا مطلب اس کی روشن تاریخ کو داغ دار بنانا ہے۔

(ج) مسلمان اپنی مذہبی حیثیت سے کبھی ایسی تبدیلی گوارا نہیں کر سکتے، جو شریعت محمدی کے خلاف ہو اور مسلم معاشرہ کو درہم برہم کردے مسلمان اپنے عقیدۂ ایمانی سے مجبور ہیں کہ وہ ایسے کسی قانون سے عملاً عدم تعاون کریں۔

(د) بعض مسلم ممالک کا فیصلہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے سند نہیں بن سکتا۔

لہٰذا —— اِن حقائق کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ عظیم الشان جلسہ حکومت ہند سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں کوئی قدم نہ اٹھائے جو دین میں مداخلت کے مترادف ہو، بلکہ زیادہ سے زیادہ تہذیبی آزادی کا ثبوت دیتے ہوئے جمہوریت کے استحکام کا سامان فراہم کرے نیز دستور ہند کی دفعہ ۴۴ کو منسوخ کر دیا جائے یا اس دفعہ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ قرار دیا جائے تاکہ مسلمان سکون واطمینان کے ساتھ ملک کی تعمیر وترقی میں اپنا حصہ ادا کر سکیں۔

• امارت شرعیہ بہار واڑیسہ نے جو ۱۹۲۰ء سے قائم ہے اور مسلم معاشرتی قوانین کے تحفظ کی ایک تاریخ رکھتی ہے۔ مسلم پرسنل لاء کی اصولی اور عملی وضاحت میں کتابچے شائع کئے، مختلف مواقع پر بڑے پیمانے پر جلسے منعقد کئے اور عیدین کے موقع پر حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے امارت کے قائد حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی سجادہ نشین خانقاہ رحمانیہ مونگیر امیر شریعت بہار واڑیسہ نے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کو غیر ضروری، مسلمانوں کے دین میں مداخلت اور مسلمانوں کی عزت ملی کو چیلنج قرار دیا — انھوں نے اپنے ایک کتابچہ ''مسلم پرسنل لاء'' میں حقائق کی نقاب کشائی کرتے ہوئے بتایا کہ:

> ''—— مسلم پرسنل لاء یعنی مسلمانوں کا شخصی قانون۔ جب ہم اس لفظ کو استعمال کرتے ہیں تو ہماری اس سے کیا مراد ہوتی ہے؟ وہ ایک مکمل قانون شریعت ہے جو قرآن وسنت، اجماع اور اجتہاد ائمہ سے ثابت ہے یا وہ مخصوص قانون جس کو انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کو دفعہ ۲ میں ''مسلم پرسنل لاء'' کے نام تعبیر کیا گیا ہے''۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ اسلام نے اپنے متبعین کی پوری زندگی اللہ کے حکم کے تحت قرار دیا ہے اس وجہ سے انسانی زندگی کے مختلف النوع مسائل کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے ہیں اور جناب رسول اللہ ﷺ نے جو ہدایتیں دیں یا صحابہ نے پیش آمدہ مسائل پر کوئی فیصلہ دیا۔ یا ائمہ مجتہدین نے اشباہ ونظائر کلیات واصول کی

روشنی میں جو احکامات مستنبط کئے ان تمام احکام کے مجموعہ کا نام شریعت اسلامی ہے، ہندوستان میں جب انگریزوں کا غلبہ اور اقتدار ہوا تو قانون اسلامی کو محدود شکل میں جاری رکھا گیا اور فیصلے کے لیے نظام قضا باقی رکھا گیا۔ اور مسلمانوں کے معاملات میں قانون شریعت کو جاری رکھا گیا —— انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء کی دفعہ ۲ میں اس کی تصریح اس طرح کی گئی ہے۔

"شریعت ایکٹ کے نفاذ کے بعد کوئی دوسرا رواج یا دستور جو اس وقت تک عمل میں رہا ہو۔ شریعت کے خلاف ان معاملات میں جو مسلم پرسنل لاء کے مطابق مسلمانوں میں نافذ کئے جانے چاہئیں، لاگو نہیں ہوگا"۔

اسی طرح گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی دفعہ ۲۲۳ کہتی ہے کہ:

"جب فریقین ایک ہی پرسنل لاء کے ماتحت ہوں تو وراثت اور معاہدہ کے مقدمہ میں ان کی شنوائی ان کے پرسنل لاء کے مطابق ہوگی"۔

موجودہ دستور ہند کی دفعہ ۲۲۵ ان تمام قوانین کو نافذ قرار دیتی ہے جو دستور کے نفاذ کے پہلے سے نافذ چلے آتے ہیں نتیجتاً گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء اور انڈین شریعت ایکٹ ۱۹۳۷ء اب بھی مسلمانوں پر نافذ ہیں"۔

اس کے علاوہ دستور ہند کی دفعہ ۲۹ جو بنیادی حقوق سے متعلق ہے وہ ہندوستان میں بسنے والی مختلف اکائیوں کے علیحدہ زبان، الگ رسم الخط اور علیحدہ تہذیب وتمدن کی بقاء وتحفظ کی ضمانت دیتی ہے اور جب دستور کی ان دو دفعات یعنی ۴۴ (ہدایاتی) اور دفعہ ۲۹ (بنیادی حقوق) کے درمیان تعارض پیدا ہو رہا ہے تو یہ بات بھی مسلم ہے کہ ہدایاتی دفعہ کے ذریعہ دستور کے دیئے ہوئے بنیادی حقوق شہریوں سے چھینے نہیں جاسکتے، اس لیے دفعہ ۴۴ پر کوئی عمل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ دستور میں دفعہ ۲۹ موجود ہے۔

مذکورہ قانونی حیثیت کے جان لینے کے بعد خود بخود یہ بات واضح ہو جاتی ہے

کہ مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کا جو مسئلہ حکومت کے بعض ذمہ داروں یا کچھ سیاسی لیڈروں کی طرف سے بار بار اٹھایا جارہا ہے اس کا پس منظر اور داعیہ یہ نہیں ہے کہ مسلم پرسنل لاء اور شریعت ایکٹ کے تحت نافذ قوانین میں سے کسی خاص قانون کے برتنے سے کوئی حرج ہو رہا ہے بلکہ اصل مقصد دستور میں دیئے گئے بنیادی حق (مذہبی اور ثقافتی آزادی) کو ختم کرنا ہے۔ علماء کرام اور مسلم رہنماؤں نے اجتماعی اور انفرادی طریقہ پر بارہا یہ بات واضح کردی ہے کہ مسلمانوں کی دینی، تہذیبی اور سماجی زندگی سے مسلم پرسنل لاء کا رشتہ نہایت گہرا ہے اس لیے حکومت کی طرف سے کی گئی کوئی تبدیلی مسلمانوں کے لیے قابل قبول نہیں ہوگی —— (تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: مسلم پرسنل لاء" از مولانا منت اللہ رحمانی، مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ)

● عوامی تنظیم (پٹنہ) کے سربراہ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکشن کمیٹی کے رہنما جناب خلیل احمد صاحب ریٹائرڈ چیف جسٹس نے مختلف مواقع پر ہندوستان میں اسلام، اسلامی تہذیب اور ثقافت پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ:

> "اقلیتوں کو دیئے گئے بنیادی حقوق میں سے ایک اہم چیز تہذیب ہے، لیکن مسلم کلچر و تہذیب کے ارتقاء کی کوئی کوشش نہیں کی گئی، کوئی اقلیتی تہذیبی یونیورسٹی نہیں کھولی گئی۔ اگر کوئی اقلیتی کلچرل یونیورسٹی ہوسکتی تھی تو وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تھی جس کی بنیاد سرسید احمد خان مرحوم نے مسلمانوں کے پیسوں سے ان کی تہذیب اور ان کے مذہب و تمدن کی بقا کے لیے قائم کی تھی، اور اس کے انتظامیہ میں ہمیشہ اسلامی روح قائم رکھی گئی تھی لیکن اب حکومت اس واحد اقلیتی مسلم یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کو بھی ختم کرنے کے درپے ہے۔

دستور کی دفعات ۲۹ اور ۳۰ جن میں کلچر اور تعلیم کی بابت پوری ضمانت موجود ہے اور اقلیتوں کے کلچر اور تعلیم کی حیثیت سے لے کر ان کے مذہبی اور تہذیبی اداروں کو ایڈ فراہم کرنے تک کا مکمل تحفظ دیا گیا ہے ان دفعات کے ساتھ مکمل

بے اعتنائی اور غفلت کا سلوک ہوتا آرہا ہے بلکہ ان کی صریحاً خلاف ورزی اور ان کے ساتھ غداری ہو رہی ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی زبان کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی اور مسلم یونیورسٹی مذہب و کلچر کی بنیاد پر لیکن دونوں کا جھٹکا کر دیا گیا۔

دستور کی دفعہ ۴۵ میں یہ ضمانت موجود ہے کہ ہندوستان کے ہر باشندہ کو یہ حق حاصل ہے کہ (ا) اپنے مذہب کا اعلان واظہار کرے۔ (ب) اپنے مذہب پر عمل کرے (ج) اپنے مذہب کی تبلیغ کرے۔

——اسلام اور دوسرے ادیان میں نمایاں فرق ہے تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ ایک ہے اس کا رسول (ﷺ) ایک ہے جس کی شریعت آخری شریعت ہے اور قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے جو قیامت تک کے لیے آخری دستورِ حیات ہے اور تشریع وقانون سازی کا حق صرف اللہ ہی کو حاصل ہے اور اللہ کے نازل کیے ہوئے احکام اور اس کی عطا کردہ تعلیمات میں تبدیلی کا حق کسی بھی انسان کو نہیں، قرآن کے اتارے ہوئے انھیں احکام میں وراثت کا مسئلہ ہے۔ تعدد ازدواج کا مسئلہ ہے، طلاق کا مسئلہ ہے، اب اگر آپ اس میں ترمیم کرتے ہیں تو گویا قرآن میں ترمیم کرنے کی جرأت کرتے ہیں جو صریح طور پر مسلمانوں کے مذہب میں مداخلت ہے جو صراحتاً دستور کے ساتھ مذاق ہے۔

——دستور دو طرح کے ہوتے ہیں ایک لکھے ہوئے (Written) دوسرے بغیر لکھے ہوئے (Unwritten) یہ نہ لکھے ہوئے دستور وہ ہوتے ہیں جو قومی روایات کی بنیاد پر بنتے ہیں ان میں پارلیمنٹ تبدیلی کر سکتی ہے لیکن جو دستور لکھا ہوا ہو، پارلیمنٹ کو اس میں کوئی اختیار نہ ہوگا، بلکہ مکمل اختیار دستور کو حاصل ہوگا۔ اور یہ بات بدیہی ہے کہ اسلامی دستور نہ صرف لکھا ہوا ہے بلکہ اس مالک الملک کا اتارا ہوا دستور ہے جس کے کسی بھی حکم میں تبدیلی لانے کا ارادہ فطرت سے بغاوت ہے اور کسی بھی انسان کو اس میں تبدیلی کا کوئی حق نہیں ہے خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو——اس

لیے جب مذہبی معاملات کے متعلق دستور نے آزادی دے دی ہے تو ایسی صورت میں کسی سیکولر گورنمنٹ کے لیے جن میں مذہبی آزادی کی پوری ضمانت موجود ہو مسلمانوں کے پرسنل لاء میں ترمیم نامناسب ہی نہیں انتہائی غلط اور غیر دستوری بات ہے ----- پس ہندوستان میں سیکولرزم کی آڑ میں مسلم پرسنل لاء میں ترمیم نہ صرف دستور کی نفی ہوگی بلکہ دستوری اصولوں کا خون ہوگا۔ (ملاحظہ: ترجمان" دہلی مورخہ یکم و ۱۵؍جون ۱۹۷۲ء)

● دینی تعلیمی کونسل اترپردیش کے جنرل سکریٹری جناب ظفر احمد صدیقی وکیل سیتاپور نے مسلم پرسنل لاء میں مداخلت کو ریاست کے سیکولر کردار اور آزادی سے قبل اقلیتوں کے ساتھ کئے گئے وعدوں کی خلاف ورزی قرار دیا۔ انھوں نے اپنے خیالات اس طرح پیش کئے۔

مسلم پرسنل لاء قانون شریعت کا وہ حصہ ہے جس کے بارے میں انگریزوں کے دورِ حکومت میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ مسلمان اس کے مطابق عمل کرنے کے مجاز ہوں گے، ادھر کچھ عرصہ سے اس جز کے بارے میں بھی جو انگریزوں کے دورِ حکومت میں محفوظ رہا منصوبہ بندی کے تحت یہ مہم چلائی جارہی ہے کہ مسلم پرسنل لاء دور حاضر کی ضروریات کے اعتبار سے ناقص ہے اس میں ترمیم ہونا چاہیے۔ اس سے اس ذہنی تبدیلی کی عکاسی ہورہی ہے جو سیکولرزم کے نام سے ہمارے ملک کے کارفرما افراد میں پیدا ہوچکی ہے۔ یہ لوگ سیکولر اسٹیٹ کی غلط تعبیر کرکے مسلمانوں کی ملی خصوصیات کو مٹانے کے درپے ہیں، مسلم پرسنل لاء کے مسئلہ پر بہت کچھ لکھا اور کہا جاچکا ہے۔ علماء نے خالص دینی نقطہ نظر سے اس کی وضاحت کی ہے، وکلاء نے اس سلسلہ میں قانونی موشگافیاں کی ہیں۔ جہاں تک مسئلہ کے سیاسی پہلو کا تعلق ہے مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی کوشش سیاسی بدعہدی کے مترادف ہے جنگ آزادی میں اقلیتوں کو اطمینان دلایا گیا تھا کہ آزاد ہندوستان میں ان کے مذہبی معتقدات اور مذہبی قوانین محفوظ رہیں گے۔

گاندھی جی کے قریبی رفیق کار مولانا ابوالکلام آزادؔ کی ایک تقریر کا اقتباس دیا جارہا ہے جو انڈین کونسل فار کلچرل دہلی کے کتب خانہ میں مولانا کی تحریروں اور تقریروں کے ذخیرے میں ''نیشنل تحریک'' کے نام سے ایک رسالہ میں محفوظ ہے۔ مولانا نے کہا تھا:

''نہ تو کانگریس ہی کا مقصد ہے نہ مسلمان ہی اس مقصد سے قیامت تک متفق ہو سکتے ہیں کہ ہندوستان سے مسلم تعلیم، مسلم کلچر، مسلم تہذیب اور مسلم خصائص کے امتیازی اوصاف ختم ہو جائیں اور وہ ہندوستان کی متحدہ قومیت میں جذب ہو کر رومن یا انگریز قوم کی طرح ہندوستانی قوم کے سوا کچھ نہ رہیں''۔

● آل انڈیا مسلم لیگ کے قائدین دستور سازی کے زمانہ سے ہی چوکنا اور ہوشیار تھے، انھوں نے جس طرح رہنما اصولوں کی دفعہ ۴۴ کے سلسلہ میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا اسی طرح بار بار پارلیمانی اور ریاستی اسمبلیوں میں مسلم لیگی ممبران نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے دستوری انداز میں کھل کر مدافعت کی جس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں بھی یہ شعور بیدار ہوا کہ ان کے شرعی قوانین کے ساتھ ملک کے قانون ساز اداروں میں کیا ہونے جارہا ہے۔ مسلم لیگی قائدین، جناب سلیمان ابراہیم سیٹھ جنرل سکریٹری جناب بشیر احمد خاں سکریٹری یوپی مسلم لیگ، جناب غلام محمود بنات والا سکریٹری مہاراشٹر مسلم لیگ، (ایم ایل اے) مولانا ضیاء الدین بخاری (ایم ایل اے) مسلم لیگ اور جناب غوث خاموشی صدر آندھرا پردیش مسلم لیگ اور دیگر لیگی قائدین نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے سلسلے میں زبردست آواز اٹھائی۔ اپنے متعدد بیانات، جلسوں، تقریروں اسمبلی کی بحثوں میں انھوں نے چند حقیقتوں کو پوری طرح واضح کیا:

۱۔ مسلم پرسنل لاء کا تعلق بنیادی حقوق کی دفعات سے ہے لہٰذا اس میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

۲۔ مسلم پرسنل لاء کسی دنیوی دستور کی طرح نہیں ہے اس لیے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔

۳۔ مسلم پرسنل لاء نے خود ہندو سماج کو بہت کچھ دیا ہے اور اس کی موجودہ اصلاح یافتہ شکل بھی مسلم پرسنل لاء کی مرہونِ منت ہے لہٰذا مسلم پرسنل لاء کی افادیت عام کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی صحیح نہ ہوگی۔

۴۔ مسلم پرسنل لاء کی جگہ پر یکساں سول کوڈ یا کوئی ایسا قانون رائج کیا گیا جو عملاً مسلم پرسنل لاء کی نفی ہو تو مسلمان اسے ہرگز قبول نہیں کریں گے۔

۵۔ مسلم پرسنل لاء کے خلاف جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے وہ چند لوگوں کی سازش ہے ورنہ عامۃ المسلمین اس میں ہرگز تبدیلی نہیں چاہتے اور نہ وہ کسی تبدیلی کو برداشت کرسکتے ہیں۔

● انجمن مہدویہ کے سربراہ مولانا ابوسعید سید محمود صاحب نے اپنی انجمن کی طرف سے ان خیالات کا برملا اعلان کیا کہ:

"مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ میں تبدیلی کے مترادف ہے اس لیے کہ کوئی مسلمان اس کو برداشت نہیں کرسکتا جن مسائل کی بناء اجماع وقیاس پر ہو ان میں بھی تبدیلی نہیں کی جاسکتی ہندوستان کے دستور میں مذہبی دستور کی جو ضمانت دی گئی ہے اس پر حکومت ضرور عمل کرے گی ورنہ خود حکومت پر دستور کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ مسلم پرسنل لاء پر جو بحران پیدا ہوا ہے وہ مسلمانوں کے اندر سے نہیں بلکہ باہر سے پیدا کیا گیا ہے۔ مذہب مہدویہ کا نصب العین عشق ومحبت الٰہی اور قرآن وسنت کا تحفظ ہے ہمارا مذہب ہے کہ الحق دائر بین الائمة الاربعه یعنی حق چاروں ائمہ میں دائر ہے۔ غور کی بات یہ ہے کہ جب ہم ائمہ اربعہ کو حق مانتے ہیں اور مسائل فقہ میں ان کا اتباع کرتے ہیں تو کتاب وسنت میں تبدیلی یا اس سے انحراف کیسے برداشت کرسکتے ہیں"؟!

● ادارۂ عین الہدیٰ خیر ولین کلکتہ (مغربی بنگال) نے مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی نہایت سخت الفاظ میں مذمت کی۔ اس ادارے نے اپنے ایک مطبوعہ بیان میں جو ۱۵ر

جولائی ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا کہا کہ:

"لاتعداد عالم، فاضل، پیر، فقیر، اولیاء، ابدال، امام اور سارے جہاں کے مسلمان کہلانے والوں میں سے بھی کسی ملک اور کسی جتھے کو کوئی حق نہیں پہنچتا اور نہ کبھی پہنچے گا کہ ختم الہدیٰ قرآن غیب اللسان پر ایمان لانے کے بعد اس میں ترمیم وتنسیخ کا ارادہ ظاہر کرسکے۔ خواہ اسلامی ملک کا باشندہ ہو یا غیر ہو، ارادہ ترمیم وتنسیخ پیدا ہوتے ہی وہ اسلام سے خارج ہوجائے گا، اگر فوراً شخص مذکور تائب نہ ہوا تو اس کا شمار کفار بے دین میں اعلاناً جاری رہے گا اور وہ کھلا باغی دین اسلام کا تصور کیا جائے گا ہم کسی ملک کے ارتدادی حوالے پر ساکت رہنے والے نہیں ہیں۔ غیر ملکی نظیر ناپذیر ہمارے لیے قطعاً قابل سماعت نہیں۔ المختصر ہمارا دین قطعاً متین ہے اس میں ترمیم وتنسیخ انسانی ناممکن اور قطعاً محال ہے۔ عدالت مقتضی ہے کہ حاکم ومحکوم سب اپنی اپنی زبان وقلم بند رکھیں"۔ دستخط محمد علم الہدیٰ۔

- سنی جمعیۃ العلماء ہند نے صاف صاف لفظوں میں تبدیلی کو دین میں مداخلت قرار دیا اور محرم ۱۳۹۲ھ کو شہید اعظم کانفرنس کے موقع پر اپنی ایک قرارداد میں نہایت دوٹوک الفاظ میں کہا کہ:

"آل انڈیا سنی جمعیۃ علماء (مرکزی) کی طرف سے منعقدہ شہید اعظم کانفرنس محرم ۹۲ھ کا یہ عظیم الشان اجلاس بہت واضح، صریح اور صاف صاف الفاظ میں اس تجویز کے ساتھ اتفاق کرتا ہے کہ مسلمانوں کا شرعی اور دینی قانون جس کو مسلم پرسنل لاء کے قانونی نام سے یاد کیا جاتا ہے، کتاب وسنت رسول اللہ (قرآن وحدیث) کے آئین اور اصول پر مبنی اٹل اور غیر متبدل ہے اور ہر قسم کی انسانی ترمیم وتغیر سے بالاتر ہے اس میں کوئی ترمیم وتغیر مسلمانوں کے دین میں مداخلت ہے لہٰذا مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو واضح طور پر غیر مشروط طور پر یہ اعلان کرنا ضروری ہے کہ وہ اب یا آئندہ کسی ایجنسی پر مسلم پرسنل لاء میں کوئی ترمیم وتغیر نہیں کریں گی"۔

• اثنا عشری شیعہ قائدین اوران کے ترجمان جرائد نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ پر پوری قوت کے ساتھ زور دیا اور مسلمانوں کے مختلف فقہی مسالک کے پس منظر میں واضح کیا کہ مسلمانوں کے نقطہ نظر کا جو اختلاف پایا جاتا ہے وہ باعثِ زحمت نہیں رحمت ہے اس لیے کہ ہمارے پاس خود ہی ایک مسئلے کے اتنے حل پہلے سے موجود ہیں کہ ہمیں کسی نئے مشورے کی ضرورت نہیں ہے بمبئی سے شائع ہونے والے جریدے ''کاروانِ حیات'' ہفت روزہ نے اپنی ۱۰ر ستمبر ۷۲ء کی اشاعت میں لکھا ہے کہ:

''مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ مسلمانوں کی انفرادیت اور تشخص کے استقرار سے تعلق رکھتا ہے چوں کہ مسلم پرسنل لاء احکام قرآن وحدیث پر مشتمل ہے اس لیے اس میں ترمیم مسلمانوں کی شریعت اور ان کے دین میں مداخلت کے سوا اور کچھ نہیں ہے ایسی حالت میں ہر مکتب خیال کے مسلمان پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے فروعی اختلافات کو فراموش کر کے شریعت اسلامیہ کے تحفظ کی جدوجہد میں شریک ہو''۔

اسی مضمون میں آگے چل کر وضاحت کی گئی ہے کہ:

''ہم مانتے ہیں کہ احکام فقہی کے معاملہ میں مسلمان مختلف خیال میں تقسیم ہیں ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی اور جعفری شرائع میں بعض مسائل پر کافی اختلافات ہیں۔ لیکن ان تمام اختلافات کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا ہر فرقہ اس کا مدعی ہے کہ اس کی شریعت قرآن وحدیث پر مبنی ہے اور قرآن وحدیث سے سر مو اختلاف کی کسی مسلمان کے لیے گنجائش نہیں ہے۔ ایسی حالت میں کوئی مسلمان یہ تسلیم نہیں کر سکتا ہے کہ کوئی پارلیمنٹ خواہ وہ کسی مسلم ملک ہی کی کیوں نہ ہو اس کی شریعت میں مداخلت کرے۔ ہم آپس میں قرآن وسنت کے مفہوم پر اختلاف کر سکتے ہیں۔ اجتہاد میں اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن اصولاً قرآن وسنت کے مقابلہ میں کسی پارلیمنٹ کی رائے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ احکام ربانی کے مقابلہ میں اکثریت آراء کے قانون کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا یہ ایک اصولی

مسئلہ ہے اور اس سے کسی فرقہ کے مسلمان کو اختلاف نہیں ہے"۔

مسلمانوں کی مختلف فقہوں کے بارے میں یہ نکتہ بیان کیا گیا کہ:

"مسلمان حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ کے ساتھ جعفری فقہ کو بھی جس کی تعلیم جامعہ ازہر میں جاری کردی گئی ہے پیش نظر رکھیں گویا پانچوں مکاتب فقہ ہمارے ہیں اور ہم ان میں سے کسی سے کوئی مسئلہ لے سکتے ہیں اس لیے کہ ہر مسئلہ کی پشت پر قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہیں"۔

اسی جریدے کی ۲۵/ اکتوبر ۱۹۷۲ء کی اشاعت میں "قانون شریعت اسلامی میں ترمیم کے بارے میں شیعہ نظریہ کے عنوان سے علمی دلائل پر مبنی ایک مضمون شائع کیا گیا ہے۔ جس میں کہا گیا ہے کہ:

"ہندوستان میں جب سے ملکی حکومت برسر اقتدار آئی ہے وقتاً فوقتاً اسلامی شریعت میں ترمیم کی تجویز سامنے آتی رہتی ہے اور ادھر چند سال سے اس میں قوت وشدت پیدا ہوگئی ہے، جس میں مسلم ممالک میں بنام اصلاحات وترقیات نافذ شدہ ترمیمات کی نظیر پیش کی جاتی ہے۔

—— ہمارے نزدیک جواز روئے قرآن وحدیث ثابت ہے اور عقل سلیم بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کئے ہوئے ہے وہ یہ ہے کہ قانون شریعت کا واضع خداوند عالم ہے خود پیغمبر خدا ﷺ کو بھی واضع قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ آپ مبلغ قانون تھے۔ اور مسلمانوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا اتباع کریں —— اور رسول ﷺ کے اتباع کے معنی ہیں اس قانون کا اتباع جو ان کے ساتھ آیا ہے —— یہ نور جو آپ کے ساتھ آیا انھیں احکام کا ہے جو قانون شریعت کی صورت میں آپ کے ذریعہ نافذ ہیں اور جن کے ذریعہ سابقہ شریعتوں کو منسوخ کیا گیا ہے —— چوں کہ ایمان بالرسالت کسی ایک دور سے مخصوص نہیں اس لیے شریعت رسول ﷺ سے کسی دور میں بھی مسلمانوں کو

انحراف جائز نہیں ہوسکتا۔

—— پھر جب کہ نظام زندگی کے احکام وقوانین کا اختیار ہمارے نزدیک پیغمبر خداBاور ان کے معصوم نائبین علیہ السلام کو نہیں تو کسی جائز الخطا انسان کو وضع قوانین واحکام کا حق کس طرح ہوسکتا ہے اس طرح کا جو حکم قرار دیا جائے گا وہ بدعت ہوگا —— ہمارے نزدیک بدعت کسی نئے کام کو نہیں کہتے، بلکہ شریعت میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ ہی کو کہتے ہیں خواہ بصورت اضافہ ہو خواہ بصورت کمی اور خواہ بصورت تبدیلی —— بیشک ہمارے نزدیک ''اجتہاد'' کا دروازہ کھلا ہوا ہے مگر اجتہاد کے معنی تحصیل حکم شرعی کی کوشش کے ہیں نہ کہ تشکیل حکم شرعی کی کاوش!۔

—— کسی حکم ثابت شدہ میں ترمیم یا کسی نئے حکم کی تشکیل کا دروازہ وحی کے دروازے کے بند ہونے کے ساتھ ہمیشہ کے لیے بند ہو چکا ہے اور اس کا حق نہ کسی ایک مسلمان کو ہے اور نہ تمام مسلمانوں کو مل کر ہے اور نہ کسی بھی حکومت کو ہے، خواہ وہ مسلمانوں کی حکومت ہو اور خواہ غیر مسلم حکومتوں کی جانب سے ہو وہ ہمارے نزدیک اسلام کے خلاف ہے''۔ (از سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب مجتہد العصر)

یہ حضرات اہل تشیع کے ایک گروہ کا نقطۂ نظر ہے لیکن دوسرے گروہ اور ان کی قیادت نے بھی جہاں تک مسلم پرسنل لاء کا معاملہ ہے اپنے اسی ایقان کا مظاہرہ کیا ہے اور ان کے بیانات، اعلانات اور خطوط میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ہم بھی مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتے۔

- سنّی خوجہ جماعت کے قائدین اور ذمہ داروں نے بھی مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی اسی طرح مخالفت کی جس طرح کوئی بھی مسلمان کرسکتا ہے، اسی طرح اسماعیل خوجہ جماعت جو ایک وسیع جماعت ہے اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی اس کے ارکان خاص طرح سے ملت اسلامیہ کے لیے مسلسل کام کرتے رہتے ہیں، اپنا علیحدہ پرسنل لاء رکھنے کے باوجود اس امر کی حمایت کی کہ ''مسلم پرسنل لاء میں کسی قسم کی ترمیم

وتبدیلی سرکاری قانون سازی کے ذریعہ ہرگز نہ ہونی چاہیئے''۔

اس طرح یکے بعد دیگرے مسلمانوں کی تمام مکاتب فکر، جماعتوں، تحریکوں، تنظیموں اور طبقات نے اپنی نمائندہ تنظیموں اور قائدین کے ذریعہ آواز اٹھائی اور مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کے خیال تک سے اپنی برأت کا اعلان کیا مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کے خواہش مند تو چند گنے چنے لوگ تھے لیکن پرسنل لاء پر یقین اور ایمان کا مظاہرہ کرنے والے کروڑوں ہیں، خیال تھا کہ ''اکثریت'' کو حق سمجھنے والی جمہوریت میں کروڑوں انسانوں کی یہ دلدوز چیخیں اور حقائق سے لبریز نعرے حکومت کو متاثر کرسکیں گے لیکن حکمراں طبقہ کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی اس نے ان سب آرزؤں کو بہرے کانوں سنا ٹال دیا، اس طرح وہ ماحول برابر ترقی کرتا رہا جس میں مسلم معاشرے کے لیے زندگی کا دائرہ محدود سے محدود تر ہوتا جا رہا تھا۔

- قوم پرستی کے مخصوص تصور کے نام پر مسلمانوں کو احساس کمتری میں مبتلا کیا جاچکا تھا۔
- اکثریت، اور اقلیت، کے الفاظ سے مسلمانوں میں احساس محرومی ابھارا جارہا تھا۔
- ہندو مسلم فسادات کے ذریعہ، اسلام مسلم، اور مسجد وقرآن، کے خلاف فضاؤں میں نفرت وحقارت گھول دی گئی تھی۔
- پاکستان کی طرف دیکھنے کا طعنہ دے کر مسلمانوں کو خوفزدہ کیا جارہا تھا۔
- مسلمانوں کو ناجائز پیشوں کی طرف ڈھکیل کر ان کے اخلاق عام کو گرایا جارہا تھا۔
- مسلمانوں کو خود اپنی نظروں میں ذلیل کیا جارہا تھا۔

اس طرح ایک خاص فضا بحیثیت مجموعی آزادی کے بعد سے لے کر اب تک پیدا کی جارہی تھی۔ پھر اس فضا میں جو خاص خاص اقدامات کئے گئے وہ یہ تھے۔

۱۔ مسلمانوں کو ان کے ''آبائی ورثوں'' سے محروم کردیا گیا۔

۲۔ مسلمانوں کو ان کی ملی طور پر قبول کردہ زبان اردو کو اس کے وطن سے دیش نکالا دیا گیا۔

۳-مسلمانوں کے قائم کردہ عظیم تعلیمی اداروں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کردار پر گہرا وار کیا گیا۔

۴-تعلیمی کورس کو اپنے انداز پر مرتب کیا گیا کہ مسلمانوں کے خلاف اور ان کے آباؤ اجداد کے خلاف پڑھنے والوں میں غیر انسانی جذبات پیدا ہوں۔

۵-اباحیت اور بے راہ روی کو مسلمانوں کے زیر انتظام چلنے والے تمام قسم کے اداروں، تعلیمی، سماجی، اصلاحی، خدماتی وغیرہ میں بھی پھیلایا گیا۔

یہ وہ واقعات ہیں جن کے ذریعہ بالواسطہ ایسا ماحول پیدا کیا گیا جو مسلمانوں کے مذہبی قانون پر براہِ راست حملہ کے لیے یا انھیں قانونی طریقہ پر غیر مسلم بنانے کے لیے نہایت سازگار ماحول پیدا کرتا ہے —— لہٰذا —— جیسے جیسے اس طرف سے اطمینان ہوتا گیا، اور یہ اندازہ لگایا گیا کہ مسلمان اب اخلاقی طور پر گر چکا ہے، اس کے اندر احساس شکست عام ہو چکا ہے اس میں یہ شعور ناپید ہو چکا ہے کہ وہ کسی دور کی اور گہری چال کو سمجھ سکے تو پرسنل لاء کے خلاف راست اقدام کا آغاز کیا گیا اور اب تک اس سلسلے میں جو کچھ ہو چکا ہے وہ یہ ہے:

۱-مسلم خاندانوں کو بھی نسل انسانی میں اضافہ کے خلاف لالچ اور خوف دونوں طریقوں سے آمادہ کیا جا رہا ہے۔

۲-ملازمت پیشہ مسلمانوں پر ایک سے زائد شادی نہ کرنے کا قانون نافذ کیا جا چکا ہے۔

۳-پبلک ٹرسٹ کے ذریعہ مسلمانوں کے اوقاف میں مداخلت کا فیصلہ کر لیا گیا ہے۔

۴-لے پالک (متبنیٰ) کے قانون ۱۹۷۲ء Childrn Act 1972 کے ذریعہ مسلمانوں سے لے پالک بچہ کے ہندو قانون پر عمل کرانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

۵-ایک سے زائد شادی پر پابندی کے بہانے پورے مسلم شرعی قانون کو جو صرف مسلمانوں کی شخصی زندگی میں رائج ہے تارپیڈو کرنے کی تجویز بار بار زیر بحث لائی جا رہی

ہے اور ایک ریاست (مہاراشٹر) نے اس کے ملک گیر نفاذ کی سفارش مرکزی حکومت سے کردی ہے اور اندیشہ ہے کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ کی طرح اسے بھی آنکھیں بند کر کے نافذ نہ کردیا جائے۔!!

۱۳، ۱۴، مارچ ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم دیوبند میں مسلمانوں کے چوٹی کے علماء پر مشتمل ایک نمائندہ اجتماع منعقد کیا جس کی صدارت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم نے فرمائی اور شرکاء میں حضرت قاری صاحب کے علاوہ (۱) حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی، (۲) حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب امیر شریعت بہار واڑیسہ، (۳) حضرت مولانا سید محمد اسعد مدنی صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند (۴) حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی مدیر ماہنامہ برہان دہلی، (۵) حضرت مولانا حامد الانصاری غازی صاحب بمبئی۔ (۶) ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب پروفیسر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ (۷) جناب بشیر احمد ایڈوکیٹ الہ آباد کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں، اس اجتماع خاص میں مسلم پرسنل لاء سے متعلق جملہ امور زیر بحث آئے اور ان اعتراضات پر بھی غور وخوض کیا گیا جو مسلم پرسنل لاء کو بدنام کرنے کے سلسلے میں اٹھائے جارہے ہیں نیز قوانین شرعیہ کے نہ صرف دفاع اور تحفظ بلکہ تحفظ کے حقیقی راستے یعنی ان کے عملی نفاذ کے طریقوں پر بھی غور کیا گیا جو نہایت ہی حوصلہ افزاء فیصلہ تھا۔

اس اجتماع کے بعد جو مشترکہ بیان شائع کیا گیا اس میں کہا گیا کہ:

——"اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے اس کا نظام انسانی زندگی کے تمام ہی شعبوں پر حاوی، نیز ہر دور اور ہر ملک کے انسانوں کے لیے یکساں طور پر فلاح کا ضامن ہے۔ اسلام کی بنیادی کتاب قرآن کریم ہے اور اسلامی نظام کی واضح اور کامل تعبیر وتشریح سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ مسلم پرسنل لاء کے تحت جو معاملات آتے ہیں اور جن کے بارے میں اصل قانون شریعت نافذ ہے، اس اجتماع کے خیال میں وہ خالصتاً مذہبی معاملات ہیں جن پر امت کی امتیازی حیثیت اور ملی

وتہذیبی انفرادیت کی بقاء موقوف ہے۔ قانون شریعت "مسلم پرسنل لاء" کے بجائے مشترکہ سول کوڈ کے نفاذ کی کوشش یا بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ مسلم پرسنل لاء کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کی کوشش، مذہب وتہذیب کی آزادی پر حملہ ہوگا جسے مسلمانان ہند کسی قیمت پر گوارا نہیں کرسکتے"۔

اس وضاحت کے بعد اس بیان میں بعض ایسے نکات بھی واضح کئے گئے جن کا تعلق ان اعتراضات سے تھا جو عام طور پر مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں اٹھائے جارہے تھے اور جو دراصل مداخلت فی الدین کا ایک بہانہ تھے بیان میں کہا گیا کہ:

۱- ہندوستان میں مغل حکومت کے زوال کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی عہدِ حکومت میں ملک کی مختلف مذہبی اور سماجی اکائیوں کو شخصی معاملات میں اپنے مذہبی قوانین پر عمل پیرا رہنے کی ہمیشہ آزادی حاصل رہی ہے اور یہ بات بطورِ اصول تسلیم کی جاچکی ہے کہ مسلمانوں کے معاشرتی امور میں شرعی اسلامی قوانین اور ہندوؤں پر ان کے دھرم شاستر کے قوانین نافذ رہیں گے، اور دستور ہند میں اس مذہبی آزادی کے بنیادی حق کو تسلیم کرلیا گیا اور اس طرح مسلمانوں پر ان کا پرسنل لاء نافذ رہا۔

۲- شریعت اسلامی ایک زندہ قانون ہے جس میں حالات زمانہ، انسانی فطرت اور اس کو پیش آنے والے حادثات کی رعایت رکھی گئی ہے جن جزوی اور وقتی مسائل کا بظاہر قرآن وسنت میں ذکر نہیں ہے، انھیں بھی مسلمانوں کے اہل علم اور صاحب بصیرت مجتہدین اور محققین نے قرآن وسنت کی روشنی میں حل کردیا ہے جن پر سب مسلمان متفق ہیں۔ اس طرح جملہ قوانین شرعیہ کا مدار کتاب وسنت کے احکام اور فرامین پر ہے۔

۳- شریعت اسلامی میں ایسے اصول اور کلیات موجود ہیں جن کی روشنی میں کسی بھی درجہ کے نقصان اور ہرج کا بروقت ازالہ کیا جاسکتا ہے۔ اور شریعت اسلامی میں انسانی فطرت کو پیش آنے والے ہر حادثہ اور وہ مستقبل جس سے اسے گزرنا ہے کی پوری پوری رعایت پہلے سے موجود ہے انھیں اصولوں پر علماء اسلام نے اجتماعی اور انفرادی زندگی

کے مختلف مسائل کو حل کیا ہے اور آج بھی انھیں اصولوں کے ذریعہ کسی بھی شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے مسئلے کو بروقت حل کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی کسی زمانے میں بھی جمود کا شکار نہیں ہو سکتی۔

۴-بدقسمتی سے ملک میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے نعوذ باللہ بغیر سمجھے بوجھے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ شرع اسلامی اس دور کے لیے ناقابل عمل اور اس کے قوانین ظالمانہ ہیں اس طرح غیر اسلامی قوانین کے لیے میدان ہموار کیا جا رہا ہے یا پھر گول مول اصطلاحات کا سہارا لے کر اصل احکام شرعیہ کو ختم کر دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں یہ روش نہ صرف علماء بلکہ امت مسلمہ کے ہر فرد کے نزدیک قابل مذمت ہے۔

۵-موجودہ حالات میں علماء کرام اور مسلم ماہرین قانون کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مجتمع ہو کر شریعت اسلامی کا اور ان اساسی اصولوں کا جن پر شریعت مبنی ہے نہ صرف دفاع کریں بلکہ مسلم پرسنل لاء کے عملی نفاذ کی تدابیر پر غور کریں۔ نیز ان مقاصد کے پیش نظر ایک ایسا نمائندہ کنونشن بلایا جائے جس میں جماعتوں، اداروں، انجمنوں اور مکاتبِ فکر کے ذمہ دار افراد اپنی داعیانہ حیثیت میں یہ اعلان کریں کہ:

- مسلم پرسنل لاء ناقابل ترمیم و تنسیخ ہے۔
- یکساں سول کوڈ کوئی ایسا رواج یا قانون جو مسلم پرسنل لاء کو ختم کر دے ناقابل قبول ہے۔
- مسلمان اپنے پرسنل لاء کو اوّلین اہمیت دیتے ہوئے اس کی حفاظت کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ بنا کر کام کریں گے۔

اس طرح دارالعلوم کا یہ اجتماع جو بہت سارے ملی اجتماعات اور احتجاجوں کا تتمہ تھا ملتِ اسلامیہ کے وجود کے لیے ایک تاریخ ساز کنونشن کا نقطۂ آغاز بن گیا۔

تیاری کمیٹی اسی اجتماع میں مسلم پرسنل لاء کنونشن کے انعقاد کے لیے ایک تیاری کمیٹی بنائی گئی جس کے کنوینر جناب مولانا محمد سالم قاسمی صاحب خلف حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مقرر ہوئے اس کمیٹی کے دو نشانے تھے۔

(۱) مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں اٹھائے جانے والے اعتراضات کا علمی اور تحقیقی جواب دینا۔

(۲) مسلمانوں کی تمام جماعتوں اور مکاتب فکر اور طبقات فکر پر مشتمل ایک آل انڈیا پیمانہ کا کنونشن کرنا۔ اس کمیٹی کے اراکین مندرجہ ذیل اصحاب تھے۔

۱- حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲- حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

۳- حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مئوناتھ بھنجن

۴- حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی ندوۃ المصنفین جامعہ مسجد دہلی۔

۵- حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب امیر شریعت بہار واڑیسہ خانقاہ رحمانیہ مونگیر

۶- حضرت مولانا محمد منظور نعمانی صاحب ایڈیٹر ماہ نامہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ۔

۷- حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب ادارہ فقہیہ گلی قاسم جان دہلی

۸- حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۹- حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدیر برہان دہلی

۱۰- حضرت مولانا حامد الانصاری غازی صاحب بمبئی

۱۱- حضرت مولانا محمد نعیم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند

۱۲- حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب، کنوینر تیاری کمیٹی

۱۳- حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

۱۴- حضرت مولانا برہان الدین صاحب ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۵- حضرت مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۶- جناب مولانا فضل الرحمٰن صاحب لکچرار سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۱۷- جناب مولانا سید عاصم علی سبزواری، ایڈوکیٹ، خیر نگر میرٹھ

۱۸- جناب مولانا بشیر احمد صاحب ایڈوکیٹ الہ آباد

• کنونشن کا فیصلہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کا شور بمبئی سے بلند ہوا تھا اور مہاراشٹر کی مختلف مسلم جماعتوں نے اس سلسلے میں کافی آگے بڑھ کر اس کی مذمت بھی کی تھی الہٰذا تیاری کمیٹی کی نظریں کنونشن کے لیے بمبئی کی طرف اٹھنے لگیں۔ ۲۱/اگست ۱۹۷۲ء کو اس کمیٹی کے ۱۴/اراکین کا ایک وفد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی معیت میں بمبئی آیا۔ اس میں قاری صاحب کے علاوہ حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی امیر شریعت بہار واڑیسہ حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب شامل تھے پہلے ۲۲/اگست کو مخصوص افراد کی ایک نشست ہوئی پھر ۲۴/اگست ۱۹۷۲ء کو مسلمانان بمبئی کا ایک نمائندہ اجتماع ہوا جس میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور ان کے ہمراہ تشریف لانے والے افراد کے علاوہ الہ آباد کے مشہور سنی عقیدہ کے رہنما حضرت مولانا شاہد فاخری صاحب (سابق ایم ایل اے، یوپی) تھے اور مسلمانان بمبئی کی دیگر نمایاں اور اہم شخصیتوں نے حصہ لیا جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- جناب مصطفیٰ فقیہ صاحب
۲- جناب سید ابو محمد زیدی صاحب
۳- جناب قاری انیس الرحمٰن صاحب
۴- جناب شبیر احمد راہی صاحب
۵- جناب محمد علی مٹھاس صاحب
۶ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی صاحب
۷- جناب عبدالستار یوسف شیخ
۸- جناب مرزا عبدالستار بیگ صاحب
۹- جناب ڈاکٹر محمود عمر شیخ صاحب
۱۰- جناب عبدالرزاق سعید صاحب
۱۱- جناب مولانا ظل الرحمٰن صاحب صدیقی
۱۲- جناب نصرت اللہ عباسی صاحب
۱۳- جناب مولانا مختار احمد ندوی صاحب
۱۴- جناب ریاض احمد صاحب
۱۵- جناب قاضی افتخار احمد صاحب
۱۶- جناب عبدالقیوم صاحب
۱۷- جناب صوفی عبدالرحمٰن صاحب
۱۸- جناب ضیاءالدین بخاری صاحب
۱۹- جناب محمد یوسف پٹیل صاحب

اس روز پہلی باراس اہم تاریخی اجتماع میں بالاتفاق ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن کے شہر بمبئی میں انعقاد کا قطعی اور آخری فیصلہ کیا گیا۔اور جس طرح اس مہاراشٹر سے مسلم پرسنل لاء کے خلاف آواز بلند ہوئی تھی اسی طرح مہاراشٹر نے مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لیے ایک تاریخ ساز اقدام کیا——فوراً ہی بغیر کسی تذبذب کے ایک انتظامیہ کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جناب محمد یوسف پٹیل صاحب اور جناب عبدالستار یوسف شیخ صاحب اس کے کنویز مقرر ہوئے، جناب محمد علی مٹھا صاحب خازن مقرر ہوئے جن اصحاب نے منتظمہ کمیٹی کی پہلی آواز پر لبیک کہااور رکنیت قبول کی ان میں متذکرہ بالا اصحاب کے علاوہ مزید حسب ذیل اصحاب بھی شامل ہیں۔

۱-جناب حکیم محمد مختار صاحب اصلاحی ۲-جناب غلام محمود بنات والا صاحب
۳-جناب پروفیسر ایف.ایم.کلے صاحب ۴-جناب خلیل احمد جامعی صاحب
۵-جناب حاجی یونس ولی اللہ صاحب ۶-جناب ڈاکٹر یوسف نجم الدین صاحب
۷-اے.کے حافظ کا صاحب ۸-جناب شہاب بانکوٹی صاحب
۹-جناب سلطان بھائی تینیسی صاحب ۱۰-جناب عبدالعزیز سلہٹی صاحب
۱۱-جناب شبیر بھائی صاحب ۱۲-جناب ڈاکٹر علی محمد ناز صاحب
۱۳-جناب یوسف اے بٹلر صاحب ۱۴-شمس پیرزادہ صاحب

● انتظامیہ کمیٹی درحقیقت مسلمانان بمبئی نے جس روز (۲۴/اگست ۱۹۷۲ء) بمبئی میں ایک ''آل انڈیا مسلم پرسنل لاکنونشن'' کے انعقاد کی ذمہ داری قبول کی تھی اس روز انھوں نے ایک بھاری اخلاقی اور مادّی بوجھ اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا کنونشن محض کسی بڑے اجتماع کا نام نہیں تھا بلکہ منتخب ملی احساس رکھنے والے تمام مکاتب فکر کے نمائندہ اور ذمہ دار اصحاب کا ان میں سے ہر ایک کی داعیانہ حیثیت میں ایک ایسا خصوصی اجتماع تھا جس کی مثال صدیوں کی ملی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔غالباً جس وقت اہل بمبئی نے اس ذمہ داری کو قبول کیا تھا انھیں اس کے جملہ تقاضوں کا پورا پورا احساس نہ رہا

ہوگا لیکن ان کی اس بھول نے ملی مفاد عام کی ہمہ گیر جدو جہد میں اہم رول ادا کر دیا، کبھی کبھی تاریخ میں ایسا ہوتا ہے کہ کچھ سر پھرے لوگ جو مستقبل کے خطرات اور اندیشوں سے آنکھیں بند کئے رہتے ہیں اچانک اٹھ کر میدان مار لیتے ہیں اور آئندہ کے لیے مستقل اقدامات کا راستہ کھل جاتا ہے مسلم پرسنل لاء کنونشن کی مجموعی تصویر کچھ ایسی ہی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ ہمیشہ سے یہ مزاج رکھتی ہے کہ جب بھی ملت کی رگ حیات کو کوئی خطرہ لاحق ہوا ہے اس کا ایک ایک فرد اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر ایک ہی مرکز پر جمع ہو گیا ہے اور اس طرح مدتوں اغیار کا بنا ہوا پھوٹ اور انتشار کا جال ملت کے ضمیر نے آناً فاناً میں کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ اہل بمبئی نے جب اس بات کی حامی بھری تھی کہ وہ ایک نمائندہ ملی کنونشن کا اہتمام انشاء اللہ العزیز بمبئی میں کریں گے تو وہ ہر پہلو سے مطمئن تھے وہ جانتے تھے کہ جس طرح قانون شریعت ایک زندہ قانون ہے اسی طرح ملت اسلام بھی ایک زندہ اور بیدار ملت ہے، جسے ہر وقت اپنے اصلی کام پر لگایا جا سکتا ہے جسے ہر وقت حق اور صداقت کی طرف بلایا جا سکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ سبھی لوگ جنھوں نے اس کنونشن کی تجویز رکھی اور جنھوں نے اس کی حامی بھری اپنے ذہنوں میں ملت کی یہی تصویر رکھتے تھے—— نتیجہ یہ ہوا کہ فیصلہ ہوتے ہی انتظامیہ کمیٹی نے کنونشن کو عملی جامہ پہنانے کے لیے دوطرفہ مارچ شروع کر دیا۔ ملی مزاج رکھنے والے ایسے تمام اصحاب کو جن کا تعلق مختلف مسالک، طبقات، گروہوں اور جماعتوں سے تھا ایک ایک کر کے ممبر بنانے کا آغاز کیا گیا۔ عملی تعاون کرنے والے دردمند خادمان ملت کو جو ہر ایسے موقع پر جب کوئی دینی کام ہو رہا ہو اپنے آپ کو پیش کر دیتے ہیں آواز دی گئی اور الحمد للہ انھوں نے پہلی پکار پر ہی لبیک کہا۔

الغرض ۲۷/۲۸/دسمبر ۱۹۷۲ء–۱۳۹۲ھ کو یہ عظیم کنونشن اپنی غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ بمبئی میں منعقد ہوا۔ جس میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں نے حصہ لیا۔ مسلمانانِ ہند کے مختلف مکاتبِ فکر کے اجتماع اور نمائندگی کے لحاظ سے یہ

کنونشن جس قدر غیر معمولی تھا اسی حد تک خدا تعالیٰ نے اسے کامیاب بھی فرمایا، کنونشن کے داعیوں اور مندوبین کی متفقہ رائے سے جن میں سنی، شیعہ، مہدوی، بریلوی اہل حدیث اور جماعتِ اسلامی کے علاوہ دوسری سیاسی غیر سیاسی جماعتوں کے رہنما موجود تھے، حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم کو کنونشن کا صدر منتخب کیا گیا، ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مذہبی مکاتبِ فکر اور طبقات میں سے کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں رہا جس کے اکابر علماء وزعماء کنونشن کے پلیٹ فارم پر جمع نہ ہو گئے ہوں اس کنونشن نے اور دوسرے لفظوں میں ہندوستان کے تمام مکاتبِ فکر کے مسلمانوں نے متحدہ آواز کے ساتھ اپنے ریزرویشن کے ذریعے اعلان کر دیا کہ وہ کسی حالت میں بھی مسلم پرسنل لاء میں تغیر وتبدل کو گوارہ نہیں کر سکتے، یہ شریعتِ اسلامی کا ایک حصہ ہے، اس متحدہ آواز کا اثر ملک اور حکومت دونوں پر پڑا اور اس ذریعے سے ہندوستان کے تمام مسلمان وحدتِ کلمہ کی بنا پر متحد ہو گئے، جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک بے مثال صورتِ حال تھی۔

تحریکِ خلافت کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ ہر مکتبِ فکر کے مسلمانوں نے متحد ہو کر اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا، اس کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا دوسرا عظیم اجتماع حیدر آباد میں منعقد ہوا اس جلسے کی ورکنگ کمیٹی نے آل انڈیا بورڈ کا صدر حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند کو جنرل سکریٹری حضرت مولانا منت اللہ صاحبؒ رحمانی کو منتخب کیا۔

حکیم الاسلام کا یہ خطبۂ صدارت جہاں ان کی دینی علمی بصیرت کا آئینہ ہے وہیں ملکی اور عالمی احوال وکوائف پر ان کی گہری نظر ہونے کا شاہد ہے اس خطبۂ صدارت کو بغیر کسی حذف واضافہ اور حاشیے وعبارت آرائی کے تسلسل کے ساتھ اس لیے پیش کیا جا رہا ہے کہ مسلم پرسنل لاء کی ضرورت اور افادیت کل بھی لازمی تھی آج بھی ضروری ہے۔

❀❀❀

آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن

(برائے تحفظ قوانین شرعیہ)

کا خطبۂ صدارت

عارف باللہ حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا **محمد طیب** صاحب نور اللہ مرقدہ
بانی وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ
وسابق مہتمم دار العلوم دیو بند. (از ۱۳۴۳ھ تا ۱۴۰۴ھ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. وبعد

حضرات گرامی قدر! اس عظیم نمائندہ اجتماع کے لئے جس میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر اور مؤقر تنظیموں کے علماء وفضلاء اور ملک کے تمام دانشور جمع ہیں صدارت کسی ایسی بڑی اور نمایاں شخصیت کے سپرد ہونی چاہئے تھی جو اس عظیم اجتماع کے شایانِ شان اور اس کے لئے مزید عظمتوں کا باعث ہوتی. اس کے برخلاف ایک ایسے شخص کے سپرد کردی گئی ہے جو جسم وروح ظاہر وباطن دونوں کے لحاظ سے کمزور اور قلیل البضاعت ہے اور جتنی بضاعت ہے وہ بھی مزجات ہے.

درانحالیکہ اس مؤقر مجمع میں ایسے اکابر علم وفضل موجود ہیں جو بسطۃً فی العلم والجسم دونوں لحاظ سے اس ذمہ دارانہ منصب کے لئے احق اور ملک وقوم پر اثر انداز ہونے کی اعلیٰ صلاحیتیں رکھتے ہیں۔

اس صورت میں مجھ جیسے طالب علم کے لئے اس بڑی ذمہ داری سے بہ ادب معذرت کردینے کا موقع تھا، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اقویا کے مقابلہ میں اس درجہ کا کمزور ہونا بھی بہرحال ایک امتیاز ہے اور بڑے کمال کے مقابلہ میں بڑا نقصان

بھی کمال ہی سے نسبت رکھتا ہے؛ جو درحقیقت اس کمال کے نمایاں اور واضح کردینے کا ایک بڑا ذریعہ سمجھا جاتا ہے.

وبضدّها تتبین الاشیاء

ضد ہی سے اصل کا تعارف اور تبین ہوتا ہے. اضداد نہ ہوں تو کمالات کی بہت سی قوتیں چھپی کی چھپی رہ جاتی ہیں. اگر ظلمت نہ ہو تو نور کے پہلو نہیں کھل سکتے. اگر رات نہ ہو تو دن کی قدر و قیمت نہیں معلوم ہوسکتی. اگر جہل نہ ہو تو علم کی عظمت نمایاں نہیں ہوسکتی. اگر ضعف نہ ہو تو قوت کی قدریں نامعلوم رہ جائیں. اگر ناقصین نہ ہوں تو کاملین کے کمالات کے پہلو سامنے نہیں آسکتے۔

اس حقیقت کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اس ضعیف و ناکارہ کا انتخاب بہت ہی موزوں و مناسب ہوا اور جیسے انتخاب شدہ کو یہ بلا چون و چرا قبول کرلینا چاہئے تھا اسی طرح انتخاب فرمانے والے بزرگ بھی میرے ہی نہیں بلکہ پورے اجتماع کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حقیقت شناسی کا پورا پورا ثبوت دیا ہے۔

لیکن اس شکریہ سے بڑھ کر اور سب سے پہلے ہم سب کو اس خداوند بزرگ و برتر کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جس کی عطا کردہ توفیق سے ہم سب یہاں ایک جگہ جمع ہیں اور کندھے سے کندھا ملائے بیٹھے ہیں۔ نہ صرف ہمارے اجسام ہی ایک دوسرے سے قریب ہوگئے ہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں ہمارے دل بھی ایک دوسرے سے قریب اور اخوت اسلامیہ کے جذبہ کے تحت قریب سے قریب تر ہوجانے کے آرزومند ہیں۔

بزرگان محترم! ہمیں ملانے والی چیز صرف اللہ کا نام اور اس کا مستند کلام ہے اور ہمارے دین کی واحد اساس کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ہی ہمیشہ کی طرح آج بھی ہمارے اس ملّی اتحاد کا سرچشمہ ہے۔ ہم اللہ کے نام سے زندگی حاصل کرتے ہیں اور اسی کے کلام کو اپنی زندگی کا قانون سمجھتے ہیں، اور اللہ کے سچے رسول خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ B کی ذات قدسی صفات کو کمالاتِ خداوندی

کا نمونہ اور اپنی دنیا و آخرت کا کامل و مکمل رہنما اور مربی یقین کرتے ہوئے ان ہی کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا آخری مقصد سمجھتے ہیں۔

اسی پاک اسوہ سے ہماری زندگی بنی ہے اور اسی سے آئندہ بنے گی اور اسی پر خاتمہ سے ہماری آخرت کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔

امام مالکؒ کا ارشاد ہے:

لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا (اس امت کا آخری حصہ بھی اسی سے صلاح و فلاح پا سکتا ہے جس سے امت کے اول حصہ نے صلاح و فلاح پائی)

خلافِ پیمبرؐ کسے رہ گزید ۞ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یہی وہ روشنی اور راہنمائی ہے جس نے صدیوں کے خلاء کو پر کر کے ہمیں ایمانی عزیمت عطاء کی اور ہم لوگوں کو جو ٹکڑے ٹکڑے تھے، آج کے دن ایک جسم واحد کی طرح ایک جگہ جمع کر دیا اور ایک بار پھر اپنی شریعت اور اس کے مسائل کی حفاظت کے لئے اس مقام پر کھڑے ہونے کی ہمت بخشی۔

بلاشبہ جس طرح آج کا یہ اجتماع عظیم ہے اسی طرح یہ دن بھی ایک عظیم بلکہ عظیم تر دن ہے جس میں بظاہر ایک ناممکن سی بات نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بن کر سامنے آگئی ہے اور وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا کا پاکیزہ منظر آنکھوں سے نظر آرہا ہے۔

حضرات گرامی! ہر دور میں تاریخ کا ظہور کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا ہے لیکن اس دور کا تاریخی ظہور یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے مختلف مکاتب فکر کے علماء و دانشور اور رہنما وحدتِ کلمہ کی بنیاد پر ایک نقطۂ وحدت پر جمع ہیں۔ اسکی روشنی میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق توحید و رسالت اور جذبۂ وحدت کی جو امانت امت کو سپرد کی گئی تھی ہم اس کی حفاظت کے فریضہ کو فرض کی طرح ادا کرنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ یہ امانت ہمیں جان و مال اور آبرو سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اپنی جانوں سے دستبردار ہو سکتے ہیں مگر اس ازلی اور ابدی امانت سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔

بزرگانِ محترم ! آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں کہ اسلام عام مذاہب کی طرح کوئی خاندانی، وطنی یا قومی قسم کی روایات کا مذہب نہیں ہے بلکہ روایت و درایت کے لحاظ سے اس کی ہمہ گیر فطرت کی خود اپنی ہی ایک مستقل اور امتیازی شان ہے۔ مذاہب کی دنیا دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اور مذاہب کی مثال ایک ایسی مملکت کی سی ہے جس کی سرحدیں نہیں، اگر ہیں تو وقت کے دھارے سے ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ لیکن اسلام ایک ایسی مملکت ہے کہ جس کی سرحدیں اٹل ہیں اور وہ سرحدیں خداوندی دستور سے بنی ہوئی ہیں، جو قلعہ بند شہر پناہ کی مانند ہیں۔ زمانہ کی کسی ضرب سے نہ وہ ٹوٹ سکتی ہیں اور نہ ہل سکتی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان سرحدات سے باہر نکل جائیں مگر یہ ان کی تعدّی ہوگی، حدود اپنی ہی جگہ اٹل رہیں گی۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

اسلام کا قالب جن قانونی دستاویزوں اور فطری اصول سے مشیت خداوندی نے تیار کیا ہے ان میں تمام ہنگامی اور دوامی اصلاحات اور ان کے اصول وقوانین جمع کر کے ان میں سے ان تمام سماجی برائیوں کو نکال دیا ہے جن کا نام جاہلیت تھا۔ اس میں کسی تغیر اور تبدیلی کے معنی اسی جاہلیت کو دوبارہ لے آنے کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے، جس سے مالکِ مطلق نے انسانیت کو پاک کر کے درجۂ کمال پر پہنچایا تھا۔

آج پرسنل لاء کے نام پر ان تبدیلیوں کا مواد بنام اصلاح وترمیم پیش کیا جارہا ہے۔ کیا حقیقتاً یہ اصلاح اور کوئی اصلاحی تحریک ہے؟ یہ اصلاح اسی قسم کی ہے، جسے قرنِ اول کے منافقین اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے نعرے کے ساتھ لے کر کھڑے ہوئے تھے، لیکن عالم الغیب والشہادہ نے کھلا اعلان فرمادیا تھا اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ.

ہم اپنے دین و دانش کے لحاظ سے یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم پرسنل لاء میں تبدیلی کی تحریک کوئی اصلاحی تحریک ہے۔ بلکہ دوربین سے دیکھئے یا خوردبین سے، صاف نظر آئے گا کہ یہ ایک سیاسی تحریک ہے، جو ہندو کوڈ بل سے پیدا ہوئی ہے، سو یہ

آپ کی سیاست ہے، آپ اسے اپنے پاس رکھئے۔

ہندوستان کا دستور، مذہب اور سیاست کو الگ الگ قرار دیتا ہے تو آپ ہمارے مذہب کے معاملہ میں اپنی سیاست ملا کر حکومت اور عوام کو ناراض کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟

آپ کا دعویٰ ہے کہ حکومت ریفارمس چاہتی ہے اور ہم مصلح ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ملک میں سماجی برائیوں، اخلاقی گراوٹوں اور غلاظتوں کے جو ڈھیر لگے ہوئے ہیں، حکومت کے قانون، حکام کی طاقت اور نام نہاد مصلحین کی اصلاحی مہم کا رخ اس طرف کیوں نہیں؟

مجھے اس وقت ایک سخت لفظ کہنے پر معاف کیجئے کہ وہ سماج کتنا دیّوث ہے، جو لاکھوں ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو بازار میں بیٹھنے کی اجازت دیتا ہے اور چار شادیوں کی محض اجازت اور وہ بھی خاص شرائط عدل و دیانت سے مشروط اجازت پر اعتراض کرتا ہے اور اس غلاظت پر ان مظلوم قسمت کی ماری بازاری گنہگار عورتوں پر کتنے مرد ظلم توڑتے ہیں، نہ کوئی پابندی عائد کرتا ہے اور نہ کوئی دار و گیر کا روادار ہے، سماج نے گناہوں کے بازار لگا رکھے ہیں۔ آج بھی اس ملک میں ایسے فرقے ہیں جو اسّی اسّی بیویاں رکھتے ہیں اور سماج ان کے بارے میں چوں تک نہیں کرتا۔ بقول بابو بھبے چندر اور بابو گریندر ناتھ دت:

> ''اس ملک میں ایسے کامن برہمن بھی ہیں جن کی پچاس پچاس اور سو سو بیویاں ہیں ان میں سے ہر شخص کے پاس ایک نوٹ بک رہتی ہے جس میں وہ اپنی بیویوں کی ولدیت اور گاؤں کا نام لکھ لیتے ہیں اور (پھر بھی) انہیں پشیمانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جسے وہ ایک اجنبی سمجھ کر ملتے ہیں وہ ان کی بیوی یا لڑکا ہوتا ہے''۔
>
> (پروفیسر کے، یم کپڑیا کی تصنیف ''میرج اینڈ فیملی اِن انڈیا'' ص ۱۵ بحوالہ اخبار عزائم لکھنؤ ۱۴ ر نومبر ۱۹۷۲ء)

لیکن اسلام نے سماج کے اس وحشی دستور کے خلاف سو سو بیویاں رکھنے کے قانون کو محدود کر کے اگر چار کی گنجائش دی اور وہ بھی کڑی شرائط کے ساتھ اور اسی بے قید غلاظت سے سماج کو پاک رکھنے کے لئے تو مصلحین کی ٹولیاں قانون کے پشتارے لیکر

دوڑ پڑیں، جس ملک میں راتوں کے کلب ہوں، مادر وطن کی بیٹیوں کے بدن سے عصمت وعفت کا لباس رات بھرا تار کر تار تار کیا جارہا ہو اور خدا کے غضب سے حکومت اور سماج بے نیاز ہو، ایسے ملک کے چند ایسے سر پھرے مصلحین کو مسلم پرسنل لاء کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے سو بار خود تو شرمانا چاہئے تھا جنھیں بے شرم سماج کو ٹوکنے تک کی بھی ہمت نہیں۔ ان میں اسلام کی فطری اور اعلیٰ وارفع قانونِ عصمت پر حرف زنی کرنے کی ہمت آخر کہاں سے پیدا ہوئی؟ بے شمار بچوں کی تعداد پر تو پابندیاں عائد کی جائیں مگر بے شمار غلیظ گناہوں پر پابندیاں عائد کرنے کا کوئی جذبہ نہ ابھرے، خواہ وہ کتنی ہی تعداد میں ہوں، کہیں بھی ہوں اور کتنے ہی شرمناک انداز میں ہوں۔

برائیوں کے بازار کھلے ہوئے ہیں، جن میں ہر برائی اور ہر اخلاقی گندگی بکری کے مال کی طرح بکتی ہے۔ تباہ حال اچھوتوں کا کیا حال ہے، غریب ہندو عورتوں کا کیا حال اور مآل ہے، جوان نسل کے لڑکے اور لڑکیاں کن کن سماجی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، جھونپڑیوں میں عورتوں کی عزت وعصمت کیسے دردناک حالات سے دوچار ہے، وہاں کوئی مصلح، کوئی لیڈر اس اصلاحی مہم کو لے کر اٹھنے کی تکلیف گوارا فرما کر نہیں پہنچتا اگر وہ اس اصلاحی مہم کو لے کر اٹھیں تو میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم سب اسی وقت ان مصلحین کے پروگراموں کا آخر تک ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔

شاید ان ہی غلاظتوں کی پردہ پوشی کے لئے پرسنل لاء کے چند مسائل کو ہدف بنا کر ان میں ترمیمات اور اصلاحات کے نعرے لگائے جارہے ہیں، یا ممکن ہے کہ اقلیتوں کو جذباتی ہیجان میں مبتلا رکھنے کی یہ کوئی تدبیر ہو۔ بہر حال نعرہ زنوں کا انداز قد ہر لباس میں عریاں ہے۔ خواہ وہ آئین کا لباس پہن کر آئیں، یا سماج اور معاشرہ کی اصلاح کا، لیکن اگر ان میں سے کوئی فرد، دین خداوندی میں ترمیم وتبدیلی کا نعرہ بزعم خود کوئی اصولی بات سمجھ کر لگا رہا ہے، تو میں اس اجتماع کے موقع پر اپنے تمام علماء کرام اور دانشوران محترم کی طرف سے یہ اعلان کرنا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے اس

عقیدہ پر اٹل ہیں کہ جس طرح خدائے بزرگ برتر نے اپنے نظام خلق کو اپنی سچی فطرت پر قائم کیا ہے، جس میں تبدیلی ناممکن ہے کہ لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، اسی طرح اس نے اپنے نظام امر کو بھی جس کا نام دین ہے، اپنی اسی فطرت کے اساس پر قائم کیا ہے، اس لئے اس میں بھی تبدیلی ممکن نہیں، لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰه.

یہ قانون فطرت ہے اور فطرت تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اگر کوئی زمین، آسمان، چاند، سورج اور کواکب و نجوم کو نہیں بدل سکتا، صرف اس سے فائدہ ہی اٹھا سکتا ہے تو دین کے کلیات و جزئیات، احکام و آداب، اخلاق و عقائد، معاملات و معاشرات اور اجتماعی قوانین سے لیکر عائلی قوانین تک کی فطری حدود کو بھی نہیں بدل سکتا، وہ صرف فائدہ اٹھانے کے لئے اتارے گئے ہیں، بدلنے کے لئے نہیں لائے گئے، بدلنے کی جب بھی سعیٔ لاحاصل کی جائے گی تو خدائی حدود تو اپنی ہی جگہ قائم رہیں گی، لیکن بدلنے والوں کے حق میں سماج کا ڈھانچہ بکھر کر غلاظتوں اور گناہوں کا ڈھیر ہو جائیگا۔ جس کی وجہ یہ کہ جس طرح خدا کی اس کائنات کا نظام خلق نہایت ہی مرتب اور فطرت کے اصول میں بندھا ہوا ہے، جس کی کوئی ایک جزئی بھی عرش سے لیکر فرش تک اور ثریا سے لیکر ثریٰ تک بے جوڑ نہیں، اسی طرح اسی خدائے برتر و توانا کا نظام امر یعنی شریعت بھی غیر مرتب یا بے جوڑ نہیں، بلکہ اس کی بھی ایک جزئی اپنے ہی فطری اصولوں سے بندھی ہوئی، اپنی فطری تنظیم سے وابستہ ہے، اور ایک ہی فطرت الٰہی ہے، جو ان دونوں نظاموں کو تھامے ہوئے ہے، جو فطرت اس کے کام میں کارفرما ہے، وہی اس کے کلام میں بھی کارفرما ہے، اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ.

جس طرح اس نظامِ خلق میں یہ اربوں، کھربوں انفرادی جزئیات، حیوانات کی ہوں یا نباتات کی، جمادات کی ہوں یا مجردات کی، اپنی اپنی انواع سے جڑی ہوئی ہیں، جیسے حیوانات میں مثلاً: شیر، بکری، اونٹ، گھوڑا، گدھا وغیرہ حیوان کی جنس سے وابستہ ہیں، نباتات کے بے شمار افراد، درخت گھاس، جھاڑ، بیل وغیرہ اپنی اپنی انواع

سے جڑے ہوئے ہیں۔ اور جمادات کے ان گنت افراد: اینٹ، پتھر، ریت، چونا، سمینٹ، لوہا، سونا، چاندی، پہاڑ اور دریا وغیرہ اپنی اپنی جمادی انواع سے وابستہ ہیں، اسی طرح یہ ساری انواع، حیوان ونباتات وجماد ملکر ایک اوپر کی کلی جنس کے نیچے جمع ہو جاتی ہیں، جس کا نام جسم ہے، کہ یہ ساری کی ساری نوعیں جسمانی ہی ہیں۔ پھر جسم کے دوش بدوش کچھ غیر جسمانی یا بحد لطیف الاجسام مفردات کی لطیف انواع ہیں، جو اپنی لطافت کے سبب ان نگاہوں سے دیکھی نہیں جا سکتیں، جیسے: ارواح، ملائکہ، جنات وغیرہ یہ سب ملکر ایک نہایت ہی وسیع اور عام تر جنس کے نیچے آجاتی ہیں، جس کا نام جوہر ہے، جو بلا کسی غیر کے سہارے خود سے قائم ہیں۔ پھر جوہر کے دوش بدوش کچھ غیر جوہری اشیاء بھی ہیں، جو خود سے قائم نہیں ہیں، بلکہ دوسرے کے سہارے قائم ہیں۔ جیسے ان جنسوں کے افعال وخواص، رنگ وبو، کیف وکم اور مقدار وغیرہ، پھر یہ سب جوہری اور عرضی موجودات مل کر ایک نہایت ہی وسیع حاوی اور محیط کائنات جنس کے نیچے آجاتی ہیں، جس کا نام وجود ہے، کہ ان کائناتوں میں اس سے بڑا احاطہ کسی کلّی کا نہیں، جو ساری موجودات کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے اور ظاہر ہے کہ وجود عین ذات حق سے (جلّ ذکرہ) اس کی ذات اور وجود الگ الگ نہیں ہیں، کہ وجود کا اس سے جدا ہو جانا ممکن ہو؛ اس لئے یہ ساری کائناتیں وجود کے واسطہ سے اس وجودِ مطلق اور موجود اصلی سے وابستہ ہو جاتی ہیں، جس سے ان سب کا ایک ہی سرچشمہ ثابت ہوتا ہے اور اسی پر ان کائناتوں کے وجود کی انتہاء ہو جاتی ہے، جسے قرآن حکیم نے دو لفظوں میں کھول دیا ہے "وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَھٰی" (بلا شبہ تیرا رب ہی منتہی ہے) جس پر ہر موجود کی انتہاء ہوئی ہے۔ کہیں فرمایا "وَاِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی" (اور بلا شبہ تیرے ہی پروردگار کی طرف ہر چیز کا رجوع ہے) کہ وہ اسے چھوڑ کر اِدھر اُدھر نہیں جا سکتی؛ لیکن ساتھ ہی ان موجودات پر کائناتوں کی انتہاء نہیں ہو جاتی، بلکہ موجودات سے کہیں زیادہ ان گنت معدومات بھی ہیں، جنہوں نے ابھی تک وجود کا جامہ نہیں پہنا، مگر ان کا موجود ہونا ممکن

ہے اور وہ کائنات خلق میں شامل ہوسکتی ہیں۔ اس لئے یہ ساری موجودات ومعدومات مل کر ایک اور انتہائی حاوی وشامل اور محیط الکل کلّی کے نیچے آئی ہوئی ہیں، اس جنس کلی کا نام علم خداوندی ہے، جو موجود ومعدوم سب پر حاوی ہے، پس موجودات عینی شکلوں میں موجود ہیں اور معدومات علمی صورتوں میں علم الٰہی میں سمائی ہوئی ہیں۔قرآن حکیم نے اس حقیقت کوان دو کلموں میں ارشاد فرمایا ہے، "وَاَحَاطَ بِكُلِّ شَيْئٍ عِلْمًا" (اور وہ اللہ جل ذکرہ [ہر چیز پر خواہ وہ موجود ہو چکی ہو یا نہ ہوئی ہو) اپنے علم سے محیط ہے۔ بہرحال اس مرتب نظام کائنات کی کائناتوں سے جس کی انتہاء علم الٰہی پر ہے، ہم فائدہ تو ضرور اٹھا سکتے ہیں اور ضرور اٹھانا چاہیئے، جب کہ یہ ہمارے لئے بنائی گئی، اور مسخر کی گئی ہیں، لیکن انہیں بدل ڈالنے کا تصور جنون اور حماقت سے کم نہیں جب کہ فطرت علمی ہو یا عملی نہ بدلنے کی چیز ہے نہ بدلی جاسکتی ہے، "لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَايَعْلَمُوْنَ " (اللہ کی خلقت میں تبدیلی نا ممکن ہے یہی اس کا طریقہ اور مستحکم دین ہے، لیکن انسانوں کی اکثریت جہالت میں پھنسی ہوئی ہے) ٹھیک اسی فطرت پر خدا کا نظام امر بھی ایک عجیب حکیمانہ ترکیب اور تنظیم کے ساتھ قائم ہے، جس میں مسائل جزئیہ کے افراد بھی ہیں، اور ان پر کلی انواع بھی، پھر انواع کے اوپر اجناس اور اجناس پر جنس الاجناس کا احاطہ بھی، جس سے دینی مسائل کی کثرتیں سمٹ کر وحدتوں کی طرف اور وحدتیں سمٹ کر وحدت الواحدات کی طرف رجوع کئے ہوئے ہیں۔ اور دین مثل حسّی کائنات کے ایک نہایت ہی منظم اور مرتب روحانی کائنات کی شکل میں جلوہ گر ہے۔

دین کے لاکھوں افرادِ مسائل کو ان کی انواع سمیٹے ہوئے ہیں۔ مثلاً نماز ایک نوع ہے، جس کے ہزاروں مسائل ہیں اور ان پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، حج ایک نوع ہے، جسکے ہزاروں مسائل ہیں، جن پر سینکڑوں تصنیفیں ہیں، مالیات ونفقات ایک نوع ہے، جس کے نیچے ہزارہا جزئی مسائل ہیں اور ان پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئی

ہیں، زکاۃ، صدقاۃ، خیرات اور ہدایا، قرض وامانت وغیرہ مستقل نوعیں ہیں جن کے نیچے ہزاروں مسائل آئے ہوئے ہیں، تدبیر منزل ایک مستقل نوع ہے، جس کے نیچے ولادت، رضاعت، تربیت اور روابط وعلائق کے ہزار ہا مسائل ہیں۔ نکاح، طلاق، خلع وغیرہ کی انواع کے نیچے ہزار ہا مسائل جمع ہیں۔ پھر شہری زندگی کے عمومی روابط اور علائق کی انواع ہیں، جن کے نیچے طلاق، نکاح وغیرہ کے ہزاروں مسائل ہیں۔ پھر انتظام مملکت اور تعزیرات ایک نوع ہے، جس کے نیچے ہزاروں سیاسی اور اجتماعی مسائل آئے ہوئے ہیں۔ پھر بین الاقوامی معاملات کے لئے خلافت ایک مستقل نوع ہے، جس کے نیچے ہزاروں مسائل ہیں اور جن پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اور پھر ان تمام انواع کے اوپر اجناس ہیں اور اجناس کو پھر ایک جنس کلی نے اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

بہر حال دینی انواع: نماز، روزہ، حج، زکاۃ، نکاح طلاق، مہر، خلع، ولادت، رضاعت، تربیت، لین دین، بیع وشراء، وقف و ہبہ، قرض، امانت، اجارہ، حدود، قصاص، کفّارات وغیرہ وغیرہ کے لاکھوں جزئیات مسائل اور ان کی بے شمار عملی صورتیں اور نمونے ہیں، جن سے دینی کتابیں اور کتابوں سے دنیا کے لاکھوں کتب خانہ بھرے ہوئے ہیں، جن سے امت کی خصوصیت ہی کثرت تصنیف قرار پا گئی، جیسا کہ بعض علماء امت نے دعوی کیا ہے۔

پھر ان انواع کے اوپر اجناس کلّیہ ہیں، جن کے نیچے یہ تمام نوعیں آئی ہوئی ہیں، جیسے: اخلاق، اعتقادات، عبادات، منزلیات، معاملات، معاشرات، مدنیات، اجتماعیات اور آفاقیات وغیرہ، پھر ان ساری مصالح کلیہ کا تعلق صفات خداوندی سے ہے، جن کے تقاضوں سے یہ علل واسرار اور ان سے یہ احکام نمایاں ہوئے، اور پھر ان تمام صفات الٰہی کا تعلق ایک ہی کلی الکلیات ''علم الٰہی'' سے ہے، جس کے واسطہ سے یہ سارا نظام ذاتِ بابرکات الٰہی سے جڑ جاتا ہے اور خلق وامر کی ساری کثرتیں سمٹ کر ایک ہی ذات واحد پر جا کر منتہی ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح خلق وامر دونوں میں توحید الٰہی کا عقیدہ فطری طور پر

خود بخود ثابت ہو جاتا ہے، جو انبیاء علیہم السلام کا موضوعِ بعثت ہے۔ "کَانَ دِیْنُ الْاَنْبِیَاءِ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰه" (سارے انبیاء کا دین "لا الٰہ الا اللہ" ہی رہا ہے)۔

اس لئے اسلام نے توحید کو محض شرعیات ہی کی حد تک محدود نہیں رکھا، بلکہ عالم خلق میں بھی ایک ایک فعل، ایک ایک قول اور ایک ایک نیت اور ایک ایک ظاہری ہیئت تک وسیع کر کے توحیدِ عملی کا ایک مستقل نظام قائم کیا ہے، تا کہ زندگی کے ہر ہر موڑ پر اور اس کی ایک ایک نقل و حرکت پر بندہ اپنے خدائے واحد کی طرف رجوع رکھے اور شرک کی آلائشوں سے ملوث نہ ہو۔

بہر حال عرض یہ کرنا ہے کہ جیسے کائنات خلق کے اس فطری نظام میں، دخل اندازی انسانیت کی تباہی ہے، اور جس طرح کائنات خلق، اور اس کی اشیاء میں ترمیم و تنسیخ کا تصور، یا عمل شرک اور خلافِ توحید ہے، اسی طرح اس کائنات روحانی اور اس کے کسی جزوی مسئلہ میں بھی انسانی ترمیم و تبدیلی ایک کھلا شرک ہے، جسے مٹانے کے لئے انبیاء معصومین مبعوث ہوئے۔

اس لئے جیسے کائنات خلق سے ہم فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں، اسے بدل نہیں سکتے۔ اسی طرح کائنات امر یعنی شرائع سے بھی، فائدہ ہی اٹھا سکتے ہیں اور اٹھانا چاہئے، اسے بدل نہیں سکتے۔ اگر کسی ایک جزئی میں تغیر و تبدل کا تصور باندھا جائے گا، تو یہ جزوی ترمیم نہ ہوگی، جس کا ایک چھوٹا سا جزو یہ جزئی ہے، بلکہ شریعت کے نظام عمومی کا رشتہ، جبکہ ساری انواع و جزئیات میں پرویا ہوا ہے، تو جس دانہ کو بھی اپنی جگہ سے نکال دیا جائے گا، تو صرف وہ جزئی خرابی نہ ہوگی، بلکہ پوری مالا اور ہار کی بدزیبی اور بدنمائی ہوگی، جس سے ہار کی اصلی حسین شکل و صورت باقی نہیں رہ سکتی اور اسی درجہ میں روحانیت کی تباہی سامنے آجائے گی، جس کی صلاح و فلاح کے لئے یہ دین اتارا گیا ہے، بلکہ ان اصول و کلیات اور ان کے واسطہ سے صفات الٰہی اور ان کے توسط سے علم الٰہی میں تغیر و تبدل کر ڈالنے کے ناپاک عمل کے مرادف ہوگا، جو ناممکن ہونے کے علاوہ

انتہائی خباثت اور خیانت ہوگی، کہ آدمی بندگی کی حدود سے نکل کر خدائی حدود میں مداخلت کرنے کی شرارت کا مرتکب ہو۔ جبکہ پورے نظام دین و دیانت کا خاکہ، بحیثیت مجموعی ایک متصل واحد شئی ہے۔ اس کے کسی جزو کو چھیڑنا پورے نظام کو چھیڑنا ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے: ایک حوض کے متصل واحد پانی کی سطح پر اگر ایک سمت میں بھی، ایک ڈھیلا پھینک کر، اسے ہلا دیا جائے، تو ناممکن ہے کہ یہ ایک سمت کی حرکت لہر بن کر درجہ بدرجہ دوسری طرف نہ پہنچے، اسی طرح یہ تمام اسلامی شعبے اپنے اپنے اصول وکلیات کے تحت، اور پھر یہ تمام اصول کلیات اپنے باہمی ربط سے جڑ کر، ایک ہی کلی الکلیات کے تحت، باہم ایک دوسرے سے، اس طرح جڑے ہوئے اور گتھے ہوئے اور متصل واحد ہیں، کہ دین کے کسی ایک چھوٹے سے گوشے کے حقیر سے حقیر تغیر کا اثر بھی پورے نظام کے ڈھانچہ پر پڑے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ دین خدائی آئین وقوانین کے مجموعے کا نام ہے، جو بندوں کی ہدایت ورہنمائی اور ان کی دنیا اور آخرت کی صلاح وفلاح کے لئے، بتوسط انبیاء معصومین، بھیجا جاتا ہے۔ اسلام اسی دین کا اور آخری مکمل نقشہ یا بعنوان دیگر تمام زندگی کے ہر ہر گوشہ کے لیے دستور فکر وعمل بنا کر اتارا گیا ہے۔ جس میں جزئی احکام بھی ہیں اور اصول کلیات بھی، علل احکام بھی ہیں اور مصالح واسرار احکام بھی، ہر حکم کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور ہر علت کسی نہ کسی حکمت پر مشتمل، ہر جزئی کسی نہ کسی فطری کلی کے نیچے آئی ہوئی ہے، اور ہر کلی اپنے وسیع دامن میں ہزارہا فطری جزئیات کا ذخیرہ لیے ہوئے ہے؛ اس لیے دین ایک منظّم اور منضبط ضابطہ حیات کی صورت سے ہے، جس کی تمام جزئیات کلیات کی طرف سمٹتی گئی ہیں، اور کلیات، جزئیات کی طرف پھیلتی گئی ہیں، اور آخر کار یہ ساری کلیات، اپنی جزئیات سمیت، ایک ہی کلی الکلیات یعنی ''علم الٰہی'' سے وابستہ ہوگئی ہیں۔

یہ منظّم اور ظاہر وباطن کی اصلاح کا مکمل الٰہی قانون، جس کا ایک اہم ترین جزو ''پرسنل

لاء“ بھی ہے؛ جو چار حجتوں؛ پر قائم ہے: کتاب اللہ (قرآن حکیم)، سنت رسول اللہ (حدیث نبوی ﷺ)، اجماع و قیاس، جو اجتہاد کے دائرے کی چیز ہے جس کا اصطلاحی نام ”فقہ“ ہے۔

قرآن تشریعی اصل ہے، جس سے شریعت بنتی ہے۔ حدیث شرعی اصل ہے، جس سے شریعت کھلتی ہے۔ فقہ تفریعی اصل ہے، جس سے شریعت پھیلتی اور منضبط ہو کر آئین کی صورت اختیار کرتی ہے۔ پس جس طرح ہر مسلم فرقہ کے ہاتھ میں کتاب و سنت ہے، اسی طرح کوئی فرقہ اجتہاد سے بھی خالی نہیں، کہ نئے نئے حوادث سب کے لیے ہیں اور ان کے پیش آنے پر سب ہی اپنے اپنے اصول تفقہ سے مسائل کا استخراج اور استنباط ضروری سمجھتے ہیں؛ اس لئے فقہ ہر ایک کا الگ الگ ہے، اور اصول تفقہ جدا جدا۔ بناء بریں فرقہ کے لیے ان چار حجتوں سے چارۂ کار نہیں؛ البتہ ان چار حجتوں میں سے پہلی دو اصلیں یعنی کتاب و سنت ”وحی الٰہی“ ہیں جو بواسطۂ ملک یا بکلام خداوندی قلبِ نبوت پر اتری ہیں۔ اور دوسری دو اجتہادی اصلیں یعنی اجماع و قیاس ”القاء ربانی“ ہیں، جو کتاب و سنت کے علم راسخ، عقل صافی اور تقوی شعار ذوق و وجدان پر وارد ہوتی ہیں؛ اس لیے اسلام میں ایک شرائع اصلیہ ہیں، جو پہلی دو اصلوں سے متعلق ہیں۔ اور ایک شرائع فرعیہ ہیں، جو دوسری دو اصلوں سے وابستہ ہیں، مگر وہ پہلی ہی دو اصلوں سے ملحق اور ان ہی پر متفرع ہیں۔

اندریں صورت ان چار اصلوں میں سے کسی ایک کو بھی غیر شریعت کہنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی۔ اور جو حصہ اجتہادی فرعیات کا ہے، خواہ وہ کسی بھی فرقہ کا ہو، وہ جب کہ اس کے علم و یقین کے مطابق، کسی نہ کسی قرآنی یا حدیثی کلیہ سے یا کسی جزئی حکم کی علت جامعہ سے، بتوسط اجتہاد نکلا ہوا ہے، تو کتاب و سنت ہی میں سے نکلا ہوا، اس کا جزو ہوگا، جس سے واضح ہے، کہ مجتہد کا فعل صرف استخراج و استنباط مسائل ہے، ایجاد مسائل نہیں، مخفی مسئلہ کا بتانا ہے، بنانا نہیں۔ صورت کوئی وجہ نہیں کہ اسے غیر شریعت کہا جائے، اور اسے شرعی حجت نہ مانا جائے۔

یہ الگ بات ہے کہ ان تمام شرعی حجتوں کا درجہ حجیت یکساں نہیں ہے، لیکن اس فرق سے چاروں کی نفس حجیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جب کہ تمام اجتہادی عناصر بالواسطہ اور بلا واسطہ کتاب وسنت ہی سے وابستہ ہیں، جو اس دین کی حقیقی اصلیں ہیں۔ یہ حق تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، کہ اس نے اس امت میں ایسے مخصوص ورثہ انبیاء بھی ہر دور میں پیدا کئے، جنہوں نے وحی الٰہی کو جہاں بکمال صحتِ درایت وسند بامانت ہم تک پہنچایا، وہیں اس وحی خداوندی کی چھپی ہوئی جزئیات بھی بکمال روایت وتفقہ کھول کر امت کے سامنے رکھ دیں۔ پس جس طرح وحی کی روایت کو حفاظ اور محدثین نے ہم تک پہنچایا، اسی طرح اس کی درایت کو فقہائے ملت نے ہم تک پہنچادیا۔ اگر ان کی پہنچائی ہوئی روایت، شریعت الٰہی کا اہم جزو ہے، تو یہ درایت بھی شریعت کا دوسرا اہم جزو مانی جائے گی؛ اس لیے ان چاروں حجتوں، اوران سے ثابت شدہ احکام میں سے کوئی ایک چیز بھی، بوجہ شریعت ہونے کے، ایسی نہیں رہتی، جو انسانی ترمیمات کی گرفت میں آسکے۔ ورنہ یہ فطرت کی تبدیلی کے مرادف ہوگا۔

اسی لیے ہم نہ صرف مسلمانوں، بلکہ اس ملک کے عظیم رہنماؤں اور دانشور حکام سے یہ کہتے ہیں اور بڑے خلوص سے کہتے ہیں، کہ ہم یکساں ''سول کوڈ'' کے منصوبے کو مسترد کرکے، اپنے اس عقیدہ کا اعلان کرتے ہیں، کہ ''مسلم پرسنل لا'' میں پارلیمنٹ کے ذریعہ سے ہو، یا حکومت کے راستے سے، یا کسی اسمبلی کی سفارش سے، کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی؛ کیوں کہ اسلام کا قانون فطرت الٰہی پر قائم ہے اور وہ ناممکن التبدیل ہے۔ ''فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (اور لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمَاتِ اللّٰهِ) ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ'' (اللہ کی فطرت ہے، جس پر اس نے انسانوں کو بنایا۔ خدا کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی ہے سیدھا دین؛ لیکن انسانوں کی اکثریت، اس سے جاہل اور ناواقف ہے)۔

اس دور کی جہالت ونادانی کا نتیجہ ہے کہ دین سے جاہل اور ناواقف اور بزعم خود

واقف کار ایک طبقہ کچھ جزئیات لے کر کھڑا ہوا ہے اور ان میں ترمیمات کا مطالبہ کر رہا ہے۔ گویا اسے سارا دین چھوڑ کر، جب اس میں کہیں بھی انگلی رکھنے کی جگہ نہ ملی، تو ان چند جزئیات کو ہدف بنا کر سامنے آیا۔ اور بزعم خود اس نے گویا بڑی فلسفیت اور زعیمی کا کارنامہ انجام دیا؛ لیکن جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں، ان ساری خرابیوں کی جڑ اور بنیاد مذہب کے بارے میں ان لوگوں کا سیاسی تصور ہے۔ یہ لوگ دین اور خدائے برتر کو بھی معاشی نقطۂ نظر اور پیٹ ہی کی خاطر سمجھنا چاہتے ہیں اور اس کے لیے انہوں نے ایک کلیہ ایجاد کر رکھا ہے، جس کے یہ گل کھل رہے ہیں۔ اور وہ یہ کہ مذہب انسان کا ایک نجی اور پرائیوٹ معاملہ ہے۔ اس تصور کی نامعقولیت سے تھوڑی دیر کے لیے الگ ہو کر، اس کے آثار کو دیکھا جائے، تو مشاہدات ہی سے اس کے اصول کا کھوکھلا پن سامنے آجاتا ہے۔ اس کے آثار میں پہلی مہلک صورت حال تو یہ پیدا ہوگی، کہ پرائیوٹ معاملات میں ظاہر ہے، کہ صرف عبادات اور اذکار ہی مذہب میں داخل رہ سکیں گے، بقیہ دین کے تمام شعبے جیسے: معاملات، مالیات اور وہ تمام رابطے، کہ جس میں انسان کا انسانوں سے سابقہ پڑتا ہے، دین سے خارج ہو کر، ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں گے، وہ جس طرح چاہیں گے اپنی من مانی کارروائیاں کر سکیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اگر رات بھر نفلیں پڑھے اور دن بھر ذکر و تلاوت میں مصروف رہے، تو ان لوگوں پر اور ان کے کاز پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ ان کی روٹی بند ہوتی ہے، نہ ان کی تنخواہیں رکتی ہیں اور نہ ان کے نظام میں کوئی فرق پڑتا ہے؛ لیکن جونہی انسان اس مفروضہ پرائیوٹ حد سے نکل کر میدان معاملات میں اترتا ہے، تو یہ لوگ فوراً قانون کے دفتر اور شکوک وشبہات کے پشتارے اور رکیک تاویلات کے ڈھیر لے کر پہنچ جاتے ہیں، تا کہ ایک سادہ لوح انسان اپنے دینی طرز فکر اور فکری طرز عمل پر جم نہ سکے، اور ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جائے۔ اس کا مضر نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ عبادات کو چھوڑ کر دین کے بقیہ تمام شعبے، ان کے اختیار اور تصرف میں آجائیں، اور اسلام جیسا جامع دین اور مکمل دستور حیات، جس کی بشارت انبیاء سابقین دیتے آرہے

تھے، "ان حد ثاء الاثنان سفهاء الاحلام" (نوخیز ناتجربہ کار اور خام عقل لوگوں) کے ہاتھوں میں پڑ کر ناقص و نا تمام اور آدھا، تہائی رہ جائے۔

دوسری مہلک صورت یہ پیدا ہوگی، جب لوگ اسلام کے تمام معاملاتی اور اجتماعی کاموں کو اپنی ناقص رائے اور جزوی عقلوں سے طے کرنے لگیں گے، تو دین وحی الٰہی اور نقل صحیح کی حکومت سے نکل کر عامۃ الناس کی عقلوں کے زیر حکومت آجائے گا، حالانکہ دین وحی خداوندی اور مستند نقل صحیح کی بنیادوں پر قائم ہے، نہ کہ عقلی اختراعات اور اوہام وخیالات پر، جس سے ان کے لیے دینی شعبوں میں کتر بیونت کی گنجائش پیدا ہو۔

تیسرے یہ کہ عقلوں میں تفاوت ایک مشاہد بات ہے۔ عوام ہوں یا خواص، عقلیں سب کی ایک درجہ کی نہیں ہیں اور نہ ہو سکتی ہیں، ظاہر ہے کہ جب دین اور اس کے تمام معاملاتی پہلوؤں کی مجوز یہی جزوی عقلیں ہوں گی، تو دین طرح طرح کے خیالات کا ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا اور جتنی عقلیں ہوں گی اتنے ہی مذہب تیار ہو جائیں گے، جس سے نفس دین تو سرے سے گم ہو کر رہ جائے گا، ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسلامی دستور کی کوئی نوع اور نوع کا کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں، جس میں قانون کے ساتھ اخلاق کا رنگ گھلا ہوا نہ ہو؛ حتی کہ اجتماعی اور سیاسی احکام کے ساتھ بھی کتاب وسنت میں تقویٰ، طہارت، خشیت اللہ، رضا جوئی حق، اور یادگاری آخرت کا جوہر شامل ہے، جس سے یہ تمام احکام ہم رنگ عبادت بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب کوری عقلیں اور وہ بھی بے قید، بے فکر، بے ذوق، اور آزاد منش لوگوں کی دین مرتب کریں گی، تو اس میں فلسفیت اور فلسفیت بھی نہیں؛ بلکہ سفسطیت، تو کسی حد تک ضرور آجائے گی؛ لیکن اخلاقیت کا کوئی شمہ شامل نہ ہو سکے گا اور اسطرح یہ نام نہاد دین سارا کا سارا عام دنیوی قوانین کی طرح ایک روکھا پھیکا رسمی قانون اور دنیوی دستور بن کر رہ جائے گا، جس میں دیانت، قرب الٰہی، محبت خداوندی اور آخرت کے آثار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، ظاہر ہے کہ اسلام نے مذہب کا جو تصور دیا ہے، وہ اس تصور سے یکسر مختلف اور اس کے منافی

ہے۔ اسلام ہرگز اس کا قائل نہیں، کہ بادشاہ کا حصہ بادشاہ کو دو، اور پوپ کا حصہ پوپ کو دو؛ بلکہ اس نے بادشاہ اور پوپ کے سب حصے ختم کر کے، صرف ایک ہی واحد قہار خدائے لم یزل کا حصہ دین و دنیا دونوں میں قائم کیا ہے۔ دینا کا معاملہ ہو یا آخرت کا ایک ہی ذات واحد کی طرف اپنی نیت اور عمل اور طرز فکر ونظر کا رُخ رکھنا، اس نے سکھایا، اس کے نزدیک مذہب انسان کا کوئی نجی یا پرائیوٹ معاملہ نہیں ہے، جس سے دنیوی زندگی کے معاملات خارج ہوں؛ بلکہ عالم انسانیت کی صلاح وفلاح کا ایک کھلا دستور ہے، جس میں ولادت سے لیکر، وفات تک کے تمام معاملات اور نشیب وفراز اس کی حدود میں داخل ہیں۔ قرآن کریم کا کھلا اعلان ہے:" قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ "اس میں امہات عبادت : نماز، روزہ، حج، زکاۃ کے ساتھ، بقیہ تمام عبادات موت وحیات کے درمیان ہر ایک نقل وحرکت، کھانا، پینا، رہنا سہنا، ملنا جلنا، دوستی، دشمنی، قومی اور بین الاقوامی معاملات سب کو دین کا جزو بنا کر، اسلام کہا گیا ہے، اور سب کے حقوق کے بارے میں چاہے وہ انفرادی ہوں یا اہلی، پڑوس کے ہوں یا دوسری اقوام کے، بین الاقوامی ہوں بین الملی، جامع قوانین پیش کئے، جن سے قرآن کریم، کتب حدیث اور کتب فقہ بھری ہوئی ہیں۔

اس لیے مذہب اور بالخصوص اسلام کو آدمی کا کوئی نجی اور پرائیوٹ معاملہ کہنا پورے اسلام کا تارو پود بکھیر دینا ہے، جسے اسلام کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نام نہاد مصلحین یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتے ہوں، کہ ہندوستان کا قانون آدمی کا ایک پرائیوٹ معاملہ ہے اور اس میں جس کا جو جی چاہے، تغیر وتبدل کر سکتا ہے، تو دین اور خدا کے قانون کے بارے میں انہیں یہ جرأت کیوں ہے۔

بہرحال پرسنل لا کی ان جزئیات کے بارے میں شکوک وشبہات کی تو الحمدللہ علماء نے قلعی کافی کھول دی ہے، جو آپ حضرات کے سامنے آئے گی۔ مجھے تو اس موقعہ

پر یہ عرض کرنا ہے، کہ یہ جزئیاتی یا جزوی ترمیم کے خواہاں شعوری یا غیر شعوری طور پر درحقیقت ان جزئیات کو اصول کے اوران کے واسطے سے اسلام کے پورے نظام کو چیلنج کررہے ہیں، جن کے نیچے یہ ساری جزئیات آئی ہوئی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب بھی اس قسم کے جزوی منصوبوں کو لے کر کوئی دانا دشمن یا نادان دوست کھڑا ہوا تو علماء حق نے اس حقیقت کو بھانپ کر، اس کا سامنا کیا اور کسی بھی سکوت واغماض سے کام نہیں لیا۔

ہندوستاں میں انگریزی اقتدار آنے پر حالات بدلے، ان کے مسائل ہی نہیں؛ بلکہ نئے نئے الحادی نظریات اور لادینی کے نئے نئے جذبات دلوں میں ابھرنے شروع ہوئے اور چند دن کے بعد ایک مستقل گروہ، ان کے انداز فکر وعمل کا تیار ہوگیا، جس نے نہ صرف اسلامی انداز فکر وطرز معاشرت کو ترک کیا؛ بلکہ رفتہ رفتہ اسلامی معتقدات کو بھی ہدفِ ملامت بنانا شروع کردیا۔

لیکن حق تعالیٰ جزائے خیر دے امت کے علماء ربانی اور مشائخ حقانی کو، جنہوں نے اپنی فراست باطنی سے اندازہ لگا کر تحفظ دین کی داغ بیل ڈال دی۔

بالخصوص اسلامی مسائل میں عائلی قوانین اور مسلم پرسنل لا کو علماً وعملاً محفوظ کر دینے کا ایک حصار قائم کردیا ہے، جو آج تک قائم ہے؛ اس لیے مسلم پرسنل لا کا مسئلہ پندرہ بیس سال پرانا نہیں، جیسا کہ بعض حضرات یہی خیال کیے ہوئے ہیں اور اسے علماء کی خاموشی اور شکوے کے ساتھ، ان کی بے توجہی کو پیش کرتے ہیں؛ بلکہ یہ مسئلہ اور علماء کی طرف سے اس کے بارے میں اقدام ودفاع سو سال پرانا ہے۔

چنانچہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا اقتدار مستحکم ہوگیا، تو ان ورثاء انبیاء نے سب سے پہلے مسلم پرسنل لا ہی کے تحفظ کی فکر کی۔

۱۸۶۷ء میں جب دارالعلوم، دیوبند کی بنیاد پڑی، تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ نے سب سے پہلے، ان ہی عائلی قوانین کے اجرا کی فکر کی۔ ان

مقدسین سے یہ تو بعید تھا، کہ وہ اسلام کے عائلی قوانین کی برقراری، اور اجرا کے لئے انگریز سے التجا کرتے؛ اس لیے اسی ابتدائی دور میں حضرت نانوتویؒ نے دار العلوم ہی میں غیر رسمی انداز سے عہدۂ قضاء قائم کیا اور دار العلوم کے اولین صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی قدس سرہ کو قاضی مقرر فرمایا، جس کے تحت پرسنل لا کے عائلی مسائل اور الجھے ہوئے معاملات، شرعی اصول پر طے ہونے لگے۔ انگریزوں کی طرف سے رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ مسلمان نامی لوگوں ہی کو، اس سلسلہ کے کرنے کے لیے آگے بڑھایا گیا؛ بالآخر تغیر احوال سے ان کے دور کے ساتھ، اس نظام کا دور بھی ختم ہوگیا؛ لیکن مسلم پرسنل لا کے تحفظ کی جو داغ بیل، ان بزرگوں نے ڈالی تھی، وہ دلوں کی زمین میں قائم ہوگئی، گو اس کے خلاف کی داغ بیل بھی اسی وقت سے مسلم صورت افراد کی طرف سے پڑ چکی تھی؛ اس لیے مسلم پرسنل لا کے بارے میں مرض اور علاج دونوں ہی سو برس پرانے ہیں۔

انگریزوں کے اقتدار پر نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ہندوستانیوں میں سیاسی حقوق طلبی کا داعیہ پیدا ہوا؛ عامۂ سیاسی جماعتوں نے سیاسی مطالبات پیش کئے؛ لیکن مذہبی مطالبات کو نظر انداز کر دیا، جس سے ان دینی حقوق اور بالفاظ دیگر پرسنل لا کے کالعدم ہو جانے کا اندیشہ تھا؛ اس لیے ان بدلتے ہوئے حالات میں علمائے دیوبند نے اپنے اسلاف کے نقش قدم کو سامنے رکھ کر خود اسی مسئلہ پر میمورنڈم تیار کیا، جو دس دفعات پر مشتمل تھا۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم خامس دار العلوم، دیوبند کی سربراہی میں، ایک مؤقر وفد دہلی پہنچ کر وزیر ہند سے ملا اور میمورنڈم پیش کیا، جس میں صفائی سے پہلے ہی ظاہر کر دیا گیا تھا، کہ مسلمانوں کے عائلی مسائل میں گورنمنٹ پر کوئی ایسا ایکٹ وضع نہ کرے، جو شرعی قوانین سے متصادم ہو، وہ ہمارے لئے ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

اس میمورنڈم میں بنیادی مطالبے دو تھے، ایک یہ کہ ہندوستان میں پرسنل لا کے اجرا کے لئے محکمۂ قضاء قائم کیا جائے؛ چوں کہ شرعی اصول پر بہت سے مسائل کی تنفیذ کے لئے

مسلم حاکم شرط ہے؛ اس لیے قاضیوں کا انتخاب وتقرر اہل سنت والجماعت سے ہو؛ لیکن اس کونسل میں ہر فرقہ کے علماء نمائندے اور ممبر ہوں اور مسائل کا فیصلہ ہر فرقہ کے اپنے فقہی اصول پر ہو۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کے مذہبی شعائر، مساجد، مدارس، مقابر، اوقاف، خانقاہوں اور دوسرے دینی رفاہِ عام کے اداروں کے تحفظ ونگرانی ونظم ونسق کے لئے ''شیخ الاسلام'' کا عہدہ قائم کیا جائے، جو ان تمام شعائر کو تنظیم کے ساتھ چلانے کا ذمہ دار ہو۔

ان مطالبات پر اس دور کے تقریباً پانچ سو علماء کے توثیقی دستخط حاصل کئے گئے، جو آج بھی دار العلوم کے ''محافظ خانہ'' میں محفوظ ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۲۹ء میں ہندوستان میں مسلم اوقاف کی تنظیم کا مسئلہ اٹھا، جو مسلم پرسنل لا ہی کا ایک اہم جزو تھا، گورنمنٹ نے ایک کمیٹی مقرر کی، جس نے استفساری سوالات ملک کے مختلف حلقوں میں بھیجے۔ اس کا یہ استفساری مراسلہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم سادس دار العلوم، دیوبند کے نام موصول ہوا، جس کا ایک اصولی جواب انہوں نے روانہ کر دیا۔

فروری ۱۹۳۰ء میں جبکہ مجھے دار العلوم کا اہتمام تفویض کیا جا چکا تھا، حضرت ممدوح کے وصال کے بعد، اس مراسلت کا سلسلہ مجھ سے قائم ہوا۔ اور تا اختتام کار احقر ہی سے جاری رہا، اس پر وقف کے مسائل کی تفصیلات مرتب کرائی گئیں۔ حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ کی قیادت میں سرکاری مسودہ وقف کے بل پر تنقید کے ساتھ پیش کردہ اشکالات کا تحریری حل پیش کر دیا گیا اور ساتھ ہی احقر ناکارہ نے ایک تحریر خود بھی بنام ''الانصاف فی قانون الاوقاف'' پوری جماعت کی طرف سے مرتب کی، جس پر تمام اکابر علماء کے دستخط ثبت ہوئے۔ احقر ہی نے اس پر مقدمہ لکھا اور یہ ساری کارروائی ایک کتابچہ کی صورت میں طبع کرا کر شائع کی گئی۔ اور ممبران اسمبلی کے نام بھی ارسال کی گئی اور اس سلسلہ میں مناسب وقت تمام مساعی عمل لائی گئیں، جس کی جملہ کارروائی ایک مطبوعہ کتابچہ کی صورت میں ''محافظ

خانہ'' دارالعلوم میں محفوظ ہے۔

پھر برطانوی حکومت ہی کے زمانہ میں شارداا یکٹ کا مسئلہ اٹھا، جو پرسنل لا کا ایک مستقل جز وتھا۔ علماء دیوبند نے اس پر مضامین لکھے اور حضرت اقدس مولانا تھانویؒ نے ایک مستقل رسالہ شاردابل کے بنیادی محرکات اور عمر نکاح کے شرعی قانون میں ترمیم کئے جانے کی تردید کے ساتھ، اس پر پیش کردہ اشکالات کا حل پیش کیا۔ اور اس پر مناسب وقت پر جدوجہد کی گئی۔ پھر برطانیہ ہی کے دور میں، ان ہی عائلی مسائل کو شرعی قوانین کے مطابق طے کرنے کے لئے حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے بہار میں ''امارت شرعیہ'' قائم فرمائی، جو آج تک الحمدللہ قائم ہے اور آج اس کے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی ہیں، جو آپ کے سامنے موجود ہیں، یہ امارت مسلم پرسنل لا کی عملی صورت ہے، جو ترمیم وتبدیلی کے اوہام وخیالات کا عملی جواب بنی ہوئی ہے۔

پھر انقلاب ۱۹۴۷ء سے کچھ قبل علماء دیوبند کی طرف سے حضرت تھانویؒ نے رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' شائع کرایا، جس میں ظالم خاوندوں سے، بے کس اور بے بس عورتوں کی گلوخلاصی کی شرعی صورتیں یک جاجمع فرمائیں، اور اسی بنیاد پر دارالعلوم دیوبند میں علماء کی ایک کمیٹی قائم کی گئی، جس نے ان ہی شرعی اصولوں کی روشنی میں فیصلے کر کے، سینکڑوں عورتوں کو رہائی دلائی اور ان کی مشکلات کا قرار واقعی حل کیا۔

پھر ۱۹۴۷ء کے انقلاب اور تقسیم ملک کے بعد گورنمنٹ کی طرف سے ''تنسیخ زمینداری'' کا مسئلہ اُٹھا، جس کا اثر اوقاف کی زمینوں پر بھی پڑتا تھا، جو پرسنل لا ہی کا بنیادی جز وتھا، اس بارے میں جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ایک وفد، جس میں یہ ناکارہ بھی شامل تھا، دہلی میں مولانا آزاد مرحوم کی خدمت میں پیش ہوا اور گفت وشنید کی، پھر مولانا ہی کی ہدایت پر دوبارہ یہی وفد لکھنؤ جا کر پنڈت پنتھ'' وزیر اعلیٰ یو، پی'' سے ملا اور بموجودگی دیگر وزراء یو، پی کونسل اور چیر مین اوقاف کے مسئلے میں بحث وتمحیص کی۔

غرض علماء حق نے ''نہی عن المنکر'' کا فریضہ ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا

رکھی، اوراس عائلی قوانین کے مشترک، منصوبہ کو خلاف شرع ہونے کی وجہ سے بڑی قوت سے چیلنج کیا۔ مضامین اور مقالات شائع کئے اورآخر کار مسلم پرسنل لا کے تمام مسائل پر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے ایک مبسوط رسالہ بنام ''ہمارے عائلی مسائل'' شائع کیا، جس میں ان تمام پیش پا افتادہ موانع کو، جن کی آڑ میں ترمیم قانون کی صدائیں بلند کی گئی تھی، معقول اور منقول انداز سے رد کر کے ان کا شرعی حل پیش فرمادیا۔

ان چند مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ عائلی مسائل اور پرسنل لاء کے مرض نے جو روپ بھی اختیار کیا، علماء امت نے، اس کے معالجہ اور اصلاح میں قلمے، سخنے، درمے، قدمے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

آج پرسنل لا پر وہی وقت پھر گزر رہا ہے، جو سو برس میں بارہا گزرا اور وہی علماء اس سلسلہ میں پھر کھڑے ہوئے ہیں، جو پہلے سے مدافعت کرتے چلے آرہے ہیں۔ نیز آج بھی وہی مسلم کہلانے والے چند لوگ اس کی ترمیم وتبدیلی کے نعرے لیے ہوئے کھڑے ہیں، جن کا پرانا روگ ایک ہی تھا، اور وہ شرعی مسائل کو لادینی فکر، یا معاشی، یا سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنا اور سوچنا اور اسی خاکہ پر قانون شرعی کو ڈھالنے کی سعی کرنا؛ درانحالیکہ وہ ان مسائل اور ان کی حقیقی بنیادوں سے نہ قطعاً واقف ہیں اور نہ ہی ان کے سمجھنے کے ذوق سے آشنا ہیں۔

پرسنل لا کا علمی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں پیش کردہ شبہات کی جواب دہی کے لئے حضرات اساتذہ وارباب افتاء دارالعلوم دیوبند کی ایک کمیٹی بنام ''پرسنل لا کمیٹی'' بنادی گئی، کہ وہ ان مسائل کے بارے میں آج کے شکوک وشبہات کا مواد فراہم کر کے، مدلل دفاع کا فریضہ انجام دیں، چنانچہ کمیٹی نے اپنا کام خاطر خواہ طریقہ پر مکمل کر کے پیش کردیا۔ کمیٹی کے سامنے چند بنیادی امور رہے، جن کو بطور اصول موضوعہ احقر نے لکھ کو بھیج دیا تھا۔

کمیٹی نے انہیں اصولوں کی روشنی میں کام کیا اور امکانی حد تک پرسنل لا کے زیر بحث مسائل کی جمع و ترتیب کے ساتھ زباں زد اشکالات و مواقع اور ان کے شرعی جوابات کا مواد فراہم کر کے اسے مرتب کر دیا۔

حیرت ناک بات یہ ہے کہ ان مسائل کے خلاف جس شورا شوری سے مشکلات کا ڈھول پیٹا جا رہا تھا، ان میں سے کوئی ایک مشکل بھی، کمیٹی کے سامنے ایسی نہیں آئی، کہ اسے عام معمول بہ پہلو کے خلاف، کسی دوسرے غیر معمول بہ پہلو کی ترجیح و انتخاب سے کام لینا پڑا ہو؛ کیوں کہ عموماً پیش کردہ مشکلات کچھ تو از قسم حیلہ جوئی ہیں کہ اپنی سہل انگاری اور کم ہمتی کی وجہ سے لوگوں نے عمل تو خود نہیں کیا اور خود ساختہ مشکلات کا الزام شریعت کے سر تھوپ دیا۔ ظاہر ہے کہ ان مشکلات کو تقاضائے نفس تو کہا جا سکتا ہے؛ لیکن تقاضائے فطرت یا مقتضائے حق کہنا بہت مشکل ہے۔

بعض مشکلات رسمی اور رواجی قسم کی ہیں، جو رسم و رواج کی کورانہ پابندیوں، ماحول کی خرابیوں اور غیر طبعی جکڑ بندیوں سے پیدا شدہ ہیں، مگر جب کہ شریعت کا موضوع ہی جاہلانہ رسم و رواج کو مٹا کر اسوہائے نبوت پر دنیا کو لگانا ہے، تو شریعت کو تو حق ہے، کہ ان رسوم اور ان کے ماحول میں ترمیم و تغیر کرے؛ لیکن رسوم و رواج کو قطعاً حق نہیں ہے، کہ وہ شریعت میں ترمیم کرنے کے لیے آگے بڑھیں۔

بعض مشکلات خیالی اور وہمی قسم کی ہیں، کہ ایک طبقہ کو مظلوم اور محروم فرض کر کے، شریعت کے دیئے ہوئے حق سے، اسے زائد حق دلوائے جانے کا شور مچایا گیا ہے؛ درانحالیکہ اسے مقررہ حق سے زائد حق دیئے جانے میں، کتنے ہی دوسرے اہل حقوق کی حق تلفیاں مضمر ہیں۔

مگر شک اندازوں کے سامنے زباں زد طریق پر حقوق کی کمی کا پہلو تو آ گیا؛ مگر لاعلمی کی وجہ سے تلافی کا پہلو نہ آیا؛ درانحالیکہ شریعت نے ہر انسانی طبقہ کو اس کی خلقی اور فطری اور ساتھ ہی عقلی اور شعوری خصوصیات ہی کی قدر حقوق و اختیارات و فرائض عطا کئے ہیں، جو

کمال عدل واعتدال پر مبنی ہیں۔ ظاہر ہے کہ معتدل اور جامع احکام سے روگردانی اور تجاوز ہی کا نام افراط تفریط اور ظلم ہے، جسے مٹانے کے لیے یہ فطری شریعت بھیجی گئی ہے۔

بہر حال پرسنل لا کے مسائل کے سلسلے میں جس قدر بھی زباں زد مشکلات کمیٹی کے سامنے آئیں، ان میں کوئی بھی شکل اصولی رنگ لیے ہوئے نہیں تھی اور اگر اصولی رنگ بھر کر کسی چیز کو اصولی بنایا بھی گیا ہے، تو وہ فرضی اور خودساختہ اصول سے بااصول کہلائی گئی تھی غرض نہ کوئی جزوی مشکل سامنے آئی نہ اصولی؛ بلکہ محض ناتربیت یافتہ دماغوں کی اُپج، لاعلموں کی خیالی مشکلات، بےعملوں کی حیلہ جوئی اور اسیرانِ رسوم ورواج کی پہلوتھی اور یا پھر دانا دشمنوں کی خوردہ گیریاں تھیں، جن کی وجہ سے قانونی توسعات تلاش کرنے کی کمیٹی کو کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔

ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ خاطر رہنا چاہیے، کہ مسلم پرسنل لا میں دو ہی قسم کے مسائل ہیں، یا کتاب وسنت میں منصوص ہیں یا کتاب وسنت سے ماخوذ۔

منصوص مسائل میں تو کسی ترمیم وتبدیلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ کیوں کہ کتاب وسنت کا کوئی بدل ہی ممکن نہیں رہے، اجتہادی مسائل تو اجتہاد ہی کا بدل اجتہاد ہوسکتا ہے، بشرطیکہ اصل اجتہاد پر عمل کرنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے؛ لیکن اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو اجتہادی مسائل میں بھی انتخاب وترجیح کا سوال پیدا نہیں ہوسکتا، چہ جائے کہ ردوبدل یا ترمیم وتنسیخ کا سوال پیدا ہو۔

کمیٹی کے سامنے اس قسم کا سوال ہی نہ تھا اور نہ ہی مسائل کے خلاف کوئی علمی یا عقلی مشکل اور رکاوٹ ہی سامنے آئی، تو اسے مسائل میں تبادل یا ترجیح وانتخاب کی گنجائشیں تلاش کرنے کی ضرورت ہی کیا پیش آتی۔

اس کنونشن کا بنیادی مقصد پرسنل لا کا تحفظ اور فتنہ ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے اہل علم وفضل اور دانشوروں کو یہ اعلان کرنا ہے، کہ مسلمانان ہند بہمہ مکاتیب فکر اپنے پرسنل لا سے نہ کسی حالت میں دستبردار ہوسکتے ہیں، نہ اس

میں کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی گوارا کر سکتے ہیں، اور نہ ہی کسی ایسے مشترک قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، جو پرسنل لا کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو، خواہ وہ سول کوڈ ہو یا بالواسطہ قانون سازی۔

بالفاظ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات اور امتیازات کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جن پر ان کے ملی وجود کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور ان کا ممتاز شرعی اور قومی امتیاز قائم ہے۔

رہے وقت کے تقاضے تو اسلام کے جامع اور معتدل احکام میں وقت کے کونسے تقاضے ہیں، جو پورے نہیں ہوئے یا نہیں ہو سکتے۔ نزول وحی کے بعد سے اب تک چودہ قرون میں وہ کونسی ایسی مشکل اور کونسا ایسا حادثہ ہے، جس کے پیش آنے پر قرآن، وحدیث اور اس سے مستنبط شدہ علوم نے قرار واقعی رہنمائی نہیں کی اور فتنوں کا استیصال نہیں کیا؛ لیکن جہاں شک اندازوں کو دین یا دین کی تاریخ کی خبر ہی نہ ہو اور وہ دین سمجھنے، سمجھانے کے راستے ہی نہ چلیں؛ بلکہ اسی دینی لاعلمی اور بے بصیرتی پر قناعت کر کے اس ہی کو علم سمجھتے رہیں؛ درحالیکہ وہ جہل مرکب ہے، علاج ہی کیا ہو سکتا ہے، پھر جو شبہات وہ اٹھا رہے ہیں، وہ آج کے حوادث بھی نہیں اور کچھ نئے بھی نہیں ہیں، جو پیش نہ آچکے ہوں، صرف روپ کا فرق ہے۔ ؎

وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے

چناں چہ شک انداز اگر کسی اصلی روپ میں بھی سامنے آئے، تو انھیں ہمیشہ منہ کی کھانی پڑی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہود و نصاریٰ حجت و برہان سے سامنے آئے مگر اسلامی حجتوں کے سامنے عاجز ہو کر پسپا ہوئے۔ اس سے کام نہ چلا تو اسلام کے خلاف جنگیں لڑیں، سازشیں کیں، بالآخر شکوک و شبہات پیدا کر کے مسلمانوں کو ڈگانا چاہا مگر ناکام ہوئے، بالآخر انھوں نے نفاق کے راستے سے حملہ آوری کا میدان ہموار کیا۔ اور مسلمانوں میں ایسے گروہ کھڑے کر دیئے جنھوں نے اسلام ہی

کے نام پر اسلام کے خلاف شور وشر مچایا اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کی۔ یہی روش آج بھی اختیار کی گئی ہے اور مسلم نامی افراد کی طرف سے شک اندازی کر کے مسلمانوں کو ورغلانے کی سعی کی جارہی ہے لیکن اسلام کے فطری اصول کی کسوٹی پر پرکھ کر علماءِ اسلام نے جیسے ہر زمانہ میں اس قسم کے دورخے لوگوں کے حربوں کو ناکام بنایا ہے اسی طرح آج بھی وہ اسی قسم کے منافقانہ حملوں کی زد سے اسلام کو محفوظ رکھ کر ان کے حربوں کو ناکام بنانے کی قدرت رکھتے ہیں، اور ان شاءاللہ یہ سب حربے ضرور ناکام ہوں گے۔

یہ صحیح ہے کہ آج فطری قانون الٰہی کے خلاف بے بصیرتی سے شکوک وشبہات سے میدان ہموار کر کے انھیں ناقابل تسلیم اور ناقابل عمل باور کرانے کی کوششیں کی جارہی ہیں، لیکن کسی بھی صحیح فکر وخیال یا نظریہ وعقیدہ کی راہ میں پیش آمدہ دشواریوں ماحول کی ناسازگاریوں یا اس کے دلائل وبراہین سے لاعلمی وبے بصیرتی کسی درجہ میں بھی اس سے دست برداری کے لیے وجہ جواز یا معقول بنیاد قرار نہیں پاسکتی۔

پرسنل لاء کے بارے میں سرکاری طور پر گویہ بھی اعلان ہے کہ اس میں مسلمانوں کی مرضی کے بغیر کوئی ترمیم وتبدیلی نہیں ہوگی لیکن ساتھ ہی بالواسطہ قانون سازی کے ذریعہ تبنیت اور سرکاری ملازمین کے لیے نکاح ثانی کے حق پر پابندی نے جو پرسنل لاء میں عمل ترمیم کا آغاز ہے پرسنل لاء کے بارے میں مسلمانوں کی تشویش کو حق بجانب بنادیا ہے۔ اس لیے وہ متفقہ آواز اٹھانے پر مجبور ہوئے اور جس کی گونج انشاءاللہ رائیگاں نہیں جائیگی۔

شک اندازوں کے مضمرات اور دلوں کے چور کو سمجھنے کے لیے یہ پیش نظر رکھ لینا کافی ہے کہ مذہب اور دین کے بارے میں اربابِ سیاست کا وضع کردہ مذہبی تصور یہ ہے کہ مذہب انسان کا ایک نجی اور پرائیویٹ معاملہ ہے یہ تصور درحقیقت انھوں نے محض اپنے سیاسی مقاصد کو مذہب کی دستبرد سے محفوظ رکھنے کے لیے وضع کیا ہے ممکن ہے کہ کوئی مذہب ایسا ہی پرائیوٹ ہو جہاں تک اسلام کا تعلق ہے میں تفصیل سے اوراقِ سابقہ میں عرض کرچکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا تصور اس تصور سے یکسر مختلف ہے وہ اپنے دائرہ

حکم وتربیت سے کسی گوشۂ حیات کو باہر تسلیم نہیں کرتا اور یہی اسلام کے کامل اور مکمل مذہب اور دستورِ حیات ہونے کی بڑی دلیل ہے جس کا نعرہ قرآن نے: وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ. کے پاکیزہ کلمات سے لگایا ہے اور جس کی اصولی وضاحت سطور سابقہ میں آپ کے سامنے آچکی ہے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے دائرہ حکم وتربیت سے کسی گوشۂ زندگی کا مستثنیٰ نہ ہونا ہی غرض مند سیاست کی راہ میں سنگ گراں بن رہا ہے، اور اسلام ہی سنگِ گراں بن بھی سکتا ہے لیکن اس پر یقین واطمینان کیا جائے کہ اس کے برخلاف یہ دماغی گمبھیر کے افکار ونظریات اور فلسفہ وسیاست کے شاطرانہ حربے نہ کبھی کامیاب ہوئے ہیں نہ آج ہوں گے۔

چوں کہ اسلام اپنے احکام کی نقل وعقل معقولیت ومنقولیت، مادیت وروحانیت انفرادیت واجتماعیت، عبادت ومعاشرت رابطہ انسانی اور علائق ربانی کا وہ حسین امتزاج ہے جو عقل انسانی کو صحت مند روایات کے ساتھ ساتھ حجت وبرہان اور درایت سے مطمئن کر کے دعوتِ قبول دیتا ہے اس لیے مسلمانوں کا تعلق اسلام سے پہلے فطری ہے پھر جذباتی، جب کہ بالعموم روایاتی خوش عقیدگی کی بنیادوں پر قائم شدہ مذاہب سے ان کے پیرؤوں کا تعلق اوّل وآخر جذباتی ہے۔ اس لیے جب انھیں جذبات سے الگ کر کے خالص عقل ونقل کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے تو وہ پورے نہیں اترتے اس لیے ان میں بے تکلف ترمیم وتنسیخ اور ردوبدل کا عمل جاری ہوجاتا ہے اور ہورہا ہے مگر ناخواندہ یا بزعم خود خواندہ مگر ناخواندہ لوگ اسلام کو بھی اسی پر قیاس کر کے ترمیم وتنسیخ کے تصورات باندھنے اور اس کے نعرے لگانے کھڑے ہوگئے لیکن حجت وبرہان کا مرتب نظام جس سے وہ یکسر بے خبر ہیں، اس قسم کے تصورات کو بیک جنبش ابرو کوڑے کچڑے کی طرح نکال کر باہر پھینک دیتا ہے آج اگر شدید ضرورت ہے تو مسلمانوں کو تعلیم وتربیت کی ہے کہ وہ اسلام کے قانون کو سمجھیں اور خلوص نیت کے ساتھ اسے استعمال میں لائیں اور اسی کے ساتھ ایک ایسی راہ عمل ہموار کردینے کی ہے جس پر پرسنل لاء

خود اپنی ہی معنوی قوت سے تعمیری انداز میں چلے اور آگے بڑھے جس کا عملاً چلتے رہنا ہی اس قسم کے فتن اور وسوسہ اندازیوں کا سد باب اور عملی جواب ہے۔

اس عظیم اجتماع سے جس میں ہر مکتب کے فضلاء جمع ہیں یہ توقع بجا طور پر قائم کی جاسکتی ہے کہ وہ پرسنل لاء کو عملاً جاری کر دینے کے لیے کوئی راہ عمل متعین کر کے اس کی داغ بیل ڈال دے۔ آخر کلام میں میں اس گزارش پر اس طولانی دفتر کو ختم کرتا ہوں کہ گورنمنٹ کا اعلان اس بارے میں جیسا کچھ بھی ہو بہر حال اعلان ہے کہ پرسنل لاء میں اس وقت تک تبدیلی نہیں ہوسکتی جب تک کہ مسلمان خود ہی اس کی خواہش نہ کریں، اس نام پر تمام مکاتبِ فکر کے ذمہ دار نمائندے متفقہ طریقے پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم پرسنل لاء سے کسی حالت میں بھی دست بردار نہیں ہوسکتے، ہم اس کی ترمیم وتبدیلی کبھی گوارا نہیں کرسکتے، اور ہم کسی ایسے مشترک قانون کو کسی طرح قبول نہیں کرسکتے جو پرسنل لاء کے کسی ایک جزئیہ پر بھی اثر انداز ہو بلکہ اسی کے ساتھ اگر ہم یہ بھی کہیں کہ پرسنل لاء کے سلسلہ میں تنبیت اور ملازمین سرکار پر تعدد ازدواج کے بارے میں جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ مسلمانوں کی حد تک اٹھالی جائیں تو گورنمنٹ کے اس اعلان کی صداقت غیر مشتبہ ہو جائے گی، وہ شبہات باقی نہ رہیں گے جو اس اعلان کے بعد اس قسم کی جزئیات سے پیدا ہو گئے ہیں پرسنل لاء کے فطری حصوں کے ساتھ اس کے عملی نظام کا کوئی خاکہ بھی اس تاریخی اجتماع کی طرف سے آجائے جس پر پرسنل لاء اپنے پیروں پر چل پڑے اور چلتا رہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس تاریخی اجتماع کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا جس کو آج کی اور مستقبل کی نسلیں کبھی فراموش نہیں کرسکیں گی۔

اس کے بعد بھی اگر کوئی فرد یا طبقہ شریعت اور شرعی قوانین کو ماننے کے لیے تیار نہ ہو تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہے اور وہ اپنا دنیوی اور اخروی انجام خود سوچ لے، قانون شریعت یا علماء اس کے ذمہ دار نہیں ہوسکتے۔

میں آخر میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ کہ سب سے پہلے بمبئی کے مخلص دردمند اور

باحمیت مسلمانوں کا شکریہ ادا کروں جنھوں نے اپنی روایتی حوصلہ مندیوں اور فراخ دلانہ جذبات سے پرسنل لاء کے بارے میں دارالعلوم دیوبند کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بمبئی میں اس کنونشن کے انعقاد کا ذمہ لیا اور اسے عملاً کرکے دکھلا دیا جس کی بدولت یہ مختلف رنگ کے پھولوں کا گلدستہ اس تاریخی اجتماع کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ پھر مختلف مکاتبِ فکر کے اہل علم وفضل اور بزرگوں اور اطراف ملک سے آئے ہوئے دانشوروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے بمبئی کی استقبالیہ کمیٹی کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اس عظیم اجتماع کو کامیاب اور اس کے کاز کو مضبوط اور مستحکم بنایا۔ **فجزاھم الله عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء. وآخر دعوانا ان الحمدلله رب العلمین.**

حکیم الاسلامؒ کی یہ معرکۃ الآراء علمی وتحقیقی تحریر عام کنونشن، سیمیناروں اور جلسوں میں پڑھے جانے والے صدارتی خطبات سے یکسر مختلف اور منفرد ہے، علمی اصطلاح میں اطناب مملّ اور اجمال مخل سے یکسر پاک ہے یعنی مقصد سے کم اور زائد ایک لفظ بھی نہیں۔ زبان کی شیرینیت، تعبیرات کا حسن، نکتہ سنجی وحکمت آفرینی حکیم الاسلامؒ کا امتیازی وصف ہے، جو اس تحریر میں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ سلگتے اور بھڑکتے ہوئے مسائل پر انتہائی تشفی بخش سنجیدہ اور معقول انداز میں مختلف الفکر اور مختلف المشرب اہل علم کے سامنے اظہار خیال کیسے کیا جاتا ہے؟ کوئی حکیم الاسلامؒ سے سیکھے ؎

حدیث عشق جو سناتے ہوا ن کو دیوانو ❁ مری زبانِ محبت مرا بیاں لے لو

یہ تحریر اپنے موضوع پر معلومات کا دفتر، تاملات وبصائر کا خزینہ اور علم وحکمت کا گنجینہ ہے، اس میں ''مسلم پرسنل لاء'' پر سیر حاصل گفتگو بھی ہے اور شریعت اسلامیہ کی ابدی راہنمائی اور ناقابل تنسیخ وتبدیل قوانین فطرت کی حکیمانہ تشریح اس موضوع پر حکیم الاسلام کا یہ کلیدی خطبہ سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

❁❁❁

منظوم خراجِ عقیدت

بروفات حضرت حکیم الاسلامؒ

نذرانۂ عقیدت

منجانب امیرِ شریعت خطیب ملت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (ندیمؔ) رحمۃ اللہ علیہ

بخدمت اقدس قطبِ ارشاد عارف باللہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

بخت اگر رسا شود ، دست دہد سبوئے خوش
ازنگہ سمن برے، لا لہ رخے نکوئے خوش
باغ و بہارِ ما ندیمؔ یعنی کہ جنت النعیم
روئے خوش است وخوئے خوش بوئے خوش وگلوئے خوش

از: سواطع الالہام ص: ۹۴۰،

مرقعِ عقیدت

از: حضرت مولانا قاری عبدالعزیز شوقی اسعدی انبالوی

بخدمت عالیجناب حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب علیہ الرحمہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

اے حکیمِ عالمِ اسلام ! اے شیخِ جلیل ❁ ذوقِ علم وفن کی رونق ہے ترا ذکرِ جمیل
اے خطیبِ ملک!اے ملّت کے سحبانِ کبیر ❁ حسنِ رازیؒ وغزالیؒ زینتِ ابنِ کثیر
اے مجاہد اے زعیم قوم ، دانائے عظیم ❁ زیب دیتا ہے اگر تجھ کو کہیں فخرِ کلیم
اے علوم قاسمی کے شارعِ شیریں ادا ❁ ندرت انشا تری کلک ازل کی ہم نوا
اے سریرآرائے بزم رشد اے قطب زماں ❁ تیرے فیضِ خاص سے سیراب ہے سارا جہاں
ثانئ قاسم ہے، احمدؒ کا جگر پارہ ہے تو ❁ ہاں رشیدؒ و اشرفؒ ومحمودؒ کا پیارا ہے تو
تو صلاح و خیر کی اقلیم کا ہے تاجدار ❁ شوکتِ تقویٰ تری ہر ہر ادا سے آشکار
تو نے رکھا پرچم اسلاف دنیا میں بلند ❁ تجھ پہ نازاں کیوں نہ ہو دارالعلوم دیوبند
تیرے اخلاقِ کریمانہ کا ہر خاطر اسیر ❁ نورِ باطن سے ترے ہر ذرۂ دل مستنیر
نطق کو تیرے میسر قوت روح الامیں ❁ فکر تیرا لامکانی سطوتوں کا ہے مکیں
صورتِ طیب تری آوازۂ طوبیٰ نصیب ❁ سیرت اکمل میں ہے اسلاف کا رنگ عجیب
تیری ایمانی فراست روکشِ اعجاز ہے ❁ تیری آنکھوں میں خداوالوں کا ہرانداز ہے
علم تیرا بےنظیر اعمال تیرے بے مثال ❁ شوقیؔ ناکارہ کو تعریف کی ہے کب مجال

❁❁❁

آہ قاری محمد طیب صاحبؒ

از: حضرت مولانا نیر ربانی مدرسہ دار العلوم سبیل الرشاد بنگلور

پیکرِ صدق و صداقت تھے حکیم الاسلام ❁ آئینہ دارِ بصیرت تھے حکیم ا لاسلام
منبعِ رشد و ہدایت تھے حکیم الاسلام ❁ عاشقِ نورِ رسالت تھے حکیم الاسلام
فائق و نکتہ رس و نکتہ شناس و حق بیں ❁ مخزنِ گوہرِ حکمت تھے حکیم الاسلام
بٹتی جاتی تھی تو اور بڑھ جاتی تھی ❁ ایسی اک علم کی دولت تھے حکیم الاسلام
آپ سے مل کے ہر اک دل کو قرار آتا تھا ❁ نیک دل نیک طبیعت تھے حکیم الاسلام
اہلِ ہند آپ کی ہستی پہ کریں ناز نہ کیوں ❁ صاحب فہم و فراست تھے حکیم الاسلام
نیّرؔ خستہ نوا حلقہ بگوش آپ کا تھا ❁ اس پہ مائل بہ عنایت تھے حکیم الاسلام

❁❁❁

اشکِ غم

از: عمر فاروق عاصمؔ، عظیم بک ڈپو دیوبند

دل ہے صد چاک، جگر چھلنی، تخیل مجروح ❁ غم کا طوفاں ہے مگر ہونٹ سیئے بیٹھے ہیں
جو تری یاد میں آئے تھے مگر بہہ نہ سکے ❁ آج پلکوں پہ وہی اشک لیے بیٹھے ہیں

شمع ہدایت

دستِ قضا نے ہم سے جدا کر دیا جسے ❁ وہ تو دیارِ علم کا روشن نشان تھا
تاریکیوں میں شمع ہدایت تھا اس کا نام ❁ وہ پتھروں کے شہر میں ہیرے کی کان تھا

تاریخ وفات منظوم

قطعہ بتواریخ

۱۴۰۳ھ

از: مولانا محمد عثمان صاحب معروفی

قاریٔ طیب زعیم با صفا ❁ عالمِ دیں ہادیٔ راہِ خدا

مہتمم دار العلوم دیو بند ❁ رشد و تقویٰ را امینِ با وفا

سنگ میلِ مدرسہ دار العلوم ❁ ماہرِ اسرارِ دینِ مصطفیٰ

شیخِ وقت و ہم مجازِ تھانویؒ ❁ صوفیؒ حق کیش راہِ حق نما

ماہِ تاباں بود در ہر انجمن ❁ تشنگانِ علم را بحرِ سخا

ہند را سحباں ، امیرِ کارواں ❁ واعظِ شیریں بیاں شیریں نوا

بود ذاتش منفرد در انجمن ❁ اہلِ علم و فضل را ہم مقتدا

ماہِ انور داخلِ جنت بود ❁ از دلم سالِ وفات آید ندا

۱۴۰۳ھ

ہاتف از عثماں سراجِ دین گفت ❁ رحلتش ہم طیب و ہم پُر ضیا

۱۹۸۳ء

بدل زار محمد عثمان معروفی

۱۴۰۳ھ

قطعات تاریخ

بروفات حسرت آیات حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ

حضرت مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ عثمانی، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

واعظ شیریں بیاں کی گم ہوئی آواز خوش ❁ بجھ گئے ممتاز اندازِ خطابت کے دیئے
دینِ حق، قرآن وسنت کی اشاعت کے طفیل ❁ ''آج آغوشِ محمد'' واہے طیب کے لیے
۱۴۰۳ھ

بڑے پاکیزہ رُو پاکیزہ سیرت صاحبِ باطن ❁ رشیدؔ و قاسمؔ و محمودؔ کے جلووں کی تابانی
تواضع، حلم، شفقت اور ثبات وصبر کے پیکر ❁ کریں گے یاد ہر دم مظہرِ ''اخلاقِ عثمانی''
۱۴۰۳ھ

اُف یہ فرقت عظیم عالم کی ❁ دل پہ گذری ہے کیا دمِ رحلت
حادثوں کی اذیتوں میں نشاط ❁ ''سب پہ بھاری ہے اب غمِ رحلت''
۳ ۸ ۹ ۱ء

❁❁❁

قطعۂ تاریخ

از: قاری بشیر احمد

صبر عطا فرما، یا رب ❁ دیدہ و دل ہیں رحم طلب
لاکھوں غم پر بھاری ہے ❁ ایک غمِ قاری طیب
۳ ۰ ۴ ۱ ھ

❁❁❁

آفتابِ علم وحکمت اس جہاں سے چل بسا

از: محمد کاظم ندوی

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات حسرت آیات سے متاثر ہوکر

رہبرِ دینِ ہدیٰ تھی حضرت طیب کی ذات
پیکرِ صدق وصفا تھی حضرتِ طیب کی ذات
خوگرِ صبر رضا تھی حضرت طیب کی ذات
معدنِ جود وسخا تھی حضرت طیب کی ذات

آفتابِ علم وحکمت اس جہاں سے چل بسا
پاسبانِ دین وملت اس جہاں سے چل بسا

علمِ قاسم کی امیں تھی حضرت طیب کی ذات
نازشِ دنیا و دیں تھی حضرت طیب کی ذات
شارحِ شرع مبیں تھی حضرت طیب کی ذات
مظہرِ عین الیقیں تھی حضرت طیب کی ذات

ناز تھا دنیا کو حضرت کی نرالی ذات پر
فخر تھا ملت کو ان کی ذاتِ بابرکات پر

علم کی دنیا میں حضرت کا بہت ہی نام تھا
خدمتِ خلقِ خدا ہر وقت ان کا کام تھا
مشغل اوراد وظائف ان کا صبح و شام تھا
ذکر ان کا ہر جگہ اور فیض ان کا عام تھا

ہو گئی محروم دنیا شارحِ اسلام سے
ہاں! مگر واقف رہے گی دیوبند کے نام سے

حکیم الاسلام

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

از: عمر فاروق عاصمؔ، عظیم بکڈپو دیوبند

نذرانۂ عقیدت

مہر و وفا ، خلوص کا پیکر کہیں جسے ❁ وہ دیدہ ور کہ قوم کا رہبر کہیں جسے
اس شخصیت کو گوہر یکتا کہیں تو سچ ❁ صحرا میں آبِ شیریں کا چشمہ کہیں تو سچ
وہ آفتابِ علم تھا ظلمات کے لیے ❁ اس کا وجود نور تھا ہر رات کے لیے
ہر کاروانِ علم کا وہ رہنما بنا ❁ ظلم و ستم کی دھوپ میں بادِ صبا بنا
الفاظ بڑھ کے اس کا قلم چومتے رہے ❁ اہلِ کمال اس کے قدم چومتے رہے
اس نے وفا کی شمع جلائی تھی صبح و شام ❁ اس کا ہر ایک دور میں اونچا رہا مقام
ہر ظلم کے خلاف وہ سینہ سپر رہا ❁ ہر حادثہ پہ قوم کے باچشم تر رہا
چھلکا سکا نہ وقت جسے وہ ایاغ تھا ❁ جو آندھیوں سے بجھ نہ سکا وہ چراغ تھا
شعر و شعور و فکر کی دولت ملی اسے ❁ صبر و سکون و ضبط کی طاقت ملی اسے
رحمت کا اس کے سر پہ سدا سائباں رہا ❁ وہ جس زمین پر بھی رہا آسماں رہا
قاسمؔ کے علم و فن کی وہی یادگار تھا ❁ جس پر چمن بھی ناز کرے وہ بہار تھا
صد حیف اس کو موت نے آکر سلا دیا ❁ لاکھوں سکوں پذیر دلوں کو رلا دیا
عاصمؔ کے پاس اور دعاء کے سوا ہے کیا؟ ❁ ہونٹوں پہ آکے ٹھہر گئی بس دعا یہی
فخر امم کی اس کو شفاعت نصیب ہو ❁ پروردگار کی اسے قربت نصیب ہو

❁❁❁

دل شکستوں کا مسیحا نہ رہا

از: شمیم عثمانی دیوبند

دل شکستوں کا مسیحا نہ رہا تیرے بعد ❁ سُرخرو ہوگی نہ شمشیر جفا تیرے بعد
خفتہ بختوں کے لیے دولتِ بیدار تھا تو ❁ کیسۂ وقت میں کچھ بھی نہ رہا تیرے بعد
اب تو نا کردہ گناہوں کی سزا ملتی ہے ❁ کون بخشے گا حریفوں کی خطا تیرے بعد
تیری گفتار میں تھی جوہرِ کردار کی آب ❁ یاد آئے گا سدا تیرا کہا تیرے بعد
سرخیٔ خونِ وفا تجھ سے ہوئی جلوہ طراز ❁ دستِ قاتل میں کھلا رنگِ حنا تیرے بعد
اپنے دامن میں سمیٹے رہا طوفانوں کو ❁ کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلا تیرے بعد
تجھ سے ہم رشتہ تھے تسبیح وفا کے دانے ❁ گوشت ہوجائیگا ناخن سے جدا تیرے بعد
خندۂ گل سے دیا سنگِ ملامت کا جواب ❁ اٹھ گئی رسمِ تماشائے وفا تیرے بعد
سنتِ عیسیٰ و منصور تھی زندہ تجھ سے ❁ کوئی مصلوبِ محبت نہ ہوا تیرے بعد
قاسمِ علم تھا ایک تیرا وجودِ طیب ❁ کون ہے نائبِ محبوبِ خدا تیرے بعد
ہے پریشان بہت نکہتِ گل بوئے شمیم ❁ گلشن زیست ہے اک دشتِ بلا تیرے بعد

❁❁❁

ذکرِ طیب

از: حضرت مولانا محمد سلطان ذوق صاحب استاذ حدیث وادب جامعہ اسلامیہ چاٹگام بنگلہ دیش
متوفی ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء

ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں   فلک کی راہ پر وہ جنتی قالیں بچھاتے ہیں
عجب انداز سے وہ ہشت جنت کو سجاتے ہیں   کھڑی ہے کہکشاں اور ماہ وانجم مسکراتے ہیں
یہ فخرِ خاندانِ قاسمی دنیا سے جاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

کہا قاسم نے آکر اے مرے نورِ نظر آجا   وہ آئی روح والد اور کہا لختِ جگر آجا
کہا محمود واشرف نے ہمارے لال ادھر آجا   شبِ رنج و محن کا ہو گیا وقتِ سحر آجا
تجھے اب گردشِ ایام سے ہم لینے آتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

ہمارے باغ کو تم نے کیا ہے ہر طرح شاداب   بڑی محنت سے تا عمرِ دراز اس کو کیا سیراب
جوارِ رحمتِ حق میں رہے گا اب سے محوِ خواب   دلِ اسلاف تیرے درد وغم سے ہیں بڑے بیتاب
اسے کیا فکر جس کا غم جہاں کے لوگ کھاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

دلِ مسلم سے تا عرشِ الٰہی آہ جاتی ہے   صدائے نالۂ وفریاد ہر مسکن سے آتی ہے
زمینِ ہند و پاکستان و بنگلہ تھرتھراتی ہے   بگڑ کر ہم سے میرِ کارواں کی روح جاتی ہے
خدا خود اپنے قربِ خاص میں ان کو بلاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

مدیرِ جامعہ دار العلوم و جانِ جاں طیبؒ   وہ فخرِ دیو بند و یوسفِ ہندوستاں طیبؒ
وہ مردِ با خدا شیریں سخن جادو بیاں طیبؒ   علوم قاسمی کے وہ امین و ترجماں طیبؒ
وہ جس کو دیکھ کر ہر غنچۂ و گل مسکراتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

وہ جب سے مہتمم تھے بڑھ گئی تھی زینتِ مسند ستم ہے ایسے رہبر کی طرف اٹھیں جو چشمِ بد
وہ جنکی قدر کرتے تھے براہیم اور حسین احمد خلیل و انور و شبیر جن کو چاہتے بیحد

الٰہی شکوۂ بیداد ہم تجھ کو سناتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

زباں پر جسکی اک بہتا ہوا حکمت کا دریا تھا وہ جس کی ذات سے اسلام کا بھی بول بالا تھا
جہاں میں ہر طرف جس کی ضیاؤں کا اجالا تھا صحابی تو نہیں لیکن صحابہ کا نمونہ تھا

وہ جس کی نقل و حرکت میں دروسِ عشق پاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

ولایت کو شرف ہے تاجدارِ اولیا تم تھے لباسِ زہد نازاں ہے کہ زاہد باصفا تم تھے
یہ ملت فخر کرتی ہے کہ اس کے مقتدا تم تھے ہے ناز اپنی جماعت کو مصّر رہنما تم تھے

تری اک اک ادا پر ہم یہ اشکِ خوں بہاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

کہوں اب الوداع اے زینتِ ہر بزمِ ایمانی ہمیں رہ رہ کے یاد آئی تری اک ایک قربانی
کرے خود ربِّ عالم تیرے گلشن کی نگہبانی ترے مرقد پہ دائم ہو فلک کی شبنم افشانی

خدا رحمت کا دریا ایسے پیاروں پر بہاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

الٰہی اس جماعت کا نہ شیرازہ بکھر جائے نہ جانے قافلہ جنگل میں ٹکرا کر کدھر جائے
تری رحمت سے رفتہ رفتہ حال اس کا سدھر جائے بڑھا دستِ کرم زلف پریشاں اب سنور جائے

غضب ہے آج ہم کیا گوہر یکتا گنواتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

یہ کیسے شیرِ ملت آج زیر خاک سوتے ہیں یہ کیسے بلبلِ نغمہ سرا خاموش ہوتے ہیں
نہ ہوگا حق ادا خونِ جگر سے بھی جو روتے ہیں سفینہ علم و حکمت کا بھنور میں آج کھوتے ہیں

غلط ہے ذوق اس دنیا سے جو ہم کو لگاتے ہیں
ملائک آسماں سے بہر استقبال آتے ہیں

الحاج حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحبؒ کی یاد میں

گریۂ بے اختیار

از: سینہ فگار غازی سکروڈوی

اٹھ گیا علم و عمل کا ایک دفتر ہائے ہائے یادگارِ قاسمؒ و محمودؒ و انورؒ ہائے ہائے
آج وہ خورشیدِ عالمتاب آخر چھپ گیا جس سے روشن تھے ہزاروں ماہ واختر ہائے ہائے
بجھ گیا ہے خاندانِ قاسمی کا وہ چراغ جس سے بزمِ فکر و دانش تھی منور ہائے ہائے
ایک سناٹا ہے اب حسنِ عمل کی راہ میں قافلہ میں اب نہیں طیب سا رہبر ہائے ہائے
قلب و جاں، فکر و نظر، عزم و عمل، ذوق و طلب مادرِ علمی کی خاطر تھے نچھاور ہائے ہائے
آرہی ہے آج پھر اس جشن صد سالہ کی یاد اس سے پہلے کس نے دیکھا تھا یہ منظر ہائے ہائے
سالم و اسلم و اعظم پر جو گذری کچھ نہ پوچھ رنج و غم ہے ساری ملت کا مقدر ہائے ہائے
مسکرایا ہے جو بیگانوں کے ہر الزام پر اسکے سینے میں تھے اپنوں کبھی نشتر ہائے ہائے
اب نہ غیروں سے شکایت ہے نہ اپنوں کا ملال جاچکا ہے آخری منزل پہ رہبر ہائے ہائے
ساٹھ سالہ خدمتوں کا پا لیا اپنی صلہ عہدِ پیری اور جواں مردوں کے خنجر ہائے ہائے
دیدۂ عبرت نے دیکھا ہے جو منظر کیا کہیں جانشینِ تھانویؒ فتنوں کی زد پر ہائے ہائے
مدتوں غازی زبس اک مردِ خدا کی یاد میں خونِ دل روتا رہے گا دیدۂ تر ہائے ہائے

❀❀❀

آہ بہ وفات فخر الاماثل

۳ ۰ ۴ ۱ھ

برانتقال پرملال مولینا محمد طیّب دیوبند

۳ ۰ ۴ ۱ھ

قَدْ قالَ اللہ فی کلام طیبٍ ادُ خلوا ھا بسلامٍ امنین

۱۴۰۳ھ

فخر ملت احمدؒ

۱۴۰۳ھ

روح قاسمی، نور تھانوی مولانا محمد طیب صاحب + یُحْسِنُ اللہ الرحمنُ اِلَیھِم

۱۴۰۳ھ + ۵۸۰

۱۹۸۳ء

مہتمم جامع قاسمیہ دارالعلوم دیوبند الہند

۳ ۰ ۴ ۱ھ

زجانب محفوظ الحسن سنبھلی

۳ ۰ ۴ ۱ھ

❁❁❁

قطعہ وفات

از: ساحل دیوبندی مرحوم

ہو گئی ہے ختم اب تو زندگانی کی بہار
اشک ہیں آنکھوں میں اب ہم مسکرا سکتے نہیں
شدتِ غم نے ہمیں مجبور ایسا کر دیا
دل پہ جو گذری ہے اس کو بھی بتا سکتے نہیں

قطعہ وفات

سرو کا جوہی کا بیلا کا چمن جاتا رہا
نیک سیرت نیک خو غنچہ دہن جاتا رہا
جسکے دم سے انجمن کی رونقیں تھیں کل تلک
ہائے صد افسوس وہ شیخِ زمن جاتا رہا

تلمیذ ساحل شمیم مضطر دیوبند

آہ حکیم الاسلام مرحوم

(از: مولانا عبدالمجید انورؔ (ماہنامہ ''الخیر'' ملتان)

اشک افشاں ہے زمیں، نوحہ کناں ہے آسماں
آہ ٹوٹی جو مصیبت ہو نہیں سکتی بیاں
ظلمتیں ہی ظلمتیں چھائی ہوئی ہیں ہر طرف
رو رہی ہیں خون کے آنسو شفق کی سرخیاں
بزم عالم سونی سونی ہو گئی ہے سوگوار
تھا جو رونق بزمِ عالم کی گیا وہ میہماں
علم و حکمت معرفت کا آفتاب و ماہتاب
ہو گیا ہے چشم عالم سے پسِ پردہ نہاں
علمِ انور شاہ کا وارث زہدِ اشرف کا امیں
تھا علوم قاسم الخیرات کا جو ترجماں
وہ محدث وہ مفسر وہ فقیہ بے مثال
واقفِ اسرارِ دیں حکمت کا بحرِ بیکراں
جس کے دم سے گلشنِ ملت میں تھی تازہ بہار
لے گیا ہے ساتھ اپنے وہ بہارِ جاوداں
جسکی جدّ و جہد سے دار العلوم دیو بند
بن گیا اسلام کی عظمت کا تابندہ نشاں
مسندِ رشد و ہدایت درسگاہِ علم و دیں
اب نہ پائے گی تجھے اور تو ملے گا بھی کہاں
موتِ عالم موت ہے عالم کی انورؔ بالیقیں
اک ترے جانے سے گویا اٹھ گیا سارا جہاں
اے خدا تو اس کا مرقد نور سے معمور کر
روحِ طیّب ؒ فضل سے تیرے رہے خلد آشیاں

منظوم تاثرات

از: مولانا معظم حسین قاسمی/ماہنامہ الرشید ساہیوال

اے خطیب بے بدل ، اے زینت دارالعلوم
آپ کے خطبات کی یورپ میں امریکہ میں دھوم
آپ کی وہ مجلس علمی کہ جس کے فیض سے
کتنے مشکل اور پیچیدہ مسائل حل ہوئے
حکمتِ قاسمؒ ، رموزِ شیخ کشمیریؒ کھلے
اور حلاوت بات کی کانوں میں جیسے رس گھلے
حافظ احمدؒ کا تقدس ، فہمِ عثمانیؒ ملا
تھانویؒ مرشد مربیٔ شیخ لا ثانی ملا
حاملِ اوصاف ایسا اب کہاں پائیں گے ہم
کس کی تقریروں سے اب محفل کو گرمائیں گے ہم
آہ اے پیرِ طریقت ، شیخ وقت استاذِ کل
آپ اٹھے تو شمع محفل ہو گئی اک ایک گل
بزمِ شیخ الہندؒ میں تھی آپ کے دم سے ضیا
واقفِ اسرارِ انورؒ آہ اب رخصت ہوا
حضرتِ شیخِ مدینہؒ کا تحمّل آپ تھے
سادگی ایسی کہ سر تا پا تجمّل آپ تھے
آپ کا زورِ خطابت روح پرور پُر اثر
آپ کا طرزِ تکلم کر گیا ہر دل میں گھر
خلق پر پڑ تو ہمیشہ نام کا ظاہر رہا
ہر عمل بس آپ کا طیب رہا طاہر رہا
حضرتِ نانوتویؒ کے فن کے شارح السلام
ہے معظم کی دعا ، اُدخِلہ فی دارِ السلام

اشکہائے غم!

بروفات حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

از: مولانا محمد ابراہیم فانی / ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک، پاکستان

کیا کہوں قلب و جگر تن روح و جاں افسردہ ہیں
کائناتِ علم و فن پیرو جواں افسردہ ہیں
سیلِ اشک ہر سو رواں ہے اور فضا بھی سوگوار
چرخ پر یہ ماہ انجم کہکشاں افسردہ ہیں
سر زمین دیوبند یا رب خزاں منظر ہے آج
عالمِ اسلام اور ہندوستاں افسردہ ہیں
فہم و ادراک و ذکاء تحریر و تبلیغ و بیاں
حکمت و عقل و خرد ماتم کناں افسردہ ہیں
فکرِ عالی و تدبّر ، اہتمام و انتظام
ورطۂ حیرت میں ہیں آنسوں فشاں افسردہ ہیں
فقر و دیں زہد و قناعت ورع و تکریم و سخا
سینہ سوزاں چشم گریاں دل تپاں افسردہ ہیں
ترجمانِ دینِ حق تھے حافظِ شیریں سخن
آہ رخصت ہو گیا وہ واعظِ رنگیں سخن
وہ ادیب بے بدل تھے وہ خطیب بے نظیر
تھے فراست میں یگانہ مومن باضمیر

زینتِ تختِ ولایت شمعِ بزمِ قدسیاں
نازشِ روحانیاں عشقِ محمدؐ کے اسیر
افتخارِ روحِ قاسمؒ رونقِ دار العلوم
عظمتِ شاہنشہاں رشکِ سلاطین و فقیر
ثانیٔ رازیؒ غزالیؒ چشمۂ فیضِ ھدیٰ
عکسِ انور شاہؒ تھے اور نقشِ علامہ شبیرؒ
کوکبِ برجِ وفا صدیق و فاروقی خصال
سر گروہِ دیوبند جمع عزیمت کے امیر
عظمتِ مدرسہ کو جس نے لگائے چار چاند
سطوتِ اسلاف و عہدِ رفتہ کی کامل تصویر
حکمتِ اسلام جن کی ذات سے تھی آشکار
حجتِ اسلام تھے برہانِ رب تھے وہ شہیر
ایشیا و شرق و غرب میں دی صدائے لا الٰہ
سارے عالم میں پھرے اسلام کا بن کر سفیر
کیوں نہ خلد و جنت الماویٰ نہ ہو ان کا مقام
زہد و علم و فضل و تقویٰ سے بنا جن کا خمیر
دینِ احمدؐ کا خدایا تو ہی حافظ ہو سدا
ہر طرف سے آرہے ہیں فتنہ سامانوں کے تیر
شکوۂ دست اجل فانی یہاں کیسے کروں ؟
داغِ زخمِ آشکارا اب نہاں کیسے کروں ؟

عقیدت کے آنسو

از: مولانا محمد اسحاق صاحب قاسمی / ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مہبطِ روح الامیں کا مدح خواں جاتا رہا دولتِ دنیا و دیں کا پاسباں جاتا رہا
قوم کا سرمایۂ عز و نشاں جاتا رہا مردِ حق آگاہِ پُر نکتہ داں جاتا رہا
خوش خصال وخوش کلام وخوش بیاں جاتا رہا قوم کی تھا جو متاعِ جاوداں جاتا رہا
فقر وزہد وصدق وایماں کا نشاں جاتا رہا قبلہ گاہِ مرجعِ صاحب دلاں جاتا رہا
وہ حدیثِ مصطفیٰ کا شارحِ صاحب نظر وہ کلامِ کبریا کا ترجماں جاتا رہا
ماحیٔ آثارِ ظلمت ناشرِ حکم رسول قبلۂ دیں مقتدائے کا ملاں جاتا رہا
واقفِ رمزِ شریعت واقفِ اسرارِ دیں قاسمؒ ومحمودؒ کا وہ رازداں جاتا رہا
اسوۂ پاکِ رسول اللہ پر جاں سے نثار وہ امامِ وقت وہ قطبِ زماں جاتا رہا
بات جس کی حکمتِ اسلام میں ڈوبی ہوئی فکر جس کا تھا چراغِ ضوفشاں جاتا رہا
فخرِ ملت، فخرِ دیں، فخرِ وطن، فخرِ زماں جمع تھیں جس میں یہ ساری خوبیاں جاتا رہا

جس نے بخشی یہ محبت سینۂ اسحاقؔ کو
خادمِ مخلص پہ تھا جو مہرباں جاتا رہا

❀❀❀

قطعۂ وفات

نورِ نگاہِ دیدۂ ابرار چل بسا اہلِ نظر کا قافلہ سالار چل بسا
اس دور میں نظیر نہیں جس کی اے اسحاقؔ وہ آفتابِ حکمت و اسرار چل بسا

❀❀❀

ہدیۂ عقیدت

بخدمت فخر الاماثل حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ

از: مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاطؔ ر نائب مفتی دار العلوم دیوبند

ہادیٔ دیں، شیخ دوراں، صاحبِ فضل وکمال — آنکہ در ذاتِ رفیعش بے نظیر و بے مثال

در تصانیف و خطابت شہرۂ آفاق گشت — رتبۂ ممدوح بالا از حدِ اوراق گشت

مرکزِ ارباب تقویٰ، مرجعِ اہلِ ضمیر — آفتابِ علم ودانش صاحبِ خیر کثیر

بحرِ شفقت، جوئے رافت، حاملِ فیضِ عظیم — وارثِ علم نبوت، پرتوِ خلقِ عظیم

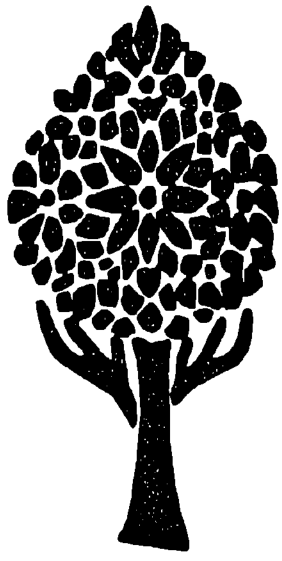
آیۂ اخلاق کامل طیب و پاکیزہ رو — زینتِ گلزارِ قاسمؒ جامعِ صد رنگ و بو

فخرِ ملت، شمعِ حکمت، مقتدائے ما، امام — لائق مدح وستائش صاحبِ حسنِ نظام

جانشینِ شیخ انورؒ شاہ، تلمیذِ رشید — حاملِ انوارِ اشرفؒ در جہاں دُرِّ فرید

آں کہ از اوصافِ عالی نازشِ دوراں شدہ
دعوتِ آں باعثِ عز و نشاطِ جاں شدہ

❀❀❀



ایک مظلوم شخصیت

بروفات حضرت حکیم الاسلامؒ

از: تلمیذ ساحل شمیم مضطر محلہ گدیواڑہ دیوبند

مالی تھا وہ چمن کا اور کا م کا دَھنی تھا
دیکھا ہے ہم نے جس کا منظر ہی دیدنی تھا
کرتا تھا جو چمن کی ہر لمحہ آبیاری
ہر شئے تھی گلستاں کی اس کو جہاں سے پیاری
ہرسمت جس کے موسم باغ و بہار کا تھا
اس کیفیت پہ اس کی ہر گل نثار سا تھا
لگتا تھا وہ بہاریں تھیں دائمی یقیناً
تھی دیکھنے کے لائق جس کی چھبی یقیناً
ہے یاد ہم کو اب تک بلبل کا چہچہانا
گل کو گلے لگا کر نغمے خوشی کے گانا
منظر تھا دلکشی کا اس کے ہر ایک جانب
دیکھے جو کوئی اسکو ہو جائے اس کا طالب
جشنِ چمن سے ہر شئے کچھ اور سج گئی تھی
سارے جہاں میں جسکی اک دھوم مچ گئی تھی
گلچیں کی آنکھ میں وہ نظارہ کھل رہا تھا
لاوا سا ذہن و دل میں اس کے ابل رہا تھا
ہر طرح چل رہا تھا چالیں وہ اپنی پیہم
بدلے گا یک بیک ہی کس کو خبر تھی موسم

آیا خزاں کی زد پہ اک دن وہ گلستاں جب
جس کے بیان سے ہے قاصر مری ۔زباں اب
لوٹا گیا تھا اس کو جس طرح جیسے تیسے
ڈھائے گئے مظالم پوچھو نہ کیسے کیسے
مالی تھا محوِ حیرت کیسی خزاں ہے آئی
جتنی تھی اسکی محنت سب خاک میں در آئی
موزوں نہیں جو کہنا وہ سب کہا گیا تھا
قلب وجگر کو اس کے چھلنی کیا گیا تھا
چاروں طرف سے اس پر طعنوں کی بارشیں تھیں
اغیار کی منظّم وہ ساری سازشیں تھیں
آنے دیا نہ اس نے ماتھے پہ ایک بل بھی
تھا صبر اس کا شیوہ چھوٹا نہ ایک پل بھی
سہتا گیا غموں کو وہ صرف خامشی سے
شکوہ کیا نہ اس نے پر کوئی بھی کسی سے
وقتِ اخیر اس کا آخر کو آن پہنچا
رب کے حضور پھر وہ شایانِ شان پہونچا
گھر اس کا اس گھڑی اک ماتم کدہ بنا تھا
ہر سمت ایک ہلچل اک شور سا بپا تھا
رو رو کے کہہ رہا تھا وہ پیر یا جواں تھا
وہ چل بسا ہمارا جو میر کا رواں تھا
جن و بشر ہی کیا خوں روتا تھا آسماں بھی
گل بھی اداس تھے اور سونا تھا گلستاں بھی

نیرنگیٔ چمن بھی ویران ہو گئی تھی
وادی ہی ساری یک دم سنسان ہو گئی تھی
وہ گلستانِ طیبؒ احمدؒ کا مدرسہ تھا
نانوتویؒ و اشرفؒ، انورؒ کا سلسلہ تھا
علم و عمل کے ہر سو چشمے ابل رہے تھے
ظلمت کے سائے پیہم رستے بدل رہے تھے
زورِ بیاں میں اس کا کوئی نہیں تھا ثانی
تحریر کی بھی چھو لے شاید کوئی روانی
ہر دل عزیز تھا وہ ممتاز تھا سبھی میں
ساماں نشاط کا تھا اس کی شگفتگی میں
ہر فرد کے لیے وہ غنچہ دہن تھا جیسے
وہ اپنی ذات ہی میں اک انجمن تھا جیسے
پاکیزہ کس قدر تھیں ذات و صفات اسکی
گلشن کا تھا تحفظ کل کائنات اس کی
موسم بہار کا ہے اس سے مفر نہیں ہے
گلشن میں پہلے جیسی خوشبو مگر نہیں ہے
ہر آنکھ ہے فسردہ ہر چہرہ مضمحل ہے
گلچیں کی اس خطا پر انسانیت خجل ہے
سوتا ہے خاک میں وہ مالی تھا جو چمن کا
تحفہ ملا یہ اس کو اغیار کے سخن کا
اس کار میں نمایاں اک خاص ذہنیت تھی
وہ واقعی میں مضطر مظلوم شخصیت تھی

صدر الافاضل فخر الاماثل بحر الفضائل نبیرۂ حجۃ الاسلام

حکیم الاسلام حضرت العلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مجازِ بیعت حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا تھانویؒ ومہتمم دارالعلوم دیوبند کی

وفات حسرت آیات پر چند آنسو

جا بسا خلدِ بریں میں تاجدار دیوبند

نتیجۂ فکر: حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازیؔ مظاہری بجنوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث جامع الہدیٰ مرادآباد (یوپی)

آج تاریکی میں کیوں ڈوبا ہے شہر دیو بند
چھپ گیا اے دوستو! شاید کہ مہرِ دیو بند
چھپ گیا ہاں آج وہ خورشید تاباں چھپ گیا
جس کی کرنوں سے درخشاں تھا گلستاں چھپ گیا
جس کی نورانی شعاعوں سے منور تھا چمن
ہو گیا ہے حکمتوں کا مہرِ تاباں وہ گہن
جس نے خونِ دل سے سینچا تھا گلستانِ علوم
آسمانِ علم پر جس نے سجائے تھے نجوم
جس نے سکھلائے زمانے کو شریعت کے رموز
نیز اسرارِ طریقت اور حقیقت کے رموز
جس کے آگے دم بخود رہتے زباں آور تمام
دل سے ہر چھوٹا بڑا کرتا تھا جس کا احترام
جس کی گفتارِ مسلسل موتیوں کی تھی لڑی
حکمتوں سے پر تھی جس کی بات ہر چھوٹی بڑی

غازیٔ گفتار تھا اور صاحبِ کردار بھی
شاہ بے تاج و نگیں ، دیں کا علم بردار بھی
ترجمانِ مسلکِ حق آہ! رخصت ہو گیا
پاسبانِ مسلکِ حق آہ! رخصت ہو گیا
"حجۃ اللہ" کا وہ یکتا ترجماں جاتا رہا
حجۃ الاسلام و احمد کا نشاں جاتا رہا
جس کے نیک اوصاف دنیا میں رہے ضرب المثل
علم و عرفاں تھی سراپا جس کی ذاتِ بے بدل
جس نے سلجھائیں ہمیشہ علم و فن کی گتھیاں
جس نے سمجھائیں جہاں کو دینِ حق کی خوبیاں
جس کی ، اخلاقِ معلّٰی سے مجلّٰی تھی سرشت
عاجزی کے نور سے تاباں تھیں گفتار نشست
جس کا شیوہ پاکدامانی و خود داری تھی خو
قاسمؒ و احمدؒ کے وارث میں تھے ان کے رنگ و بو
پیکرِ صبر و رضا تھا ، خوگرِ تسلیم تھا
وہ امام علم و حکمت رہبرِ تعلیم تھا
صاحب حلم وحیا تھا زاہد و اہلِ غنا
وہ امین و باصفا تھا ، صاحبِ صدق و وفا
عشقِ حق کی آگ تھی سینے میں جس کے مشتعل
عشقِ پیغمبر سے تھے لبریز جس کے جان و دل
جس کی صورت بھی حسیں تھی اور سیرت بھی حسیں
اہلِ دل کا دلبر و دلدار تھا وہ مہ جبیں

ہو گیا رخصت جہاں سے وہ نگارِ دیو بند
جا بسا خلدِ بریں میں تا جدارِ دیو بند
آہ دنیا سے ہوا رخصت امامِ روزگار
وہ سراپا حلم و بحر علم اور کوہِ وقار
فیض شیخ الہندؒ سے معمور جب سینہ ہوا
نورِ انور شاہؒ سے پر نور جب سینہ ہوا
در گہِ اشرف علیؒ کے فیض سے احمدؒ کا لال
قاسمِ ثانی بنا وہ صاحبِ فضل و کمال
بن گیا فخرِ الاماثل علم و فن کا آفتاب
راہِ عرفان وتصوف کا درخشاں ما ہتاب
ہو گیا مشہور وہ اسلام کا یکتا حکیم
ہو گیا صدر الافاضل قوم مسلم کا زعیم
اہلِ حق نے اس کو ما نا اپنے مسلک کا امام
کر دیا اس کے حوالہ دیو بند کا اہتمام
اس کے شایاں تھا یقیناً دیو بند کا اہتمام
اس کی ابرو کا اشارہ بس تھا بہرِ انتظام
فیض طیبؒ سے ہوا سیراب جب وہ گلستاں
ہوگئی ہر شاخ اس کی پُر بہار وگلفشاں
دیوبند کا مدرسہ تھا بن گیا دارالعلوم
تشنگانِ علم و فن کا ہو گیا اس پر ہجوم
باغباں نے ہر روش اس کی سجائی خوب تر
بھر دیے دامن میں اس کے بے بہا لعل و گہر

اس کا اٹھاون برس چمکا ہے دور اہتمام
لائقِ صد آفریں تھا اس کا حسنِ انتظام
جس نے چمکایا جہاں میں خوب نامِ دیو بند
زخمی دل لے کر گیا ہے وہ امام دیو بند
شکر و صبرِ بیکراں کے لوٹ کر سب مرتبے
سو گیا وہ رحمتِ رحمٰن کے سائے تلے
رحمتِ حق نے بلا یا اس کو باغِ خلد میں
مل گیا رحمت کا سایہ اس کو باغِ خلد میں
جب چلا خلدِ بریں کو نازنینِ دیو بند
بن گئی ماتم کدہ اُف سر زمینِ دیوبند
گلستانِ علم و فن کی ہیں بہاریں سوگوار
اب کہاں ہے ایسا یکتا باغبانِ نامدار
جس کا سب خورد و کلاں کرتے تھے دل سے احترام
وہ حکیم اسلام کا تھا دلربائے خاص و عام
صاحبِ اوصافِ گو ناگوں ، زعیم نیک نام
پاک طینت ، پاک دامن ، پارساؤ ں کا امام
عابدو زاہد، خطیبِ نکتہ دان و خوش کلام
علم و عرفاں کا پلا تا تھا زمانے کو وہ جام
پیکرِ صبرورضا وہ اہل دل کا دلربا
حق پہ جو ثابت رہا وہ راہ حق کا پیشوا
آہ وہ دار العلوم دیو بند کا مہتمم
گلشنِ دینِ محمد کا وہ یکتا منتظم

کر دیا جس پا رسا کو ظالموں نے متہم
وہ شکستہ دل گیا دنیا سے با صد رنج و غم
اس سلوکِ بد کا ہر حسّاس دل پر ہے ملال
ضعف و پیری کا بھی اعدا کو نہ آیا کچھ خیال
دامنِ طیب نہیں تم نے کیا ہے داغدار
کھو دیا اپنے اکابر کا بھی تم نے اعتبار
جملہ اہلِ حق کو اس کی ذات پر تھا اعتماد
کر دیا مجروح اس کو تجھ پہ لعنت اے عناد
یہ بتاؤ سب بزرگوں کا وہ کیوں محبوب تھا
نفس کے بندو اگر اس کا چلن معیوب تھا
اہلِ شوریٰ کیوں رہے اب تک بتاؤ محو خواب
پٹیاں آنکھوں پہ کیوں باندھے رہے عالیجناب
کیوں مداہن ہو گئے سارے اکابر دو جواب
یا کہو کہ ہو گیا آوے کا آوے ہی خراب
حضرت شیخ حسین احمدؒ کو ان کا پاس تھا
نسبت قاسم کا ہر دم ، ہر گھڑی احساس تھا
پائی تھی عظمت انہوں نے قاسمی فیضان سے
کیا کہے کوئی حقیقت "نا خلف، نادان" سے
دل سے کرتے احترامِ خاندانِ قاسمی
خود کو کہتے تھے غلامِ خاندانِ قاسمی
وارثِ قاسم ، شہِ طیب کا وہ عالی مقام
باصمیم قلب کرتے تھے ادب اور احترام

والہانہ تھی محبت اور تعلق بے مثال
اس کے شاہد آج بھی ہیں سیکڑوں اہلِ کمال
پہنچے پاکستان طیب کر کے جب ترک وطن
ہو گئے ماتم کناں اور غم زدہ اہلِ چمن
باغباں کے ہجر میں تھیں سب بہاریں سوگوار
غنچہ غنچہ مضطرب تھا ڈالی ڈالی بے قرار
حضرت شیخ حسین احمدؒ بھی تنہا رہ گئے
جتنے صدمے پیش آئے ان کو وہ سب سہ گئے
شاہِ طیب کا فراق ان پر نہایت شاق تھا
کیونکہ وہ اوصافِ گوناگوں میں اپنے طاق تھا
شاق تھی ان کی جدائی پاک سے بلوالیا
ان کی مسند پر انہیں پھر شوق سے بٹھلا دیا
گلشنِ احمد میں پھر تازہ بہاریں آگئیں
آفتاب آیا تو پھر تابانیاں بھی چھاگئیں
عظمتِ طیب کا ان کو ہر گھڑی احساس تھا
ان سے الفت تھی، محبت تھی ادب تھا پاس تھا
باادب رہ کر اکتیس سال زیرِ اہتمام
وصل مولیٰ کا پیا آخر اسی حالت میں جام
وہ رہے طیب پہ قرباں اور وہ ان پر فدا
اے خدا عقبیٰ میں تو دونوں کے رتبوں کو بڑھا
کھو دیا بیٹوں نے لیکن باپ کا بھی اعتماد
آہ یہ ضد و عداوت، آہ یہ خوئے فساد

اے خدا محفوظ رکھ اولادِ ناہنجار سے
شر سے اعداء کے بچا اور فتنۂ غدار سے
ان سے پوچھو تم ہو گمراہ یا تمہارے باپ تھے
ہوگئے ظاہر جو دل میں تم چھپائے پاپ تھے
کیوں کیا شیخ حسین احمد نے ان پر اعتماد؟
کیوں کیا ہر بات پر ان کی اکتیس سال صاد
حضرت نانوتویؒ کے فیض سے پھولے پھلے
کر دیا زخمی اسی آغوش کو جس میں پلے
در حقیقت جو ہوا ہے قضیۂ دار العلوم
ایک ہی مقصد تھا اس کا قبضۂ دار العلوم
آتشِ سوزاں تھی اور اہلِ سیاست کا تھا شر
عامرِ راہب کا فتنہ تھا بشکل "مؤتمر"
شانِ طیب جشنِ صد سالہ میں دو بالا ہوئی
خلقت آئی دیوبند کے چاند کا ہالا ہوئی
خاندانِ قاسمی کی شان و شوکت دیکھ کر
حاسدوں کے ہوگئے چھلنی وہیں قلب و جگر
رکھ دیا دشمن نے لا کر اس جگہ دامِ فریب
ایسی حرکت اہلِ ایماں کو کہاں دیتی ہے زیب
"جشنِ صد سالہ" سے تاباں تھا ادھر قاسم نگر
وارثِ قاسم پہ تھے تیار ادھر تیر و تبر
بن گئی اسکیم یعنی "مؤتمر" کے نام سے
کیا تھا مقصد اور منشاء اس نئے اقدام سے
"قبضۂ دار العلوم دیوبند" تھا سر بسر

اس حقیقت سے مگر اکثر نہیں تھے باخبر
خاکہ دلی میں بنا اور ''جشن ''میں یہ ''مؤتمر''
اہلِ شر نے خرمنِ قاسم میں لا رکھا شرر
ہو گئے کچھ تو عقیدت میں شریک ''مؤتمر''
کچھ تھے ناداں، بے خبر اور کچھ تھے ان میں اہلِ شر
کر لیا ہے بعض نے اقرار اس کا بر ملا
ہم سے جو کچھ بھی ہوا، اغوائے شیطاں سے ہوا
تعزیت کے جلسہ میں یہ بو الحسن نے کہہ دیا
حضرت طیب تھے معصوم وزعیمِ باصفا
کاش یہ اظہار حق بر وقت ہو جاتا اگر
کیوں بپا فتنہ یہ ہوتا پھیلتا کیوں اتنا شر
رہتا سالم مسلکِ حق ، باقی رہ جاتا بھرم
ہے عبث اب یہ کرم جب ہو چکا ظلم و ستم
نظمِ گلشن کر دیا حسّاد نے زیر وزبر
کیونکہ تھے اسباب ان کے سب مکمل زور وزر
''مؤتمر'' کا جو تھا مقصد خوب پورا ہوگیا
گرچہ تحریک اکابر کا بھی چورا ہو گیا
ہوگئی تفریق ، مسلک میں ہمیشہ کے لیے
منتظر مدت سے تھے اصنام اغوا کے لیے
چل بسی ہے عزت و ناموس و شانِ دیوبند
ناخلف ناپید کر دیں گے نشانِ دیو بند
باغبانِ گلشنِ قاسم تو رخصت ہو گیا
تاقیامت سایہ ٔ رحمت میں جا کر سو گیا

کہہ دو اعداء سے جلائیں آج وہ گھی کے چراغ
غاصبو! اب تو تمہارے باپ دادا کا ہے باغ
کر دو اب دل کھول کر کہ ہو گیا تم کو حلال
حجۃ الاسلام کے ہر ہر نشاں کو پائمال
حجۃ الاسلام کی تحریک ہے دار العلوم
تھے جلو میں ان کے گر چہ دوسرے تا باں نجوم
نا پسندیدہ ہے تم کو حضرت قاسم کا نام
تو یقیناً قاسمی نسبت ہوئی تم پر حرام
عابدیؔ خود کو حسینیؔ یا کہ سو دائی کہو
یا نئی نسبت سے ، کھل کر خود کو اندارائی کہو
ہیں رشیدؔ و قاسمؔ و محمودؔ و طیبؔ اور حسینؔ
اشرفؔ و انورؔ ، اکابر ، جانِ دل اور نورِ عین
بدعت و تفریق میں آخر ہوئے کیوں مبتلا
اہل حق پر فتنہ و شر کیوں کیے تم نے بپا
یاد رکھو وقت ذلت اب شتاب آنے کو ہے
بندگانِ نفس ! پھر اک انقلاب آنے کو ہے
باغباں پر ہی نہیں ڈھایا ستم صیّاد نے
پھونک ڈالا گلشنِ اسلام اس بے داد نے
خاندانِ قاسمی ہی پر نہیں ہے یہ ستم
ہر دلِ با ہوش کو تم نے دیا ہے رنج و غم
آبرو تم نے گنوائی ملتِ اسلام کی
تاکہ خوشنودی ہو حاصل بے وفا اصنام کی

جس کے بل پر لوٹ لی تم نے بہار گلستاں
اس کی ذلت کو بھی دیکھے گا کھلی آنکھوں جہاں
خونِ دل سے باغباں نے چوں کہ سینچا تھا چمن
بن کے پیغامِ اجل دل پر لگا اسکے یہ داغ
اس جہانِ رنگ و بو کو چھوڑ کر رخصت ہوا
سوئے جنت خلق سے منھ موڑ کر رخصت ہوا
سونی سونی ہیں بہاریں باغباں جاتا رہا
''کارواں کے سر سے میر کارواں جاتا رہا''
ہو گیا ویران بے شک اہتمامِ دیو بند
کھو دیا قسمت کے ماروں نے امامِ دیو بند
کل تھا جس مسند پہ جلوہ گر امامِ روز گار
آج بیٹھا ہے وہاں پر ایک ناداں کاشتکار
ہے غلامانِ سیاست کا بظاہر اب ہجوم
ان کے آقاؤں کا لیکن ہو گیا دار العلوم
''گر بہ میرد سگ وزیر و موش را دیوا ں کنند
ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند''
اپنے آقاؤ ں کو تم نے دے دیا دار العلوم
کر دیا ملت کے سر ما ئے کا سودا جھوم جھوم
ایسے دیوانے تم آخر کس کی خاطر ہو گئے
بے وفا بت کی محبت میں کیوں اتنے کھو گئے
وہ بیاناتِ عدالت سب کے سب محفوظ ہیں
زینتِ فائل بھی ہیں اور نزدِ رب محفوظ ہیں

مرکز اسلام کے دشمن کیوں آخر ہو گئے
وقف املاکِ مدرسہ کے بھی منکر ہو گئے
مہتمم کی تولیت کا کر گئے انکار صاف
کیوں کہ اس کی ذات سے تم کو تھا بغض واختلاف
مچ گئی ہے اس تمہارے جھوٹ کی دنیا میں دھوم
کہ ''نہیں ہے مذہبِ اسلام کا دار العلوم''
اف سواسو سال کے اسلاف کو جھٹلا دیا
ان کی سچائی کو تم نے آہ کیوں ٹھکرا دیا
کیا بزرگوں نے تمہاری قوم کو دھوکہ دیا
نام لے کر مذہبی تعلیم کا چندہ کیا
گر نہیں ہے مذہب و ملت کا یہ دار العلوم
کیوں مسلمانوں کو دھوکہ دے کے لیتے ہو رقوم
سود ''مسلم فنڈ'' کا بس کافی ہے جینے کے لیے
کافی ہے ''ریلیف'' یہ کھانے اور پینے کے لیے
''ملک و ملت'' کو نچاؤ اور بناؤ بلڈنگیں
دولتوں میں ہیں مریدوں کی بھی کافی وسعتیں
بخش دیتے ان اداروں کو تو بہتر تھا جناب
یاد رکھو آرہا ہے سامنے یومِ حساب
ہاں ! نہیں ہے مذہبی یہ وقف تو پھر کیا ہوا
بھارتی سرکار ہی کا یہ ادارہ ہو گیا
یعنی ''سیکولر'' ہوا اور مِلکِ قومی ہو گیا
سو گیا تیرا مقدر قومِ مسلم سو گیا

اے مسلماں تیرا رہبر ہو گیا ملت فروش
گوشہ تنہائی میں کب تک رہے گا تو خموش
لٹ گیا رہبر کے ہاتھوں پھر نہ آیا تجھ کو ہوش
اب حمیت کی رگوں میں کیوں نہیں آتا ہے جوش
آہ و واویلا، دریغا، حسرتا، وا حسرتا
ملت اسلام کا سرمایہ ہائے لٹ گیا
لٹ گئی ملت کی دولت مرکز دار العلوم
ہو گیا نذر سیاست مرکز دار العلوم
مرکز اسلام اس نے کر دیا نذر صنم
اف ستم اس پر کیا جس نے دیا اس کو جنم
شر اعداء سے بچائے تجھ کو رب، دار العلوم
ہو گیا محروم تو اپنوں سے اب دار العلوم
چل بسا غم خوار تیرا مرکز دار العلوم
عاشق و دلدار تیرا مرکز دار العلوم
اس کی تربت پر ہمیشہ بارش رحمت رہے
تا قیامت قبر اس کی روضۂ جنت رہے
دوستوں پر اس کے یارب سایۂ رحمت رہے
دو جہاں میں چین پائیں دور ہر آفت رہے
یا الٰہی ذریت اسکی سدا پھولے پھلے
قاسمی فیضان قائم ان سے دنیا میں رہے
امت احمد کو یا رب سارے فتنوں سے بچا
کر عطا اس کو ہمیشہ راہ حق کا رہنما
دو جہاں میں غازی یارب اہل حق کے ساتھ ہو
اس کے سر پر تیری رحمت کا ہمیشہ ہاتھ ہو

آہ -! حکیم الاسلام !!

غمِ طیب عالی گوہر

۳ ۰ ۴ ۱ھ

فلک پایہ حکیم الاسلام رخصت شد ❁ غمِ ارتحالِ طیب عالم عالم

۳ ۸ ۹ ۱ء ۳ ۸ ۹ ۱ء

از: نازش القاسمی حیدرآبادی رقلعہ وانمباڑی

آہ! آتا ہے کلیجہ منہ کو ، یہ کہتے ہوئے
ہو چکا ہے حضرتِ مولانا طیب کا وصال
کھو گیا ہے موت کے ہاتھوں کہیں اب کیا ملے
تاجِ ملت کا وہ دُرِّ شاہوارِ بے مثال
آج سالم اور اسلم ہی نہیں ماتم کناں
صدمۂ جانکاہِ طیب سے ہوئی امت نڈھال
چہرۂ گویائی و نطق و تکلم ہے دھواں
اب کہاں سے لائیں الفاظ و معانی کا جمال
وہ شکوہِ وعظ ، وہ صورت حسین و باوقار
چھوٹی چھوٹی بات میں حکمت کے امثال جبال
جس کے اٹھ جانے سے بزمِ شعر و حکمت ہے اداس
اب کہاں وہ ارتقائے فکر ، معراج خیال

اس کے رہنے تک تو کچھ امید بھی تھی صلح کی
آج ہے دار العلومِ دین لا ینحل سوال
ہائے اک دل اور اس پر یورشِ رنج و الم
ضبط کی یہ کیفیت ، رخ پر نہ تھا رنگ ملال
حضرتِ مولانا طیب سے عبارت ہی تو ہے
زہدِ قاسم ، جہد محمود، اور اشرف کا کمال
لکھنے والے آپ بیتی لکھ کے سب کچھ کہہ گئے
کاش لکھتا دستِ طیب بھی کچھ اپنا حال چال
ماتمی چادر میں لپٹا گلشنِ دار العلوم
اپنے مخلص باغباں کا دیکھتا ہے ارتحال
نازشِ اسلام کے مرقد پہ تا یومِ قیام
رات دن بارانِ رحمت ہو خدائے ذوالجلال

آمین!

بیادگار سانحۂ ارتحال شیخ قاری محمد طیب صاحب

مہتمم دارالعلوم دیوبند

از: مولانا محمد اسلم آسیؔ قاسمی پکھتوی مدرس مدرسہ احسن العلوم ڈالٹن گنج پلاموں

پاسبانِ علم دیں دنیا سے کیا جاتا رہا ملت بیضا کا گویا رہنما جاتا رہا
آہ! حکمت کا خزینہ عالمِ دنیاودیں دار فانی چھوڑ کر دار البقا جاتا رہا
قاسم و محمود کا اک یادگارِ بے مثال چھوڑ کر دنیا میں اپنا نقش پا جاتا رہا
قاسم و محمود کے بعد آہ! اے دارالعلوم راہنما جو رہ گیا تھا دوسرا جاتا رہا
آہ! استاذ المکرم اے خطیب بے مثال تو گیا کیا ایک سچا رہنما جاتا رہا
کون دے گا قوم کو اب حکمتِ دیں کا وہ درس موت العالم موت العالم کہ گیا جاتا رہا
تھی ابھی جس کی ضرورت دورِ پرآشوب کو ساری ملت کا وہ صادق رہنما جاتا رہا
اس سفینے کا سہارا صرف اب اللہ ہے چھوڑ کر دریا میں جس کو ناخدا جاتا رہا
غنچۂ و گل مضمحل ہیں دیکھ کر دورِ خزاں گلستاں سے باغبانِ باصفا جاتا رہا
ایک غم شیخ زکریاؒ کا نہ بھولے تھے کہ پھر دوسرا غم طیب نور ھدیٰ جاتا رہا

کیا کہے آسیؔ کہ اب کچھ بھی کہا جاتا نہیں
حال دل جو سننے والا تھا مرا جاتا رہا

❀❀❀

نالۂ غم

از: مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر مرحوم
ایڈیٹر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

کب تلک یہ آہ و زاری کب تلک آہ و فغاں
تیرہ و تا ریک ہے سارا جہاں سارا جہاں
اُوٹ میں کیوں چھپ گیا پیر مغاں پیر مغاں
ہائے یہ ہجر و فراق ،الحفیظ والاماں
طیبِ والا حشم وہ رونقِ بزمِ جہاں
چھوڑکر ہم کو سسکتا عازمِ سوئے جناں
اس کی عادت،اس کی خصلت،اس کا دل،اس کی زباں
کون ہو سکتا ہے اب صاحب قلم جادو بیاں
سونی سونی محفلیں پژمردہ ہے سا را جہاں
کھو گیا نفع و ضرر اور لٹ گیا سو د وزیاں
ان کا در میری جبیں ان کا گھر میرا جہاں
چھوڑ کر بزمِ جہاں وہ جا بسے ہیں اب کہاں
اب وہیں دیدار ہو گا تجھ کو جا نا ہے جہاں
چند گز کا فاصلہ اور چند قدم ہیں در میاں

حاملِ قرآن وسنت چل بسے

از: مولانا عبدالعلام مدرسہ حسینیہ باغ پالو پٹنہ۔۸

وارثِ علمِ نبوت چل بسے حاملِ قرآن و سنت چل بسے
پاک باطن پاک طینت چل بسے حسنِ سیرت، حسن صورت چل بسے
یا دگارِ قاسم الخیرات تھے مخزنِ فہم و فراست چل بسے
دیکھ کر جن کو خدا آتا تھا یاد مظہرِ شانِ ولایت چل بسے
چل بسے ہیں حاملِ سندانِ عشق ساقئ جامِ شریعت چل بسے
دل کشیٔ گلستاں دیکھے کوئی لیکے وہ دامن میں جنت چل بسے
چل بسے غوّاصِ بحرِ معرفت واقفِ سرّ حقیقت چل بسے
عالمِ اسلام کو جن پر تھا ناز وہ سراپا خیر و برکت چل بسے
جن کی خوشبو سے معطر تھی فضا وہ گلِ تقویٰ کی نکہت چل بسے

فیض ہے علاّم جن کا ہر طرف
آج وہ دریائے رحمت چل بسے

مادہائے تاریخِ وفات

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ

از: حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس رومی صاحب / مفتی شہر شاہی جامع مسجد آگرہ

خاتم الاسلاف ''طیب'' وطاب ثراہ

۳ ۸ ۹ ۱ء

''نشان تربت''

۱۴۰۳ھ

''علامہ جہاں جناب قاری محمد طیب طاب ثراہ''

۳ ۰ ۴ ۱ھ

قطعۂ تاریخ وفات

عالی جناب الحاج مولانا قاری **محمد طیب** صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند

از: شہباز امروہوی / محلّہ چاہ غوری، امروہہ

کیوں نہ بے آئین ہو دارالعلوم دیوبند آہ مہتمم کے ساتھ اٹھا اس کا حسن اہتمام آج
کی رقم شہبازِ خستہ قلب نے رحلت کی تاریخ گلشنِ فردوس میں ہے قاری طیب کا مقام آج

۳ ۰ ۴ ۱ھ

قاری طیب تھے جو اک علامۂ عالی مقام ہو گئے دنیا سے مخفی کہہ کے اس کو خیر باد
کی رقم شہباز صدیقی نے تاریخِ رحیل قاری طیب قصر میں جنت کے ہیں اب شاد شاد

۳ ۸ ۹ ۱ء

❁❁❁

مرثیہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

مولانا محمد احسان محسن قاسمی
ناظم اعلیٰ جامعہ قاسم العلوم کٹھیرہ مظفرنگر

شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کرکہاں
ہر سمت ظلمتوں کی گھٹائیں ہیں اب عیاں

اُف آج کتنے سالم واسلم اُداس ہیں
غمگین اہل علم ہیں اعظم اُداس ہیں
سب اہل دیوبند مکرم اُداس ہیں
جن وملک اُداس ہیں آدم اُداس ہیں
آنسو بہارہے ہیں زمین اور آسماں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

اے شیخ آج تم ہی فصیح اللسان تھے
اخلاق کا نمونہ تھے شیریں بیان تھے
تم مشفق وشفیق بڑے مہربان تھے
ہر شخص خاص وعام سبھی قدردان تھے
اب ہند میں نظیر تمہاری بھلا کہاں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

کشتی دیں کا آپؒ کو کیا ناخدا کہیں
ہادی کہیں ہم آپؒ کو یا رہنما کہیں
شمعِ اُمم کہیں یا امام ہدیٰ کہیں
محسن کہیں کریم کہیں پیشوا کہیں
ہر غنچۂ چمن ہے تمہارا ہی مدح خواں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

تم قاسم العلوم کے اک نورِعین تھے
اشرف علی کے قلب مبارک کے چین تھے
تم ہی تو ایک نورِ نگاہ حسین تھے
اک صف میں عالموں کی تمھیں بین بین تھے
تھا ناز بزرگوں کو تمھیں پر تو بے گماں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

ہے مضمحل ہمارا یہ دارالعلوم آج
مثلِ سا ہے بے چارہ یہ دارالعلوم آج
ہے منتظر تمہارا یہ دارالعلوم آج
روشن کرو خدا را یہ دارالعلوم آج
غنچے ہیں خونفشاں لب گل پر بھی ہے فغاں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

جب آپ تھے چمن میں چمن پرُشباب تھا
بے مثل بے نظیر بڑا لاجواب تھا

گلشن میں رنگ ونور بہت بے حساب تھا
خوش رنگ باغِ علم کا تجھ سے تھا باغباں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

کیوں مے کدہ میں آج وہ محفل سجی نہیں
رِندوں کی دھوم دھام بھلا کیوں مچی نہیں
کیا مئے تری صراحی میں ساقی بچی نہیں
یا مئے شرابیوں کے دلوں میں رچی نہیں
سب کچھ وہی ہے آج وہ ساقی نہیں یہاں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

اے شیخ آج کذب وسیاست کا دور ہے
کینہ حسد کا بغض وعداوت کا دور ہے
فتنوں فریب ومکر و بغاوت کا دور ہے
انسانیت کی آج اہانت کا دور ہے
برق تپاں کی زد میں ہے آج اپنا گلستاں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

طیب کا کاش آج چمن میں ظہور ہو
ورنہ بمثل شیخ کوئی ذی شعور ہو
پھر سے عطا چمن کو وہی رنگ ونور ہو
یہ التجا قبول خدایا ضرور ہو

دست دُعاء اٹھاتا ہوں اے مالک جہاں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

محسن کی یہ دعاء ہے الٰہی خبیر سے
جو بھی مری زباں پہ ہو نکلے ضمیر سے
عقبیٰ میں یہ قریب ہو شیخ کبیر سے
پھر حضرت رسول کہیں مجھ حقیر سے
خدام شیخ ہم ہیں تمہارے ہی قدرداں
شیخ زمن چلے ہو ہمیں چھوڑ کر کہاں

غیر ملکی
تعزیتی
خطوط

صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق

حضرت قاری محمد طیب صاحب کی وفات کی خبر سے مجھے گہرا صدمہ پہنچا انا للہ وانا الیہ راجعون، ہم مرحوم کو ان کی اسلامی خدمات اور قرآن وحدیث وفقہ کی اشاعت ان کی تصنیفات وتقاریر کی بنیاد پر بھلا نہیں سکتے۔

دارالعلوم دیوبند کا طویل ترین دور اہتمام اس بات کی روشن دلیل ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی اسلام کے لیے وقف کر دی تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مخدومی المحترم حضرت مولانا قاری محمد سالم صاحب......زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مختلف ذرائع ابلاغ سے حکیم الاسلام حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سانحہ ارتحال کی خبر بندہ وسارے متعلقین واحباب کے لئے بے پناہ رنج والم کا باعث بنا ،موجودہ دور میں حضرت قاری صاحب مرحوم جیسی علمی، مذہبی اور روحانی شخصیت کا بدل ملنا بالکل ناممکنات میں سے ہی ہے، حضرت مرحوم بندہ ودارالعلوم حقانیہ کے ساتھ خصوصی شفقت ومحبت کا اظہار فرمایا کرتے تھے، رہتی دنیا تک ان کی مذہبی وعلمی خدمات ایک ناقابل فراموش شاہکار کی حیثیت سے انشاء اللہ قائم ودائم رہیں گے، یہ صرف آں محترم اور آپ کے خاندان کے لئے صدمہ نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کے جملہ متعلقین اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تمام متوسلین بھی آپ کے ساتھ اکابرین دیوبند کی اس عظیم آخری نشانی کے فراق پر شریک تعزیت وغم ہیں اور یہاں دارالعلوم حقانیہ ودیگر ملحقہ مدارس واجتماعات میں حضرت برّد اللہ مضجعہٗ کی رفع درجات کے لئے دعوات وختم قرآن کا اہتمام کیا جارہا ہے، رب العزت حضرتؒ کو جنت الفردوس کے مراتب عالیہ پر فائز فرما کر ان کے انوار وبرکات آپ کے سارے اہل خاندان وتمام متوسلین وہم

حقیروں پر جاری وساری رکھے برخوردارم سمیع الحق، برخوردارم انوارالحق ودارالعلوم کے سارے منتظمین ومدرسین دل کی گہرائیوں سے تعزیت پیش کرتے ہیں۔

برادران واہل خاندان کی خدمت میں سلام تعزیت ایک بار پھر عرض ہے۔

والسلام

بندہ عبدالحق غفرلہ

مہتمم مدرسہ دارالعلوم حقانیہ

(آکوڑہ خٹک پاکستان)

۱۸/ جولائی ۱۹۸۳ء

مخدوم ومطاع مکرم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مداللہ ظلکم العالی بالصحۃ والعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ جل شانہ آپ کا حامی وناصر ہو، اپنی رحمتیں آپ پر نازل فرمائے، صبرِ جمیل کی دولت سے نوازے اور ہر پریشانی سے محفوظ ومامون رکھے، آمین ثم آمین۔

کل شام اس حادثۂ فاجعہ کی خبر الم انگیز ملی جس نے جملہ متعلقین کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا، افسوس کہ قافلۂ علماء وسابقین کا آخری فردِ فرید، ستاروں کے جُھرمٹ کا آخری روشن ستارہ، آفتاب علم وعمل، ماہتاب رشد وہدایت، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ہم سے جدا ہوکر اپنے پروردگار سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین ہے مگر زبان سے ہم یہی کہتے ہیں، انا لله وانا اليه راجعون۔

وہاں کیا عالم ہوگا؟ یہ سوچ کر ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا ہے، یہاں ایک ایک فرد کا حال عجیب ہے، غم واندوہ کی گھٹا چھائی ہوئی ہے، دل ٹوٹے ہوئے ہیں، ہر شخص خاموش حسرت وافسوس کی تصویر بنا پھر رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد عبیداللہ صاحب مدظلہم کا حال بھی عجیب ہے، ان پر یہ خبر بجلی

بن کر گری کمرے میں تنہا روتے رہے، کل سے کھانا پینا چھوٹا ہوا ہے، رات بھر جاگتے اور باہر ٹہلتے رہے، لیکن کیا کیا جا سکتا ہے، اللہ جل شانہٗ جملہ متعلقین کو عموماً اور آپ کو خصوصاً صبر جمیل مرحمت فرمائے، اللھم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعدہٗ۔ آمین۔

احقر اس حادثہ فاجعہ پر آپ جیسے بزرگ عالی مرتبت کو کیا کلماتِ تسلّی تحریر کر سکتا ہے مگر بسا اوقات ایک بدّو کی بات بھی کام کر جاتی ہے اس لئے ہمت کر کے اتنا عرض ہے کہ ؎

اصبر نكن بك صابرين فانما
صبرُ الرّعية بعد صبر الرئيس

جامعہ اشرفیہ کے تمام اساتذہ، آپ کی خدمت میں اس عریضہ کی معرفت سلام عرض کرتے ہیں اور کلماتِ تعزیت پیش کرتے ہیں۔

والسلام
احقر محمود اشرف عفی عنہ
خادم جامعہ اشرفیہ لاہور

کل من علیھا فان ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والاکرام

بخدمت جناب حضرۃ الشیخ السید مولانا محمد سالم قاسمی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرۃ والا اقدس رحمہ اللہ کی وفات کی خبر پر ہم سب کو سخت صدمہ ہوا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

موت العالم موت العالم کا صحیح معنی آج پتہ چلا کیوں کہ حضرت الاقدس کا بدل اب کہاں مل سکے گا، ہم نے پہلے روز ہی اپنی مرکزی مسجد میں تعزیتی جلسہ کیا، حضرت الاقدس کو خراج عقیدت پیش کیا، خوب دعائیں کیں ہماری دلی دعاء ہے کہ اللہ تبارک

وتعالیٰ حضرت الاقدس کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، آپ تمام اعزہ اقارب اور سب مسلمانوں کو صبر جمیل دے آمین ثم آمین۔

فقط

خادم محمد عبداللہ

برادرِ مکرم و محترم.............................سلام مسنون از قلب محزون

الفاظ نہیں مل رہے کہ اپنے سوز و دروں اور رنج و ملال کا اظہار کروں، بس یوں سمجھئے کہ والد صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی کا زخم تازہ ہو گیا اور ان کی وفات کا حادثہ دوبارہ زندہ ہو کر ہم سب کی روحوں کو مجروح کر گیا، اتوار کے دن یہاں سعدی سلمہ نے عصر کے بعد دہلی کے حوالہ سے یہ انتہائی المناک خبر سنائی کہ ہم سب کے بزرگ و سرپرست اور انتہائی محبوب و شفیق ہستی کے سایہ عاطفت سے ہم لوگ اہل خاندان ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ محروم ہو گئی، فوراً تمام اہل تعلق کو خبر کی گئی، بعد مغرب جس کسی نے بھی سنا فوراً حاضری حرم کیلئے دوڑ پڑا کہ کعبۂ معظمہ کے سامنے تلاوت، طواف اور ایصال ثواب کی سعادت حاصل کرے کہ رب العالمین اس عظیم الشان خسارہ اور فاجعۂ الیمہ پر امت محمدیہ کو نعم البدل عطا فرمائے، فوراً جدہ، مدینہ منورہ اور طائف بھی فون سے مطلع کیا گیا، دوسرے دن تمام مقامات سے بے انتہا ٹیلیفون دفتر میں آتے رہے اور ہر شخص یہی سننے کو بے قرار نظر آتا کہ خدا کرے یہ خبر غلط ہو، حضرۃ العلامۃ بقیۃ السلف مرجع خلائق مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ تو در حقیقت پوری امت کے متاع مشترکہ تھے، لاکھوں انسانوں کے قلوب ان سے جس طرح وابستہ تھے اس کی مثال نہیں ملتی، حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بعد بلاشبہ امت مسلمہ کے لئے یہ سب سے بڑا حادثہ ہے، دل ابھی تک والد صاحبؒ اور حضرت شیخؒ کے حادثہ ہائے جدائی ہی سے جانبر نہ ہوا تھا کہ یہ تیسرا صدمہ سب کو نیم جاں کر گیا،

بہر حال ذات باری تعالیٰ سے صبر وسکون کی اپنے لئے بھی اور آپ سب کے لئے بھی دعاء ہے، ان کا مقام تو انشاء اللہ رب العلمین کے ہاں محفوظ ہے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر اپنی راحت وآرام قربان کر کے لاکھوں انسانوں کو دین کی طرف بلانا، ہدایت کا پیغام دینا اور اسکے لئے اپنی جان ناتواں پر سب کچھ جھیلنا اور پورے ۵۵ سال دارالعلوم کی خدمت میں جان کھپانا اور بہت کچھ برداشت کرنا یہ کوئی معمولی مقام ہے، یہ کوئی آسان بات ہے، چند الفاظ میں اس کو لکھ دینا ہرگز ان کا حق ادا نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ ایک ہفتہ گذر جانے پر بھی بے انتہا لوگ حضرتؒ کی طرف سے طواف عمرہ اور ختم قرآن میں مشغول ہیں۔

جمعرات کے دن مدرسہ صولتیہ میں بھی عمومی تقریب ہوئی جس میں طلبہ ومدرسین اور اہل تعلق نے بڑی تعداد میں شرکت کی، عربی اور اردو میں حضرتؒ کی حیات طیبہ پر روشنی ڈالی گئی اور تقریباً تین گھنٹہ تلاوت قرآن پاک اور سورۂ یاسین، اس کے بعد بہت ہی جامع اور رقت انگیز دعاء پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی، اللہ تعالیٰ حضرت قبلہ رحمہ اللہ کی روح پاک کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے اور آپ سب کو ہم سب کو ان مسلسل حوادث الیمہ پر صبر وسکون اور راضی برضا رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جذبات کے سمندر اور طوفان پر بندھ باندھنا کس قدر دشوار ہے یہ خط لکھتے ہوئے کتنی بار قلم رکھ کر طبیعت کو روکا ہے اور آنسو خشک کئے ہیں، ایک ایک بات یاد آرہی ہے، خاص طور پر آخری بار حج میں ان کی زیر سرپستی اور معیت میں مدرسہ میں طویل قیام اور آپ سب کا یہ مبارک سفر جس میں ہم سب پر ان کی پدرانہ وبزرگانہ عنایتیں اور محبتیں، بھائی سالم یہ خط نام تو آپ کے ہے مگر براہ کرم سب ہی اعزہ کو اور خاص طور پر غازی صاحب، بھائی اسلم واعظم اور تمام ہمشیرگان اس میں مخاطب ہیں، اور سب ہی اہل صولتیہ آپ سب کے شریک غم والم ہیں۔

ہر سال ماہ رمضان ہی کے انتظار اور خیال شروع ہو جاتا تھا کہ کب حضرت قبلہؒ کی

تشریف آوری کی پر مسرت اطلاع ملتی ہے، مگر ہائے افسوس کہ اب یہ سب خواب وخیال ہو کر رہ گئیں، انسان کس قدر غافل اور بے بس ہے کہ جو قلم ان کی اطلاع تشریف آوری معلوم کرنے کے لئے حرکت میں آیا کرتا تھا آج وہی قلم مضمون تعزیت لکھ رہا ہے اور سینکڑوں رنجیدہ دلوں کے جذبات غم والم کا ترجمان بن رہا ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی حمایت وحفاظت میں رکھے، ان کی روحانی برکتیں اور دعائیں سب شامل حال رہیں

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ، ولاحول ولاقوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین .

شریک غم سب کی طرف سے
محمد مسعود شمیم عفی عنہ
(مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ)

مخدومی معظمی برادرِ اقدس زید مجکم السامی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج کے اخبارات سے یہ المناک اطلاع ملی کہ قبلہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب ہم میں موجود نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس اندوہناک خبر سے جو دلی رنج وصدمہ ہوا ہے ہم اسے تحریر نہیں کر سکتے، آپ حضرات تو حضرت قاری صاحبؒ کی حقیقی اولاد ہیں جب ہمیں اتنا رنج وصدمہ ہے تو آپ حضرات پر جو گذر رہی ہوگی ہم سب اس سے بخوبی واقف ہے، دیگر یہ کہ ہم بھی ایسے صدمہ سے دوچار ہو چکے ہیں، والدِ محترم جیسی نعمت عظمیٰ جس کا بدل دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے اور پھر ایسی عظیم شخصیت جس پر عالم اسلام فخر کرے ایسی مقتدر ہستی جس پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے، ہماری آپ کی منزل تو دراصل وہی ہے ایسے کڑے وقت میں صبر اور رضا کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ تو دنیا کی الجھنیں اور مصائب سے نجات پا کر مقام اعلیٰ

میں پہونچ گئے، ہمیں رنج اس بات کا نہیں کہ حضرت قاری صاحبؒ کا انتقال ہوگیا ہم مسلمان ہیں ہمارا ایمان ہے کہ موت برحق ہے اور وقتِ مقررہ پر ضرور آتی ہے، تقدیم وتاخیر کا شائبہ بھی نہیں ہے، ہمیں غم یہ ہے کہ اب ہم اس عظیم شخصیت کی زیارت اور شرف باریابی سے محروم ہوگئے، تازندگی اب ہم حضرت قاری صاحبؒ سے نہ مل سکیں گے، یہ امر بھی مسلم ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کی تمام عمر دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ میں گذری ہے خداوند قدوس کے دربار میں ایک یہی سبب باعث مغفرت ہے، پھر اولاد صالح چھوڑ جانا لاکھوں شاگرد چھوڑ جانا، مدرسہ، دینی ادارہ صدقہ جاریہ چھوڑ جانا یہ سب چیزیں نجات ومغفرت کے لئے کافی ہیں، ہم دست بدعاء ہیں کہ حضرت قاری صاحبؒ کو رب کریم اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور مغفرت تامہ سے سرفراز فرمائے (آمین)

ہم تینوں بھائیوں کی جانب سے دیگر بہن بھائیوں کی خدمت میں ہدیۂ سلام کے بعد دلی تعزیت پیش ہے، حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے دیگر متعلق ومتوسلین کی خدمت میں مضمون واحد ہے۔

فقط آپ کے غم میں برابر کے شریک۔

صاحبزادگان حضرت مولانا محمد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

بانی وسرپرست مدرسہ اشرفیہ والس روڈ، سکھر

مولانا محمد اسعد تھانوی مہتمم مدرسہ اشرفیہ سکھر سندھ وممبر مجلس عاملہ وفاق المدارس

پاکستان وناظم سواد اعظم اہل سنت پاکستان

مولانا محمد امجد تھانوی خطیب جامع مسجد عظمیٰ کے ڈی اے اسکیم اکراچی

محمد شاہد تھانوی استاذ مدرسہ اشرفیہ سکھر

سی ۱/۳/۷ ۴ کوئنس روڈ سکھر سندھ

۷ شوال ۱۴۰۳ھ - ۱۸ جولائی ۱۹۸۳ء بروز پیر

مخدومی معظمی برادر اقدس قابل صد احترام واجب العزو الاکرام زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج اخبار سے یہ خبر ملی کہ قبلہ وکعبہ حضرت قاری طیب نور اللہ مرقدہ وبرد اللہ مضجعہ ہم سے جدا ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون اس خبر کو پڑھ کر جو صدمہ ہوا وہ قابل تحریر نہیں ہے ہم تو صرف روحانی تعلق کی وجہ سے اس قدر رنجیدہ ہیں آنحضرت کا کیا حال ہوا ہو گا میں بخوبی واقف ہوں کیونکہ میں بھی اس صدمہ کے پہاڑ نیچے سے گذر چکا ہوں مجھے پورا احساس ہے کہ باپ جیسی عظیم شخصیت کا اور مشفق ہستی جس کا بدل پوری دنیاں میں نہیں ہے جدا ہو جانا ایک عظیم المیہ ہے اور پھر ایسا جسپر عالم اسلام کو فخر ہو ایسی عظیم ہستی جس کے جدا ہونے سے صرف حقیقی اولاد ہی نہیں بلکہ دنیاں کے گوشہ گوشہ کا مسلمان اپنے آپ کو یتیم محسوس کرر ہا ہو۔

حضرت قاریؒ نے ۱۹۶۲ میں میرے والد مرحوم مولانا محمد احمد تھانویؒ کی دعوت پر سکھر تشریف لا کر مدرسہ اشرفیہ کا سنگ بنیاد رکھا جس میں آنحضرت بھی تشریف لائے تھے گرچہ اس وقت میں کم عمر تھا صرف حفظ قرآن کریم کی دولت لازوال سے مشرف ہوا تھا لیکن آنجناب کی شکل آفتاب ذہن نشیں ہے وقتاً فوقتاً حضرت اقدسؒ سے ملک کے مختلف علاقوں میں شرف ملاقات وزیارت کرتا رہا، حضرت اقدسؒ کا ہم تینوں بھائیوں سے ہمارے مرحوم والد صاحبؒ کی وجہ سے جو محبت اور تعلق رہا ہے اسے ہم فراموش نہیں کر سکتے۔

ہماری آپ کی سب کی اصل منزل تو وہی ہے، لازمی بات ہے کہ جس شخص نے تمام عمر دین حنیف کی خدمت میں گذاری وہ تو یقیناً اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہو گا اور جنت کے اعلی مدارج میں ہو گا، ہمیں صدمہ اس بات کا ہے کہ اب ہم اس عظیم شخصیت کو تا زندگی نہ دیکھ سکیں گے، اب ہم حضرت والاؒ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکیں گے نہ ان کی ایمان افروز باتیں سن سکیں گے۔

احقر آں معظم سے عمر میں، مرتبہ میں ہر طرح سے چھوٹا ہے صبر کی تلقین کیا کر سکتا ہے؟ کیا تعزیت کر سکتا ہے، احقر کو صرف وہی تعزیت یاد آرہی ہے جو ایک اعرابی نے سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کے والد محترم سیدنا مولانا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر کی تھی، مزید یہ کہ راضی برضا ہمارا ایمان ہے اللہ کی مشیت میں ہمارا کیا دخل؟۔

احقر برادران معظم واقدس، مولانا محمد اسعد تھانوی ومولانا محمد امجد تھانوی مدظلہما العالی بھی اس رنج وغم میں برابر کے شریک ہیں اور دلی طور پر تعزیت فرمارہے ہیں، احقر کی جانب سے دیگر بہن بھائیوں کی خدمت میں سلام پیش ہے اور تعزیت پیش خدمت ہے، دیگر حضرت اقدسؒ کے متعلقین ومتوسلین کے لئے بھی مضمون واحد ہے۔

خادمِ علماء

احقر محمد شاہد تھانوی

مدرسہ اشرفیہ، والس روڈ، سکھر سندھ

گرامی قدر مخدوم العلماء حضرت العلام جناب

صاحبزادہ مولانا محمد سالم صاحب زید معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج تین بجے دن ریڈیو پاکستان سے یہ خبر جانکاہ سنتے ہی ایک سناٹا چھا گیا تمام خوشیاں غم سے بدل گئیں یوں لگتا ہے کہ پورے عالم اسلام میں صف ماتم بچھ گئی کہ عالم اسلام کی عظیم شخصیت حضرت نانوتوی کے علوم کے امین ہماری امیدوں کے آخری سہارا ہمارے روحانی والد گرامی داعی اجل کو لبیک کہتے ہوئے عالم جاودانی کو رحلت فرما کر ہمیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یتیم کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میرے محترم ہمارے پاس تعزیت کے لئے وہ الفاظ نہیں جو اس حواس باختگی کی

کیفیت میں ضبط تحریر میں لا کر پیش کئے جائیں بے شک آپ ایک عظیم نعمت سے محروم ہوئے مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس یتیمی کے صدمے سے صرف آپ ہی دوچار نہیں ہوئے بلکہ پوری دنیا اسلام اور میں تو یوں سمجھا کہ بس میرے والد ماجد کا آج ہی انتقال ہوا۔

مدرسہ کے طلبہ چھٹی پر تھے احباب و متعلقین ختم قرآن فاتحہ دعائے مغفرت ایصال ثواب میں مصروف ہیں ادارہ کی طرف سے پیغام تعزیت پیش کر کے غمگساروں میں شمولیت کر رہا ہوں، دعاء ہے کہ رب ذوالجلال حضرت مرحوم کو کروٹ کروٹ راحت بخشے، آپ کو مع دیگر پسماندگان صبر جمیل سے نوازے، آمین ثم آمین

العارض

شفیق الرحمٰن

مہتمم مدرسہ انوارالاسلام ایبٹ آباد ہزارہ پاکستان

موت العالِم موت العالَم

تین بجے بعد از دوپہر ریڈیو پاکستان کی زبانی حادثۂ فاجعہ یعنی وفات حسرت آیات امام المتکلمین آیۃ من آیات اللہ رب العلمین بقیۃ السلف حجۃ الخلف امام طریقت برہان ولایت مہتمم و مدیر دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا و مخدومنا قاری محمد طیب صاحب طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کی خبر سن کر پورے برصغیر، پاک وہند میں ایسا دھما کہ ہوا جس نے عالم اسلام کے قلوب کو مجروح کر دیا، قاری صاحب قدس سرہ العزیز اپنے وقت کے قطب الارشاد اور رحائے اسلام کے محور تھے آپ کی وفات سے عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا جس پر جتنا روئیں کم ہے ہم اہلیان سرحد اور ہزاروں خصوصاً ایبٹ آباد اور اراکین مدرسہ سراج العلوم دہمتوڑ اس صدمے میں اہل دیوبند خصوصاً اخلاف کرام حضرت مولانا محمد اسلم و قاری محمد سالم اور دوسرے بھائی بہنوں کے

ساتھ برابر کے شریک ہیں، رب تعالیٰ آپ کی قبر مبارک کو نور سے بھردے۔

اللھم جازہ عنا وعن جمیع امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

فقط والسلام

دعاگو ودعا جو

محمد ایوب قاسمی

از پاکستان سرحد ہزارہ ایبٹ آباد ڈویژن

مدرسہ سراج العلوم دہمتوڑ مری روڈ

ماكان طيب هلكهٗ هلك واحد

ولكنهٗ بنيان علم لتهدما

مخدوم زادگان مولانا محمد سالم صاحب ومولانا محمد اسلم صاحب دام مجدکم

حضرت قاری صاحب نوراللہ مرقدہ کی وفات کی خبر دل پر بجلی بن کر گرگئی

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھودئے

پیدا کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کر

حضرت مرحوم ومغفور آپ کے والد ہونے کے ناطے ظل رحمانی تھے لیکن برادری کے روحانی باپ تھے، ان کی جدائی سے نہ صرف آپ کو داغ یتیمی ملا بلکہ پوری دیو بندی برادری یتیم ہوگئی، ان کی وفات مسلک دیو بند کے لئے ایک سانحہ عظیمہ ہے، آج ہر آنکھ ان کی جدائی میں اشکبار ہے، اسلام، قوم اور مسلک دیو بند کے لئے ان کی بے لوث خدمات ناقابل فراموش ہیں، دیو بند کی تعمیر وترقی کے لئے نصف صدی کی تگ ودو اور بڑھاپے کی عمر میں ان کی تحریک نہ صرف آنے والی نسلوں کیلئے قابل تقلید نمونہ رہے گی، بلکہ رہتی دنیا تک زبان زد خاص وعام رہے گی، خداوند کریم نے تحریر وتقریر کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا وہ بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتا ہے، وہ یقیناً اپنے وقت

کے خطابت کے شہنشاہ تھے، سچ تو یہ ہے کہ ان کی جدائی سے دیوبندی مکتب فکر ایک عظیم مفکر محدث، قائد اور معتمد کل مصلح سے محروم ہوگیا، ان کی جدائی سے پیدا ہونے والے صدمہ کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، اور ان کے ہر پسماندہ کو یہ عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

فقط والسلام

شیخ الحدیث علامہ محمد ایوب بنوری غفرلہ

مہتمم دارالعلوم سرحد پشاور ۲۴/ جولائی ۱۹۸۳ء

موت العالم موت العالم

محترم المقام جناب مولانا محمد سالم صاحب و مولانا محمد اسلم صاحب سلمہٗ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اچانک محترم المقام جناب قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ سرہٗ کی وفات کی خبر سن کر دلی طور پر صدمہ ہوا (انا للہ وانا الیہ راجعون)

قاری صاحب مرحوم کی عظیم دینی سعی اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند کی نصف صدی سے زائد خدمات اور آخری عمر تک تصنیفی و تبلغی و تالیفی مصروفیات ناقابل فراموش ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی قبر کو باغ جنت بنائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے اور بہتر نعم البدل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

اللہم اغفر وارحمہ

مہتمم مدرسہ مخزن العلوم والفیوض عیدگاہ خانپور، ضلع رحیم یار خان پاکستان

ضیا جیولری ہاؤس، صرافہ بازار، راولپنڈی 17-7-83

اخی محترم زید مجدکم.................. السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اندوہناک خبر سنی، یقین نہ آیا، پھر اخبار میں پڑھی (اناللہ وانا الیہ راجعون) پڑھنے کے سوا چارہ بھی کیا تھا، کیا خبر تھی کہ دہلی میں ہماری یہ آخری ملاقات ہوگی اور آئندہ نگاہیں ڈھونڈتی ہی رہیں گی، اہلیہ کو بھی بے حد صدمہ ہے، الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں آپ کو سب کو صبر جمیل دے آمین۔

خبر ہوتی کہ اتنی جلدی بچھڑ جائیں گے تو میں ہرگز نہ آتا، حضرتؒ سے اجازت مانگی اور آپ نے بڑی شفقت اور دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا، میں اس وقت اپنے چھوٹے بھائی کے پاس راولپنڈی میں ہوں، اسے بھی بہت صدمہ ہے، اول تو خبر دیر میں ہوئی وقت پر بھی ہو جاتی تو دور اس قدر رہوں کہ پہنچ نہیں سکتا تھا۔

صبر کے سوا چارہ کار نہ تھا، آپ کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں بھائی اسلم اعظم اور سب اہل خانہ سے سلام کہہ دیں اور تعزیت کر دیں۔

یہاں علما نے اور عامۃ المسلمین نے بہت غم کے ساتھ یہ خبر سنی اور پڑھی، اخبارات نے اداریہ لکھے، جنرل ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے تعزیتی پیغام بھی بھیجا ہے، ملا ہوگا، انتقال کس وقت ہوا؟ تنفس کا دورہ پڑا یا کوئی اور تکلیف ہوئی؟ نماز جنازہ کہاں ہوئی؟ دشمنوں نے تو چراغاں کیا ہوگا؟ ہم نے یہاں ختم قرآن کر کے ایصال ثواب کیا، بھائی سلام عرض کرتا ہے اور اہلیہ بھی سب کو سلام کہتی ہیں۔

میں ۴/ اگست کو کراچی جاؤں گا اور دس پندرہ دن رہ کر انڈیا واپس پہنچوں گا، انشاء اللہ۔

غمگین

محمد ضیاء الحق دہلوی از راولپنڈی 7-18

حضرت مخدوم ومطاع واجب الاقتداء والاتباع جناب صاحب زادہ محترم مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم ، برکاتہم العالیہ وجملہ برادران صاحبان دامت فیوضکم وپرسان حال!

سلام مسنون عقیدت قرون!

آج ریڈیو پاکستان سے اعلان ہوا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا الحاج القاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ داعی حقیقی کو لبیک فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

سلسلۂ اشرفیہ کا نمونہ اللہ تعالیٰ کو پیارا ہوا، اللہ تعالیٰ ہمیں صبر جمیل عطا فرمائیں اور حضرت والا کو نعم البدل ہمارے واسطے بنا کر مقبول فرمائیں۔

فقط والسلام

سرفراز احمد تھانوی از راولپنڈی پاکستان ۷/شوال ۱۴۰۳ھ

مخدوم ومکرم استادگرامی اعظم اللہ اجرکم واحسن عزاءکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی خیریت کا علم تو مختلف ذرائع سے ہوتا رہا کل اچانک بمبئی کے اخبار ''انقلاب،، میں حضرت کے وصال کی خبر پڑھ کر ایک دم سکتہ سا طاری ہو گیا ابتک یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا کہ حضرت والاؒ ہم لوگوں سے جدا ہو گئے ہر دن کسی نہ کسی بہانے ان کے کمالات ، پاک طینی ،اور تقوی وطہارت کا ذکر کسی نہ کسی عنوان سے ہوتا ہی رہتا تھا شیخ یوسف رفاعی اور بعض دوسرے چاہنے والے برابر ان کی صحت اور وہاں کے واقعات وحالات کے بارے میں فکرمند رہتے تھے سب کے لئے یہ خبر اندوہناک ثابت ہوئی خدا ان کے درجات بلند کرے اور جس طرح ان کو صدمات سہنے پڑے ہیں ان کا بہترین اجر عطاء فرمائے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ ان کا وجود اس بات کی علامت سی بن گئی تھی کہ بزرگان

دیوبند، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود حسنؒ، مولانا انور شاہؒ، حضرت تھانویؒ کے اوصاف کا حامل ایک فرد کم از کم ہم میں موجود ہے اور خدا نے ان کو جو قبائے اہتمام پہنائی تھی وہ انہیں کے قامت موزوں پر راست تھی، بد بختوں نے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے احوال ان کے لئے پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن ہر طرح کی معاندانہ مہم کے باوجود ان کی عظمت کا سکہ لوگوں کے قلوب پر اور قائم ہی ہوتا گیا، اور ان کے کردار کی شفافیت اور نکھرتی ہی گئی، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہی امید ہے کہ ان کا حشر صدیقین وصالحین کے صف میں ہوگا، برادرم سفیان اور گھر کے دوسرے لوگوں سے سلام عرض ہے اور تعزیت کا مضمون بھی، محض اپنی یادداشت سے ان کی زندگی اور کارناموں کے بارے میں ایک قدرے مفصل مضمون لکھ کر اشاعت کے لئے دیدیا ہے۔

آہ! عظمت کا ایک مینار تھا جو منہدم ہو گیا، ایک چلتی پھرتی تاریخ تھی جو ختم ہوگئی فانا للہ وانا الیہ راجعون

دیوبند کے بعض دوسرے فضلا بھی اس تعزیت اور غم میں آپ کے ساتھ برابر شریک ہیں۔

محتاج دعا بدر الحسن القاسمی کویت

محترم المقام جناب خالو میاں .... زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن لفظوں میں وہ بات کہوں جس کیلئے یہ خط لکھ رہا ہوں، حضرت قبلہ کا حادثۂ وفات ایسی چیز ہے جو ہونی ہی تھی، مگر اس کے باوجود نہ اس کے لئے طبیعت آمادہ تھی اور نہ اب اس کے بارے میں کچھ سننے اور قبول کرنے کے لئے تیار ہیں، بس ایسا لگتا ہے کہ سر کا ایک تاج تھا جو اتر گیا، دل کی ایک ڈھارس تھی جس سے محروم ہو گئے، جماعت اور قوم کی ایک آبرو تھی جو ختم ہوگئی، برصغیر کا ایک چشمۂ فیض تھا جو خشک ہو گیا، آخر یہ سب کچھ کس طرح برداشت ہو؟

وہاں دیوبند میں اور گھر والوں پر آخر کیا گذری ہوگی، اور کس طرح علم ومعرفت کے ایک عظیم خزانہ کو اپنے ہاتھوں سپرد خاک کیا ہوگا۔

ہم نے بیشک علم واخلاق کے اس آب شیریں سے اپنی پیاس نہیں بجھائی، ہمیشہ کوتاہی کرتے رہے مگر یہ اطمینان تھا کہ جب بھی پریشان ہوں گے، سیرابی کا انتظام ہوجائے گا، مگر اب کیا سوچیں؟

اللہ غریق رحمت کرے جن کے لئے بلا اختیار زبان وقلم سے مدظلہ کا لفظ نکلتا تھا، آج بھی وہی بے اختیاری اسی لفظ کو اگلوانا چاہتی ہے مگر اختیار کے آگے بے اختیاری کی نہیں چلتی اور اچھا لفظ ہونے کے باوجود طبیعت اسی دوسرے لفظ کے لکھنے اور بولنے پر جبر سا محسوس کرتی ہے کہ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

آہ! ثم آہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کن لفظوں میں آپ سے، بھائی اسلم اور بھائی اعظم اور خالہ جان وغیرہ سے اظہار تعزیت کروں اور خالہ ہاجرہ کو کس لفظ سے خطاب کروں، اور کیا کہوں، یہاں شکاگو میں سائرہ بہن کے پاس تعزیت کے لئے گیا ضرور، مگر خاموش بیٹھ کر آگیا۔

خالو میاں، بھائی اسلم، بھائی اعظم، خالہ ہاجرہ اور خالہ جان، محترم جناب غازی صاحب، آپ سب سے گذارش ہے کہ مجھے کچھ نہ کہنے میں معذور سمجھیں، اور کچھ نہ کہہ سکنے کو ہی میری طرف سے بطور تعزیت کے قبول فرمالیں، آخر میں سب ہی کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔

اسی نامسعود اطلاع کے بعد والد صاحب مدظلہ کا دل یہاں رکنے کے لئے آمادہ نہیں ہورہا ہے، طبیعت اُچاٹ ہوگئی ہے، مگر ہم لوگ روکے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے حضرت کو وہاں کا اتنا سکھ دے جتنا کہ اس نے محبوب بندوں کے لئے خاص کر رکھا ہے، آمین!!

والسلام

عبداللہ سلیم، ۲۰ر جولائی ۸۳ء (از شکاگو)

بخدمت جناب بھائی میاں.........دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون، جناب بھائی میاں، ہمارا مدرسہ ۱۲رشوال بروز سنیچر کو کھلا، میں ۱۲رشوال کو مدرسہ میں حاضر ہوا۔

جناب مولانا اکبر علی صاحب (مہتمم مدرسہ قاسم العلوم درگاہ حضرت شاہ جلال سلہٹ بنگلہ دیش) نے فرمایا کہ دیوبند کی کوئی خبر آپ کے پاس ہے، میں نے عرض کیا، کیا بات ہے مولانا نے فرمایا کہ دہلی سے حضرت سیدی شیخی حکیم الاسلام مہتمم مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی وفات کی خبر میرے پاس آئی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا، ہم سب پریشان ہیں، اگر تکلیف نہ ہوتو مہربانی فرما کر تفصیلات واقعہ تحریر فرمائیں گے، ہم سب خیریت سے ہیں آپ حضرات کی خیریت عند اللہ طالب ہوں۔

فقط والسلام

محمد عبدالرحیم قاسمی مدرس مدرسہ قاسم العلوم درگاہ

حضرت شاہ جلال سلہٹ بنگلہ دیش ۱۳رشوال

بخدمت حضرت مخدوم ومکرم مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حکیم الاسلام یادگار اکابر، قدوۃ الصلحاء، راس الاتقیاء، پاسبان سنت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی وفات حسرت آیات میرے اور جمعیۃ علماء برطانیہ کے تمام ممبران وذمہ داران کے لئے امت کا عظیم حادثہ ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت کی وفات کی خبر سن کر پورے برطانیہ میں صف ماتم بچھ گئی اور تمام مدارس

میں ختم قرآن مجید ایصال ثواب، تعزیتی جلسوں کا اہتمام کیا گیا، ہم سب کی طرف سے بارگاہ ایزدی میں دعاء ہے کہ حق تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین اور آپ کو و دیگر قاسمی خاندان کے افراد کو صبر جمیل اور حضرت مرحوم کے نقش طیب پر چلنے توفیق عطا فرمائے آمین۔

شریک غم

عبدالرشید ربانی، ناظم جمعیۃ العلماء برطانیہ ڈیوزی یو-کے

بخدمت گرامی قدر حضرت مولانا محمد سالم صاحب، زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر سن کو انتہائی صدمہ ہوا، دل حزن وملال کی داستان بن گیا پورا عالم اسلام خصوصاً اہل علم حضرات آج یتیم ہو گئے، سب ہی تعزیت کے قابل ہیں ہم آپ کے درد و دکھ میں برابر شریک ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ کا بھائی مولوی محمد زید

استاذ حدیث دارالعلوم پیپلز کالونی ۲ فیصل آباد پاکستان

۱۶ر شوال ۱۴۰۳ھ ۲۵ر جولائی ۱۹۸۳ء

حضرت الاستاذ، لسان العصر العلامہ مولانا محمد سالم صاحب، استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند، دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دوران سفر، ڈھاکہ کا کثیر الاشاعۃ اخبار ''اتفاق'' میں یہ خبر سن کر رنج وغم کی انتہا نہ

رہی کہ اٹھاون سال کا مدیر اعلیٰ دارالعلوم، خانوادہ قاسمیؒ کا تابناک ستارہ، عالم اسلام کے مایہ ناز فرزند، مبارک ابنائے دارالعلوم، عارف باللہ، فنا فی اللہ، مخدوم العلماء والفضلاء رہنمائے دین متین، قائد زعماء الامین، حضرت العلام الاستاذ القاری الشیخ المولانا محمد طیبؒ صاحب قدس اللہ سرہٗ، اس وقت دار فانی سے رخصت ہو کر فی ذمۃ اللہ کا شرف حاصل ہوا، علیہ الرحمۃ واسعۃ۔

راقم الحروف اور ابنائے قدیم دارالعلوم کے گدایان قاسمی حضرت کے لئے قرآن خوانی کے بعد عنداللہ دعائے مغفرت کی گئی اللہ تعالیٰ حضرت کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، آمین۔

حضرت الاستاذ وصاحبزادۂ طیب، آپ کو تسلی دینے کی کوئی راہ ہماری نہیں، مگر عند اللہ دعا گو ہیں تاکہ خانوادہ قاسم کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کریں ثم آمین یارب العٰلمین۔

راقم الحروف دارالحکومۃ ڈھاکہ، مقیم ہے، تمام مدارس اسلامیہ اور علماء کرام، مساجدہائے ڈھاکہ ایصال ثواب کی حرکت شروع ہوگئی، ہر ایک مدرسہ، مسجد، فرقانیہ مدرسہ، نجی اداروں کے طلبۂ کرام، علماء عظام گریہ زاری، ولولہ انگیز خطابات سے حضرۃ المرحوم کی پاک روح پر لاکھوں ختم الکلام المجید کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ علیہ الرحمۃ رحمۃ واسعۃ۔

حضرۃ الاستاذ !! بعد الفراغت دارالعلوم ۸۰ء کے فروری کو نواب باڑی میں ملاقات وصحبت رہی اس کے بعد صد سالہ میں بارہا زیارت رہی اس کے بعد نہیں، علیہ الرحمۃ رحمۃ واسعۃ۔

خدا کرے آپ تمام اہل وعیال بخیر ہوں اور دعاء کی درخواست ہے مقبرہ قاسمی کی آمدورفت میں احقر کو یاد کریں۔

خادمکم البعید وتلمیذکم الحقیر

محمد عبدالمالک الحسینی القاسمی نیرمل ڈھاکہ، ناظم دارالمطالعہ المدنی

بسنت پور، بیاتیشہ، کملا، بنگلہ دیش

محترم المقام جناب مولانا محمد سالم صاحب قاسمی زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، میں آج کل ہندوستان چھٹیاں گذارنے آیا ہوں، اچانک حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے سانحۂ ارتحال کی خبر معلوم ہوکر بہت ہی قلق ورنج ہورہا ہے، ان کی وفات سے ایک عہد کا ہندوستان کی علمی ودینی تاریخ میں خاتمہ ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے جن صفات وکمالات سے ان کو نوازا تھا وہ ان خصوصیات میں ہندوستان کے علماء ومشائخ میں انفرادی شان رکھتے تھے، آپ کے ساتھ ہی گذشتہ سال ماسٹر عبدالعزیز کے مکان پر ممبئی میں شرف ملاقات حاصل ہوا تھا، طبیعت بھی ان کی علیل اور صاحب فراش ہورہے تھے، معجزات کے بارے میں ایک سائل کے سوال پر نصف گھنٹہ جس طرح مدلل ومفصل تقریر فرمائی وہ اب تک یاد ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سلسلہ فیض کو قائم وجاری رکھے، ناچیز آپ کے بھائیوں اور جملہ عزیزوں کو تعزیت پیش کرتا ہے، خود بھی ایصال ثواب کا اہتمام کررہا ہوں اور دوستوں اور عزیزوں کو بھی اس کی تاکید کردی ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے، حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو جنت کے اعلیٰ درجات میں جگہ عطا فرمائے، آمین

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے ❁ سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کے برادران اور اعزاء کی خدمت میں سلام مسنون۔

تقی الدین ندوی

استاذ حدیث جامعۃ الامارات العین U-A-E

بخدمت برادر محترمی ومکرمی جناب مولنا سالم صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہ، التماس یہ کہ بھائی جناب محمد اسلم واعظم اور بہن فاطمہ وہاجرہ وغیرہ وغیرہم کو بندہ کا سلام مع الدعا موصول ہو، بعدازاں بندہ جب صد سالہ جلسہ میں حاضر ہوا تھا آپ سے ملاقات تو ہوئی مگر تفصیلی گفتگو ممکن نہ ہوا، واپسی کے بعد متعدد خطوط مرحوم شیخ کی خدمت بابرکت میں پیش کیا تھا، لیکن کوئی یادنامہ سے بانصیب نہ ہوا، امید کہ آپ حضرات بخیریت ہوں گے، اور تمنا کہ آپ حضرات کے احول سے مطمئن فرمادیں"۔

چند روز قبل اطراف عالم کے حسرت دہ خبر سے موت قریب آگئی، بندہ ضعف حال سے خط نویس پر بھی قادر نہیں رہا، صدہا تمنا کہ شیخ علیہ الرحمۃ کی رحلت کب ہوئی اور ان کی آخری وصیت کیا تھی؟ اور امام جنازہ کون تھے، اور مدفن کہاں ہوا تفصیلی احوال سے قلب حزیں کو مطمئن فرمادیں اور ارسال خط کے پورے پتے سے ہمیں نوازیں۔
فقط والسلام مع الکرام۔

العارض محمد عبدالحق غفرلہٗ خادم جامعہ اسلامیہ فینی باراہی پور نواکھالی بنگلہ دیش

شکاگو-امریکہ

محترم المقام حضرت مولانا محمد سالم صاحب وہمشیرہ محترمہ ہاجرہ صاحبہ ومولانا محمد اسلم صاحب وعزیزم محمد اعظم سلمہٗ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون

ابھی بالٹی مور کے ٹیلیفون سے خبر وحشت اثر معلوم ہوئی کہ جس ذات گرامی کو ہم سب مدظلہ اور دامت برکاتہم کہا کرتے تھے کل ۶ رشوال ۱۴۰۳ھ ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء یکشنبہ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ اور قدس اللہ سرہٗ ہوگئے ہیں اور سلف صالحین سے انشاء اللہ ملحق ہوگئے ہیں، طاب حیاً ومات طیباً

محترم عابد اللہ میاں اور عزیزم عبداللہ سلمہ قرآن خوانی اور ایصال ثواب میں

لگے ہوئے اوران کے احسانات کا تقاضہ ہے کہ مدت العمر کرتے رہیں۔

ابھی بذریعہ ٹیلیفون محترمہ ہمشیرہ ہمیرہ سلمہٗ سے تینوں نے تعزیت پیش کی اور محترم ہمشیرہ فاطمہ مدظلہا کی صاحبزادی کے پاس سلسلہ تعزیت جاری ہیں، حضرت قدس سرہٗ کی منفرد اور بے مثال تاریخ کیا ختم ہوئی ایک لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کی عظیم تاریخ پلٹ گئی ہے، زیادہ کیا کہوں دماغ اور قلم بیکار ہورہا ہے۔

سب کو سلام دعا اور تعزیت پیش ہے

محمد نعیم استاذ دارالعلوم وقف دیوبند مقیم حال شکاگو

۷/شوال ۱۴۰۳ھ ۱۸/جولائی ۸۳ء دوشنبہ

محترم المقام حضرت مولانا سالم صاحب دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قال اللہ تعالیٰ ''کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام''

اس کائنات میں جتنی چیزیں ہیں سب کو ایک دن فنا ہے صرف ایک ذات باری تعالیٰ ایسی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔

اس فانی دنیا میں ہمیں کسی چیز کے ساتھ جس قدر زیادہ تعلق ہوتا ہے یا جس کی عظمت عزت اور بزرگی جتنی ہی ہمارے دلوں میں زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ اس چیز کی فنا ہونے سے ہمیں دکھ رنج اور ملال بھی ہوتا ہے، یہ ایک امر طبعی ہے جس کا انکار کسی حال میں بھی نہیں کیا جاسکتا۔

حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی ذات اقدس اپنے تو اپنے بیگانوں کو بھی جس قدر محبت اور عقیدت تھی وہ محتاج بیان نہیں پھر بھلا کونسی آنکھ ہوگی جو ان کی وفات پر نہ روئی ہوگی، کون سادہ دل ہوگا جو ان کی جدائی پر بھر آیا نہ ہوگا آپ کی ذات ایک علمی خزانہ تھی، بلکہ چلتا پھرتا دارالعلوم تھی آپ کی ذات

اسلاف کا ایک سچا نمونہ تھی بلکہ چلتی پھرتی خانقاہ تھی، آپ جہاں تشریف لے جاتے اپنے ہوتے یا پرائے سبھی پروانوں کی طرح آپ پر ٹوٹ پڑتے، دل وجان نچھاور کرتے۔

آپ کی وفات پر جتنا بھی لکھا جائے، جتنے بھی بیان دئے جائیں آپ کے کمالات کے سامنے یقیناً کم ہیں، ایسے بھی سب کا احصاء ناممکن ہے صرف دارالعلوم دیوبند کا ۵۰ سالہ اہتمام ہی ایسا عظیم کارنامہ ہے جس پر ہزاروں کارنامے قربان کئے جاسکتے ہیں، پھر دوسری دینی وملی خدمات کا تو پوچھنا ہی کیا۔

الغرض: حضرت والا کا انتقال پر ملال صرف ایک واقعہ نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک غمناک سانحہ عظیم ہے، ہم مسلمان برطانیہ خصوصاً رابطۃ العلماء الاسلامیہ باٹلی یارک شائر برطانیہ کی جمیع ممبران واراکین بھی اس غم میں حضرت والا کے متعلقین اور پسماندگان کے ساتھ برابر شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ حضرت کو والا کی بال بال مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے ونیز جمیع اہل خانہ اور پسماندگان کو صبر جمیل اور مسلمانوں کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین یارب العلمین۔

از رابطۃ العلماء الاسلامیہ باٹلی، یارک شائر، برطانیہ

میر پور خاص (سندھ) پاکستان

حضرت مخدومنا ومولانا محمد سالم صاحب، ومولانا محمد اسلم صاحب ومولانا محمد اعظم زیدت صاحب فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیوں کر حضرت مرشدنا ومولانا حکیم الاسلام شیخ طریقت وشریعت، مشفق مربی کی رحلت پر تعزیت کی جائے، نہ قلم لکھ سکتا، اور نہ دل ودماغ کام کر رہا، جوں ہی یہ خبر ملی احقر ہی نہیں اعزاء پر سکتہ طاری ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرتؒ سے خصوصی تعلق اور پھر شیخ اور مریدی کا تعلق ایک ایسا تعلق ہے جو تاحیات قائم رہتا ہے، علم کا چلتا پھرتا سمندر تھے، اور جس شخص نے بھی حضرتؒ کی صرف ایک مرتبہ زیارت کی یا مجلس میں رہا یا تقریر سنی وہ ایسا پیاسا ہو جاتا جیسے صحراء میں سخت گرمی میں کسی پیاسے کو بجائے گلاس بھر پانی پینے کے محض ایک گھونٹ پانی ملے، ۱۹۵۵ء میں حضرت سے میر پور خاص تشریف آوری پر ارادت حاصل کی، اور پھر جب پاکستان تشریف فرما ہوئے احقر دیگر متوسلین و متعلقین کوشش کر کے کراچی حیدر آباد حاضر ہوئے اور خوب استفادہ کی کوشش کی، حضرت کی سادگی، شفقت محبت وعنایت کا وہ عالم کہ ہر شخص سمجھتا کہ آپ مجھ سے بہت بہت محبت کرتے ہیں، حضرتؒ کی خدمت میں احقر مع اپنے بہنوئی شکیل احمد صدیقی ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے اور چھ یوم رہائش دارالعلوم کے مہمان خانہ میں رہی، اس اثنا حضرت نے جس محبت پیار اور شفقت کے ساتھ سلوک فرمایا وہ ہم جیسے ناکاروں کے لئے ذریعہ نجات ہو سکتا ہے، تقریباً دو گھنٹہ تک مہمان خانہ میں شرعی گفتگو فرمائی، جسے ہم نہیں بھول سکتے اگر زندگی نے یاوری کی تو انشاء اللہ جلد بصورت فرصت حاضر ہوں گے۔

یہاں سے دوسرے دن حضرت مولانا محمد آصف صاحب قاسمی سے ٹیلیفون پر تعزیت کی گئی جو احقر اہالیان شہر علماء کرام، مجلس صیانۃ المسلمین، جس کے بانی حضرت مولانا تھانوی واعزاء کی طرف سے تھی، پھر ایک تار بھی تعزیت کا ارسال کیا گیا۔

بعدہٗ قرآن خوانی احقر کے ہاں اور دیگر کئی جگہوں پر ہوئی، نیز ایک بڑا تعزیتی جلسہ مدینہ مسجد شاہی بازار میں ہوا، جس میں شہر کے کئی علمائے کرام نے خطاب کیا، اور زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

اس کے علاوہ مدارس میں قرآن خوانی ہوئی، مجلس صیانۃ المسلمین کے ہفتہ وار اجلاس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تفصیل سے بیان ہوا جس سے حاضرین حضرت کی عالمانہ صلاحیتوں اور فاضلانہ نکات کو سن کر استفادہ کیا، علمائے

کرام نے کہا:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ ک رحلت سے عالم اسلام دین کے مایہ ناز عالم سے محروم ہوگیا''

حضرت نے تقریباً ساٹھ سال تک جس دارالعلوم کی آبیاری کی جو دارالعلوم کی تاریخ کا ایک عظیم حصہ ہے، حضرت کی کتب، علوم، ملفوظات، گفتگو، آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں گے، آسمان دیوبند کا ایک درخشاں ستارہ غروب ہوگیا، جس نے حضرت شاہ ولی اللہ، حضرت انور شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو چار دانگ عالم کیا، دور دراز کے تبلیغی سفر فرمائے اور دارالعلوم کی عمارت میں اور تعداد طلبہ واساتذہ میں اضافہ حضرت کا ہی مرہون منت ہے، اللہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور تمام متعلقین، پسماندگان، اعزہ اور علماء کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

کاش ہم حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے بھرپور استفادہ کرتے، ہمیں افسوس ہے کہ ہم حضرت سے جس طرح استفادہ کا حق تھا استفادہ نہ کر سکے، اور اس بات پر ہم شرمندہ ہیں، امید ہے کہ حضرت والا مع الخیر ہوں گے، اگر ممکن ہو سکے تو حضرت کی تدفین کے وقت اور حاضرین کی شرکت کس قبرستان میں تدفین اور دیگر ضروری باتوں سے اگر سرفراز فرمایا جا سکے تو تشنگی دور ہو جائے گی، جس کے جاننے کی خاص تڑپ ہے۔

دعاؤں میں یاد

والسلام

احقر غلام صابر صدیقی

میر پور خاص پاکستان

حامداًومصلیاً

گرامی قدر ومنزلت برادر عزیز مولانا محمد قاسمی صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پیارے سالم صاحب، حضرت اقدس سیدی ومرشدی نوراللہ مرقدہ کی وفات کی خبر سن کر پہلے تو دل نے رضی اللہ عنہ کہا (الذین اتبعوہم باحسان کی وجہ سے) پھر زبان نے رحمۃ اللہ علیہ کہا، حق تعالیٰ شانہ اپنی رحمت کاملہ سے حضرت علیہ الرحمہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور حضرت کی دینی خدمات کو اپنی رحمت سے نوازے، آمین آمین ثم آمین۔

سالم بھائی صرف آپ ہی یتیم نہیں ہوئے میں بھی اور تمام وہ حضرات جو سلسلہ بیعت میں منسلک تھے سب کے سب یتیم ہوگئے، حضرت آپ حضرات کے جسمانی والد تھے اور ہم متوسلین کے روحانی، حضرت کی شفقت جو اس ناکارہ پر تھی وہ یاد آرہی ہے، حضرت صحیح معنوں میں حکیم الامت، حکیم الاسلام تھے، تمام اخبارات پاکستان کے حضرت کی تعزیت سے بھرے ہوئے ہیں، آج ہی کے جنگ اخبار میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم رحمانیہ کراچی جو عمرے کو گئے ہیں ان کا بیان مکہ معظمہ سے آکر شائع ہوا ہے، بہت بہتر کہا ہے کہ اب یہ خلا قیامت تک پُر نہیں ہوسکتا۔

میں اور میری بیوی اور دولڑکے اور تین لڑکیاں اور داماد سب حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے، سالم بھیا! میں پھر دکھے دل سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ جل مجدہٗ حضرت کو اپنی رحمت کاملہ سے نوازے اور آپ کو خصوصاً اور دوسرے بھائیوں کو بھی صحیح جانشین بنادے۔ آمین آمین ثم آمین

بھائی سالم، میں تو اکثر اشعار لکھتا رہتا ہوں مگر حضرت علیہ الرحمہ کے لئے کچھ بہتر نہیں کہہ سکا، صرف یہ قطعہ ابھی ۶ راگست کو لکھا ہے

طیب طیبہ سے وہ مشرف تھے — نسب اشرفی سے اشرف تھے
عالم بے بدل بھی کامل بھی — عارف حق شناس اعرف تھے

میری اہلیہ اور لڑکے اور لڑکیاں جو جو حضرت سے بیعت ہیں وہ سب اس تعزیت میں شریک ہیں اور آپ کے لئے دعاء گو، ابھی ابھی ایک قطعہ اور ہو گیا

طیب القول طیب الطینت ❁ طیب العلم طیب الفطرت

سیرتاً بھی طیب وطاہر ❁ باہمہ خلق طیب الصورت

سالم بھیا! میں تو خود دل کا مریض ہوں، مطب بھی دو سال ہو گئے ترک ہو گیا ہے، بھیا میرے حسن خاتمہ کیلئے اپنے پیارے ہاتھ اٹھا کر دعا فرما دیں و بہن سلمہا سے بھی بعد سلام یہی التجا ہے۔

والسلام

حکیم محمد عبد الحمید بیگ، عزیز آباد کراچی

گرامی قدر جناب مولانا محمد سالم صاحب قاسمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احوال آنکہ اخبار کے ذریعہ جناب قاری صاحب کے انتقال کی خبر پڑھ کر دل کو بہت رنج ہوا، ہماری دعا ہے خداوند کریم اپنے حبیب پاکؐ کے صدقہ سے مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے، آمین ثم آمین۔

مولانا صاحب ہم سب اس غم میں آپ کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، بندہ کوئی خاص پڑھا لکھا آدمی نہیں ہے، تھوڑی تعلیم ہے، ہوسکتا ہے خط آپ کی شان کے مطابق نہ لکھ سکا ہوں تحریر میں جو غلطی ہو معاف کرنا، ہمارے لئے نیک دعائیں کریں۔

مولانا صاحب جو کام انگریز درس کے متعلق نہ کر سکا وہ کام اپنے بھائیوں نے کیا، ہمیں کچھ معلوم نہیں اسعد مدنی صاحب کون ہیں، حکومت کے آدمی ہیں یا ویسے ہی اختلاف کرتے ہیں، نہ بندہ سیاسی آدمی ہے اور نہ ہی زیادہ دینی تعلیم ہے بس نماز آتی ہے اور قرآن پاک ہر روز صبح پڑھتا ہوں، یہاں پاکستان میں جشن دیوبند کے سلسلہ

میں بریلوی لوگوں نے خوب باتیں بنائی تھیں اب خاموش ہیں، وہ لوگ کہتے ہیں اندرا اوپر دیوبند نیچے وغیرہ وغیرہ، چھوڑیئے ان باتوں کو ان لوگوں کا تو یہ کام ہے، آپ اپنا کام نیک نیتی سے کرتے رہیں خدا کی مدد آپ کے شامل حال ہوگی، پھر عرض ہے بندہ اور اہل خاندان کے لئے دعا فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

فقط آداب

راؤ محمد اسلام خاں
وارڈ نمبر ۱ راوی محلّہ سمندری، ضلع فیصل آباد پاکستان

مکرم ومحترم عالی جناب حضرت مولانا محمد سالم صاحب زیدت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آخر شیخ طریقت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس عالم رنگ وبو سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کچھ عرصہ پہلے اخبار جنگ میں حضرت کے سانس کے دورے کے بارے میں خبر پڑھی تھی، بڑی تشویش ہوئی، دعائیں ہونے لگیں اور عقیدت مند صحت کے بارے میں جاننے کے لئے اخبار دیکھنے لگے، دن گذرتے رہے بے چینی بڑھتی رہی، ایک شام ایسی آئی کہ آپ کی خبر وفات ریڈیو پاکستان نے نشر کی، خبر کا سننا تھا کہ عقیدتمند گھروں سے نکل گئے، آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور بعض تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگے، کیا مرد، کیا خواتین کیا بچے سب غمگین، اس غم نے اور بھی زیادہ غمگین بنادیا کہ اپنے شیخ ومرشد کا آخری دیدار کرنے پر قدرت نہیں، دوسرے روز تعزیتی جلسہ عام ہوا اور مردوں اور خواتین نے کافی تعداد میں قرآن خوانی کی اور آپ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی، صبر آتے آتے سے آتا ہے، یوں تو ہر انسان کو اس دنیا سے جانا ہے لیکن ان جانے والوں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کی یاد نہ معلوم کتنوں

کا لہو پیتی ہے اور ان کا غم نہ معلوم کتنے کلیجے کھاتا ہے، آپ سے پہلے وہ اہل اللہ جن سے استفادہ کرنے کے لئے ایک دنیا آتی تھی وہ بھی چل بسے وہ انبیاء کرام جن سے فرشتے مصافحہ کرتے تھے وہ بھی یہاں سے چلے گئے، کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ، کیا یہ حقیقت نہیں کہ آپ میں وہ خوبیاں تھیں کہ اللہ تعالیٰ اگر قدرت کو طاقت گویائی عطا فرماتا تو آج قدرت کھڑی ہو کر اپنی زبان سے یہ کہتی کہ وہ ''انسان'' تھے، عام طور سے لوگ مرنے والوں کی خوبیاں ڈھونڈتے ہیں، آپ کی موت ایک عالم کی موت ہے، جس شخص سے وابستگی ہوتی ہے اس کے بارے میں تفصیلات جاننے کے لئے بے چینی ہوتی ہے حضرت کی دہلی سے واپسی، انتقال کا وقت اور جگہ، آخری کلمات، تجہیز وتکفین، جنازہ کی نماز کی امامت، لوگوں کی شرکت، طلبا واستاذہ کا رویہ، جناب اسعد مدنی کا رویہ، دفن کی جگہ اور وقت، بزرگان دین کی شرکت، اب تک پتہ نہیں چلا۔

وہ وقت خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہے جب اِن دونوں کے پاس مہمان خانہ میں تشریف لائے اور تقریباً ۲ گھنٹہ حضرتؒ نے حکایات بزرگان دین اور ان کی مدحت میں تقریباً ۵۰۰ پانچ صد اشعار سنائے، آج بھی ان کو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے اشعار ان کے کانوں میں رس گھول رہے ہیں احباب اور اعزا کی طرف سے سلام، حضرت مولانا محمد اسلم صاحب، مولانا محمد اعظم صاحب ودیگر پسمندگان کی خدمت میں دلی تعزیت پیش ہے۔

۱۹۸۰ء میں جب احقر (شکیل احمد) دیوبند حاضر ہوا اس وقت حضرت کی خدمت میں دارالعلوم کے لئے اکابرین دیوبند حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت عبداللہ انصاریؒ کے خطوط کی فوٹو کاپیاں پیش کی تھیں اس پر حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور دارالاہتمام میں فرمانے لگے کہ اب تو مجھے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرنے میر پور خاص ہی آنا ہوگا لیکن آہ! کہ وہ اب کبھی میر پور خاص نہ آسکیں گے، اب ہم آپ کو میر پور خاص آنے کی دعوت دیتے ہیں امید ہے

کہ آپ منظور فرمائیں گے۔

مکتوبات یعقوبی میں قاضی محمد قاسمؒ میرے جد امجد ہیں، حضرت اور پیرانی صاحبہ ہمارے یہاں تشریف لائے تھے، خاندان کے بہت افراد مرید ہیں، لاہور سے بڑی پیرانی صاحبہ بھی میر پور خاص تشریف لا چکی ہیں، جب حضرت کراچی تشریف لاتے ملاقات ہوتی، ایک خاص تعلق، احقر کا صاحبزادہ شکیل اور برادر زادہ صابر صدیقی ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند حاضر ہوئے تھے اور چھ یوم تک حضرت کی صحبت رہی اور ملفوظات سے مستفید ہوئے، ان دونوں کا آں جناب نے یہ تعارف حضرت سے کرایا تھا۔

احقر العباد: محمد اشفاق

مؤرخہ ۵/اگست ۱۹۸۳ء ۲۴/شوال ۱۴۰۳ھ

موتُ العالِمِ موتُ العالَمِ

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سالم صاحب ومولانا محمد اسلم صاحب ودیگر متعلقین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سلام مسنون بعد عرض ہے کہ والد بزرگوار حضرت مولانا قاری طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ اِس دار فانی کو خیر باد کہہ کر اپنے مولائے حقیقی کی رحمتِ آغوش میں داخل ہوگئے اللہ رب العزت حضرت قاری صاحبؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے فیوض کو پسماندگان میں عام فرمائے، آمین۔

ہم سب بھی آپ کے غم میں شریک ہیں گویا ہمارے اور پوری امت کے سروں پر سے ایک شفیق ومربی کا سایہ اُٹھ گیا۔

میرے والد صاحب محترم (اسمٰعیل باگیاوی صاحب) بھی آپ کو سلام بعد صبر کے لئے لکھوا رہے ہیں، ہم نے بھی اپنے طور پر حضرت قاری صاحب مرحوم کے لئے

جو بسہولت ہوسکا ایصال ثواب کیا اللہ قبول فرمائے۔

یہاں کے دوست واحباب حضرت قاری صاحبؒ کی وفات اور آخری لمحات کی کیفیات جاننے کے متمنی ہیں، عین نوازش ہوگی اگر آپ چند سطور لکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں، گھر میں تمام متعلقین اور پسماندگان کو ہماری طرف سے صبر کے لئے فرمائیں

امید ہے کہ آپ کو یاد ہوگا گذشتہ سال آپ کے ساتھ میری ملاقات دہلی میں دین دنیا کے دفتر میں ہوئی تھی۔

فقط والسلام

حمزہ اسمعیل باگیا (رنگون برما)

بگرامی خدمت جناب حضرت صاحب زادہ گان محمد سالم ومحمد اسلم صاحبان زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از تحیہ مسنونہ کے گذارش خدمت اقدس میں ہے کہ بہت افسوس کے ساتھ تحریر کی جاتی ہے کہ جناب حضرت قاری مرحوم کے انتقال کا بذریعہ ریڈیو سنا، تو بہت رنج وغم سے ایک ناگہانی غشی بندہ پر طاری ہوا۔

محترما! چوں کہ حق راستہ ہے ب، ہمارا سلف سب ان راستہ سے محظوظ ہوتے ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ جناب حضرت قاری صاحب کو اپنے جوار رحمت میں رکھے تو بندہ نے گاؤں کے حفاظ وقاری قرآن جمع کر کے حضرت کے ایصال ثواب کے لئے ختم اور رب العالمین سے آں جناب کے مغفرت اور آپ حضرات کے صبر کے لئے دعاء مانگی، اللہ پاک قبول فرمادیں، آمین!

فقط والسلام علی من اتبع الہدیٰ

بندہ عتیق الرحمٰن المعروف خورشید علی فرزندان دارالعلوم دیوبند

آف شیدو، پوسٹ شیدو، تحصیل نوشیدہ ضلع پشاور، مغربی پاکستان

مکرمی محترمی حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر و متعلقین کو آپ کے اور آپ کے متعلقین کے قبلہ بزرگوار بلکہ مسلم قوم کے ایک عالم دین، رہنما کی وفات کا معلوم ہو کر جس قدر صدمہ وافسوس ہوا بیان سے باہر ہے، اور ہم اس سب حضرات قبلہ والا بزرگوار کے غم میں برابر کے شریک ہیں، اللہ رب العزت حضرت مولنا کو جوار رحمت میں بلند وبالا درجات پر فائز فرمائے اور موجودہ اہل خاندان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

احقر نے بھی دارالعلوم میں کچھ تعلیم حاصل کی اور نمک خوار ہے آپ نے احقر کو اور احقر نے بچپن میں بہت قریب سے دیکھا، احقر حاجی خلیفہ محمد عاقل مرحوم رحمہ اللہ کا بڑا صاحبزادہ محمد عادل صدیقی ہے۔

محترم قبلہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب سلام مسنون

آل انڈیا ریڈیو سے جب قبلہ قاری صاحب کی رحلت کی خبر سنی تو ہم نے دلی صدمہ محسوس کیا اور ایسے کیا جیسے ہم نے کسی بہت بڑی بزرگ ہستی کے سایہ سے محروم ہو گئے قبلہ قاری صاحب کی دینی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں اور اسلام ایک بہت بڑی ہستی سے جن کی دینی خدمات سورج کی طرح دنیا میں روشن ہیں محروم ہو گیا اور حضرت قاری صاحبؒ کی رحلت مسلمانان عالم کے لئے ایک بہت بڑا سانحہ ہے جسکی کمی کا پورا ہونا مشکل ہے پس ہم دعا ہی کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالی جناب قاری صاحبؒ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی خدمات کے لئے قبول فرمائے آمین!

بعد میں عرض ہے اگر آپ محسوس نہ کریں کہ اپنی قدیم مادری علمی کو دیکھنے کی بہت زیادہ تمنا رکھتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ میں دیوبند کی قدیم درسگاہ کو اپنی آنکھوں سے

دیکھوں اور اپنے بزرگوں کے مزار پر حاضری دوں اور جو موجودہ بزرگ حیات ہیں انکی صحبت میں بیٹھ کر اور کچھ دن صحبت میں رہ کر تقویٰ اور طہارت حاصل کروں میں امید رکھتا ہوں کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے اور امید رکھتا ہوں کہ آپ جلد ہی دعوتی خط لکھ دیں اور آپ مجھ سے کہیں زیادہ انڈیا آنے کے طریقے کو جانتے ہیں اور میں آپ کو انشاء اللہ کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں دونگا میری طرف سے تمام بزرگوں کو سلام۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

جواب کا منتظر

احقر محمد عباس حکیم

۴۹۶ر تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد

براسنہ کامونکا نجن ڈاکخانہ خاص پاکستان

جناب محمد سالم مدظلہ محمد اسلم مدظلہ، محمد اعظم مدظلہ صاحبان

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

حضرت قاری مولانا محمد طیب رحمتہ اللہ علیہ کی جوں جوں عمر بڑھ رہی تھی اسی طرح ان کا رحلت فرما جانا بھی متوقع ہوتا جا رہا تھا آخر یہ خبر گوش گزار ۱۶ جولائی کو ہو ہی گئی کہ وہ ہم میں نہ رہے۔ یہ خبر تو سب کیلئے صدمہ کا باعث ہے۔ چونکہ وہ آپ کے والد بزرگوار بھی تھے اس لئے یہ تعزیت کیلئے آپ کو خط تحریر کیا۔ کہ ان کا رحلت فرما جانے کی سن کر دلی دکھ اور صدمہ ہوا ہے کہ بانی دیو بند رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے بھی ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ اور انہوں نے موت کے تحفہ کو پالیا اور علمی ذخیرہ ہمارے پاس سے چلا گیا۔

حضرت قاری محمد طیب رحمتہ اللہ علیہ کے اللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل درجات بلند فرمائیں اور ہمیں صبر جمیل عطا فرمائیں تعزیت کیلئے تاخیر سے خط لکھنے پر

معذرت خواہ ہوں۔

والسلام عالمگیر منظور پارک (لاہور)

دعائے خیر و برکت ہمارے حق میں ارشاد فرمانے کی اللہ والوں سے درخواست ہے۔

جناب مکرم ومحترم مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ:۔

آج صبح ہی بذریعہ اخبار جنگ ونوائے وقت حضرت قاری محمد طیب صاحب کی وفات کی روح فرسا خبر دیکھی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ پاک حضرت قاری صاحب کی مغفرت بخشش فرماویں۔آمین اور آپکو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائیں۔آمین۔ مومن کا کسی حال میں گھاٹا نہیں۔آپ نے زندگی میں ان کی خدمت کر کے ثواب دارین حاصل کیا تھا اب ایصال ثواب سے یہ نعمت حاصل کرتے رہیں گے۔

والدین کا سایہ سر سے اٹھ جانا اور والدین کی دعاؤں سے محرومی بڑی ہی بدقسمتی ہوتی ہے مگر کیا کیا جائے موت کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔اپنے عزیز و اقارب کی موت اور خصوصا والدین کی موت تو انسان کے لئے نصیحت ہے کہ اپنے ہاتھوں انہیں قبر میں رکھا جاتا ہے ذہنی طور پر ان کی موت کا صدمہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔کہ کل ہم نے بھی اس دار فانی سے کوچ کر جانا ہے۔اللہ پاک حضرت قاری صاحب کی قبر کو نور سے منور فرمائیں آمین اور ان کی قبر کو جنت الفردوس کے باغوں میں سے ایک باغ بنائیں۔آمین۔مجھے حضرت کی وفات پر دلی طور پر صدمہ ہوا ہے۔اور میں تمام سوگواران سے تعزیت کرتا ہوں۔دیگر احباب کی خدمت بھی میری طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔راقم ناکارہ کو حضرت قاری صاحب کی ذات گرامی سے خصوصی لگاؤ تھا اور وہ لگاؤ بھی ایک خواب کے بعد ہوا کہ میں مسجد میں سو رہا تھا،خواب میں دیکھتا ہوں کہ عالم نیم بیدار میں حضرت قاری صاحبؒ اور مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

اکھٹے تشریف لائے ہیں حضرت قاری صاحبؒ میرے چہرے سے کپڑہ ہٹا کر حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ سے میرا تعارف کراتے ہیں اور مولانا مدنیؒ میرے ماتھے پر بوسہ دیتے ہیں پھر ایک دفعہ خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت قاری صاحب دیو بند سے ایک شیشی میں شہد اس ناکارہ کے لئے ارسال فرماتے ہیں۔

یہ کچھ یادیں تھیں جوان سے جدائی پر یاد آ گئی ہیں۔

اللہ پاک انہیں کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے اور آخرت کی تمام گھاٹیاں آسان فرمائے۔آمین ثم آمین!

سوگوار

پتہ: سید مہر حسین بخاری,, بیت التوحید

کامرہ کلان ضلع اٹک پاکستان

عزیزم محمد سالم واسلم واعظم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بھائی صاحب مسعود احمد کے انتقال کے بعد سے میں ابھی تک مرحوم بھائی کو فراموش نہ کر سکا۔

کل بروز پیر ۱۹؍جولائی ۱۹۸۳ء کو بذریعہ ریڈیو اور اخبارات کے ایک اور جانکاہ حادثہ کی اطلاع پڑھی جو درست تھی، اس خبر کو پڑھ کو یقین نہ آیا اور رات کو بھی لاہور کی خبروں میں اس خبر کو دہرایا گیا، تو پھر یقین نہ کرنے کا چارہ کار نہ رہا، اور یہ جانکاہ خبر حضرت قبلہ بھائی جی صاحب کے انتقال پر ملال کی تھی جو بجلی طرح مجھ پر گری، اب قبلہ بھائی کے انتقال کے بعد تمہیں تعزیت بھرا خط لکھ رہا ہوں، کاش میں یہ تعزیت نامہ تمہیں نہ لکھتا اور تم مجھ پر انا للہ پڑھتے .... انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آہ موت کے ظالم پنجوں نے کس قدر قیمتی ہیرا اور مشفق بزرگ ہم سے جدا کر دیا، اور مزید برآں ہم اس پوزیشن میں بیٹھے ہیں کہ ایسے جانکاہ حادثات کی خبر سن کر ایک

دوسرے کے فوری طور پر قریب بھی نہیں پہنچ سکتے، بھائی صاحب مرحوم کی جس روز سے انتقال کی خبر پڑھا ہوں اسی وقت سے اس قدر صدمہ اور دکھ محسوس کر رہا ہوں کہ جس کو میں احاطہ تحریر میں بھی نہیں لاسکتا، میری دعا ہے کہ حق تعالیٰ آں محترم کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائیں اور تم پسماندہ صاحبزدگان کو حوصلہ کیساتھ صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

گھر میں مسعود وسعید و بھابھی صاحبہ وزہرہ، سلیم بھی اس صدمہ پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔

باقی تمہارا شریک غم

غمزدہ داؤد احمد

داؤد احمد انصاری معرفت مسٹر مقبول الرسول

حبیب میڈیکوز ملت بازار سرگودھا، بلاک ۱۹

مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم، جناب محترمی ومکرمی واستاذ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بہت افسوس سے لکھ رہا ہوں کہ آپ کے والد بزرگؒ جناب فخر الاماثل مولانا الحاج القاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ایک بڑا نقصان عالم اسلام کا ہوا ہے اور اب ایسا شمس الدین پھر طلوع نہ ہوگا جس کی روشنی کی ہمیں بہت ضرورت تھی۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک یہ قبول فرمائے۔

اللهم اغفرله وارحمه وعافه ،واعف عنه ،اكرم نزله ، ووسع فدخله وابدله دار خيرا من داره واهلا خيرا من اهله ،اللهم لا تحرقنا اجره ولاتفتينا بعده افسوس موت العالم موت العالم!

والسلام

عفی عنہ مظفر احمد میمن دڑو ٹھٹہ سندھ پاکستان

محترم جناب مولانا محمد سالم صاحب
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کے والد ماجد صاحب کی وفات کا سنکر بڑا دکھ ہوا۔ کیونکہ برصغیر ایک بہت بڑی مقدس ہستی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگیا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر مبارک پر ہزاروں اور کروڑوں رحمتیں برسائے۔ آمین
آپ کو اور آپ کے تمام اہل خانہ صبر کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)
آپ کی دعاؤں کا محتاج
محمد زاہد باجوہ حال مقیم سعودی عرب مستقل مقیم شکر گڑھ
سیالکوٹ پاکستان

کل نفس ذائقۃ الموت السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
۱۸۔ اپریل عمان انگلش اخبار میں حضرت مولانا کی وفات حسرت آفات کی پر ملال خبر معلوم کر کے بیحد رنج وصدمہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔
ایک شفیق والد بزرگوار کی جدائی کا غم آپ کے لئے اور آپ کے خاندان کے لئے عظیم صدمہ کا باعث ہوگا بلکہ آپ حضرات پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہونگے۔ موت سے کوئی بری نہیں ازل سے موت کا قافلہ رواں دواں ہے۔ لیکن بے وقت حضرت مولانا کی وفات سے مسلمانان عالم بالخصوص مسلمانان ہند کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔ اس سانحہ ارتحال سے ہزاروں بلکہ لاکھوں عقیدت مندوں پر غم کی بجلی گری ہوگی ہندوستان سے علوم دین کا آفتاب غروب ہوگیا علم معرفت کی شمع بجھ گئی۔ مسلمانان ہند ایک جید عالم بزرگ سے محروم ہوگئے۔ دلی دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی روح اقدس کو غریق رحمت کرے اور ان کی قبر کو نور سے منور کرے آپکو اور

پورے خاندان و دیگر پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔آمین!

بخدمت اقدس عالی المرتبت قبلہ حضرت مولانا غازی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

امید واثق ہے کہ آپ سب خیریت سے ہونگے ہم بھی بفضل تعالی خیر وعافیت سے ہیں۔میں آجکل بمع اہلیہ حج کے سلسلہ میں سعودی عرب آیا ہوا ہوں، اور مدینہ منورہ سے آپ کو یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔گزشتہ دنوں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر سن کر دل کو انتہائی افسوس ہوا علماء دیوبند کی ایک آخری یادگار بھی اس دنیا سے کوچ کر گئی۔اللہ تعالی حضرت قاری صاحب مرحوم کو اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائے۔اے کاش کہ فتنہ پرور لوگ حضرت قاری صاحب مرحوم کے انتقال کا انتظار ہی کر لیتے۔کم از کم حضرت مرحوم اس دنیا سے سکون و راحت کے ساتھ جاتے۔اب نہ جانے وہ کتنی تلخیاں سمیٹ کر اس دنیا سے گئے ہوں۔کچھ بھی ہو ایک وقت ایسا آئیگا کہ ان فتنہ پرور لوگوں کو حضرت مرحوم کی برکات کا احساس ضرور ہوگا اور یہ لوگ حضرت مرحوم کو ڈھوڈھیں گے۔لیکن وقت نہ لوٹا سکیں گے اب تو یہ معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت مرحوم جاتے جاتے زبان حال سے یہ کہہ گئے ہوں۔

ہمارے بعد اندھیرا رہے گا محفل میں
بہت چراغ جلاؤ گے روشنی کے لئے
ہمارے بعد ہمارے ہی تذکرے ہونگے
ہمارے بعد ہی محسوس اک کمی ہوگی

اللہ تعالی ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔ہمیں علیحدہ نہ سمجھئے ہم بھی قابل تعزیت لوگوں میں سے ہیں کیونکہ ہمارا خاندانی تعلق بھی حضرت قاری صاحب مرحوم اور ان کے خاندان سے تھا اور اب بھی ہماری ہمدردیاں آپ حضرات کے ساتھ ہیں۔میری طرف سے مولانا محمد سالم صاحب اور دیگر احباب سے تعزیت فرمادیجئے اور یہ خط بھی

پڑھ کر میرے دلی حالات ان تک پہنچا دیجئے ۔ میں خود بھی ان حضرات کو خط لکھتا لیکن وہ مجھ سے شناسا نہیں ہیں ۔اس لئے میری طرف سے تعزیت فرما دیجئے ۔

باقی لائق کوئی خدمت ہو تو حکم فرمادیں ۔اور ہاں یاد آیا آپکا تو حج کا بھی ارادہ تھا اگر حج پر آنا ہو مجھے مطلع فرمادیں ۔ میں حج تک مدینہ منورہ میں ہی ہوں ۔ یہاں مجھسے ملنے کی صورت صرف یہی ہے کہ مدرسہ علوم الشرعیہ نزد باب عبدالعزیز میں قاری محمد رمضان دستار تحفیظ القرآن سے میرے بارے میں معلوم کرلیں ۔ باقی آپ کے ساتھ گزرا ہوا ایک ایک لمحہ مجھے ابھی تک یاد ہے ۔آپ نے جس مشفقانہ انداز میں ہماری خاطر ومدارت کی اس کا اجر اللہ تعالی کی ذات ہی دے سکتی ہے باقی میری طرف سے دیگر احباب کو سلام حافظ فرقان احمد صاحب اور ابوالفیض صاحب کو بھی خصوصی سلام ۔

والسلام

منجانب میرا پتہ

نیاز مند حبیب الرحمٰن حبیب لدھیانوی

معرفت قاری محمد رمضان صاحب

پوسٹ باکس نمبر ۷۰۶ مدینہ منورہ سعودی عرب

برادر محترم !بعد التحیات ۔۱۷رجولائی کو شب میں ریاض سے اچانک ایک ساتھی نے فون پر یہ خبر دی ۔کہ

وہ جو بانٹتے تھے دوائے دل　　　وہ دکان اپنی بڑھا گئے

آہ ثم آہ ثم آہ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔اف یہ محرومی!

فما کان قیس هلكه هلك واحد　　　ولكنه بنيان قوم تهدما

فصبر جميل والله المستعان

دل ودماغ پر ایسی سراسمگی طاری ہے کہ جو لکھتا تھا وہ بھی نہیں لکھ پا رہا ہوں یہاں

خانوادہ قاسمی، ختم قرآن پاک اور دعا وایصال ثواب کیلئے کل ۲۲ر جولائی کو جمع ہو رہا ہے ایسا لگ رہا ہے کہ حضرت مخدوم و مرحوم سامنے تشریف فرمائیں اور فرما رہے ہیں!

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کرینگے جام و پیمانہ مجھے

فتغمده الله بغفرانه ورضوانه واسكنه فسيح جناته ۔بس۔اب قلم بھی نہیں چل رہا ہے۔

شریک غم
انیس الخرج سعودی عربیہ

عزت مآب جناب محترم ومکرم مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امابعد۔اللہ تعالی کی حمد ثناء اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام کے بعد عرض ہے کہ جناب کے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ کی وفات حسرت آیات کی خبر سن کر دل کو بہت صدمہ پہنچا۔

حضرت والا موت کا وقت مقرر ہے اور وقت مقررہ پر موت کا آنا ہے۔انسان کا اس میں کوئی بس نہیں چلتا جبکہ قرآن پاک نے فیصلہ کر دیا ہے تو انسان کا کچھ دخل نہیں۔كل نفس ذائقة الموت ۔صرف اللہ تعالی نے اپنے متعلق فرمایا ہے كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام. عالی جاہ! میں اور میرے والد صاحب صفی اللہ، اور میرے حضرت مولانا فضل مولی صاحب مدظلہ محمد یوسف صاحب شیخ محمد ناصر صاحب آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور دست بدعا ہیں کہ رب کریم آپ کے والد مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں اعلی مقام عطا فرمائے اور آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین) اللہ تعالی

ہمیں اور تمام مسلمانوں کو جناب کے والد صاحب کے فیوض و برکات سے مستفید فر
مائے اور علماء دیوبند سے وابستہ فرمائے (آمین)

اللہ تعالیٰ آپ کو اس حدیث پاک کا صحیح مصداق بنائے (خیر الناس من ینفع الناس)

شریک غم آپ کا خادم

محمد فاضل بن صفی اللہ

بنگلہ نمبر ۵۳ سرونٹ کوارٹرز گارڈن روڈ،

پی، اے، ایف، اکیڈمی رسالپور۔ (پاکستان)

آہ! حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ، علم کا آفتاب غروب ہو گیا۔

آج ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء ۶ر شوال ۱۴۰۳ھ کو ۳ر بجے دن کو ریڈیو پاکستان سے یہ المناک خبر سنی گئی کہ (حضرت) ہاتھ لکھتے ہوئے کانپ رہے ہیں، یہ خبر کیسے لکھی جائے، دل رو رہا ہے، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، ایسا محسوس ہوا کہ زمین پیروں سے نکل گئی، سارے عالم میں اندھیرا چھا گیا، سارے سننے والے سکتے کے عالم میں ہو گئے، وہ جانکاہ خبر یہ تھی کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم مدرسہ دار العلوم دیوبند کا انتقال ہو گیا، یہ خبر کیا تھی گویا ایک بجلی سی گری، علم کا آفتاب غروب ہو گیا، تصوف کا چراغ گل ہو گیا، ہم سب خادمین، معتقدین بے سہارا ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب حضرتؒ کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی رہیں گی، حضرتؒ کی کمی کبھی پوری نہیں ہوگی، یہ خلا پر نہ ہونے والا خلا ہے، باری تعالیٰ جناب قاری صاحبؒ پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام مرحمت فرمائے۔

اب اللہ ہم سب خادمین کے لئے بھی کوئی بہتر بدل مرحمت فرمائے، میرے محترم ومکرم بھائی مولانا محمد سالم صاحب، نیز دوسرے بھائیوں کی طرح میں بھی رنج

وغم میں مبتلا ہوں ، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو اور مجھے بھی اس عظیم صدمے کو برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے ،آپ حضرات کے صدمے میں ہم سب برابر کے شریک ہیں خدارا آخری ایام میں حضرت کی جو کیفیت تھی مختصراً تحریر فرمائیں ، عین نوازش ہوگی۔

آج ۱۸ر جولائی ۱۹۸۳ء کو صبح اخبار جنگ میں جناب قاری محمد طیب صاحبؒ کے انتقال کی خبر تفصیل سے شائع ہوئی افسوس اور صبر کے سواء کوئی چارہ نہیں ، باری تعالیٰ آپ سب حضرات کو صبر عظیم مرحمت فرمائے (آمین)

میں نے ایک عریضہ ۲۰ ر رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ کو بھی روانہ کیا تھا خدا کرے وہ لفافہ آپ کو مل گیا ہو، اس وقت تک حضرت قاری صاحبؒ کی علالت کی خبر مجھے نہ تھی، غالباً ۲۲ ر رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ کو اخبار جنگ میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حضرت قاری صاحب دہلی میں کسی ہسپتال میں داخل ہیں اسی وقت سے طبیعت میں ایک ہیجانی کیفیت تھی۔

حضرت قاری صاحبؒ میرے مصلح ، مربی بھی تھے اور پیر بھائی بھی ، حالانکہ حضرت قاری صاحبؒ میرے لئے ایک باپ کی طرح تھے گرچہ مجھ سے دور تھے مگر مجھے اطمینان تھا کہ باپ کا سایۂ سرپستی موجود ہے، ڈھارس تھی مگر اب بے سہارا سی کیفیت ہے، کیسے آپ کو اپنے دل کی دھڑکن دکھلاؤں۔

فقط

آپ کا غمگین بھائی

بندہ امام الدین ولد حاجی نظام الدین صاحبؒ عفی عنہ

پتہ: امام الدین: مکان نمبر ۴۶/۷ روڈ گلی نمبر ۴/ متصل مسجد ریاض

محترم المقام جناب صاجزادہ صاحب دام ظلہم العالی

السلام علیکم کے بعد عرض ہے کہ مرشدنا ومقتدنا ، رہنمائے سالکان وپیشوائے عافان حضرت محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر قلبی صدمہ ہوا، خبر سنتے ہی دو رکعت نماز پڑھی اور حضرت کی مغفرت اور پسماندگان کی پریشانی اور غم دور کرنے کے لئے دعاء مانگی ، اور بہت رویا، کیوں کہ اگر حضرت آپ کے والد ماجد تھے تو میرے مرشد وآقا اور استاذ تھے، اس لئے میں آپ کے ساتھ اس غم میں شریک ہوں اور بارگاہ ایزدی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس سانحہ عظیم کا ہم سب کو اجر عظیم عطا فرمائیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے ہم سب کا غم دور فرما کر دین قیم کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس میں آرام کرنے کی نعمت مرحمت فرمائیں (آمین)

چونکہ موت باذن اللہ آتی ہے، اس لئے ہم کو رضائے الہی پر راضی رہنا چاہئے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا میں مصروف رہنا درکار ہے۔

یہ چند سطور بطور تعزیت لکھ دیے ہیں، غلطی معاف فرمائیں اور دعاؤں میں یاد فرمایا کیجئے۔

فقط والسلام

محمد نعمان شاہ

مستقل پتہ

محمد نعمان شاہ ابن مولوی سید عثمان صاحب

ساکن بیکا تحصیل صوابی ضلع مردان، پاکستان

عزیز القدر صاحبزادہ مولانا محمد سالم صاحب زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قبلہ جناب مخدومی، والد بزرگوار قاری صاحب کے انتقال کے باعث دل میں سخت صدمہ ہوا، مگر اب بجز صبر کے کوئی چارہ در کار نہیں، دعاء ہے کہ ذات کریمی خاص اپنے فضل سے مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائیں، آپ اور سب عزیزان کو صبر جمیل کی توفیق میسر ہو۔

والسلام مع الاکرام

آپ کا خادم محمد طیب غفرلہٗ فاضل دیوبند

حال موجودہ رہائش

ساکن حاصل پور ڈاکخانہ خاص ضلع بہاول پور پاکستان

ربعد محمد طیب مدرس عربی ہشدہم

مورخہ ۱۸؍اگست ۱۹۸۳ء

برادرم محترم المقام مولانا محمد سالم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پس از سلام مسنون خدمت عالیہ میں گزارش یہ ہے کہ چند روز پہلے آپ کے والد ماجد حضرت مہتمم صاحبؒ کی وفات کی دل گداز خبر سے ہم کو بے حد دلی صدمہ لاحق ہوا، خیر۔

مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ

یہ واقعہ صرف آپ کے یا ہمارے لئے ہی باعث صدمہ نہیں ہے، بلکہ دارالعلوم دیوبند کے واسطے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، میں انشاء اللہ عید قرباں کے بعد ہی حضرت مہتمم صاحبؒ اور دیگر اساتذہ کرامؒ کی قبر کی زیارت اور زندہ احباب کی ملاقات

کی خاطر حاضر خدمت ہو جاؤں گا، اس وقت آپ کے مہمان بننے کا ارادہ ہے۔

۸۰ھ میں صد سالہ اجلاس کے موقع پر میں دیو بند گیا تو تھا، مگر شدت اژدھام کی وجہ سے آپ سے ملاقات نہ کر سکا، میں ۱۹۴۸ء میں دار العلوم دیو بند سے فارغ ہو چکا تھا، اس وقت مجھ کو آپ کے ہم سبق ہونے کا شرف حاصل ہو چکا تھا، اس لئے میں اپنے آپ کو جناب کا چھوٹا بھائی تصور کرتا ہوں۔

امید قوی ہے آپ مجھے اپنے چھوٹے بھائی تصور کر کے خط ہذا کا جواب دیکر ممنون فرمائیں گے۔

عرض گذار:

محمد نور الاسلام

مدرس فنلاسین عالیہ مدرسہ ڈاک خانہ علیم نگر ضلع میمن سنگ، بنگلہ دیش

محترمی و مکرمی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

السیدی و مرشدی جناب قبلہ ماہی، حضرت والا قاری محمد طیب صاحبؒ کی اس جہان فانی سے رحلت میرے لئے اور میرے جیسے اور بہت ساروں کے لئے صدمۂ جانکاہ ہے، حضرت والا کی شخصیت کو اب بھی اپنے لئے باعث برکت جانتا ہوں، اللہ کریم اپنے ان بزرگ ہستی کو جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں، اور درجات کو بلند فرمائیں، آمین، ثم آمین۔

اللہ کریم آپ حضرات متعلقین کو صبر جمیل عنایت فرمائیں اور اجرِ عظیم بالعوض صبر جمیل عطا فرمائیں، آمین ثم آمین۔

والسلام

ناچیز محمد اکرام الحق چودھری عفی عنہ وحدت روڈ (لاہور)

فکر ولی اللہی کے چلتے پھرتے عنوان، حجۃ الاسلامؒ کے علوم کے شارح، شیخ الہندؒ کے جذبے اور خیال کے حامل، امام العصرؒ کے علوم وکمالات کے ترجمان، اکابر دارالعلوم کے زہد وتقویٰ، فضل وکمال اور بلند اخلاق وکردار کے نمونے، حق وصداقت کے پیکر، صبر ورضا کے کوہِ گراں، امانت ودیانت کی نورانی شخصیت، مظلومیت کی ایک کرب انگیز داستان کے مرکز، اہتمام وانتظام کی مثالی ہستی، دیوبندیت کی آخری نشانی علمی بصیرت، فقہی مہارت، تحقیقی عظمتوں کے بلند وبالا مینار، خطابت وبیان کا حسین مجسمہ، سلوک وتصوف کی روشن قندیل، بیعت وارشاد کا مقدس چراغ، وعظ وتلقین کی پاکیزہ کڑی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی زندگی کے ہر گوشے تک رسائی کی ایک کوشش، ان کی خدمات کو اجاگر کرنے کی ایک سعی، ان کے کارناموں کو جاننے کا ایک جذبہ، ان کی ساٹھ سالہ عظیم مساعی کا ایک جائزہ، ہر سطر، ہر صفحہ، ہر ورق، حقائق، صداقتوں اور سچائیوں سے لبریز، اس مردِ مومن کے حالات اور واقعات کا ذکر جو زندگی کے آخری چند سالوں میں بے چینی، بے قراری، کرب اور دل آزاری کے زخموں سے چور تھا، جس نے اتنے زخم کھائے کہ وقت رو پڑا آسمان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے مگر ظالموں نے اس کے جسم کو لہو لہان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

حکیم الاسلامؒ دارالعلوم دیوبند کی ایک مظلوم شخصیت: ایک آئینہ ہے ایک ایسا آئینہ جس میں کوئی چہرہ دھندلا نہیں، کوئی واقعہ ادھورا نہیں سب کچھ کھلا ہوا اور صاف شفاف ہے۔

(مؤلف)

IDARA ANWARUL QURAN DEOBAND
247554 DISTT SAHARANPUR U.P.